مراثی میر انیس مرحوم
جلد ۲
در مطبع تیج کمار وارث نول کشور پریس واقع لکھنؤ طبع گردید
قیمت بلا جلد ۸ روپیہ

فہرست

مرثیہ و رباعیات و سلام میر انیس جلد دوم

من قال فینا بیتاً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ

ذریعہ اشک ریزی و سعی سنین وسیلہ حصول حسنات بعزاداران ائمہ طاہرین مجموعہ نفیس

یعنی

مراثی میر انیس مرحوم

جلد دوم

از کلام ندرت التضام سرآمد مرثیہ گویان نامی شہرہ جہان گرامی

میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

مطبع منشی تیج کمار وارث نولکشور پریس واقع لکھنؤ میں طبع ہوا

باہتمام ایم۔ ڈی۔ مصرا سپرنٹنڈنٹ

مرثیہ

فخرِ ملک و اشرفِ آدم ہے محمدؐ
حقا کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ
اکلیلِ سرِ عرشِ معظم ہے محمدؐ
آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرارِ احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

۲
مختارِ زمیں باعثِ افلاک نبیؐ ہے
مصباحِ حریمِ حرمِ پاک نبیؐ ہے
والا گہرِ قلزمِ لولاک نبیؐ ہے
شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا یہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

۳
آدم ہے وجودِ شہِ لولاک سے آدم
سر رشتۂ دہر اس کا اگر ہوتا نہ محکم
عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
تو ہوتے نہ اضداد و عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایاتِ محمدؐ
ہے باعثِ ایجادِ جہاں ذاتِ محمدؐ

۴
وہ پیشتر و خیلِ رسولانِ سلف ہے
یہ دُرِ یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے
آدم کو اسی نورِ الٰہی سے شرف ہے
کرتا ہے پدر فخر زہے شانِ خلف ہے
پیغمبرِ برحق کی ہو کیا نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجادِ نبیؐ سے

۵
جز ذاتِ خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالمِ امکاں
اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پر سبھی مہماں
تھا خلقِ دو عالم سے وہی مقصدِ یزداں
باطن میں بھی فیض اس کا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اوّل بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وہی ہے

۶
معراج ہے جو اس کو ملا رتبۂ اعلا
اللہ رے جو قرب محمدؐ تھا کہوں کیا
یہ رتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
قوسین کا ہے فرق جہاں رتبۂ ادنیٰ
جبریلِ امیں کو بھی نہ واں دخل کی جا تھی
یا احمدِ مختار تھے یا ذاتِ خدا تھی

۷

اللہ نے دی تھی اسے کونین کی شاہی — اُمّی تھے یہ تھا دل میں بھرا راز الٰہی
دی سنگ نے اُس شہ کی رسالت پہ گواہی — اشجار بھی اعجاز سے اس کے ہوئے راہی
دی مُردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو — دو ٹکڑے کیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

۸

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ہے — پیش عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ہے
ہے کون عدیل اُس کا کہ وہ سایۂ رب ہے — دُنیا میں کسی سائے کا سایہ کہو کب ہے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا — بے سایہ ہے یہ جاں کی طرح سایہ کہاں تھا

۹

پہلے کیا اللہ نے جس چیز کو پیدا — لکھا ہے کہ وہ نور جنابِ نبوی تھا
دس سو برس اس دن سے وہ نورِ شہِ والا — استادہ رہا روبروے خالقِ یکتا
گہہ حمد و ثنا گہہ صفتِ قدرتِ حق تھی — اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

۱۰

اس نور سے فرماتا تھا یہ حضرتِ معبود — ہے خلق سے تو میری مراد اور مرا مقصود
عزّت کی قسم اپنی جو تو ہوتا نہ موجود — تو رہتی بنا عالم ایجاد کی نابود
پیدا کبھی کرتا نہ زمیں کو نہ فلک کو — دوزخ کو، نہ جنّت کو، نہ آدم، نہ ملک کو

۱۱

جو تیرا محب ہے ہمیں اُس سے ہے محبت — جو تیرا عدو ہے ہمیں اس سے ہے عداوت
دی ہم نے تجھے سارے رسولوں سے فضیلت — ہر ایک کی اُمّت سے ہے بہتر تری اُمّت
نائب کسی مرسل کا نہیں تیرے وصی سا — بیٹی تجھے دی فاطمہ سی خویش علیؑ سا

۱۲

سبطین وہ بخشے تجھے جو ہم کو ہیں پیارے — ہم ان کے رضا جو وہ رضا جو ہیں ہمارے
ہیں عرشِ معلّیٰ کے وہ تابندہ ستارے — بخشائیں گے اُمّت کے ترے جرم وہ سارے
جو مرتبے تیرے ہیں وہ اوروں کے کہاں ہیں — وہ ختمِ رسل ہیں وہ شفیعِ دو جہاں ہیں

۱۳

اک بار یہ سن کر سخنِ خالقِ اکرم — سجدے کے لئے جھک گیا وہ نورِ مجسّم
بالا کیا سجدے سے سرِ پاک کو جس دم — پیشانی سے تب نور کے قطرے گرے باہم
اس نور کے قطروں سے پیمبر ہوئے پیدا — دریائے نبوت سے یہ گوہر ہوئے پیدا

۱۴

ان سب سے جنابِ احدی نے یہ ندا کی — پہچانتے ہو منزلت و قدر کو میری
پہلے سبھوں سے نورِ محمدؐ نے صدا دی — لاریب ہے تو خالق و معبودِ حقیقی
سجدہ تجھے واجب ہے کہ تجھ سا نہیں کوئی — تو رب ہے ہمارا ترا ہمتا نہیں کوئی

۱۵

تب کرسی و لوح و قلم و عرشِ معلّیٰ — انجم و مہ و مہر و ملک و گنبدِ خضرا
شام و سحر و ظلمت و ضو جنت و دنیا — اللہ نے سب نورِ نبی سے کئے پیدا
حق یہ ہے کہ باعث یہ ہے وہ عالم کا بنا کا — کیا رتبہ ہے کیا فیض ہے محبوبِ خدا کا

۱۶

اس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمدؐ و حیدرؑ
اور پھر کیے ہر حصے کے دو حصے مکرر
پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطین پیمبر
زہراؑ کو بھی اس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتن پاکؑ کا نقشہ کیا پیدا

۱۷

انساں سے بھلا ہو سکے ایسوں کی ثنا کد
واللہ علیؑ سے ہیں علیؑ تک سبھی امجد
اک نورِ محمدؐ سے ہیں یہ تا بہ محمدؐ
بعد ایک کے ایک ان میں سے ہے صاحبِ مسند
سمجھے نہ کوئی یہ کہ محمدؐ سے جدا ہیں
اک سیب کے ٹکڑے ہیں یہ سب نورِ خدا ہیں

۱۸

آدم کو کیا فوجِ ملائک نے جو سجدا
ہے یوسفِؑ یعقوبؑ کے جو حسن کا شہرا
یہ نورِ محمدؐ کا فقط پاسِ ادب تھا
تھا واں بھی فقط نورِ محمدؐ ہی کا جلوا
اک صاعقہ گرتے ہوئے جو دور سے دیکھا
موسیٰؑ نے اسی نور کو تھا طور سے دیکھا

۱۹

یہ ظلم ہوا کون سے مرسل کے حرم پر
اور کس کی نواسی پھری بلوے میں کھلے سر
گھر جل گیا چھینا گیا کس کا زر و زیور
تا شام گئی راہ میں بے مقنعہ و چادر
اس پر بھی رہائی نہ ملی رنج و محن سے
گردن کو جو کھولا تو بندھے ہاتھ رسن سے

۲۰

بیٹی کو کہو کونسے مرسل کی ستایا
داماد کا حق کون سے مرسل کے بٹایا
کس کے شکمِ پاک پہ دروازہ گرایا
گردن میں رسن باندھ کے کس کو ہے پھرایا
مقتول کہو کس کا نواسا ہوا سم سے
کس پیاسے کا کاٹا ہے گلا تیغِ ستم سے

۲۱

اللہ نے رتبے تو محمدؐ کو یہ بخشے
ہر چند کہ سب موردِ آفات و بلا تھے
ہیں سارے رسولوں سے زیادہ شرف ان کے
پر ایسے مصائب بھی کسی نے نہیں دیکھے
کیا کیا نہ دیے رنج انھیں اہلِ جفا نے
آرام نہ پایا کبھی محبوبِ خدا نے

۲۲

حق یہ ہے کہ ہوتی ہے جسے حق سے محبت
نیکوں کے لئے خلق میں کیا کیا ہے اذیت
سہنے ہیں وہ درد و الم و رنج و مصیبت
منھ پر ہے کھلا ان کے درِ محنت و حسرت
خاصانِ خدا ممتحنِ جور و جفا ہیں
اربابِ ولا جو ہیں وہ پابندِ بلا ہیں

۲۳

پہلے تو مصیبت یہ ہے شاہِ دوسرا کی
جس دم چھ برس کے ہوئے قدرت سے خدا کی
تھے بطن میں مادر کے کہ والد نے قضا کی
مادر نے بھی لی راہ گلستانِ بقا کی
دو صدمے ہوئے دُرِّ یتیمی کے جگر پر
دادا کے سوا کوئی نہ باقی رہا سر پر

۲۴

بن باپ کے فرزند کا تھا پالنا مشکل
جب آٹھ برس کا ہوا وہ سرورِ عادل
دادا رہا ہر امر میں پوتے کا کفیل
دادا کو بھی درپیش ہوئی گور کی منزل
پھر راحت و آرام کی صورت کہو کیا تھی
تنہائی کی آفت تھی یتیمی کی بلا تھی

۲۵

جز ذاتِ خدا کوئی نہ تھا یار و مددگار
بابا کا تو دیکھا بھی نہ تھا آپ نے دیدار
مادر نہ تھی جو چھاتی سے لپٹا کے کرے پیار
رو دیتے تھے دادا کے لئے دن میں کئی بار
بیکس پہ عجب حادثہ طفلی میں پڑا تھا
آنسو بھی کوئی پونچھنے والا نہ رہا تھا

۲۶

وہ صغر سن اور آہ وہ تنہائی کی آفت
کفار سے رہتا تھا زبس خوف اذیت
تھا اک دلِ نازک پہ وفورِ غم و محنت
چھپ چھپ کے کیا کرتے تھے خالق کی عبادت
مظلوم کی طاعت کی ثنا کرتے تھے قدسی
احمدؐ کی یتیمی پہ بکا کرتے تھے قدسی

۲۷

کرتا تھا فرشتوں کو ندا خالقِ اکبر
ہر آن حفاظت کے لیے میں تو ہوں سر پر
محبوب مرا گرچہ ہے بے والد و مادر
بھیجو صلوات اور سلام اس پہ مکرر
حاجت ہے محمدؐ کو نہ مادر نہ پدر کی
ہوتی ہے یتیمی سے فزوں قدر گہر کی

۲۸

خالق کو یہ توقیر تھی جس شاہ کی منظور
جب حق نے کیا دعوتِ اسلام پہ مامور
چالیس برس ان کو ستاتے رہے مقہور
بس دشمنِ جاں ہو گئے سب کافر و مغرور
راحت نہ ملی بادشہِ جن و بشر کو
ہر اک نے کیا قتل محمدؐ پہ کمر کو

۲۹

جن لوگوں سے فرماتے تھے یہ احمدِ مختار
جز حق کے نہیں کوئی پرستش کا سزاوار
اے قوم نہ اصنام کو سجدہ کرو زنہار
قائل ہو خدا کے کلمہ کا کرو اقرار
وہ کہتے تھے ساحر ہے جواب اس کا نہ دو تم
کذّاب ہے کاذب کی نصیحت نہ سنو تم

۳۰

تھا خار کوئی راہ میں اس گل کے بچھاتا
دانائے زماں کو کوئی دیوانہ بناتا
اور سنگ دلی سے کوئی پتھر تھا لگاتا
اس چاند پہ کوٹھے سے کوئی خاک گراتا
پُرخوں نظر آتا تھا سر و روئے مبارک
بھر جاتے تھے سب خاک میں گیسوئے مبارک

۳۱

کفارِ قریش آپ کے تھے در پئے ایذا
گردن میں ردا ڈال کے اس زور سے کھینچا
دو بار بہم ہو کے سبھوں نے کیا نرغا
جو صدمے سے دم گھٹ گیا محبوبِ خدا کا
یاں تک تو عداوت تھی ابوجہلؔ لعیں کو
مجروح کیا سنگ سے حضرت کی جبیں کو

۳۲

تنگ آن کے اس شاہ نے کی کعبہ سے ہجرت
ہشتاد و سہ بار اُن سے لڑے اہلِ شقاوت
تو بھی نہ ملی ہاتھ سے ملعونوں کے راحت
منظور تھا کر دیجئے گُل شمعِ رسالت
بے دینوں نے کی سخت بدی شاہِ اُمم سے
توڑا درِ دندانِ نبی سنگِ ستم سے

۳۳

جس شمع کی ہو روشنی اللہ کو منظور
جوں جوں ہوئے جویائے زوال اُن کے وہ مقہور
ہوتا ہے فروغ اس کا زمانے سے کہیں دور
ہوتا گیا خورشیدِ ہدایت کا فزوں نور
پانی جو دیا آبِ دمِ تیغِ علیؑ نے
سر سبز کیا گلشنِ اسلام نبیؐ نے

۳۴

جس وقت ہوا کفر و ضلالت سے جہاں پاک
رونے کی ہے جا سینے میں ہوتا ہے جگر چاک
اور دور ہوا گلشنِ دیں سے خس و خاشاک
بیمار مدینے میں ہوئے سیّدِ لولاک
اک بار خزاں آگئی ہستی کے چمن میں
طاقت نہ رہی بیٹھنے اٹھنے کی بدن میں

۳۵

تھی شدتِ تپ دم بہ دم اور ضعف تھا طاری
چھاتی سے لگا بیٹی کو با گریہ و زاری
تھے فاطمہؑ کے حال پہ اشک آنکھوں سے جاری
فرماتے تھے میں تجھ پہ فدا اے مری پیاری
اٹھنا مرا دنیا سے ترے حق میں ستم ہے
دشمن تجھے دکھ دیں گے جو غم ہے تو یہ غم ہے

۳۶

حیدرؑ کو کبھی دیکھ کے پاس اپنے بلاتے
پہلو میں کبھی دونوں نواسوں کو بٹھاتے
کس پیار سے داماد کو چھاتی سے لگاتے
کچھ سوچ کے منھ چومتے اور اشک بہاتے
فرماتے تھے دونوں پہ فدا جانِ محمدؐ
پژمردہ ابھی سے ہیں یہ ریحانِ محمدؐ

۳۷

افسوس مرے بعد ستم ہوئے گا اُن پر
مظلوم پہ کچھ رحم نہ کھائیں گے ستم گر
یہات مصیبت میں پڑیں گے مرے اصغر
آرام جہاں میں نہ ملے گا انھیں دم بھر
ناچار انھیں چھوڑتا ہوں آفتِ بد میں
ان کے لئے تڑپے گی مری روح لحد میں

۳۸

چھاتی پہ انھیں کون سلاوے گا مرے بعد
کون ان کے بھلا ناز اٹھاوے گا مرے بعد
کاندھے پہ انھیں کون چڑھاوے گا مرے بعد
رو دیں گے یہ چین ان کو نہ آوے گا مرے بعد
ماں باپ کو تو ہوش نہ ہوگا مرے غم میں
کون ان کی خبر لیوے گا اس درد و الم میں

۳۹

یہ کہتے تھے اور تھی مرض الموت کی شدّت
فرمایا ہوئی گھر میں جو اصحاب کی کثرت
تھی بستر آزار سے اٹھنے کی نہ طاقت
نزدیک ہے اب دارِ فنا سے مری رحلت
اندیشے کی جاگہ ہے یہ عبرت کا محل ہے
جو زندہ ہے اک دن اسے درپیش اجل ہے

۴۰

تم سے یہ وصیت ہے کہ حق سے نہ گزرنا
ہر دم غضب و عزّتِ معبود سے ڈرنا
جو سنّت و واجب ہو خلاف اس کے نہ کرنا
زنہار قدم راہ ضلالت میں نہ دھرنا
واللہ فوائد ہیں بڑے حق کی رضا میں
مرتد ہے کرے گا جو خلل حکمِ خدا میں

۴۱

تم پاس ہوں میں چھوڑتا دو امر عظیم اب
ناجی ہے وہ ان دونوں سے رکھے گا جو مطلب
قرآن ہے اور عترت اطہار مرے سب
جو ہوگا خلاف ان سے نہ بخشے گا اسے رب
ان میں سے ہر اک مصحفِ ایماں کا ورق ہے
تابع رہو ان کے یہ رضا مندئ حق ہے

۴۲

واللہ اگر ان کی رضا مندی ہے درکار
آزار مجھے دو گے جو دو گے انھیں آزار
تم ان سے خصومت نہ کبھی کیجو خبردار
دونوں یہ جدا مجھ سے نہیں ہو دیں گے زنہار
میں ساتھ تمھارے ہوں جو ساتھ ان کے رہو گے
مجھ سے اسی تقریب سے کوثر پہ ملو گے

۴۳
پھر یوں کہا حیدرؑ کی طرف کرکے اشارا
واللہ مرے بعد یہ رہبر ہے تمھارا
عاشق ہوں میں اس کا کہ خدا کا ہے یہ پیارا
رنج اس کو کوئی دے یہ نہیں مجھ کو گوارا
سمجھے نہ وصی جو اسے باعث ہے وہ شر کا
مختار ہے یہ احمدِ مختار کے گھر کا

۴۴
بھائی بھی یہ میرا ہے وصی بھی ہے یہ میرا
جو دین ہے مجھ پر یہ ادا اس کو کرے گا
اک نور سے میں اور یہ ہوا خلق میں پیدا
جو وعدے ہیں میرے یہ کرے گا انھیں ایفا
یہ واقفِ گنجینۂ اسرار نہاں ہے
یہ حجتِ حق ہے یہ امام دو جہاں ہے

۴۵
جو دوست ہے اس کا وہ مرا دوست ہے واللہ
رتبے سے علیؑ کے میں تمھیں کرتا ہوں آگاہ
دشمن ہے جو اس کا مرا دشمن ہے وہ گمراہ
جو اس سے بغی ہووے گا کافر ہے وہ بدخواہ
جس کو کہ یقیں اس کی امامت کا نہیں ہے
قائل وہ محمدؐ کی رسالت کا نہیں ہے

۴۶
جو حکم علیؑ کا ہے وہی حکمِ خدا ہے
جو کام یہ کرتا ہے مناسب ہے بجا ہے
نہی اس کی جو ہے نہی رسولؐ دوسرا ہے
ناحق کوئی حق اس کا جو چھینے تو خطا ہے
میں دشمنِ حیدرؑ پہ رعایت نہ کروں گا
محشر میں کبھی اس کی شفاعت نہ کروں گا

۴۷
یہ وہ ہے رہا راہِ خدا میں جو مجاہد
پیدا ہوا جب خلق میں اس کا ہوں میں شاہد
یہ سابق الایماں ہے یہ ہے عابد و زاہد
سجدہ نہ کیا اور کو جز خالقِ واحد
اک عشق ازل سے ہے اسے ذاتِ خدا سے
ہم نام خدا ہے یہ عنایاتِ خدا ہے

۴۸
بیشک حق و باطل کو جدا اس نے کیا ہے
یہ صاحبِ لولاک کے کاندھے پہ چڑھا ہے
کعبے میں قدم مہرِ نبوت پہ دھرا ہے
خالق نے اسے رتبۂ معراج دیا ہے
یہ جرم گنہگاروں کا بخشائے گا رب سے
ہوگی مری امت کی نجات اس کے سبب سے

۴۹
زوجہ اسے زہراؑ سی ہے خالق نے عطا کی
ہے گو کہ وہ مخدومۂ عالم مری بیٹی
وہ میرا کلیجہ ہے تو یہ جان ہے میری
میں کرتا ہوں تعظیم یہ اس کی ہے بزرگی
اس نورِ نظر پر یہ مرے حق کا کرم ہے
باخطِ جلی عرش پہ نام اس کا رقم ہے

۵۰
واللہ ستانا مری بیٹی کا زبوں ہے
تسلیم کو اس کی فلکِ پیر نگوں ہے
وہ مریم و حواؑ سے بھی رتبے میں فزوں ہے
وہ پارۂ تن ہے مرا اور یہ مرا خوں ہے
جو بعد مرے نیک سلوک اس سے کرے گا
میں قبر میں آؤں گا وہ جس روز مرے گا

۵۱
شاد اس کو کیا جس نے مجھے اس نے کیا شاد
سمجھاتا ہوں حجت سے اسے دل سے رکھو یاد
بیداد ہوئی اس پہ تو مجھ پر ہوئی بیداد
برباد ہوا میں جو ہوئی فاطمہؑ برباد
جس شخص سے زہراؑ کا نہ کچھ زور چلے گا
وہ تا بہ ابد آتشِ دوزخ میں جلے گا

۵۲

تم سب میری بیٹی کی تو عزت سے ہو آگاہ
زوج اس کا ہے اقلیم امامت کا شہنشاہ
وہ فاقہ کش و بے کس و مظلوم ہے واللہ
پر دولت دنیا سے ہے ان دونوں کو اکراہ
جز حق کے کسی سے نہیں کچھ کہتے ہیں دونوں
اک پور لیے یہ فاقہ سے سو رہتے ہیں دونوں

۵۳

بچوں کا ہے ساتھ اور بضاعت ہے بہت کم
خالق کی عبادت میں گذرتا ہے ہر اک دم
مایہ نہیں کچھ گھر میں خدا اس کا ہے محرم
آزردہ زہرا کو نہ چھینے کوئی اظلم
ہر چند کہ حاصل جو فدک کا ہے وہ کیا ہے
پر اس کو بہت ہے کہ وہ خالق نے دیا ہے

۵۴

بیٹے ہیں جو اس کے وہ مرے لخت جگر ہیں
بحرین ہیں زہرا و علیؑ اور وہ گہر ہیں
دونوں فلک عز و شرافت کے قمر ہیں
اللہ کے پیارے ہیں محمدؐ کے پسر ہیں
ناخوش کیا خالق کو اگر ان پہ جفا کی
کیجو نہ خیانت یہ امانت ہیں خدا کی

۵۵

سن سن کے یہ کہنے لگے اصحاب موافق
کس پر نہیں روشن شرف مصحف ناطق
فرماتے ہیں وہ آپ ہے جو مرضی خالق
ان باتوں سے جل جل کے ہوئے خاک منافق
موذی تھے عداوت سے نہ باز آتے تھے ظالم
جوں مار سیہ طیش سے بل کھاتے تھے ظالم

۵۶

حال ان کا نظر آیا جو سلطان امم کو
تحریر تمہارے لئے کچھ کرنا ہے ہم کو
فرمایا کہ لے آؤ دوات اور قلم کو
تا راہ ضلالت سے رکھو باز قدم کو
واللہ عمل گر مرے لکھنے پہ کرو گے
پھر حشر تلک تم کبھی گمراہ نہ ہو گے

۵۷

اک شخص چلا لینے دوات اور قلم جب
پھر آ ہمیں تحریر نبیؐ سے نہیں مطلب
کہنے لگا از راہ عداوت یہ کوئی تب
قرآن ہی کافی ہے ہمارے لئے از بس
کہتا ہو جو ہذیاں اسے کب ہوش و خرد ہے
اس وقت کی تقریر نہ تحریر سند ہے

۵۸

تکرار سے ان سب کی جو اک غل ہوا برپا
کیا ظلم ہے کیا قہر ہے واحسرتا و دردا
اس صدمے سے محبوب الٰہی کو غش آیا
تحریر وصیت کے بھی مانع ہوئے اعدا
کہنا ہذیان کا کلمہ حق میں نبیؐ کے
محبوب خدا سے یہ سخن بے ادبی کے

۵۹

اے مومنو انصاف کی جا ہے وہ پیمبر
جو کچھ ہے کلام اس کا نہیں وحی سے باہر
جس کے لئے قرآں میں کہے خالق اکبر
ہذیان کہے اس شخص کے حق میں وہ ستمگر
کونین میں لعن اس پہ کیوں حشر تلک ہو
کافر ہے وہ خود کفر میں اس کے جسے شک ہو

۶۰

اصحاب سے فرمایا کہ اٹھ جاؤ بس اس دم
سب اٹھ کے گھر اپنے گئے صحبت ہوئی برہم
وہ سن چکا تم سے مجھے جس بات کا تھا غم
رویا کئے تا دیر شہنشاہ دو عالم
فرمائے سخن صبر کے حیدر کو بلا کے
زہرا کو بہت پیار کیا چھاتی سے لگا کے

61
اس دن سے ہوئی اور فزوں شدتِ آزار
زہرا کبھی روتی تھیں کبھی حیدرِ کرار
جبرئیلؑ امیں نے یہ کہا آن کے اک بار
خالق نے خبر پوچھی ہے یا احمدِ مختار
ہر چند عیاں اس پہ ہر اک رازِ نہاں ہے
تم پر مگر الطاف خدائے دو جہاں ہے

62
پوچھا ہے کس طرح سے ہیں آپ کو پاتے
کیا حال ہے جو سر نہیں تکیے سے اٹھاتے
حضرت نے کہا غش پہ غش ہیں متصل آتے
الطاف خدا کے ہیں بیاں کب کیے جاتے
ایذائے مرض سے نہیں گھبراتا ہوں جبرئیل!
پر آپ کو مغموم بہت پاتا ہوں جبرئیل!

63
آکر یہ صدا دی ملک الموت نے اس دم
دو اِذن مجھے آنے کا اے سیدِ اکرمؐ!
جبرئیلؑ نے کی عرض یہ با دیدۂ پُرنم
یہ قابضِ ارواح ہے اے قبلۂ عالم
اس نے کبھی رخصت نہیں مانگی ہے کسی سے
ہے اِذن طلب حکم جنابِ احدی سے

64
بعد آپ کے یہ آج سے لے تا بہ قیامت
آنے کی کسی شخص سے مانگے گا نہ رخصت
یا اس کو بلاؤں میں جو دیں آپ اجازت
جبرئیل سے کہنے لگے اس وقت یہ حضرت
آنے دو اسے صابر و شاکر ہے محمدؐ
خالق نے بلایا ہے تو حاضر ہے محمدؐ

65
یہ سن کے اسے روح امیں نے جو بلایا
تب پاس محمدؐ کے وہ با صد ادب آیا
تسلیم بجا لا کے سخن لب پہ یہ لایا
خادم نے شرف آ کے قدم بوسی سے پایا
یہ آپ کا اعلیٰ ہے مقام اے شہِ والا
فرمایا ہے خالق نے سلام اے شہِ والا

66
فرمایا کہ گر ہو مرے محبوبؐ کی مرضی
تو جسم سے تو روح جدا کیجیو اس کی
راضی نہ محمدؐ ہو تو پھر آئیو جلدی
جو اس کی خوشی ہو وہی خوشنودی ہے اپنی
وہ کیجیو جو حکمِ رسولِؐ مدنی ہو
محبوب کی میرے نہ کہیں دل شکنی ہو

67
فرمانے لگے اس سے یہ تب سیدِ ابرار
بندے پہ ہے کیا کیا کرم ایزدِ غفار
جان و تن و احمدؐ کا ہے وہ مالک و مختار
ہر حال میں خالق کی خوشی ہے مجھے درکار
کر قبض مری روح کو مرنے سے خوشی ہوں
مشتاقِ ملاقاتِ جنابِ احدی ہوں

68
جب یہ ملک الموت سے فرما چکے حضرت
زہرا کو بلا چھاتی لگایا بصد الفت
رو کر کہا اے فاطمہ ہم ہوتے ہیں رخصت
سر پیٹ کے رونے لگی خاتونِ قیامت
زہرا کو کبھی دیکھتے تھے گاہ علیؑ کو
تر ریش بھی اشکوں سے یہ رقت تھی نبی کو

69
پھر ہاتھ میں حیدر کے دیا فاطمہؑ کا ہاتھ
فرمایا امانت ہے خدا کی یہ خوش اوقات
تا زیست نہ یہ ماتم میں مرے روئے گی دن رات
زہرا سے کوئی دل شکنی کی نہ کرے بات
مہمان ہے یہ اس پہ الم و غم ہے جہاں میں
واللہ حیات اس کی بہت کم ہے جہاں میں

٧٠

پھر شبرؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
رو رو کے یہ پھر حیدرِ صفدر کو سنایا
منھ چوما جبیں چومی کلیجہ سے لگایا
اب اُٹھتا ہے ان دونوں کے سر سے مرا سایا
پیارے ہیں مرے پیار بہت کیجو ان کو
جب روئیں تو چھاتی سے لگا لیجو ان کو

٧١

جس وقت نبیؐ نے یہ کہا شیرِ خدا سے
اشک ان کے کئے پاک محمدؐ نے عبا سے
رونے لگے چھاتی سے لپٹ دونوں نواسے
دونوں نے کہا رو کے رسولِ دوسرا سے
لے لو ہمیں ہمراہ جہاں جاتے ہو نانا
بے ساتھ لئے ہم کو کہاں جاتے ہو نانا

٧٢

رو رو کے پیمبرؐ نے کہا صدقے میں تم پر
غم میں مرے دے صبر تمھیں خالقِ اکبر
خالق نے بلایا ہے تامل کروں کیوں کر
ناچار ہے کیوں کر تمھیں لے جائے پیمبرؐ
فرزند تلک باپ کے کام آ نہیں سکتا
اس راہ میں ہمراہ کوئی جا نہیں سکتا

٧٣

سن کر یہ سخن شور ہوا رونے کا برپا
نزدیکِ محمدؐ ملک الموت بھی آیا
بستر پہ ہوئے راست شہِ یثرب و بطحا
فرمانِ خدا فوجِ ملائک کو یہ پہونچا
نزدیک سواری ہے رسولِ عربیؐ کی
صف باندھ کے تعظیم کرو روحِ نبیؐ کی

٧٤

دوزخ کو بجھا دو کہ ہو رحمت مری ظاہر
حورانِ بہشتی ہوں مکلل بہ جواہر
کھولو درِ افلاک مرے دوست کی خاطر
ہوں عرش کے ساکن درِ فردوس پہ حاضر
سلطانِ رسالت کی ہے آمد کوئی دم کو
پلکوں سے مصفا کرو گلزارِ ارم کو

٧٥

وہ آتا ہے جو عاشقِ صادق ہے ہمارا
وہ آتا ہے جو عرشِ معلیٰ کا ہے تارا
وہ آتا ہے جس کے لئے عالم کو سنوارا
وہ آتا ہے جو سب سے بہت ہم کو ہے پیارا
ہنگامِ تلطف ہے مدارات کا دن ہے
معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے

٧٦

یہ وہ ہے ستم جس نے سہے راہ میں میری
آئینۂ ایمان کو پھر شکل جلا دی
وہ امر کیا اس نے جو کچھ مرضی تھی میری
اسلام کو رونق مرے محبوب نے بخشی
تا زیست نہ آرام ملا اہلِ ستم سے
پر کی نہیں امت کی شکایت کبھی ہم سے

٧٧

سکانِ سموات کو واں پہونچا یہ احکام
بیت الشرفِ فاطمہ میں پڑ گیا کہرام
اور قابضِ ارواح نے یاں اپنا کیا کام
کانپ اٹھی زمیں ہل گئے مسجد کے در و بام
فریاد گئی عرش تلک شیرِ خدا کی
کونین میں غل تھا کہ محمدؐ نے قضا کی

٧٨

جبریلِ امیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
دنیا میں اب آنا ہوا موقوف ہمارا
سر پر سے پٹک تاجِ تقرب یہ پکارا
محبوبِ خدا گلشنِ ہستی سے سدھارا
رونق نہیں بے صاحبِ معراج جہاں کی
فریاد ہے اٹھی برکت آج جہاں کی

۷۹

اب کس کے لئے وحی خدا لائے گا جبریل
کیا شبر و شبیر کو سمجھائے گا جبریل
احکام رسالت کسے پہونچائے گا جبریل
اب کس کی خبر لینے کو یاں آئے گا جبریل
اب دوش پہ شفقت سے چڑھائے گا انھیں کون
اس پیار سے چھاتی پہ سلائے گا انھیں کون

۸۰

چلاتی تھی یوں بنتِ نبیؐ کوٹ کے سینا
آرام کا میرے نہ رہا کوئی قرینا
میں لٹ گئی ہے ہے ہوا ویران مدینا
طوفاں میں پڑا آلِ محمدؐ کا سفینا
بیتاب میں ہوتی تھی جو ہوتے تھے سفر میں
اب حشر تک آئیں گے نہ بابا مرے گھر میں

۸۱

فاقوں میں مری کون خبر لیوے گا آکر
کون اب کڑھے گا دیکھ کے کہنہ مری چادر
کون آن کے چھاتی سے لگاوے گا مرا سر
کون اب کہے گا فاطمہؑ قرباں میں تجھ پر
مظلوم و یتیم آج مجھے کر گئے بابا
کیا قہر ہے زہرا نہ موئی مر گئے بابا

۸۲

میں چھوٹی تھی جب سر سے اٹھیں مادرِ غم خوار
میں سوتی تھی اور آپ رہا کرتے تھے بیدار
مادر سے زیادہ مجھے بابا نے کیا پیار
فرماتے تھے آپ آکے نہ رو اے مری دلدار
منھ پر ہے عبا بیٹی سے روپوش ہیں بابا
میں رو رو کے چلاتی ہوں خاموش ہیں بابا

۸۳

ہے ہے مرے بچے ہوئے اب بے کس و مظلوم
تا حشر رہے دولتِ دیدار سے محروم
نانا کسے اب کہہ کے پکاریں گے یہ معصوم
غمگین تو تھے اور بھی یہ ہوئیں گے مغموم
ان دونوں کی مظلومی و تنہائی کا غم ہے
مادر بھی تو یہاں ہے فقط باپ کا غم ہے

۸۴

رو رو کے بیاں کرتے تھے یہ حیدرِ کرار
مرنے سے ہوا آپ کے میں بے کس و ناچار
مجبور مجھے کر گئے یا احمد مختارؐ
جز ذاتِ خدا کون ہے اب میرا مددگار
صابر رہا ایذا سہی گو فاقہ کشی کی
واللہ کمر ٹوٹ گئی آج علیؑ کی

۸۵

کن آنکھوں سے دیکھوں تمھیں ہے ہے مرے مولا
حضرت مجھے گاڑیں گے یہ تھی مجکو تمنا
نزدیک مرے آج قیامت ہوئی برپا
سو آپ اٹھے خلق سے واحسرت و دردا
کیوں کر کفن و گور کی تدبیر کروں گا
کن ہاتھوں سے میں آپ کو مدفن میں دھروں گا

۸۶

حیدرؑ یہ بیاں کرتے تھے با نالہ و افغاں
سر ننگے تھے اور چاک تھے کرتوں کے گریباں
اور شبر و شبیر کا تھا حال پریشاں
تھے نانا کی میت کے قریں خاک پہ غلطاں
منھ پر سے عبا کو کبھی سرکاتے تھے دونوں
رو کر کبھی چھاتی سے لپٹ جاتے تھے دونوں

۸۷

نانا کے کبھی چہرے سے چہروں کو ملاتے
خوابیدہ سمجھ کر کبھی بازو کو ہلاتے
ہاتھوں کو اٹھا کر کبھی آنکھوں سے لگاتے
کرتے کبھی فریاد کبھی اشک بہاتے
کہتے تھے کبھی آنکھیں نہیں کھولتے نانا
آزردہ ہیں ایسے کہ نہیں بولتے نانا

۸۸

سر پیٹ کے کہتی تھی یہ زہرا نہ جگاؤ
بس دیکھ چکے آؤ ردا منھ پہ اوڑھاؤ
اب ہاتھ سے تم نانا کے بازو نہ ہلاؤ
زاری کرو فریاد کرو خاک اڑاؤ
جیتے ہو تو دنیا میں تمھیں کیا نہ ملے گا
نانا سا مگر چاہئے دالا نہ ملے گا

۸۹

یہ سن کے وہ سر دے دے پٹکتے تھے زمیں پر
غل مسجدِ جامع میں یہ تھا ہائے پیمبر
تھا نالۂ فریاد سے ہنگامۂ محشر
منھ پیٹتے تھے ہاتھوں سے سلمانِ دلاور
ماتم تھا ملائک میں رسولِ عربیؐ کا
تھا قوم بنی جان میں غل سینہ زنی کا

۹۰

یا غسل و کفن میں متوجہ ہوئے حیدر
تھے سب تو شریک کفن و دفن پیمبر
اصحاب نبی جمع ہوئے ڈیوڑھی پہ آکر
محروم سعادت سے رہے چند بداختر
پرسا بھی دیا آکے نہ زہرا و علیؑ کو
بے چین کیا روح رسولِ عربیؐ کو

۹۱

کیا ظلم ہے کی جن کی پیمبرؐ نے سفارش
یہ دولتِ دنیائے دنی کی ہوئی خواہش
ان سے وہ ستمگار ہوئے برسرِ کاوش
سب بھولے پیمبر کے کرم اور نوازش
بس دخترِ سلطانِ رسالت سے بدی کی
کچھ عزت و توقیر نہ کی آل نبیؐ کی

۹۲

یہ حفظِ مراتب تھا کہ قرآں کو جلایا
کس ظلم سے کس جور سے زہرا کو ستایا
بے دینوں نے حق مصحفِ ناحق کو ستایا
محروم رہیں باپ کا ورثہ بھی نہ پایا
جس خطبہ پہ ہوئی مرثیہ جنّ و ملک کی
کی چھین کے پرزے وہ سند باغِ فدک کی

۹۳

بے اذن جہاں تھی نہ فرشتے کی رسائی
تھی حمل سے محسن کے محمدؐ کی وہ جائی
اُس گھر کی یہ عزت کہ اُسے آگ لگائی
پہلو پہ گرا در تو یہ فریاد مچائی
ہے ہے مجھے غم اور دیا باپ کے غم میں
بے جان ہوا محسنِ معصوم شکم میں

۹۴

ہیہات نہ اس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
مظلوم نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
کوڑا یہ ستم بازوئے زہرا پہ لگایا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
رسّی تو ادھر بندھتی تھی گردن میں علی کی
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

۹۵

جو احمد و زہرا و علیؑ کو ہوئی ایذا
ہو دیں گے کبھی ظالم و مظلوم بھی یکجا
جو ظلم و ستم شبرؑ و شبیرؑ پہ گذرا
اب جانے خموشی ہے انیسؔ آگے کہے کیا
جب حشر کو یہ دفترِ جاں سوز کھلے گا
اس ظلم کا بھی حال اسی روز کھلے گا

رُباعی

دُنیا میں محمدؐ سا شہنشاہ نہیں
باریک ہے ذکر قرب معراج رسولؐ
کس راز سے خالق کے یہ آگاہ نہیں
خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

مرثیہ

خورشیدِ حقیقت رُخِ زیبائے علی ہے
ایمان جسے کہتے ہیں تو لائے علی ہے
معراجِ امامت قدِ بالائے علی ہے
اکسیر جو ہے خاکِ کفِ پائے علی ہے
ہے نام رقم عرش پہ ہم نام خدا کا
کیا مرتبہ ہے زوجِ بتولِ عذرا کا

۲
کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدر
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدر
خلوت گہِ خلّاقِ جہاں ہے دلِ حیدر
ہے نورِ خدا روشنیِ محفلِ حیدر
وہ حجتِ خالق ہے چراغِ رہِ دیں ہے
پروانہ اسی شمع کا جبرئیلِ امیں ہے

۳
وہ گل ہے کہ جس سے چمنِ دیں کو ہو رونق
شمشیر سے اس کی جگرِ کفر ہوا شق
معنیِ کلامِ حق اسی سے ہیں محقق
ہے بعد محمدؐ کے علیؑ ہادیِ برحق
اللہ رے شرف ختم ہے رتبہ یہ علیؑ پر
کعبے میں دھرا اس نے قدم دوشِ نبیؐ پر

۴
بے فصل وہی بعد نبیؐ صدر نشیں ہے
گنجینۂ اسرارِ الٰہی کا مکیں ہے
انگشتریِ پیغمبرؐ خاتم کا نگیں ہے
وہ کعبۂ دیں، قبلۂ اربابِ یقیں ہے
کرتے ہیں ملک فخر کراماتِ علیؑ پر
ہے عرشِ معلّیٰ کو شرف ذاتِ علیؑ پر

۵
کرسی نے بھی پایا ہے اسی راہ سے پایا
اوصافِ علیؑ لکھنے کو جس وقت جھکایا
خورشید اسی کے رُخِ انور کا ہے سایا
سرِ لوح سے تا دیر قلم نے نہ اُٹھایا
لکھا کہ ہر اک سِرِّ علی اس پہ خفی ہے
اللہ کا عاشق ہے محمدؐ کا وصی ہے

۶
تحقیق کہ وہ شاہ امامِ ازلی ہے
قرآں سے ہے ثابت کہ خدا کا وہ ولی ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
یہ اس کی بزرگی کے لئے نص جلی ہے
پوشیدہ نہیں مرتبہ ظاہر ہے علیؑ کا
خارج ہے وہ ایماں سے جو منکر ہے علیؑ کا

۷
وہ مشرقِ ایماں ہے خورشیدِ درخشاں
اور رتبۂ احمدؐ کے لئے حجت و برہاں
ہے نورِ علی روشنیِ ایمنِ ایماں
تھا طور پہ وہ راہ برِ موسیِ عمراں
اعجازِ عصا دیدۂ بیضا جو وہاں تھا
وہ دستِ یداللہ سے سرِ دست عیاں تھا

۸
عالم پہ شرف بیتِ مقدس کا ہے مشہور
بے شبہ وہ ہے مولدِ شاہنشہِ جمہور
گر نور تھا کعبہ تو علیؑ نورِ علیٰ نور
فرق اس میں نہیں کچھ یہ تجلّی تھا وہ تھا طور
اِس سے انھیں رتبہ ہے اسے ان سے شرف ہے
یہ گوہرِ یکتا ہے وہ پاکیزہ صدف ہے

۹
دی جس نے اذاں کعبہ میں پہلے بہ فصاحت
وہ حیدرِ صفدر ہے وہ ہے شاہِ ولایت
اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت
مصروفِ عبادت رہے تا روزِ شہادت
خود گرچہ گرفتار رہے رنج و بلا میں
بندے بہت آزاد کیے راہِ خدا میں

۱۰

مقبول یہ تھی پیش خدا طاعت حیدر
تھا ظہر کا وقت آئے جو ناگاہ پیمبر
آرام کیا زانو پہ سر بھائی کا رکھ کر
یاں تک کہ ہوئی شام چھپا مہر منور
احمد کو جگا تو نہ سکے پاس ادب سے
پر غم تھا کہ محروم رہے طاعت رب سے

۱۱

جب احمد مختار ہوئے خواب سے بیدار
یہ حکم فرشتوں کو خدا کا ہوا اک بار
مغموم ہے طاعت کے لیے حیدر کرار
ہاں جلد کرو مہر کو مغرب سے نمودار
لازم ہے کہ واجب جو علی پر ہو ادا ہو
منظور ہے ہم کو نہ نماز اس کی قضا ہو

۱۲

جس دم یہ فرشتوں کو ہوا حکم خدا کا
تب آہنی زنجیروں سے خورشید کو کھینچا
پنہاں ہوئی تاریکی شب دن ہوا پیدا
مولا نے خوشی ہو کے کیا شکر کا سجدا
خالق کو یہ خاطر کسی مخلوق کی کب تھی
پڑھ کر جو نماز اٹھے مصلے سے تو شب تھی

۱۳

واللہ کہ ہے حب علی اعظم طاعات
مقبول خدا ہے وہ شہنشاہ خوش اوقات
سلطان امم، ختم رسل، قبلۂ حاجات
امت کے لئے کرتے تھے جب وقت مناجات
معراج میں دیکھا تھا جو قرب اپنے نبی کا
محبوب خدا واسطہ دیتے تھے علی کا

۱۴

کیا اسم مقدس ہے میں اس نام کے قرباں
یہ نام تو ہے نام خدا رونق ایماں
کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہو انساں
جب نام علی کا لیا مشکل ہوئی آساں
صحت میں توانائی کی حفاظت کو دعا ہے
بیماری میں واللہ یہ تعویذ شفا ہے

۱۵

یہ نام رہا حضرت آدم کا مددگار
اس نام ہی نے نوح کے بیڑے کو کیا پار
آتش میں گرے جب کہ خلیل جگر افگار
تھا نام یہی لب پہ جو آتش ہوئی گلزار
یوسف کو نکال آئے علی چاہ الم سے
یونس کو رہا کر دیا ماہی کے شکم سے

۱۶

افلاک پہ اوراد ملائک ہے یہی نام
انسان کو مشکل میں اسی نام سے ہے کام
یہ اسم جنوں کا ہے وظیفہ سحر و شام
اس کی برکت سے ہے خدائی کا سرانجام
اس نام سے دل جانوروں کے بھی قوی ہیں
مرغان بر و بحر ہوا خواہ علی ہیں

۱۷

لکھتا ہے مناقب میں یہ راوی دل آگاہ
گردوں سے ملک آن کے جبریل کے ہمراہ
حلقہ در جنت کا ہلاتے تھے جو ناگاہ
آتی ہے صدا اس سے علی ولی اللہ
خالی کوئی شے الفت حیدر سے نہیں ہے
اس نام کے سب خلق خدا زیر نگیں ہے

۱۸

انساں سے بیاں ہو سکے کیا رتبۂ حیدر
قرآں میں ثنا جس کی کرے خالق اکبر
تھا جمعہ کا دن بیٹھے تھے مسجد میں پیمبر
نازل ہوا جو روح امیں کھولے ہوئے پر
اک بازو پہ تو نام شہنشاہ امم تھا
اور دوسرے پہ نام علی صاف رقم تھا

۱۹

سلمان سے فرماتے تھے سلطانِ رسالت
ہے ذاتِ علی روشنیِ شمعِ ہدایت
کیا تجھ سے کہوں مرتبۂ شاہِ ولایت
اللہ نے کھولا ہے یہ دروازۂ جنت
اس در میں جو ہے خلد میں اس شخص کا گھر ہے
باہر ہے جو اس سے نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے

۲۰

اے دوست مجھے خانۂ کعبہ کی قسم ہے
ناجی ہیں وہ اُن لوگوں پہ خالق کا کرم ہے
شیعہ ہیں جو ان کو نہیں کچھ حشر کا غم ہے
وہ لوگ ہیں اور سیرِ گلستانِ ارم ہے
دشمن جو علی کے ہیں وہ روئیں گے لحد میں
جو دوست ہیں آرام سے سوئیں گے لحد میں

۲۱

ضامن ہوں میں واللہ محبانِ علی کا
کیا خوف ہے کیا غم ہے جو دیکھا نہیں رستا
نہ سختیِ مرگ ان کو ہے نہ قبر کی ایذا
لے جائے گا فردوس میں رہبر نہیں مجھ سا
ٹھہرے گا جو خورشید سوا نیزے پہ آ کے
سایہ میں کھڑے ہوئیں گے وہ عرشِ خدا کے

۲۲

تھے زہد و ورع میں بھی وہ یکتائے دو عالم
تسبیح تھی، تکبیر تھی، تہلیل تھی باہم
فرصت نہ تھی قرآں کی تلاوت سے کوئی دم
صائم وہ نہ ہوں ایسا نہ ہوتا کوئی دن کم
فاقوں میں بھی احسانِ الٰہی کا بیاں تھا
ہر ایک مہینا انھیں ماہِ رمضاں تھا

۲۳

تھا تارکِ لذات جہاں شاہِ ولایت
مسکینوں سے اُلفت تھی فقیروں سے محبت
جز نانِ جویں تھی نہ کسی کھانے پہ رغبت
اندھوں کی ضعیفوں کی کیا کرتے تھے خدمت
دے آنا کھلا آنا یہ کام آٹھ پہر تھے
رانڈوں کے تو وارث تھے یتیموں کے پدر تھے

۲۴

مغموموں کے مظلوموں کے گھر آپ تھے جاتے
سر دابتے شفقت سے کبھی پاؤں دباتے
اور ہاتھ سے اپنے انھیں کھانے تھے کھلاتے
آہستہ اٹھاتے انھیں آہستہ لٹاتے
عزت سے فقیروں کو کھلا آتے تھے اکثر
ننگوں کو ردا اپنی اُڑھا آتے تھے اکثر

۲۵

جو شہرِ علومِ شہِ لولاک کا ہے در
وہ قاتلِ عنتر ہے وہ ہے فاتحِ خیبر
واللہ وہ حیدر ہے وہ حیدر ہے وہ حیدر
قبضہ میں اسی شاہ کے ہے تیغِ دو پیکر
حائل کبھی ہوتے جو پرِ روح امیں کے
اک دم سے گذر جاتی وہ طبقے سے زمیں کے

۲۶

تھی ضرب یہ اور زورِ خدا داد تھا ایسا
دو انگلی سے حلقہ درِ خیبر کا جو کھینچا
جنبش ہوئی سب قلعہ کو اور در کو گرایا
حضرت نے اٹھا کر طرفِ در اسے کھینچا
چالیس گز اس طرح گرا در تھا وہ جا کے
جس طرح سے تنکا اُڑے جھونکوں سے ہوا کے

۲۷

خندق میں کیا دار سرِ عمر پہ جس دم
ضربِ اسدِ حق سے ہوا دم میں وہ بیدم
احسنت کی آتی تھی صدا چرخ سے باہم
کرتا تھا مباہات خداوند دو عالم
سرخی تھی خوشی سے رخِ انور پہ نبیؐ کے
جبریل امیں چومتے تھے ہاتھ نبی کے

۲۸

جس وقت احد میں ہوئے کفار صف آرا
جب حضرتِ حمزہؓ کو سیہ کاروں نے مارا
اصحاب نبیؐ کر گئے میداں سے کنارا
اسلام کا لشکر متفرق ہوا سارا
انصار و مہاجر سبھی اس وقت جدا تھے
یا احمدؐ مختار تھے یا شیرِ خدا تھے

۲۹

کفار کا نرغہ تھا رسولِ عربیؐ پر
تلوار لگاتا تھا کوئی اور کوئی پتھر
منظور ہر اک شخص کو تھا خونِ پیمبرؐ
ٹوٹے درِ دنداں ہوئے پُرخوں لبِ اطہر
ہر غول پہ للکار کے جا پڑتے تھے حیدرؑ
احمدؐ کو بچا لیتے تھے اور لڑتے تھے حیدرؑ

۳۰

اک غول سے کرتے تھے وغا حیدرِ کرار
اس غول میں تھا ابن قیمصہ کوئی سردار
جو ٹوٹ پڑا دوسرا غول آن کے اک بار
تلوار کا اس نے سرِ احمدؐ پہ کیا وار
لیکن نہ لگا زخم سرِ سرورِ دیں پر
یہ ضرب سے غش کھا کے گرے روئے زمیں پر

۳۱

حافظ تھا محمدؐ کا زبس حضرتِ یزداں
بے تاب ہو سکانِ سمٰوٰت نے اس آں
اس نور کو اعدا کی نظر سے کیا پنہاں
کی عرض یہ خالق سے کہ گر ہو ترا فرماں
امداد کو ہم جائیں رسولِ عربیؐ کی
تنہائی تو دیکھی نہیں جاتی ہے نبیؐ کی

۳۲

درگاہِ الٰہی سے صدا آئی یہ اس دم
محتاج مدد کا نہیں پر سیدِ عالم
جو قصد کیا تم نے ہے اجر اس کا مقدم
ہم جس کی طرف ہوں اسے تنہائی کا کیا غم
موجود ہے واں صاحبِ شمشیر ہمارا
اس فوج کو کافی ہے فقط شیر ہمارا

۳۳

کرتے تھے ملک عالمِ بالا سے نظارا
ناگاہ یہ ابلیس جفاکار پکارا
اور فوج میں تھے شیرِ خدا معرکہ آرا
اے قوم مبارک ہو محمدؐ گیا مارا
پہونچی جو یہ پُرہول صدا گوشِ علیؑ میں
طاقت نہ رہی صبر کی احمدؐ کے وصی میں

۳۴

پھر پھر کے لگے دیکھنے ہر سو شہِ صفدر
خود بیچ میں اور گرد ستمگاروں کا لشکر
نے فوج پیمبر نظر آئی نہ پیمبر
تلواریں نظر آتی تھیں یا نیزہ و خنجر
نظروں سے جو شاہنشہِ کونین نہاں تھے
دل سینے میں بیتاب تھا اور اشک رواں تھے

۳۵

مارے نہ گئے ہوں کہیں احمدؐ یہ تھا وسواس
احمدؐ سے جو تھے دور نہ تھا جان کا کچھ پاس
جھک جھک کے ہر اک لاش کو تکتے تھے بصد یاس
گھبرائے ہوئے ڈھونڈھتے پھرتے تھے چپ و راس
حملوں سے پراگندہ صفِ فوجِ ستم تھی
تھا منھ میں کف اور ہاتھ میں شمشیرِ علم تھی

۳۶

اس فوج میں ملتے جو نہ تھے سیدِ والا
دل فرطِ تعلق سے جو نہ جاتا تھا سنبھالا
کفار کے لشکر کو کیا تھا تہ و بالا
کہتے تھے اٹھا لے مجھے اللہ تعالیٰ
زندہ ترے محبوب کو پھر پاؤں گا کیوں کر
منھ فاطمہؑ کو جا کے میں دکھلاؤں گا کیوں کر

۳۷

وہ باپ کی عاشق ہے وہ ہے باپ کی شیدا
جب مجھ سے وہ پوچھیں گی کہاں ہے مرا بابا
کیوں لائے نہ تشریف شہِ یثرب و بطحا
کیا بنتِ پیمبر سے میں اس وقت کہوں گا
یارب نہ جدا ہوں میں رسولِ دوسرا سے
یارب نہ خجل کیجو بتولِ عذرا سے

۳۸

یارب تو اسے باپ کے غم میں نہ رُلانا
یارب تو اسے داغِ یتیمی سے بچانا
محبوب ترا بیٹوں کے زہراؑ کے ہے نانا
نانا کے الم میں انھیں روتے نہ دکھانا
نانا کے جو مرنے کی خبر پائیں گے دونوں
جینے کے نہیں رو رو کے وہ مر جائیں گے دونوں

۳۹

بے احمدِ مرسل مرا کس کام کا جینا
میں خلق میں ہوں اور نہ ہوں سلطانِ مدینہ
نزدیک ہے اب شق ہو قلق سے مرا سینہ
کوئی نظر آتا نہیں راحت کا قرینہ
بیتاب ہوں فرقت سے رسولِ مدنی کی
اب ہاتھ میں طاقت نہیں شمشیر زنی کی

۴۰

یہ کہتے تھے اور لڑتے تھے جوں شیرِ غضبناک
ہر حال میں کفار کی ہوتی تھیں صفیں چاک
ہلتی تھی زمیں خوف سے تھراتے تھے افلاک
اک غار میں ناگہ نظر آئے شہِ لولاک
جان آگئی گویا تنِ بےجاں میں علیؑ کے
جلدی سے گرے دوڑ کے قدموں پہ نبیؐ کے

۴۱

دل جوشِ محبت سے محمدؐ کا بھر آیا
رو رو کے گلے شوہرِ زہراؑ کو لگایا
اور چوم کے پیشانیِ انور یہ سنایا
صد شکر کہ تم نے مجھے میں نے تمھیں پایا
دیکھا مری ہمراہی سے منھ موڑ گئے سب
کفار کے زنغے میں مجھے چھوڑ گئے سب

۴۲

اس عالمِ ایجاد میں پھر ہوں گا نہ زنہار
تجھ سا نہ جواں نے تری تلوار سی تلوار
زیبا ہے اگر فخر کرے احمدِ مختار
خود آج ثنا خواں ہے ترا احمدِ مختار
آتی ہے یہ ہر بار صدا چرخِ بریں سے
پوچھے تری الفت کو کوئی روحِ امیں سے

۴۳

فرما کے یہ ناقے پہ چڑھے احمدِ مختار
اور تیغ بکف آگے بڑھے حیدرِ کرار
پھر لشکرِ کفار میں یہ غل ہوا اک بار
جیتا ہے محمد نہیں مارا گیا زنہار
یاں نکلے پئے جنگ دلاور جو کوئی ہے
ناقہ پہ فقط آپ ہے اور آگے علیؑ ہے

۴۴

یہ سن کے بڑھی جنگ کو پھر فوجِ ستمگر
تھا قلزمِ آتش کی طرح جوش پہ لشکر
کھنچے بہ فلک نیزوں نے آتش کی طرح سر
ہنگامہ ہوا جب کہ چمکنے لگا خنجر
پھل تیغوں کے جو برقِ درخشاں نظر آئے
چنگاریوں سے نیزوں کے پیکاں نظر آئے

۴۵

اس فوج میں ایک ایک نمودار جواں تھا
تھا پیل دماں کوئی، کوئی شیر ژیاں تھا
دیکھا جسے تولے ہوئے اک گرزِ گراں تھا
ہر شخص کے اسپ دور کا بہ تہِ ر الم تھا
ٹاپوں سے قدم کانپتے تھے گاو زمیں کے
غل نعروں کا جاتا تھا پرے چرخِ بریں کے

۴۶
پھر فوج نے سلطانِ رسالت کو لیا گھیر
فرمایا علیؑ سے کہ بچا مجکو مرے شیر
سمجھے شہِ لولاک کہ مرنے میں نہیں دیر
یہ سنتے ہی کھینچی اسد اللہ نے شمشیر
پاس آنہ سکا کوئی رسولِ عربی کے
پروانہ سے پھرتے تھے علی گرد نبی کے

۴۷
خالد بن سفیان تھا جو اس فوج میں سردار
غالب کوئی اس پر نہ ہوا تھا کبھی زنہار
مشہور تھا وہ خلق میں زور آور و جرّار
للکارا وہ حیدر کو کہ آتا ہوں میں ہشیار
کیا منھ جو سپر کوئی دمِ حرب اُٹھائے
طاقت ہے یہ کس کی جو مری ضرب اٹھائے

۴۸
یہ لاف زنی سن کے بڑھے حیدرِ صفدر
خوں جوشِ غضب سے ہوئیں چشمانِ منور
کی دستِ مبارک میں علم تیغ دو پیکر
گویا تھا مجسّم غضبِ خالقِ اکبر
فرمایا کہ ہاں وار کر اب تیغ زن اپنا
تیغ اپنی چلے پہلے نہیں یہ چلن اپنا

۴۹
یہ سنتے ہی خالد نے کیا وار علیؑ پر
لے اب مری باری ہے خبردار ستم گر
اس ضرب کو رد کر کے یہ کہنے لگے حیدر
سنبھلا بھی نہ تھا وہ کہ چلی تیغِ غضنفر
یہ غل ہوا صمصام ید اللہ کی چمک ہے
تلوار نہیں آئی قضا سر پہ فلک ہے

۵۰
بیٹھی سرِ دشمن پہ جو وہ صاعقہ کردار
سردار کو مارا تو چلی فوج سے تلوار
دو ہو کے چپ و راست گرے راکب و رہوار
اڑتے ہوئے لشکر میں دھنسے حیدرِ کرّار
دہشت سے تلاطم یہ ہوا فوجِ عدو میں
زندے بھی تڑپنے لگے کشتوں کے لہو میں

۵۱
ہر سو تھے علی فوج میں لڑتے ہوئے جاتے
حملوں سے کبھی دور تک اعدا کو بھگاتے
ہر وار میں تھے لاش پہ واں لاش گراتے
الفت سے کبھی پاس محمدؐ کے پھر آتے
سینہ تھا سپر ہاتھ میں شمشیر دو سر تھی
دل سوئے نبی تھا طرفِ فوج نظر تھی

۵۲
جل جل گئے جب آتشِ شمشیر سے ناری
پھیری اسد اللہ نے میداں سے سواری
جمعیتِ کفار پریشاں ہوئی ساری
اس وقت ندا چرخ سے آئی کئی باری
تو ایسا ہی تھا جب تجھے رتبہ یہ دیا تھا
شاباش مرے شیر عجب کام کیا تھا

۵۳
آ پہونچے مع فتح و ظفر حیدرِ کرّار
حیدر کو بہت چھاتی سے لپٹا کے کیا پیار
ناقے کو بٹھا کر دوڑے حیدرِ کرّار
فرمایا فدا تجھ پہ میں اے میرے مددگار
کس کو یہ محبت ہے رسولِ عربی سے
جو تو نے کیا آج یہ ہوتا نہ کسی سے

۵۴
کس منھ سے میں تعریف کروں اے مرے بھائی
تنہا کوئی کرتا نہیں یوں فتح لڑائی
آگہ ہے شجاعت سے ترے ساری خدائی
واللہ یہ جرأت ترے حصہ میں ہے آئی
قبضہ میں ترے قبضۂ شمشیرِ خدا ہے
دشمن ترے روباہ ہیں تو شیرِ خدا ہے

۵۵

اے مومنو کچھ تم نے سُنے رتبۂ حیدرؑ
کیا بعد نبیؐ ہو گئے ظلم و ستم اس پر
یہ لطفِ خدا جس پہ یہ الطافِ پیمبرؐ
پرسا بھی کسی نے نہ نبیؐ کا دیا آکر
باطل کیا حق ظلم سے احمدؐ کے وصی کا
آئے بھی تو دروازہ جلانے کو علیؑ کا

۵۶

گمراہ ہوئے واللہ رہِ راست کو چھوڑا
جس جا پہ ادب قدسیوں نے ہاتھوں کو جوڑا
مائل بہ ضلالت ہوئے منہ دین سے موڑا
افسوس کہ وہ در بکلیدِ ظلم سے توڑا
اس در کے تلے دب گئی بیٹی جو نبیؐ کی
چلائی دوہائی ہے رسولِ عربیؐ کی

۵۷

تھی حمل سے محسن کے جو خاتونِ قیامت
غش آنے لگے اور نہ رہی رونے کی طاقت
پہلوئے مبارک پہ لگی چوٹ بہ شدت
بچے کی بھی زہراؑ کے شکم میں ہوئی رحلت
وہ سیدہ جس وقت تڑپتی تھی زمیں پر
سر پیٹتا تھا روحِ امیں عرشِ بریں پر

۵۸

ہیہات نہ اُس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
مظلومہ نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
کوڑا بہ ستم بازوئے زہراؑ پہ لگایا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
رسی تو ادھر بندھتی تھی گردن میں علیؑ کی
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

۵۹

نزدیک تھا شق ہوئے مزارِ شہِ لولاک
فرزندوں نے کرتوں کے گریباں جو کیے چاک
پھٹ جائے زمیں گر پڑے یہ گنبدِ افلاک
تھے لوٹتے مادر کے برابر بہ سرِ خاک
جب کرتی تھی وہ آہ تو چلاتے تھے دونوں
رو کر کبھی مادر سے لپٹ جاتے تھے دونوں

۶۰

فرمایا جو تھا صبر کو شاہِ دوسرا نے
گردن میں بھی بندھوائی رسن عقدہ کشا نے
دم مارا نہ اس ظلم پہ بھی شیرِ خدا نے
تلواریں بھی کھینچیں سر پہ علم اہلِ جفا نے
کس شخص نے دستِ ستم اس پر نہ اٹھایا
اس صابر و شاکر نے مگر سر نہ اٹھایا

۶۱

ان میں سے اگر پوچھتا حضرت کا کوئی نام
ہر صبح کو جینے کا بھروسہ نہیں تا شام
فرماتے تھے گم نام ہوں بے نام سے کیا کام
آغاز مرا خاک ہے اور خاک ہے انجام
اے شخص بھلا نام و نسب کیا فقرا کا
درویش ہوں محتاج ہوں بندہ ہوں خدا کا

۶۲

طالب نہیں دنیا کا، خدا خوب ہے آگاہ
مسکین کو مسکین سے ہوتی ہے بہت راہ
تم لوگوں کی خدمت میں کیا کرتا ہوں واللہ
غربت زدہ ہوتا ہے غریبوں کا ہوا خواہ
آگاہ ہے حق سے کہ دل ریش ہوں میں بھی
درویش جو تم ہو تو جگر ریش ہوں میں بھی

۶۳

ہے ایک سا واللہ مرا باطن و ظاہر
جاں دینے کو موجود ہوں میں دوست کی خاطر
کام آوے مرا سر بھی تو واللہ ہے حاضر
رکھتا ہے بہت اُنس مسافر سے مسافر
مہمان ہیں یاں پر یونہیں جائیں گے ہم بھی
جانا ہے جہاں تم کو وہیں جائیں گے ہم بھی

۶۴

فاقوں میں جو کھانا کبھی آتا تھا میسّر
آدم ہوئے اس کے لئے جنت سے جو باہر
سائل کو کھلا دیتے تھے تب کھاتے تھے حیدر
گندم کی نہ روٹی رکھی حضرت نے زباں پر
کیا صبر تھا قبضہ میں تو سب روئے زمیں تھی
تھا زور تو یہ اور غذا نانِ جویں تھی

۶۵

رہتا تھا سدا رخت کہیں زیبِ تنِ خاک
تھا صاحبِ مسند وہ وصیِ شہِ لولاک
تھے اس میں بھی پیوند یہ تھی آپ کی پوشاک
آرام سے سو رہتے تھے لیکن بہ سرِ خاک
فرماتے تھے یوں کیا کروں پوشاک بنا کے
سب خاک ہے مرنے پہ سوا ذاتِ خدا کے

۶۶

اک روز کسی شخص نے کی عرض کہ مولا
واللہ کہ ہیں آپ شہِ غیرب و بطحا
یہ جامۂ بوسیدہ نہیں آپ کو زیبا
سب طرح کا اسباب ہے حضرت کو مہیا
آرام غلام آپ کے پاتے ہیں جہاں میں
اور آپ یہ تکلیف اٹھاتے ہیں جہاں میں

۶۷

سن کر یہ سخن رونے لگے حیدرؑ کرّار
نوش اس کا ہے نیش اور گل اس باغ کا ہے خار
فرمایا مجھے زینتِ دُنیا نہیں درکار
راحت ہے زمانے کی مرے واسطے آزار
اک روز نہ جاں ہے نہ یہ ملبوس بدن ہے
گھر قبر ہے تن خاک ہے پوشاک کفن ہے

۶۸

ہے خوفِ خدا جسم کی کیوں کر کروں زینت
اک روز یقیں یہ ہے اجل دے گی نہ مہلت
محشر میں حساب آہ نہیں دینے کی طاقت
دنیا سے بیکار ہی اُٹھنا ہے غنیمت
کیا حکم ہو کیا جانے جنابِ احدی کا
تن کانپتا ہے خوفِ قیامت سے علیؑ کا

۶۹

پوشاک تکلف سببِ طولِ عمل ہے
غفلت نہیں خوب آچکے دن حشر بھی کل ہے
گر سیر شکم ہو تو عبادت میں خلل ہے
اور محکمۂ حشر تردد کا محل ہے
ہوگا عملِ نیک سبب لطفِ خدا کا
واں مرتبہ یکساں ہے شہنشاہ و گدا کا

۷۰

کس زیست پہ اسبابِ جہاں کا ہوں میں پابند
سب نعمتِ دنیا کا میں مختار ہوں ہر چند
ہو جائے گا اک روز یہ تن خاک کا پیوند
پر نانِ جویں کھانے سے دل ہے مرا خورسند
بس تا بہ کجا گور کے مہمان کی خاطر
دو رخت نہیں چاہئے اک جان کی خاطر

۷۱

واللہ بضاعت نہیں کچھ گھر میں ہمارے
پوشاک نہیں اور سوا ایک ردا کے
کرتی ہے سدا بنتِ نبیؐ فاقے پہ فاقے
بچے بھی مرے روزہ کے سو رہتے ہیں بھوکے
مالک تھا فدک کا فقط اسبابِ جہاں سے
سو چھن گیا اب قوت میسر ہو کہاں سے

۷۲

اعدا نے مرے حق کو کیا ظلم سے باطل
کیا کرتا ہے گر ملتا فدک کا مجھے حاصل
رازق ہے خدا صبر کچھ اتنا نہیں مشکل
حالانکہ ہے کل میرے لئے گور کی منزل
مرنا ہوا جب دولتِ دنیا ہوئی تو کیا
راحت ہوئی تو کیا اگر ایذا ہوئی تو کیا

۷۳
کیا فقر تھا، کیا صبر تھا اللہ رے قناعت
تھی قاسم روزئ دو عالم پہ یہ عسرت
دنیا کے خزانے کے تو مختار تھے حضرت
پر فاقہ پہ فاقہ تھا مشقت پہ مشقت
دن آب کشی کرکے گذرتا تھا علیؑ کو
کام آسیہ گردانی سے تھا بنت نبیؐ کو

۷۴
سید بن طاؤس سے ہے ایک روایت
دو دن سے گرسنہ تھے شہنشاہ ولایت
ہاتھ آتی تھی کچھ آب کشی کی بھی نہ اجرت
مسجد سے گئے گھر میں تو تھا ضعف بہ شدت
لب خشک تھے اور زرد رخ شیر خدا تھا
فاقے سے شکم پشت مبارک سے لگا تھا

۷۵
زہراؑ سے یہ فرمایا کہ اے بنت پیمبرؐ
طاقت نہیں غلبہ ہے بہت بھوک کا ہم پر
کچھ کھانے کو لے آؤ جو آیا ہو میسر
فرمانے لگی فاطمہؑ اشک آنکھوں میں بھر کر
کیا لا کے کھلاؤں تمھیں ہے کیا مرے گھر میں
یہ تیسرا دن ہے کہ ہے فاقہ مرے گھر میں

۷۶
ہیں بھوک کے مارے ہیں حسینؑ آج بلکتے
ہر دم مرا منھ نرگسی آنکھوں سے ہیں تکتے
بستر سے نقاہت کی سبب اٹھ نہیں سکتے
دیکھ ان کو مری آنکھوں سے آنسو ہیں ٹپکتے
دو دن تک انھیں جب نہ ملے پارۂ ناں تک
معصوم ہیں بچے ہیں کریں صبر کہاں تک

۷۷
میں کیا کہوں ہوتا ہے جو اس دم مرا احوال
جب چھوٹے سے ہاتھوں کو یہ گردن میں مرے ڈال
کہتے ہیں کہ یوں بھوکے نہ ہوں گے کوئی اطفال
اماں ہمیں کھانے کو دو اب تو ہے برا حال
کون ایسا ہے جس شخص کے کھانا نہیں گھر میں
تم ایسی ہو نادار کہ دانا نہیں گھر میں

۷۸
حیدرؑ نے سنی فاطمہؑ کی جب کہ یہ تقریر
فرمایا کہ اے والدۂ شبرؑ و شبیرؑ
کچھ گھر میں اثاثہ بھی نہیں کیا کروں تدبیر
دو رہن کو یا اپنی ردا یا مری شمشیر
ناچار ہیں اب فاقے کی طاقت نہیں رکھتے
کچھ اس کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتے

۷۹
زہراؑ نے کہا تیغ میں دوں رہن کو کیوں کر
اعدا سے جہاد آپ کیا کرتے ہیں اکثر
لے جائیے حاضر ہے یہ سر کی مرے چادر
زہراؑ سے ردا لے کے چلے حیدرؑ صفدر
فاقے سے نہ غمگین تھے نہ عسرت کا گلا تھا
ہر گام پہ تسبیح تھی اور شکر خدا تھا

۸۰
پوشیدہ کئے زیر عبا چادر زہراؑ
پاس ایک یہودی کے گئے سید والا
جب اس نے وصی شہ لولاک کو دیکھا
مولائے دو عالم کی وہ تعظیم کو اٹھا
کی عرض کہ آپ آئیں یہ رتبہ مرا کب ہے
فرمائیے کیا آنے کا اس وقت سبب ہے

۸۱
فرمانے لگے اس سے شہنشاہ دو عالم
ہر چند کہ سب خلق کے ہیں عقدہ کشا ہم
رغبت ہے مگر راحت دنیا سے بہت کم
ان روزوں کئی گذرے ہیں فاقے میں پیہم
شاکی نہیں شرمندۂ احسان خدا ہیں
ایذا ہی سہتے ہیں جو خاصان خدا ہیں

آرام کی جاگہ نہیں یہ دارِ مصیبت
انساں سے روا ہوتی ہے انساں کی حاجت
حق راضی ہو خوش بنت رسولِ عربی ہو

۸۲

مومن کے لئے رنج ہے کافر کو ہے راحت
پاس اپنے تو رکھ چادرِ خاتونِ قیامت
جو دے مجھے اک صاع کہ فاقہ شکنی ہو

رکھ لی وہ یہودی نے ردا جَو دئے لا کر
طے کر چکے تھے راہ کچھ اک فاتح خیبر
تصدیع تو ہوگی پہ ادھر لائیے تشریف

۸۳

دامن میں جوں ہی لے کے چلے حیدرِ صفدر
اک بار پکارا وہ کہ اے خویش پیمبر
سن لیجئے کچھ عرض تو لے جائیے تشریف

پاس آئے یہودی کے شہِ یثرب و بطحا
فرما گیا ہے ابن عم اس طرح تمھارا
میں خاصۂ خالق ہوں میں محبوب خدا ہوں

۸۴

اس نے کہا یا شاہ تعجب کی یہ ہے جا
ہے حضرتِ آدم سے زیادہ ترا رتبا
رتبے میں رسولانِ سلف سے میں سوا ہوں

جو قرب خدا سے ہے مجھے اور کو کب ہے
ہونا مرا پیدائشِ عالم کا سبب ہے
مختار ہوں جو چاہوں سو دوں راہ خدا میں

۸۵

جو کچھ مری مرضی ہے وہی خواہشِ رب ہے
عالم میں مرا صاحبِ لولاک لقب ہے
مقبول دعا ہے مری درگاہ خدا میں

مقدور یہ جس کا ہو یہ کچھ جس کے ہوں رتبے
ہوں جس کے غلاموں کے لئے خلد کے حلے
محبوب خدا بادشہِ روئے زمیں ہو

۸۶

افسوس وصی اس کا کرے فاقے پہ فاقے
پیوند پہ پیوند لگیں جامہ میں اس کے
کھانے کو میسر نہ تھیں نانِ جویں ہو

سنتا ہوں کہ ہے حضرتِ زہرا کا عجب حال
چکی ہی انھیں پیستے کٹتا ہے مہ و سال
کرتے کبھی ثابت نہیں دیکھے بدنوں میں

۸۷

جز ایک ردا پاس ہے زیور نہ زر و مال
سبطین نبیؐ کا نظر آتا ہے یہ احوال
وہ چاند سے پھرتے ہیں پھٹے پیرہنوں میں

ہے فیض دو عالم میں رسولِ عربی سے
جو دیوے نجات آپ کو اس فاقہ کشی سے
ہو جس کا لقب شیرِ خدا کون و مکاں میں

۸۸

کیوں عرض نہیں کرتے جناب احدی سے
اور دور ہو افلاس کا غم بنت نبیؐ سے
محتاج ہو وہ نانِ شبینہ کو جہاں میں

یہ سن کے کہا اس سے شہِ عقدہ کشا نے
عسرت نہ کچھ کیا کوئی اس راز کو جانے
رتبہ نہ سمجھ فاقے سے کم آلِ نبیؐ کا

۸۹

سب نعمتیں اپنی ہمیں بخشی ہیں خدا نے
چاہیں تو ابھی خلد کے کھانے لگیں کھانے
واللہ کہ یہ فقر تو ہے فخر علیؑ کا

یاں رنج ہے جس کے لئے راحت اسے واں ہے
ہو طالب عقبیٰ یہی مومن کا نشاں ہے
اک دن بخل گور میں محتاج و غنی ہیں

۹۰

دنیا سے جو بیزار رہے وہ اہلِ جناں ہے
پوشاک کہن پہنی تو کیا اس میں زیاں ہے
یہ صورتیں سب خاک میں ملنے کو بنی ہیں

۹۱

یہ نعمت دنیا میں ملی کب ہے حلاوت
ان کپڑوں میں معبود نے بخشی ہے وہ عزت
جس طرح کہ فاقوں میں نہیں ملتی ہے لذت
پائیں گے بچوں کو نہیں حُلّۂ جنت
خالق کی عبادت کے سزاوار نہیں ہیں
جنت کے بھی کوثر کے بھی مختار نہیں ہیں

۹۲

ہو کس سے بیاں وصف بزرگی کا خدا کی
معبود نے بندوں کو یہ طاقت ہے عطا کی
بخشا ہے جنھیں صبر وہ ہوتے نہیں شاکی
گر چاہیں تو ہو جائے یہ دیوار طلا کی
ذرہ پہ کریں مہر تو خورشید مبیں ہو
قطرے کو جو کہہ دیں تو ابھی درِ ثمیں ہو

۹۳

مولا کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار
اور آئی صدا اس سے کہ یا حیدرِ کرّار
جو ہو گئی اعجاز سے سونے کی وہ دیوار
حاضر ہوں میں ہیں آپ مرے مالکِ مختار
فرمایا کہ مجھ پہ نظرِ لطفِ خدا ہے
میں آپ غنی ہوں مجھے پروا تری کیا ہے

۹۴

دیکھا جو یہودی نے یہ اعجاز نمایاں
کی عرض کہ میں تجھ پہ فدا اے شہِ مرداں
قدموں پہ گرا اور ہوا دل سے مسلماں
حضرت کے تصدق سے ملی دولتِ ایماں
شہ نے کہا ہر بندے کا مالک وہی رب ہے
یہ چادرِ زہرا کی زیارت کا سبب ہے

۹۵

عسرت میں بھی تھا فیض یداللہ کا جاری
فاقوں میں بھی تھی مصلحتِ حضرتِ باری
ہر امر میں حیدر کی خدا کرتا تھا یاری
کافر کو مسلماں کیا ناجی ہوا ناری
کس مرتبہ تھا لطف و کرم ربِ غنی کا
تھا زہد یہ اور زور تھا خیبر شکنی کا

۹۶

ہے دفترِ ایمانِ دو عالم کے علیؑ فرد
ہے گرمیٔ بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
آفاق میں حیدر سا نہیں کوئی جواں مرد
دہشت سے اسی کے رُخِ خورشید ہوا زرد
شیروں کے جگر آب ہیں صمصامِ علیؑ سے
تھراتا ہے مریخ فلک نامِ علیؑ سے

۹۷

بے اذن کوئی گھر میں کسی کے نہیں جاتا
باللہ کہ یداللہ اگر ہاتھ اٹھاتا
بے پردہ ہوں ناموس تو کیا طیش ہے آتا
تلوار کی تاب اس کی جہاں میں کوئی لاتا؟
ہو زیر کیا جس نے زبردستوں کو لڑ کے
طاقت تھی کہ لے جاتے اسے گھر سے پکڑ کے

۹۸

اعدا یہ سمجھتے تھے یہ زنہار نہ سمجھے
مختار کے گھر کا اسے مختار نہ سمجھے
کچھ مرتبۂ حیدرِ کرّار نہ سمجھے
افسوس کہ حقدار کو حقدار نہ سمجھے
کیا قہر ہے دامادِ نبیؐ پر یہ ستم ہو
ممکن ہے کہ تربت میں محمدؐ کو نہ غم ہو

۹۹

تھا ایک تو غم فاطمہؑ کو ہجرِ پدر کا
حیدر کو پکڑ لے گئے وارث جو تھا گھر کا
اور دوسرے سے اسقاط ہوا حمل پسر کا
اس دن سے عجب حال تھا اس خستہ جگر کا
پر اٹھ کے نہ دروازے سے باہر گئی زہرا
جس حجرے میں بیٹھی تھی وہیں مر گئی زہرا

۱۰۰

غل پڑ گیا ہے ہے ہوئے تنہا شہِ دل گیر
سر پیٹ کے کی زینبِ بے کس نے یہ تقریر
ماں مر گئی بن ماں کے ہوئے شبّر و شبیر
لو وہ ہوا جو چاہتے تھے ظالمِ بے پیر
اب دستِ ستم کس پہ اُٹھاویں گے ستمگر
اب پہلو پہ در کس کے گرا دیں گے ستمگر

۱۰۱

ہے ہے مری اماں تری صورت کے میں قرباں
بی بی گئیں جنت کو یہ گھر ہو گیا ویراں
صدقے ترے پہلوئے شکستہ کے مری جاں
تنہائی کا کچھ بیٹوں کے ہرگز نہ کیا دھیاں
تم مر گئیں اب کون دلاسا ہمیں دے گا
اب کون خبر شبّر و شبیر کی لے گا

۱۰۲

اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے ستمگر
ماہِ رمضاں تھا کہ ہوا شور یہ گھر گھر
چاہا کہ نہ دنیا میں رہے خویشِ پیمبر
تلوار لگی سجدے میں زخمی ہوئے حیدر
مسجد میں کسی نے اسد اللہ کو مارا
بے جرم دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

۱۰۳

سر پیٹ کے گردوں پہ یہ جبریل پکارا
کہتے ہیں محمدؐ مرا گھر لٹ گیا سارا
سر شیرِ خدا کا ہوا سجدے میں دو پارا
ظالم نے علیؑ کو نہیں مارا مجھے مارا
آواز یہ آتی ہے بتولؑ عذرا کی
مارا مرے شوہر کو دوہائی ہے خدا کی

۱۰۴

میں لٹ گئی ہے ہے مرے بچے ہوئے برباد
پردیس میں جاویں گے کدھر ہائے وہ ناشاد
سمجھاتا تھا باپ ان کو جو کرتے تھے مجھے یاد
اب قتل یتیموں کو کریں گے ستم ایجاد
بچھڑے ہوئے تھے مادرِ تفتیدہ جگر سے
اک باپ کا سایہ تھا سو اب اٹھتا ہے سر سے

۱۰۵

گھبرا گئی گھر میں یہ صدا سنتے ہی کلثوم
زینبؑ نے پکارا ارے لوگو یہ ہے کیا دھوم
بیدار ہوئے خواب سے زہراؑ کے وہ معصوم
بابا ہوئے زخمی مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
خوں ہو گیا سجدے میں محمدؐ کے وصی کا
ہر سمت ہے غل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا

۱۰۶

بابا کا سنا حال جو فرزندوں نے اک بار
دیکھا کہ نمازی تو کھڑے روتے ہیں سرشار
سر پیٹتے مسجد میں گئے وہ جگر افگار
اور خوں میں تڑپتے ہیں پڑے حیدرِ کرار
کچھ ذکر زباں پر نہیں جز طاعتِ حق ہے
سرتا بہ جبیں ضربتِ شمشیر سے شق ہے

۱۰۷

گہ اُٹھتے ہیں سر ہیں کبھی سجدے میں جھکاتے
خوں لے لے کے ہیں ریشِ مبارک میں لگاتے
امت کی دعا کو ہیں کبھی ہاتھ اُٹھاتے
بند آنکھیں ہیں اور غش پہ ہیں غش متصل آتے
ہوش آتا ہے جب کہتے ہیں جس وقت مروں گا
احمدؐ سے اسی طرح ملاقات کروں گا

۱۰۸

مسجد میں تڑپنے لگے وہ فاطمہؑ کے لال
چلاتے تھے بابا سے لپٹ کر یہ وہ اطفال
سنبل سے بھرے گیسوؤں کے خاک سے سب بال
اے قبلۂ کونین یہ کیا آپ کا ہے حال
ہم گھر میں رہے ہم کو خبر کی نہ کسی نے
بابا تمھیں زخمی کیا مسجد میں شقی نے

۱۰۹

ہے ظلم نبی زادوں پہ فریاد خدایا — اعدا نے ہمیں عید کے نزدیک رلایا
اماں سے تو چھوٹے تھے پدر سے بھی چھڑایا — سید کا لہو ماہِ مبارک میں بہایا
اس سن میں یتیمی کا ہمیں داغ دیا ہے — روزہ میں نمازی کو ترے قتل کیا ہے

۱۱۰

قاتل کو محبانِ علیؑ لائے پکڑ کر — مشکیں تھیں بندھی سر کو جھکائے تھے ستمگر
جس دم پڑی اس پر نظرِ خویش پیمبر — قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرِ صفدر
کیا میری خطا تھی جو ستایا مجھے تو نے — کس جرم پہ یہ وار لگایا مجھے تو نے

۱۱۱

بتلا مجھے کچھ میں نے اذیت تجھے دی تھی — یا تجھ سے علیؑ نے کبھی نیکی نہیں کی تھی
کچھ بات کبھی سخت تجھے میں نے کہی تھی — ثابت مری تقصیر کوئی مجھ پہ ہوئی تھی
بیکس کیا یاروں کو رسولِ دوسرا کے — مارا مجھے کیوں آن کے سجدے میں خدا کے

۱۱۲

رونے لگا بس شرم سے نہوڑا کے ستمگار — چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اسے تلوار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدرِ کرار — مارو نہ اسے قید کرا دے مرے دلدار
یہ چاہتا ہے بندے رسّی کے رہا ہوں — تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ میں عقدہ کشا ہوں

۱۱۳

بازو ہیں بندھے اس کے ہے بے چین مرا دل — ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں ہر ایک کی مشکل
دشمن نہیں میں اس کا یہ گو ہے مرا قاتل — دیوے گا سزا اس کی اسے خالقِ عادل
کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا — دشمن پہ کریں رحم یہ شیوا ہے ہمارا

۱۱۴

اے لال قسم ہے تمھیں چھٹتے میں نہ آنا — جب تک کہ میں زندہ ہوں نہ ہاتھ اس پہ اٹھانا
جس وقت میں ہوں عالمِ فانی سے روانا — اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا
جو کھاؤں میں کھانا وہی پہنچائیو اس کو — پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترسائیو اس کو

۱۱۵

دشمن پہ بھی مولا کا یہ تھا لطف و مدارا — پیاسا رہے قاتل نہ علیؑ کو تھا گوارا
وہ لوگ تھے کیسے کرو انصاف خدارا — پیاسا جنھوں نے حضرتِ شبیرؑ کو مارا
قاتل پہ یہ احسان تھا جس حق کے ولی کا — پانی سے ترستا رہا فرزند اسی کا

۱۱۶

لکھا ہے چڑھا چھاتی پہ جب شمرِ بد اختر — تھی پیاس سے حضرت کی زباں ہونٹوں کے باہر
کہتے تھے کہ دو روز کا پیاسا ہوں ستمگر — کر ذبح پہ تھوڑا سا مجھے پانی پلا کر
رحم آیا نہ دل میں یہ شقاوت تھی شقی کے — پیاسا ہی کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے

۱۱۷

قاتل کے یداللہ نے کھلوائے بندھے ہاتھ — اور بازوئے کلثومؑ بندھے رسّی میں ہیہات
باندھے ہوئے تھے بازوئے زینبؑ کو بھی بدذات — فرماتے ہیں یہ سیدِ سجادؑ خوش اوقات
ظالم ہمیں دربار میں جب لے کے چلے تھے — اک رسّی تھی اور بارہ اسیروں کے گلے تھے

القصہ یہ فرزندوں سے جب کہہ چکے حیدر
چاہا کہ اٹھیں اٹھ نہ سکے فاتح خیبر
جاں زینب و کلثوم کی ہوے گی پدر میں

۱۱۸
روتے لگے بابا سے وہ شہزادے لپٹ کر
بیٹوں سے کہا باندھو عمامہ مرے سر پر
مسجد سے اٹھا کر مجھے اب لے چلو گھر میں

روتے ہوئے سبطین نبیؐ آپ کو لائے
زینب نے کہا ہائے پدر خوں میں نہائے
برباد ہوئیں بیبیاں بھی بیٹے بھی گھر بھی

۱۱۹
سر پیٹتے ناموس محمدؐ نکل آئے
نانا نہیں زینبؑ یہ ستم کس کو دکھائے
بن ماں کی تو تھی چھوڑ چلے ہائے پدر بھی

بابا مرے زخمی ہوئے ہے ہے مری قسمت
اماں کے بھی ماتم سے ہوئی تھی نہ فراغت
دن روتے گذرتا تھا تو شب آہ و فغاں میں

۱۲۰
دو ٹکڑے ہے سر خوں میں بھری چاند سی صورت
آنسو بھی نہ سوکھے تھے کہ ٹوٹی یہ مصیبت
ماتم کے لئے خلق ہوئی تھی میں جہاں میں

نانا مرے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
اب اور اک آفت یہ مقدر نے دکھائی
کس سے کہوں جو مجھ پہ جفا ہو گئی لوگو

۱۲۱
اماں کے لئے ماتمی صف میں نے بچھائی
در پیش ہے پردیس میں بابا سے جدائی
فریاد ہے تقدیر مری سو گئی لوگو

سن سن کے بیاں بیٹیوں کے روتے تھے حیدرؑ
سر دے دے پٹکتے تھے جو سبطین پیمبر
ہوش آتا تو کہتے نہیں مرنے کا الم ہے

۱۲۲
ایک ایک کو سمجھاتے تھے چھاتی سے لگا کر
اس صدمے سے ہو جاتے تھے غش فاتح خیبر
ان روزوں سے محروم رہے ہم یہ ستم ہے

مرغوب تھا ماہِ رمضاں کا ہمیں آنا
اس عید کا افسوس پڑھیں گے نہ دوگانا
مسجد میں بغل گیر جو ہوئیں گے نمازی

۱۲۳
سو آہ ہمیں ہوتے ہیں جنت کو روانا
خوں سے عوضِ غسل تھا قسمت میں نہانا
شبیر سے لپٹ کر ہمیں روئیں گے نمازی

دو دن رہا اس سیدِ عالم کا یہ عالم
سر تا بہ قدم پھیل گیا تھا اثرِ سم
آئی جو شبِ بست و یکم مر گئے حیدرؑ

۱۲۴
رخ زرد تھا لب خشک تھے غش آتے تھے پیہم
گھٹتی تھی جو طاقت تو ورم بڑھتا تھا ہر دم
غل پڑ گیا دنیا سے سفر کر گئے حیدر

ہاں اہلِ عزا رو دو کہ یہ وقتِ بکا ہے
ہادی جو تمہارا ہے وہ دنیا سے اٹھا ہے
اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں نبیؐ کے

۱۲۵
بیٹو کہ محمدؐ کا وصی قتل ہوا ہے
دن آج کا سوچو تو قیامت سے سوا ہے
بیٹے لئے جاتے ہیں جنازے کو علی کے

خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
مداحِ حیدرؑ جو کرے منہ ترا کیا ہے

۱۲۶
دیکھی تری دریائے طبیعت کی روانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
امدادِ محمدؐ ہے یہ تائیدِ خدا ہے

مرثیہ

شیرِ خدا کے وصف کہاں تک رقم کروں
کاغذ بجائے تختۂ گردوں رقم کروں
شمہ نہ ہو جو سارے نیستاں قلم کروں
دریا اگرچہ سارے سیاہی سے ضم کروں
لکھنے کو بیٹھیں حور و ملک انس و جن تلک
عشرِ عشیر ہو نہ قیامت کے دن تلک

۲

ہوتا ہے طبع کو جو کسی طرح کا ملال
ہے مرتضیٰ علی ولی سا کفیل حال
اس وقت اپنے دل میں یہ کرتے ہیں ہم خیال
واللہ دل کو ہوتی ہے اس دم خوشی کمال
لیتا ہوں جب میں نام شہِ انس و جان کو
سو سو طرح کی ملتی ہے لذت زبان کو

۳

دیکھو تو نام پاک کی تم خوبصورتی
زوجہ ملی تو فاطمہؑ سی دخترِ نبیؐ
شیرِ خدا امیرِ عرب مرتضیٰ علیؑ
بیٹے حسنؑ حسینؑ سے جن پر فدا ہے جی
حیدر سے لاکھ طرح کی مشکل کشائی ہے
اس نام سے بھری ہوئی مشکل کشائی ہے

۴

اس نام کے سبب سے بروز امید و بیم
ہے جس کا دل علی کی محبت سے مستقیم
وا ہوگا عاصیوں پہ درِ جنت النعیم
اس پر حرام ہے شررِ آتشِ جحیم
اسلوب نیک کون سا ہے اپنی بات کا
اک بس یہی تو ہے گا وسیلہ نجات کا

۵

جب روز بازپرس کا ہوئے گا جاں گداز
خدمت سے مرتضیٰ کی نہیں ہے جنھیں نیاز
بعضوں کی مغفرت پہ کریں گے گناہ ناز
کچھ فائدہ نہ دیں گے انھیں روزہ و نماز
ہیں جن کے پاؤں حبِ علیؑ کی بنا پر
ثابت قدم رہیں گے انھیں کے صراط پر

۶

بعضے پلِ صراط سے جاویں گے یوں گذر
بعضے ردائے فاطمہ زہراؑ کو تھام کر
پھر سے جست کر کے نکل جائے جوں شرر
کہتے ہوئے علیؑ ولی جائیں گے ادھر
آگے تو مرتضیٰ کا تصرف تمام ہے
ادنیٰ غلام کے لئے اعلیٰ مقام ہے

۷

کیسا خدا پرست تھا مولا مرا سخی
سائل کی پر نہ دیکھ سکا وہ گرسنگی
نیت سہ روز روزے پہ روزے کی اس نے کی
کھائی نہ سیر ہو کے غرض نانِ جو کبھی
یکتا تھا وہ عبادتِ ربِ ودود میں
گذری تمام عمر رکوع و سجود میں

۸

ہجرت زمینِ کعبہ سے جب مصطفیٰؐ نے کی
فیصل لڑائی بدر کی شیرِ خدا نے کی
اس روز مصطفیٰ کی مدد مرتضیٰ نے کی
جنگِ احد بھی فتح اسی مقتدا نے کی
واللہ اس سے زورِ عیاں لاتعد ہوا
قتل اس کے ہاتھ سے عمر عبدود ہوا

۹

خیبر میں مصطفیٰ ہوئے جب گرم کارزار
تب آگیا جلال میں محبوبِ کردگار
باہم سہ روز جنگ سے سب نے کیا فرار
فرمایا شام کو یہ پیمبرؐ نے یوں پکار
بھیجوں گا کل اسے جو مرا دوستدار ہے
کرّار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے

۱۰

ہے طرفہ تر تو یہ جو گریزاں ہوئے تھے واں
لیکن ستارۂ سحری جب ہوا عیاں
اس مرتبہ کا ان کو تھا بس آپ پر گماں
سلمان فارسی سے نبی نے کہا کہ ہاں
لاؤ ربنا کنندۂ ارکانِ دین کو
لاؤ علیؑ کو لاؤ مرے جانشین کو

۱۱

سلمان آئے پاس علیؑ کے بصد شتاب
تم کو بلاتے ہیں گے رسولِ فلک جناب
بولے کہ یا ابا الحسن و یا ابا تراب
وا ہوگا آج قلعۂ خیبر کا تم سے باب
روشن ہوا جو ہے یہ امام مبین پر
رو کر سرِ نیاز جھکایا زمین پر

۱۲

آنکھیں رمد سے گو کہ نہ کھلتی تھیں مومناں
آغوش میں نبیؑ نے لیا آ کے مثلِ جاں
سلماں کے دوش پر ہوئے ہاتھوں کو رکھ رواں
مانندِ میل چشمِ علیؑ میں جو کی زباں
اک آن میں رمد کا خلل دور ہوگیا
پُرنور اور دیدۂ پُرنور ہوگیا

۱۳

تب یوں کہا نبیؑ نے علیؑ سے کہ یا اخی
بولے علیؑ کہ تم پہ فدا جان ہے مری
ہو مستعد بہ جنگ کہ ہے حکمِ ایزدی
اس بندۂ ضعیف کو عزت تمہیں نے دی
خیبر جو فتح ہو یہ کہاں مجھ میں حال ہے
یا مصطفےٰ فقط کرمِ ذوالجلال ہے

۱۴

سر پر علیؑ کے خود محمدؐ نے خود رکھا
پہنائی اپنے ہاتھ سے پھر آپ نے قبا
آہن کا خود تبسمِ پُرنور ہوگیا
مطلب زرہ بنانے کا داؤد کے کھلا
کھنچی تھی یوں زرہ تنِ پاکِ امام میں
گویا لیا ہے میں نے شجاعت کو دام میں

۱۵

بولی قضا زرہ کی طرف دیکھ دیکھ کر
لی دوش پر سپر تو کہا سب نے یک دگر
گردوں سے سلسلہ میں یہ پابند ہے ظفر
سایہ خدا کے لطف کا ہے اس کے دوش پر
عکسِ سپر بدن میں بدن کا سپر میں تھا
تھی وہ سپر کہ جرم نمایاں قمر میں تھا

۱۶

پھر کی حمائل اس نے وہ شمشیر آبدار
ہفتاد ہاتھ کھینچے بڑھتی تھی ذوالفقار
جوہر دغا میں برق کی صورت تھی بے قرار
جوہر بیاں کروں گا میں ہنگامِ کارزار
کہتے ہیں وقتِ رزم نکلتی تھی جیب سے
پیدائش اس حسام کی تھی نصف سیب سے

۱۷

آراستہ ہوا جو امامِ نکو سیر
چمکا نشاں نبیؑ کا تو سورج نے چرخ پر
بوسہ دیا رسولِ خدا نے جبیں پر
پنجہ لیا خطوطِ شعاعی کا منہ پہ دھر
پھر فتح یاب کیوں نہ ہو وہ کائنات سے
باندھے رسول جس کی کمر اپنے ہاتھ سے

۱۸

حیدرؑ سے پھر رسولِ خدا نے کیا خطاب
دُلدل کو لے کے آیا جو قنبر بصد شتاب
روشن قدم سے اپنے کر و زین کی رکاب
اک جست میں سوار ہوا ابنِ بوتراب
گھوڑے پہ جب سوار کیا اس جناب کو
محبوبِ ذوالجلال نے تھاما رکاب کو

۱۹

دُلدُل کی جست و خیز کا اب کیا کہوں میں رنگ
وہ جانتا تھا عرصۂ کون و مکاں کو تنگ
گر اس کا کھینچتا کوئی نقشہ بروئے سنگ
اُڑتا ہوا یہ سنگ بھی جوں کاغذِ پتنگ
گھوڑا نہ تھا وہ قدرتِ پروردگار تھا
اس پہ سوار مہرِ نبوت سوار تھا

۲۰

تسلیم کر نبی کو علیؑ یوں چلے وہاں
جس طرح سے جدا کہیں ہو جائیں جسم و جاں
منہ اپنا مصطفےٰ نے کیا سوئے آسماں
عارض پہ اشک ہونے لگے متصل رواں
دے کر علیؑ کو حفظ میں پروردگار کے
کرنے لگے دعائیں عمامہ اُتار کے

۲۱

بندہ ترا ہے جو یہ علیؑ بازوئے رسول
یارب ہلاکت اس کی تو مت کیجیے قبول
تیری کنیزِ خاص جو مشہور ہے بتول
شوہر کے غم سے ہو نہ کہیں اس کا دل ملول
یارب مری دُعا ہے اسے زندہ کیجیو
بیٹی کے منہ سے مجکو نہ شرمندہ کیجیو

۲۲

واں تو دعا یہ کرتے تھے سالارِ مرسلیں
یاں آن پہونچے متصلِ قلعہ شاہِ دیں
گاڑا پہاڑ پر علمِ مصطفےٰ جو ہیں
افلاک تھرتھرا گئے اور کانپ اٹھی زمیں
تھا زور اس قدر شہِ عالی شکوہ میں
پائے نشاں ڈوب گیا چشمِ کوہ میں

۲۳

دیکھا نگاہ بانوں نے جس دم یہ ماجرا
مرحب کو مژدہ از سرِ نو مرگ کا دیا
سن کر تب اُس لعین نے حارث سے یہ کہا
تنہا یہ کون آیا ہے سر اس کا جلد لا
باہر نکل کے وہ جوں ہی آیا حصار سے
حیدر نے دو کیا اسے اک ذوالفقار سے

۲۴

مرحب نے اس گھڑی کیا سامانِ رزم گاہ
نقارۂ کلاں پہ پڑی آہنی کلاہ
کاندھے پہ پھر سپر بھی لگائی بہ اشک واہ
سودے دراز ہجر کی جیسے شبِ سیاہ
ملعون نے زرہ پہ زرہ جب درست کی
زنجیر آہنی سے کمر اپنی چست کی

۲۵

کاندھے پہ یوں کمان نظر آئی بار بار
ہے آسمانِ کفر پہ اک قوس آشکار
پھر دستِ نحس میں لیا نیزہ وہ ایک بار
جو خیمۂ فلک کا ہوا چوب استوار
لٹکائی پھر کمر میں وہ تیغ اس شکوہ سے
دریا اُتر کے آتا ہے جس طرح کوہ سے

۲۶

چالاک و چست ہو کے ہوا وہ لعیں سوار
تب ہو گئے جلو میں یہودی کئی ہزار
بھائی کی لاش دیکھ کے میدانِ کارزار
طیش و غضب سے ہو گیا معمور ایک بار
پہلے تو کچھ بیان حسب اور نسب ہوا
پھر معرکہ میں آ کے مبارز طلب ہوا

۲۷

گھوڑے کو تب علیؑ نے پھرا کے کہا کہ ہاں
بھاری کیا رکاب کو کر دی سبک عناں
آیا سرِ عدو پہ اجل کی طرح دواں
مرحب نے پھر نیام سے لی تیغ ناگہاں
اُٹھا خدا کے ہاتھ نے جب آستین کو
گہوارے کی طرح سے ملی جنبش زمین کو

۲۸

مرحب ہوا علیؑ ولی پر جو حملہ ور
تیغ اس لعیں کی ہو گئی لیکن یہ کارگر
حضرت نے اپنے فرقِ مبارک پہ لی سپر
کاٹا سپر کو شاہِ ولایت کے ہاتھ پر
اب تک جو زلزلہ سے زمیں کانپ جاتی ہے
گاو زمیں کو ضرب وہی یاد آتی ہے

۲۹

بازوے مصطفےٰ کو غرض آ گیا جلال
اس غیظ سے کھڑے ہوے سارے بدن کے بال
منھ ہو گیا جلال جہاں آفریں کا لال
لی ذوالفقار شاہِ ولایت نے پھر سنبھال
انسان کیا جنوں کو پڑی اپنی جان کی
کونین میں پکار ہوئی الامان کی

۳۰

آئی صدا یہ عرش سے اس وقت ناگہاں
تھامو علیؑ کے ہاتھ کو جلدی فرشتگاں
میکال و جبرئیل و سرافیل کو کہ ہاں
عرصہ کیا تو عالمِ ایجاد پھر کہاں
اب ہاتھ جان لو مرا حیدر کے ہاتھ کو
کافی ہے ایک ضرب مری کائنات کو

۳۱

بس جنبشِ پلک پہ ملک تھے زمین پر
تھامی کلائی اُن کی سرافیل نے ادھر
میکال تو لپٹ گئے شانوں سے آن کر
ڈھانپے جنوں کی قوم کے روح الامیں نے پر
یاں تیغ جا چکی تھی سرِ نابکار پر
جوں صاعقہ تڑپ کے گری کوہسار پر

۳۲

جیبھی جو خود پر تو کیا تا کمر دوتا
کاٹا جو زین کو تو کیا قصد تنگ کا
پر ذوالفقار کی نہ تسلی ہوئی ذرا
در آئی پھر زمیں میں نہ کی دیر مطلقا
جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر
ہرگز نہ دم لیا پرِ روح الامین پر

۳۳

پھر اُس گھڑی تو کہنے لگا ربِّ کردگار
اُس دم کہا تمام فرشتوں نے یوں پکار
شاباش مرحبا تجھے اے عبدِ جاں نثار
یہ چشم زخم سے رہے محفوظ و برقرار
عیسیٰؑ نے یوں کہا کہ اسے کیا گزند ہے
بخر ہے آفتاب ہر اختر سپند ہے

۳۴

مرحب کے ساتھیوں پہ ہوئے شاہ حملہ ور
اور سب نے پل کے تختۂ پل کو کیا اُدھر
پھر بھاگ کر گئے پلِ خندق سے وہ گذر
ہو کر پیادہ پا گئے حیدرؑ بھی جست کر
مرحب پہ کچھ تمام نہ ساری لڑائی تھی
ان کے تو دھیان میں درِ خیبر کشائی تھی

۳۵

جب سیکڑوں یہودی ہوئے مستعد بہ جنگ
اوپر سے عورتیں بھی گراتی تھیں خشت و سنگ
شیرِ خدا پہ چلنے لگے نیزہ و خدنگ
آمد تھی سارے ترکوں کی جوں شیع عسنگ
جس دم سپر گری بشریت میں شاہ سے
اک روسیاہ لے گیا بچ کر نگاہ سے

۳۶

حیدرؑ کے ہاتھ میں نہ رہی جب سپر کی آڑ
دو انگلیوں میں لے لیا تب آہنی کواڑ
حضرت نے پاؤں اپنے رکاب زمیں میں گاڑ
جس سے نہ تھا زمیں پہ کلاں تر کوئی پہاڑ
ہرگز بشر کا کام بجز مرتضیٰؑ نہ تھا
گو وہ خدا نہ تھا یہ خدا سے جدا نہ تھا

۳۷

یارو سنا یہ مرتبۂ شاہ ذوالفقار
یہ لوگ ہیں خلاصۂ ایجاد کردگار
کیا کیا خدا کی رہ میں کیا زور آشکار
لیکن خدا کے واسطے سوچو آل کار
مسجد میں کس طرح سے عبادت دکھائی ہے
سجدے میں روزہ دار نے تلوار کھائی ہے

۳۸

آئی مہ صیام کی انیسویں جو شب
وہ لائیں نانِ جو نمک و شیر اور رطب
کلثوم سے طعام علیؑ نے کیا طلب
بیٹی سے تب علیؑ نے کہا از رہِ غضب
کیا چاہتی ہو تم کہ علیؑ پر عتاب ہو
محشر میں میرے واسطے طول حساب ہو

۳۹

جس دن سے سوئے خلد سدھارے ہیں مصطفا
کلثومؑ نے کیا رطب و شیر کو اٹھا
دو نعمتیں کبھی نہیں کھائی ہیں ایک جا
حضرت نے تین لقموں پر بس اکتفا کیا
روئیں جو بیٹیاں تو کہا یہ زبان سے
ہے آرزو سبک میں اٹھوں اس جہان سے

۴۰

افطار کر کے روزے کو مولا لے روزہ دار
پھر تھا تمام رات عجب ان کو اضطرار
اٹھے نماز شب کے لئے شاہ ذوالفقار
انگنائی میں علی نکل آتے تھے بار بار
دل سوئے حق تھا آنکھ سوئے آسمان تھی
تھی سامنے اجل کہ شبِ امتحان تھی

۴۱

کہتے تھے اپنی ریش مبارک کو وہ جناب
جاتا رہا تھا زینب و کلثوم کا بھی خواب
ہوئے گا صبح خون کا اس کے لئے خضاب
تھا مرتضیٰ علیؑ سے سوا ان کو اضطراب
مایوس گفتگو سے جو بابا کے ہوتی تھیں
باہیں گلے میں ڈال کے بابا کے روتی تھیں

۴۲

لے کر بلائیں دونوں یہ کہتی تھیں بابا جان
کیوں فال بد نکالتے ہیں آپ ہر زمان
کیوں نیند آپ کو نہیں آتی ہے ایک آن
کیوں بار بار دیکھتے ہیں سوئے آسمان
ہے زندگی ہماری جو جینے سے آپ کے
ہم دونوں بیٹیاں ہوں جدا ایسے باپ سے

۴۳

حضرت نے بیٹیوں کو گلے سے لگا لیا
اب وقت عنقریب ہے کوس رحیل کا
ہاتھوں کو چوم زینبؑ و کلثومؑ سے کہا
کچھ اس مقام میں نہیں چارہ بجز خدا
وارث تمھارا اب حسنؑ خستہ جان ہے
بس کل کے روز اور علیؑ میہمان ہے

۴۴

القصہ تھی ابھی وہ شبِ قتل نا تمام
دامن امام کا لیا مرغابیوں نے تھام
پیشِ سحر رواں ہوا مسجد میں وہ امام
ان کو ہٹا دیا تو علیؑ نے کیا کلام
اے بیبیو درشت نہ ہو جانور ہیں یہ
دامن سے مت چھڑاؤ مرے نوحہ گر ہیں یہ

۴۵

کہہ یہ سخن کیا در دولت سرا کو وا
اس کا بھی کچھ ہوا نہ خیال ان کو مطلقا
حلقے سے در کے واں بھی کمر بند الجھ گیا
بہنوں نے تب حسینؑ و حسنؑ سے یہ جا کہا
اے بھائی خواب ناز سے سر کو اٹھاؤ تم
بابا اکیلے جاتے ہیں ساتھ ان کے جاؤ تم

۴۶
دونوں علیؑ کے لاڈلے دوڑے برہنہ پا
واللہ تم نہ ہو گے مرے مانعِ قضا
پہونچے علیؑ تلک تو علیؑ نے انھیں کہا
پھر جاؤ تم کو ہے قسمِ روحِ مصطفےٰ
ہشیار کر دیا انھیں حکمِ الٰہ سے
پھیرا حسنؑ حسینؑ کو اثنائے راہ سے

۴۷
مسجد میں آن کر کہی مولا نے تب اذاں
اُس نے جگایا بیٹے کو ملجم کے مومناں
قطامہ نے سنی غرض آواز ناگہاں
مسجد میں آ کے لیٹا وہ مانندِ خفتگاں
فرصت اذاں سے جب ہوئی شاہِ حجاز کو
محراب میں ادا لگے کرنے نماز کو

۴۸
اُس وقت ابنِ ملجمِ ملعون بھی اُٹھا
سرِ مرتضیٰ کا سجدۂ اوّل میں جب جھکا
لگ کر ستون سے مسجدِ کوفہ میں چھپ رہا
اس نے لگائی تیغ پہ حاصل نہ کچھ ہوا
پر دیکھیو خدا سے علیؑ کے نیاز کو
ہرگز نہ روزہ دار نے توڑا نماز کو

۴۹
لیکن جھکا جو دوسرے سجدے میں ان کا سر
زخمی تھا ضربتِ عمرو عبدِ وُد سے سر
اس وقت اس لعیں کی ہوئی تیغ کارگر
یہ زخمِ جاں ستاں بھی لگا اُس مقام پر
خوں سر کا تا بہ ریشِ مبارک رواں ہوا
ابرو تلک شگافِ جبیں کا عیاں ہوا

۵۰
اس وقت آسماں پہ پکارے یہ جبرئیل
زخمی ہوا ہے آج سرِ سیّدِ جلیل
زوجِ بتول راہِ خدا میں ہوا قتیل
کوئی رہا نہ شبر و شبیر کا کفیل
شیرِ خدا نے فرق پہ تلوار کھائی ہے
استاد پیر قتل ہوا ہے دوہائی ہے

۵۱
تھا گھر میں آہ زینبؑ و کلثومؑ کا یہ حال
آئی صدا یہ کان میں جب ان کے غم مآل
تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی اور کھلے تھے بال
آ کر کہا حسینؑ حسنؑ سے بصد ملال
گل کر دیا چراغ زمین و زمان کو
بھائی کسی نے قتل کیا بابا جان کو

۵۲
دوڑے حسنؑ حسینؑ وہاں سے برہنہ سر
دیکھا جنابِ والدِ ماجد کو خوں میں تر
داخل ہوئے جو مسجدِ کوفہ میں آن کر
چلّا کے ہائے بابا گرے وہ زمین پر
آنکھوں سے اشک دونوں کے پیہم نکلتے تھے
چہرے پہ خون باپ کا لے لے کے ملتے تھے

۵۳
آنکھوں کو کھول شاہِ ولایت نے یہ کہا
جی بھر کے بیٹیوں کو تو میں دیکھ لوں ذرا
پہونچاؤ مجکو زینبؑ و کلثومؑ تک ذرا
حضرت کو اک گلیم کے اندر لٹا دیا
گھر کو روانہ واں سے بہ رنج و محن ہوئے
پر حیف ہے یتیم حسینؑ و حسنؑ ہوئے

۵۴
لائے علیؑ کو جب درِ دولت سرا کے پاس
اس دم کہا حسینؑ و حسنؑ نے بہ حالِ یاس
دوڑیں جنابِ زینبؑ و کلثومؑ بے حواس
اے مومنو ضرور ہے آلِ نبیؐ کا پاس
زہراؑ کی بیٹیاں ابھی قریبِ در آئی ہیں
سرکو علیؑ کی بیٹیاں کھولے سر آئی ہیں

بابا کو لائیں زینبؑ و کلثومؑ جب اٹھا
اصحاب جا کے لائے جو جراح کو بلا
حجرے میں اس جناب کو لا کر لٹا دیا
نعمان نے دیکھ زخم سرِ شاہ لافتا
بولا وہ سر کو پھیک عمامہ دہائی ہے
ہے ہے یہ تیغ زہر کے اندر بجھائی ہے

واللہ یہ حدیث میں لکھا ہے مومناں
چہرہ علی کا زرد تھا مانند زعفراں
اس زخم سے ہوا تھا لہو اس قدر رواں
دن بھر لگی نہ آنکھ ہوئے ایسے ناتواں
تھا زخم میں جو درد شہِ دیں پناہ کے
کاٹی تمام رات علی نے کراہ کے

ہے آگے یہ لکھا شب بست و یکم کا حال
اندوہ اہلِ بیت نبی کو ہوا کمال
آخر گیا وصیِ محمدؐ نے انتقال
اب آ گئے اے انیسؔ نہیں طاقتِ مقال
یارب دعا مری یہ اجابت قبول ہو
شاہِ نجف کی جلد زیارت حصول ہو

سلام

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے
کمال شوقِ زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریم! ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے
بہ رنگِ سبزۂ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے
کریم جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے
فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
نگاہ نامۂ اعمال پر جو کی پسِ مرگ
گناہگار نظر آیا بال بال مجھے
جو خضر بخت مجھے کربلا میں پہونچاوے
نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے
یہ الفتیں بھی ہیں دنیا میں یادگار اے مرگ
مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے
فلک میں سبزۂ بیگانہ اس چمن میں نہیں
یہ کیا روش ہے جو کرتا ہے پائمال مجھے
کبھو خوشی سے جو دنیا میں ایک دم گذرا
وہ صدمہ کش ہوں کہ برسوں رہا ملال مجھے
غمِ حسینؑ میں کہتا ہے زخمِ دل ہر دم
لہو جگر کا ہے گر ہو اندمال مجھے
کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے
پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے
بھلا میں دوں قدِ اکبر سے کس طرح تشبیہ
چمن میں سرو دکھائے تو اپنی چال مجھے
لہو بدن کا عرق ہو کے بہہ گیا سارا
ہوا یہ اپنے گناہوں سے انفعال مجھے

تری مدد کا فقط یا علیؑ بھروسا ہے
کسی کی آس نہیں وقت انتقال مجھے

یہ فخر ہو کہ ملی بادشاہی دُنیا کی
غلام سمجھیں اگر قنبر و بلالؓ مجھے

اُجل قریب ہے جلدی نجف میں پہونچا دے
بس اے نصیب نہ اگلے برس پہ ٹال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پروردگار رہیو گواہ
کہ قتل کرتے ہیں ناحق یہ بدخصال مجھے

قطعہ

جب آئیں بیٹوں کی لاشیں تو کہتی تھیں زینبؑ
کچھ ان کے مرنے کا مطلق نہیں خیال مجھے

فدا کروں گہرِ بے بہا میں زہرؑا پر
دیے تھے حق نے اسی واسطے یہ لال مجھے

دغا میں تیغوں کے پھل کھائے پھول سے تن پر
نہال کر گئے یہ میرے نونہال مجھے

اُلجھتا راتوں کو جب دل تو کہتی تھی بانو
دکھا دے اے علیؑ اصغر جھنڈولے بال مجھے

حسینؑ کہتے تھے اک ذوالفقار کافی ہے
نبرد میں نہ زرہ چاہیئے نہ ڈھال مجھے

قطعہ

چڑھا یہ کہہ کے جو سینے پہ شاہ کے قاتل
ملے گا آج بہت سا متاع و مال مجھے

پکارا خنجرِ بُراں کہ الغیاث اے شمر
نہ کر نبیؐ کے نواسے کے خوں سے لال مجھے

جدا جو کرتے تھے اعدا مزار اصغرؑ سے
تو بانو کہتی تھی اتنا نہ دو ملال مجھے

خدا کے واسطے مقتل میں مجھ کو رہنے دو
کہ شب کو چونک کے ڈھونڈھے گا میرا لال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی سنبھال مجھے

اندھیری قبر میں مشکل انیس کو ہے بہت
دکھاؤ یا علیؑ اب چاند سا جمال مجھے

رباعی

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک

ہاں نور محمدؐ و علیؑ ہیں واحد
ہیں اِسم تو دو مگر مسمّیٰ ہے ایک

مرثیہ

عرش خدا مقام جناب امیرؑ ہے
مسطور لوح نام جناب امیرؑ ہے
کرسی بھی تختِ بام جناب امیرؑ ہے
آیاتِ حق کلام جناب امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

۲

ظاہر علیؑ کی ذات سے ہے قدرتِ خدا
یعسوب دیں امیرِ عرب حجتِ خدا
بازوئے مصطفیٰ ہے درِ رحمتِ خدا
شیرِ خدا پہ ختم ہوئی طاعتِ خدا
قیمت نہ دے سکا کوئی جس کی حجاز میں
سائل کو بخش دی وہ انگوٹھی نماز میں

۳

ہے وہ کلیم عرش بریں جس کا طور ہے
ہر سمت ذات پاک اس کی ظہور ہے
خورشید دیں ہے ایمنِ ایماں کا نور ہے
ہے جو علیؑ سے دور وہ رحمت سے دور ہے
ہے راہ پر وہی جسے حیدر سے راہ ہے
حبِ علی نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

۴

اکثر بیان کرتے تھے محبوبِ کردگار
اور ہوں مداد بن کے رواں ایک جا بحار
اشجار شش جہات قلم ہوں جو ایک بار
لکھیں ازل سے تا بہ ابد اہل روزگار
دریا ہوں صرف اور قلم اختتام ہوں
لیکن نہ شیرِ حق کے فضائل تمام ہوں

۵

تھا فضلِ حق سے مظہرِ اعجاز وہ اُمم
جو صبح سے زمیں پہ گذرتا تھا تا بہ شام
خورشید سات بار ہوا ان سے ہم کلام
کہتی تھی بوتراب سے شب کو خبر تمام
اعجاز عیسوی کئی باری دکھا دیئے
تھا یہ اثر زباں میں کہ مُردے جلا دیئے

۶

تھے حافظِ کلام خدا شاہ ذوالفقار
دے کر رکاب میں قدمِ پاک کو قرار
لکھا ہے ہونے لگتے تھے دُلدل پہ جب سوار
قرآن شروع کرتا تھا وہ شیرِ کردگار
کس کا بغیر مصحفِ ناطق یہ کام تھا
پہونچا اُدھر جو پاؤں تو قرآں تمام تھا

۷

عالم میں مرتضیٰ کی ولادت کی دھوم ہے
غل تہنیت کا شام سے لے تا بہ روم ہے
کعبے کے گرد قدسیوں کا اک ہجوم ہے
کس دبدبے سے آمدِ بابِ علوم ہے
ارکانِ کعبہ راست ہیں تعظیم کے لیئے
محراب خم ہے شاہ کی تسلیم کے لیئے

۸

ہر چند تھے مقرب حق اور بھی نبیؑ
عیسیٰ کی والدہ کو نہ مطلق رضا ملی
پیدا ہوا نہ تھا کوئی اشجار بجز علیؑ
بنتِ اسد کو یہ ہوا فرمان ایزدی
کب رتبہ تھا یہ اور پیمبرؐ کے واسطے
دیوارِ کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے

۹

اللہ رے وقار زہے عزّ و احتشام
رونق فزائے کعبہ ہوا جب کہ وہ امام
دنیا میں خلق ہونے کا پایا عجب مقام
طاقوں سے کانپ کانپ کے بت گر پڑے تمام
برپا نشانِ کفر جو تھا دور ہو گیا
کعبہ خدا کے نور سے معمور ہو گیا

۱۰

آیا خدا کے گھر میں جو وہ غیرتِ قمر
تھے پرتوِ جمال سے تابندہ بام و در
تھا شور تہنیت کا ملائک میں عرش پر
ہر سنگ بن گیا ہمہ تن آئینہ کا گھر
ضو اس قدر تھی حسنِ علی کے ظہور کی
روشن تھا طور کعبہ تجلّی سے نور کی

۱۱

پیدا ہو جس مقام پہ شاہنشہِ نجف
مجرے کو سرنگوں تھی ملائک کی صف بہ صف
کس طرح اس زمیں پہ فلک کو نہ ہو شرف
کیا دُر تھا جس کا خانۂ کعبہ ہوا صدف
حق ہے کہ قبلۂ دو جہاں وہ ولی ہوا
اعلیٰ جو تھا تو اسمِ مبارک علی ہوا

۱۲

گردوں پہ یک بہ یک جو ہوئی روشنی عیاں
گھبرا کے تب یہ کہنے لگے ساکنِ جہاں
اور ہو گئی دو چند ضیائے ستارگاں
کچھ تازہ حادثہ ہوا بالائے آسماں
آئی ندا یہ حسنِ علی کا ظہور ہے
آدم سے پہلے خلق ہوا جو وہ نور ہے

۱۳

پیدا ہوا ہے آج دو عالم کا پیشوا
دستِ خدا امیرِ عرب شاہ لافتا
زیبا ہے جس کے جسم پہ تشریف انما
بابِ فتوح و قوتِ بازوئے مصطفیٰ
جانِ یقیں سے زہد و ورع میں وحید ہے
گنجینۂ علومِ خدا کی کلید ہے

۱۴

بوئے علی جو لے کے گئی خلد میں نسیم
کوثر کے لب سے آئی صدا شکر اے کریم
پھولے سماتے تھے نہ گلِ جنت النعیم
پیدا کیا جہان میں تو نے مرا قسیم
پوری ترے کرم سے ہوئی آرزو مری
آگے سے اب دو چند ہوئی آرزو مری

۱۵

اس روز کے جلوس کا ہو کس طرح بیاں
افلاک سے ملک چلے آتے تھے شادماں
جس روز کی خوشی کرے خلاقِ دو جہاں
غرفوں سے حوریں تکتی تھیں کعبہ کو ہر زماں
حبِّ علی کا چشمۂ کوثر کو جوش تھا
فرمانِ حق سے شعلۂ دوزخ خموش تھا

۱۶

مصروفِ اہتمام تھیں ارواحِ انبیا
گل دستۂ جناں لیے حاضر خلیل تھا
پلکوں سے کر رہے تھے ملک کعبہ کو صفا
عیسیٰ طبق میں لائے تھے دال بھر کے مائدا
موسیٰ عصا لیے صفتِ دورباش تھا
زمزم سے صحنِ کعبہ میں خضر آب پاش تھا

۱۷

روح القدس کو پہونچا یہ فرمانِ ایزدی
گھر میں ہمارے آج تولد ہوا علیؑ
مژدہ مرے حبیب کو دے جا کے اس گھڑی
ہم ہیں خوشی تجھے بھی مبارک ہو یہ خوشی
سترِ خفی جو تھا اسے ہم نے جلی کیا
بھائی تجھے دیا ترا بازو قوی کیا

۱۸

بھیجا ہے اس کو تیری حفاظت کے واسطے
کافی ہے اس کا زور حمایت کے واسطے
پیدا کیا ہے اس کو حفاظت کے واسطے
ہے یہ دلیل تیری رسالت کے واسطے
برپا نشانِ دیں ہو علم ذوالفقار ہو
نزدیک ہے کہ فتحِ خدا آشکار ہو

۱۹

موقوف تھا اسی پہ رسالت کا بند و بست
اب ہوں گے بُت پرست ہزاروں خدا پرست
دے گا یہ شیر لشکرِ کفّار کو شکست
ہو جائیں گے جہاں کے زبردست زیر دست
تیرا کوئی نظیر نہ اس کا نظیر ہے
تو بادشاہِ خلق ہے اور یہ وزیر ہے

۲۰

پیارا بہت ہے یہ ہمیں اے فخرِ مرسلیں
یہ تاج آسمان ہے یہ زینتِ زمیں
برپا کیا ہے ہم نے جہاں میں یہ رکنِ دیں
یہ کعبۂ مراد ہے یہ قبلۂ یقیں
جو دوست اس کا ہے وہ ہمارے حضور ہے
دشمن جو اس کا ہے مری رحمت سے دور ہے

۲۱

روح الامیں یہ سن کے چلے واں سے شادکام
دی تہنیت یہ حق کی طرف سے پس از سلام
آئے خوشی سے پیش رسول ذوی الکرام
پیدا ہوئے علی ولی شاہ خاص و عام
سن کر خوشی ہوئی یہ شہِ سرفراز کو
پس رکھ دیا زمیں پہ جبینِ نیاز کو

۲۲

سجدے سے سر اٹھا کے کہا شکر اے کریم
بے یار و بے رفیق تھا میں بے کس و یتیم
کی مجھ شکستہ دل کی کمر تو نے مستقیم
بھائی مجھے نہیں دیا، دی دولتِ عظیم
ہیں کارسازیاں تری باہر بیان سے
اِن نعمتوں کا شکر کروں کس زبان سے

۲۳

فرما کے یہ کلام شہنشاہِ انبیاؐ
پہونچے جو شاد شاد تو واں دیکھتے ہیں کیا
آغوش کھولے دوڑے سوئے خانۂ خدا
شیرِ خدا ہے سجدۂ معبود میں جھکا
حسنِ بیاں ہر ایک نبی سے زیادہ ہے
کی اس طرح تلاوتِ قرآں کہ یاد ہے

۲۴

آغوش میں نبی نے اُٹھایا بہ صد خوشی
پھر وحدتِ خدا بہ فصاحت بیان کی
آنکھیں علی نے کھول کے دیکھا رُخِ نبیؐ
اور دی رسولِ حق کی رسالت پہ شاہدی
نورِ خدا سے کعبہ میں رونق دوچند تھی
بانگِ اذان و صوتِ اقامت بلند تھی

۲۵

جب کر چکا رسولِ خدا سے یہ سب کلام
لے آئے اپنے گھر میں وصی گوشۂ انام
بس پھر گیا بہ حالتِ طفلی وہ نیک نام
مشغول پرورش ہوئے شفقت سے روز و شام
الفت یہ تھی کہ دور نہ رکھا نگاہ سے
گہوارہ تھا قریب بہت خواب گاہ سے

۲۶

جھولے کے پاس ہر گھڑی شفقت سے جاتے تھے
منھ چوم کر زبانِ مبارک چُساتے تھے
حیدر کے گاہوارے کی ڈوری ہلاتے تھے
چھاتی پہ اپنی راتوں کو اکثر سُلاتے تھے
فرماتے تھے یہ لشکرِ دیں کا نشان ہے
یہ جسم ہے مرا یہ محمدؐ کی جان ہے

۲۷

تھا بچپنے سے عاشقِ معبود وہ امام
تکبیر ہی زبان پہ جاری تھی صبح و شام
جھولے میں تھا نہ غیر عبادت کچھ اور کام
سوتے میں بھی نکلتا تھا منھ سے خدا کا نام
گر خوش ہوئے تو ذکر رسالت پناہ سے
رونا کبھی جو آیا تو خوفِ اِلٰہ سے

۲۸

اعجاز صغر سن میں ہوئے بارہا عیاں
ہم نام حق تھے نام خدا جب ہوئے جواں
اژدر کو چیرا قصہ میں واقف ہے اک جہاں
عیسیٰ نفس تھے مردوں کو اک دم میں بخشی جاں
کس سے بیاں ہو علم امام جلیل کے
اُستاد فضلِ حق سے ہوئے جبرئیل کے

۲۹

سجدہ کریں ملک وہ علیؑ کی جناب ہے
دستِ علیؑ خدا کے کرم کا سحاب ہے
خویش رسول شافعِ یوم الحساب ہے
سردار اہلِ بیت ہے جنت کا باب ہے
باہر ہے اس سے جو وہ ہے ساکن کنشت میں
اس در سے جو گیا وہی پہونچا بہشت میں

۳۰

کچھ ذکر ایک روز امیر عرب کا تھا
دشمن نہ ہوتا گر کوئی زوج بتول کا
سلمان فارسی سے محمدؐ نے یہ کہا
کرتا کبھی نہ خلق جہنم کو پھر خدا
دشمن جو ان کے ہیں انھیں دوزخ سے کام ہے
فردوس شیعیانِ علیؑ کا مقام ہے

۳۱

فرماتے ہیں رسولِ خدا شاہ کائنات
اس کشتی میں جو ہے اسے طوفاں سے ہے نجات
ہے نوحؑ کا سفینہ جہاں میں علیؑ کی ذات
باہر ہے جو تباہی میں ہے وہ زبوں صفات
ہے منکروں کو خوف ہمیں کچھ الم نہیں
حیدر ہیں ناخدا تو تباہی کا غم نہیں

۳۲

بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے
حج بھی پیادہ پا جو ہزار اس نے ہوں کئے
اور زر بہ قدر کوہ احد راہ حق میں دے
اور بے گناہ شہید بھی ہو ظلم و جور سے
حب علی کی مے جو نہیں دل کے جام میں
جنت کی بو نہ آئے گی اس کے مشام میں

۳۳

بیشک ہے برگزیدۂ حق وہ امام دیں
چالیس سال روتی ہے اس کے لئے زمیں
مرتا ہے اس کا شیعہ جہاں میں اگر کہیں
ایذا فشار کی بھی اسے مطلقاً نہیں
اس طرح اس کو ملتی ہے لذت مزار میں
بچے کو جو سلاتی ہے مادر کنار میں

۳۴

ہوتی ہے جاں کنی کی جو ایذا زیادہ تر
اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں شاہ بحر و بر
اور تشکل آتی ہے ملک الموت کی نظر
رکھتے ہیں اپنے زانو پہ شفقت سے اس کا سر
فرماتے ہیں کہ غم سے تجھے اب فراغ ہے
خوش ہو کہ تیرے سامنے جنت کا باغ ہے

۳۵

رہتی ہے سینہ میں جو کشاکش نفس کی دیر
چاروں طرف وہ دیکھتا ہے آنکھیں پھیر پھیر
حسرت بھی اور یاس بھی لیتی ہے آ کے گھیر
فرماتا ہے یہ تب بہ محبت خدا کا شیر
گھبرا نہ چلتے وقت کہ میں حق شناس ہوں
گر دور ہیں عزیز ترے میں تو پاس ہوں

۳۶

یہ کہہ کے کرتے ہیں ملک الموت سے کلام
لیکن یہ مقتدی ہے اور اس کا ہوں میں امام
تو قبض روح پر ہے معین کر اپنا کام
اس وقت بھی زباں پہ ہے اس کی مرا ہی نام
ایذا نہ ہو اسے یہ مراد دوستدار ہے
یہ بے قرار ہے تو علیؑ بے قرار ہے

۳۷

رکھ آتے ہیں جو قبر میں خویش و رفیق و یار
رہتا ہے کوئی پاس نہ ہمدم نہ غمگسار
وہ بیکسی وہ تنگی وہ تاریکیٔ مزار
واں کس کا آسرا ہے بجز ذاتِ کردگار
بہرِ سوال جب کہ نکیرین آتے ہیں
مولا جواب سب اسے بتلاتے جاتے ہیں

۳۸

کیا کیا نوازشیں ہیں نہیں اس کرم کی حد
مشکل وہ کونسی ہے جو کرتے نہیں مدد
فاقوں میں بھی سوال کسی کا کیا نہ رَد
اور حشر کی حدیثوں کی ہو چکی ہے یہ سند
شیعوں کے پا صراط پہ جب لڑکھڑائیں گے
حضرت تب ان کے ہاتھ پکڑنے کو آئیں گے

۳۹

کیا غم ہے اس کو جس کا علیؑ دست گیر ہے
حامیِ حشر ذاتِ جنابِ امیر ہے
معشوقِ خلق عاشقِ ربِّ قدیر ہے
جو بادشاہ ہے اسی در کا فقیر ہے
زوجِ بتول پاک کو جو مانتا نہیں
حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

۴۰

وہ دُرِّ شاہوار ہے خلقِ خدا صدف
عالم میں یوں بزرگ ہے شاہنشہِ نجف
قرآں میں جوں ہے سورۂ اخلاص کو شرف
ناحق شناس کچھ نہیں حق ہے اسی طرف
اس بات کو سمجھتا ہے جو خود عقیل ہے
حیدر کی ذات قدرتِ حق کی دلیل ہے

۴۱

یوں اُمتِ رسول پہ ہے حقِ مُرتضا
حق جس طرح سے ہوتا ہے بیٹوں پہ باپ کا
سمجھے نہ مصطفیٰ سے علیؑ کو کوئی جُدا
روشن ہے یہ دلیل نہیں فرق مصطفا
اس طرح مصطفیٰ و علیؑ کا ظہور ہے
دو آنکھیں جس طرح سے ہیں اور ایک نور ہے

۴۲

شمس الضحیٰ نبی ہیں تو بدر الدجا ہیں یہ
بحرِ کرم جو وہ ہیں تو کانِ سخا ہیں یہ
وہ فخرِ انبیا تو شہِ اولیا ہیں یہ
وہ شاہِ اِنّما شرفِ اوصیا ہیں یہ
دیکھئے حدیث کو جسے کچھ اشتباہ ہے
اس پر حدیث نفسک نفسی گواہ ہے

۴۳

ہے آستان شاہ نجف سجدہ گاہِ خلق
حصنِ حصینِ امن ہے پشت و پناہ خلق
واں کا غبار سرمۂ نورِ نگاہ خلق
ہے اس کی بارگاہ جو ہے بادشاہ خلق
واں کی زمیں سے مرتبہ پست آسماں کا ہے
کہتے ہیں جس کو عرش وہ فرش اس مکاں کا ہے

۴۴

ہیں سنگ واں کے لال تو ذرّے ہیں آفتاب
کوثر ہے واں کے پانی کے قطرے سے آب آب
جس در کو دیکھئے وہ ہے خلدِ بریں کا باب
روضہ علی کا روضۂ رضواں کا ہے جواب
رحمت بھری ہے واں کے ہر اک سنگ و خشت میں
پہنچے جو صحن میں ہوئے داخل بہشت میں

۴۵

شکلِ کفِ دعا ہے کشادہ درِ رواق
ہے رشکِ طاقِ بیتِ مقدس ہر ایک طاق
گر دیکھنے کا صحن کے ہو جائے اتفاق
دل میں رہے نہ روضۂ رضواں کا اشتیاق
حق ہے کہ کیا جناب ہے اور کیا مقام ہے
ادنیٰ گیا تو اُس کا بھی اعلیٰ مقام ہے

۴۶

اک دن رسولِ حق سے کسی نے یہ عرض کی
فرمایا مصطفٰےؐ نے کہ میں اور مرا وصی
ارشاد آپ کیجئے کچھ رتبۂ علی
تھے ایک نور خلقتِ آدم بھی جب نہ تھی
مانند روح و جسم کے باہم رہا ہوں میں
مجھ سے جدا نہ وہ ہے نہ اس سے جدا ہوں میں

۴۷

میرے لئے ہے گرچہ رسالت کا مرتبا
اک یہ کہ حق نے جیسا برادر اسے دیا
تین اس میں پر فضیلتیں مجھ سے بھی ہیں سوا
میرے لئے نہیں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
بی بی مجھے نہ مالکِ روزِ جزا ملی
زوجہ علی کو فاطمہؑ سی پارسا ملی

۴۸

بیٹے ملے حسینؑ و حسنؑ سیدِ جلیل
اُن کا تمام خلق میں کوئی نہیں عدیل
قدموں پہ جن کے آنکھوں کو ملتا ہے جبرئیل
وہ قاسمِ بہشت ہیں مختار سلسبیل
اب تو ہی دیکھ رتبہ کو شیرِ الٰہ کے
ایسے پسر کہاں ہیں رسالت پناہ کے

۴۹

میرا وصی ہے بعد مرے مالکِ جہاں
خون اس کا میرا خون ہے لاریب و بے گماں
جسم اس کا میرا جسم ہے جان اس کی میری جاں
ہے مرتضیٰ علیؑ کا خدا آپ مدح خواں
اس کے سوا ہے کس کا یہ رتبہ جہان میں
ہے آیۂ مباہلہ حیدر کی شان میں

۵۰

معجز نمائیوں کا کروں اس کی وصف کیا
تھا وہ ازل سے شیفتۂ ذاتِ کبریا
کرتا تھا ماں کے بطن میں تعظیم مصطفٰےؐ
ہوتے ہی خلق سجدۂ معبود میں جھکا
ہیبت سے اہلِ کفر کے ہتھیار گر پڑے
کعبے میں جتنے بت تھے سب اک بار گر پڑے

۵۱

اور حال یہ عبادتِ حیدر کا ہے رقم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشہِ اُمم
حمدِ خدا سوا نہ گذرتا تھا کوئی دم
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
احوال یہ تھا سجدے میں اس خوش خصال کا
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا

۵۲

ہر روز روزہ رکھتا تھا وہ سرورِ عرب
دُنیا میں تھے پر ان کو نہ دنیا کی تھی طلب
ذکرِ خدا میں کٹتی تھی رو کر تمام شب
فرماتے تھے یہ آتا تھا وقتِ نماز جب
میں کیا ہوں بندگی ہے مری کس شمار میں
عاجز ہوں میں عبادتِ پروردگار میں

۵۳

فرماں روائے خلق تھا ہر چند وہ امام
بھوکوں کو کھانا دیتا تھا جاری تھا فیض عام
لیکن نمک سے کھاتا تھا نانِ جویں مدام
کس لطف سے غریبوں سے ہوتا تھا ہم کلام
غم بے کسوں کے حال پہ کھانے سے کام تھا
بھوکوں کو آپ جا کے کھلانے سے کام تھا

۵۴

پوشاک تھی نہ اور بجز کہنہ پیرہن
ڈھانپا کبھی نہ تا قم و سنجاب سے بدن
سو وہ بھی اس لئے تھا کہ ہوگا وہی کفن
یا انتظارِ مرگ تھا یا خوفِ ذوالمنن
جب خانۂ خدا میں عبادت کو جاتے تھے
مانند بید عضو بدن تھر تھراتے تھے

۵۵

ملتی تھی مُزدِ آب کشی جو بہ وقتِ شب
رانڈوں کو جا کے اس کا کھلاتے تھے طعام
اندھوں پہ اور غریبوں پہ الطاف تھا مدام
فرماتے تھے جو پوچھتا مولا کا کیا ہے نام
کیا پوچھتے ہو عبد خدائے قدیر ہوں
جس طرح تم فقیر ہو میں بھی فقیر ہوں

۵۶

گر پوچھتا کوئی کہ ہے گھر آپ کا کہاں
فرماتے بے نشانوں کا پوچھو نہ کچھ نشاں
کنجِ لحد بنا نہیں اپنا کوئی مکاں
کیا خاک گھر بنائے کوئی زیرِ آسماں
پابند کچھ نہیں ہوں کہ تکیہ پہ سر رہے
دم بھر جہاں زمیں میں جگہ پائی پڑ رہے

۵۷

جب اہلِ بیتؑ سامنے کھانے کو لاتے تھے
لذّت کے کھانے شیرِ خدا کو نہ بھاتے تھے
اک قرصِ نانِ جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے
ہوتا کوئی مُصر تو یہ رُو کر سُناتے تھے
اس خوف سے ہے دل مرا بیتاب سینے میں
میں کھاؤں اور کوئی ہو بھوکا مدینے میں

۵۸

افتادگی یہ تھی کہ نہیں جس کی انتہا
اب سنیے مرتضیٰؑ کی سخاوت کا ماجرا
انگشتری رکوع میں سائل کو کی عطا
سارا خراج ملکِ یمن جس کی تھی بہا
کون اس ولیِ حق سا سخی ہے جہان میں
جس نے قطار اونٹوں کی بخشی اک آن میں

۵۹

سائل نے عرض کی یہ سفر میں بہ انکسار
اک روٹی دیجیے مجھے یا شیرِ کردگار
قنبر سے تب یہ کہنے لگے شاہِ ذوالفقار
بھوکے کو جلد سیر کر اے عبدِ باوقار
عرض اس نے کی امام جنابِ کبار ہیں
ہیں روٹیاں شتر پہ شتر ہے قطار میں

۶۰

قنبر سے تب یہ شیرِ خدا نے کیے کلام
وہ اونٹ بھر تو اس کے حوالے مع طعام
عرض اس نے کی وہ اونٹ مقدم ہے یا امام
جب وہ چلے تو چلتے ہیں پیچھے شتر تمام
فرمایا گرچہ کم ہے یہ میری نگاہ میں
دے سب قطار اونٹوں کی خالق کی راہ میں

۶۱

قنبر نے جلد اونٹوں کی سائل کو دی قطار
اور دور جا کھڑا ہوا اونٹوں سے ایک بار
پوچھا سبب علیؑ نے تو بولا وہ ذی وقار
حضرت کا بحرِ جود و سخاوت ہے بے کنار
ہے خوف اس کا گرچہ میں ہوں کس شمار میں
مجھکو نہ بخش دیجیے کہیں اس قطار میں

۶۲

بہرِ وفائے نذر جو صائم ہوئے امام
اور دن ہوا تلاوتِ قرآن میں تمام
مولا کو جَو کی روٹی بہم ہو چکی وقتِ شام
سائل پکارا در پہ یہ حیدرؑ کا لے کے نام
میں فاقہ کش یتیم ہوں تم حق کے شیر ہو
حاضر ہو کچھ تو دو کہ یہ محتاج سیر ہو

۶۳

اُس صاحبِ کرم نے سُنی جب کہ یہ صدا
وہ روٹی اپنے حصّے کی سائل کو کی عطا
بنتِ نبیؐ و فضّہ و سبطینِ مصطفیٰ
دے آئے اپنا حصّہ بھی اور شکرِ حق کیا
پانی سے روزہ کھولا شہِ ذوالفقار نے
فاقے میں کاٹی رات ہر اک روزہ دار نے

۶۴

پھر صوم سے تھے دوسرے دن شیرِ ذوالجلال
سائل نے وقتِ شام پھر آکر کیا سوال
افطار کرنے پائے نہ تھے پانچوں خوش خصال
پھر بخشی نانِ جو اُسے با رغبتِ کمال
تھا روزہ تیسرا کہ وہ آیا اسی طرح
پھر پانچوں صاحبوں نے کھلایا اسی طرح

۶۵

جس دن وہ تینوں نذر کے آخر ہوئے صیام
تھا فاطمہؑ کا ضعف سے لرزاں بدن تمام
اور چوتھے دن بھی کچھ نہ میسّر ہوا طعام
فاقوں سے شیرِ حق میں نہ تھی طاقتِ کلام
مشکل تھا بولنا حسنؑ تلخ کام کو
غش آتے تھے حسین علیہ السلام کو

۶۶

منھ خشک رنگ زرد تھا اشکوں سے چشم نم
اُن سے علیؑ یہ کہتے تھے بیٹا نہ کھاؤ غم
اور بھوک سے لگا ہوا تھا پشت سے شکم
کھانا جو تین روز سے پہونچا نہیں ہم
راحت ہے راہِ حق میں جو ہم رنج سہتے ہیں
ہوتے ہیں جو سخی وہی بھوکے بھی رہتے ہیں

۶۷

گو تم پہ درد رنج و اَلم کا وفور ہے
سائل کو گر نہ دیجئے ہمت سے دور ہے
بہتر ہے وہ جو مرضیِ ربِّ غفور ہے
بچپن سے بھوک پیاس کی عادت ضرور ہے
فاقوں میں زخم تیغ و سناں تن پہ کھانے ہیں
بیٹا ابھی بہت تمھیں صدمے اٹھانے ہیں

۶۸

کیا غش پڑے ہو تکیے سے بیٹا اٹھاؤ سر
زہراؑ نے تب علیؑ سے کہا یہ بہ چشم تر
رازق کرے گا رحم اسی پر رکھو نظر
کیا عمر ہے حسینؑ کی یا شاہِ بحر و بر
اس کی گرسنگی سے مرے دل میں درد ہے
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں رنگ زرد ہے

۶۹

بچوں کو بھوک پیاس میں آتا نہیں قرار
اِس صبر پہ حسینؑ کے ہو فاطمہؑ نثار
مادر سے کھانا مانگتے ہیں رو کے بار بار
بھوکا رہا ہمارے برابر یہ گل عذار
کیوں کر خدا نہ ہوئے گا خوش اِس کی باتوں سے
سائل کو روٹی دوڑ کے دی ننھے ہاتھوں سے

۷۰

زہراؑ سے تب یہ کہنے لگے رو کے مرتضیٰ
سائل کو روٹی دینے کا اس کو عجب ہے کیا
صابر مرا حسینؑ ہے ایوب سے سوا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا
صبر اِس کا تا بہ حشر ہر اک کو رُلائے گا
یہ وہ ہے تین روز جو پانی نہ پائے گا

۷۱

فرمایا فاطمہؑ نے کہ اے شیرِ ذوالجلال
فاقے سے تین دن کے ہے صاحب یہ نونہال
میرا حسینؑ بھوک سے ہے اب بہت نڈھال
زہرا سے اب تو دیکھا نہیں جاتا اس کا حال
بچوں کی میرے فاقہ کشی پر نظر کرو
بیٹھے ہو کیا رسولِ خدا کو خبر کرو

۷۲

زہرا یہ کہہ رہی تھیں علیؑ سے بہ حالِ زار
تعظیم کو نبیؐ کی اُٹھے شاہِ ذوالفقار
تشریف لائے اتنے میں محبوبِ کردگار
پر کانپتے تھے پاؤں نقاہت تھی آشکار
زار و نحیف بنتِ رسالت پناہ تھی
فاقوں سے دونوں بیٹوں کی حالت تباہ تھی

۷۳

بچوں کا حال دیکھ کے گھبرا گئے رسولؐ
مرجھائے آج کیوں ہیں یہ میرے چمن کے پھول
پوچھا یہ مرتضیٰ سے کہ اے شوہرِ بتولؑ
روداد سب علیؑ نے کہی با دلِ ملول
غم سے رہی نہ تاب شہِ مشرقین کو
رونے گلے لگا کے حسنؑ اور حسینؑ کو

۷۴

پھر فاطمہؑ کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
سنتا ہوں تین دن ہوئے کھانا نہیں ملا
اے میری فاقہ کش تری ہمت کے میں فدا
افسوس تیرے حال سے میں بے خبر رہا
پھر بولے اے خدا مرے فرزند مرتے ہیں
فاقہ سے تین تین دن ان پر گذرتے ہیں

۷۵

رو رو کے کہتے تھے یہ ابھی سیدِ انام
آیاتِ ہَلْ اَتیٰ کو دیا اور کیے کلام
جو آئے جبرئیلؑ امیں با صد احترام
راضی ہے مرتضیٰ سے بہت ربِّ ذوالکرام
فاقے کیے جو راہ خدائے قدیر میں
آیا ہے سورہ مدح جناب امیر میں

۷۶

جبرئیلؑ سے یہ مژدہ محمدؐ نے جب سنا
فرطِ خوشی سے سُرخ ہوا روئے مرتضیٰ
درگاہ حق میں شکر کا سجدہ ادا کیا
رکھ کر زمیں پہ سر کو بصد عجز یہ کہا
بندے پہ کیا عنایتِ پروردگار ہے
یہ ایک مشتِ خاک کا عزّ و وقار ہے

۷۷

میں کیا ہوں مجھ سے کون سا ایسا ہوا عمل
بخشا اسی نے صبر کہ آیا نہیں خلل
بھوکا اگر رہا تو نہیں فخر کا محل
لا انتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
دے سکتا تھا میں رزق یتیم و اسیر کو
اس نے دیا تو میں نے کھلایا فقیر کو

۷۸

ہمت اُسی نے دی یہ سخاوت اسی نے دی
قوت اُسی نے بخشی شجاعت اسی نے دی
فاقوں میں مجکو صبر کی طاقت اُسی نے دی
اس عبدِ خاکسار کو عزت اُسی نے دی
لطف و کرم نے محرمِ رازِ خفی کیا
اپنے حبیب کا مجھے اس نے وصی کیا

۷۹

ادنیٰ سا یہ سخاوتِ حیدر کا ہے بیاں
مشہور تھا وہ ناصرِ پیغمبرِ زماں
عالم پہ جرأتِ اسد اللہ ہے عیاں
کیں فتح اہلِ کفر کی کیا کیا لڑائیاں
جتنے دلاورانِ جہاں اور دلیر ہیں
شیرِ خدا کی ضرب کی دہشت سے زیر ہیں

۸۰

کس طرح ذوالفقار کی بُرش کی ہو ثنا
ہر معرکے میں وہ نظر آتی ہے شکلِ لا
حرفوں سے حرف کٹتے ہیں ہو جاتے ہیں جدا
یعنی نہیں علیؑ کے سوا شاہ لافتا
اغراق کچھ نہیں ہے یہ تشبیہ ٹھیک ہے
ظاہر ہے اس سے تھا کہ خدا لاشریک ہے

۸۱

بدر و حنین و کعبہ و خیبر سے تا اُحد
دستِ خدا کا وار کسی سے ہوا نہ رد
ہر جنگ میں علیؑ نے محمدؐ کی کی مدد
اس ادّعائے راست پہ ہے لافتیٰ سند
بُرش پہ ذوالفقار کی قاطع دلیل ہے
اب تک دو نیم جس سے پرِ جبرئیلؑ ہے

۸۲

بارہ برس کی عمر میں قوت تھی اس قدر
دی ہے کتب میں اہلِ تواریخ نے خبر
خیبر کا در اُکھاڑ لیا اور کیا سپر
چالیس من کا حلقہ تھا ہفتاد من کا در
شیرِ خدا نے زورِ ولایت دکھا دیا
خندق پہ پل نہ تھا تو اُسے پل بنا دیا

۸۳

اس پل سے اترے جب کہ جواں آٹھ نو ہزار
قائم ہوا یہ ہیں قدمِ شاہ ذوالفقار
تکبیر کہہ کے بولا یہ اک مردِ باوقار
بولے نبی ہوا اسے سمجھو نہ زینہار
خیبر کا در ہے دستِ امامِ جلیل پر
قائم ہیں دونوں پاؤں پرِ جبرئیل پر

۸۴

مشہور ہے جہان میں جنگِ اُحد کا حال
فوجِ رسول بھاگ گئی سب دمِ جدال
جس وقت اہلِ کفر کی کثرت ہوئی کمال
محبوب ذوالجلال کو تب آگیا جلال
پھر کر اِدھر اُدھر جو نظر کی عتاب میں
غیر از علی کسی کو نہ پایا رکاب میں

۸۵

احمدؐ پہ تھا ہجوم سپاہِ منافقین
ڈر سے علیؑ کے پر کوئی آتا نہ تھا قریں
تھی ہاتھ میں کھنچی ہوئی ہر اک کے تیغ کیں
پتھر نبیؐ کو مارتے تھے سنگ دل لعیں
زخمی جو یک بیک لبِ معجز نما ہوئے
درجِ دہن سے گوہرِ دنداں جدا ہوئے

۸۶

آلودِ خوں میں جب ہوئے محبوبِ کردگار
اس دم نہ مرتضیٰؑ کو رہی طاقت قرار
ناقہ بڑھا کے آپ کیا عزمِ کارزار
کھینچی خدا کے شیر نے گھبرا کے ذوالفقار
دہشت سے الاماں کی فلک تک صدا گئی
گاؤ زمیں زمیں کے تلے تھرتھرا گئی

۸۷

چمکی دمِ نبرد جو وہ برقِ شعلہ ور
اللہ رے ضربِ تیغِ علیؑ رخ کیا جدھر
روحیں تنوں کو چھوڑ کے بھاگیں سوئے سقر
روحیں تنوں کی لوٹ رہی تھیں زمین پر
نصرت فدا تھی جرأت و ہمت نثار تھی
لاسیف و لافتیٰ کی فلک پر پکار تھی

۸۸

آتے تھے اہلِ کفر محمدؐ پہ فوج فوج
دونا تھا ذوالفقار کا اس معرکے میں اوج
دریائے حرب چار طرف مارتا تھا موج
ہر فرد کو جھکاتا تھا خیر النسا کا زوج
آئے نظر نہ وہ جنھیں قصدِ مصاف تھا
حملہ نہ ہو چکا تھا کہ میدان صاف تھا

۸۹

خندق میں جب شروع ہوئی مصطفےٰ سے جنگ
مشہور ہے وہ بحرِ شجاعت کا تھا نہنگ
تھی ابنِ عبدود کی شجاعت سے فوج تنگ
دو چار سو سے سامنا کرنا تھا اس کو ننگ
منھ پھیرتا نہ تھا وہ کسی کارزار سے
لڑتا تھا معرکے میں اکیلا ہزار سے

۹۰

آئی نظر جو فوجِ رسولِ خدا کی شان
کفار مستعد ہوئے بزدل کو تان تان
اس نے بھی اپنی فوج کے کھلوا دئے نشان
آگے بڑھا جلو میں کئی سو لیے جوان
مشہور خلق معرکہ آرا سے رزم تھا
محبوبِ حق کے قتل کا کافر کو عزم تھا

۹۱

رکھے ہوئے تھے خود کلاں فرق نحس پر
تھی پشت سے لگی ہوئی اک آہنی سپر
بر میں زرہ تھی کاندھے پہ تھا گرزِ گاؤ سر
لنگر یہ تیغ میں کہ کرے کوہ میں گذر
سب گھوڑوں سے بلند قوی راہوار تھا
اک دیو تھا کہ کوہ کے اوپر سوار تھا

۹۲

بڑھتا ہوا رجز جو پڑھا وہ دم نبرد
تھا لاف زن رسول کا جو ہو شریک درد
اصحاب مصطفیٰ ہوئے دہشت سے اس کی زرد
صف سے نکل کے آئے مرے سامنے وہ مرد
طاری تھا خوف فوج پہ اس کے بیان سے
نکلا نہ کوئی جنگ کو اس پہلوان سے

۹۳

اصحاب سے نبیؐ نے یہ اس دم کیا خطاب
سب سرنگوں تھے ڈر سے نہ تھی بولنے کی تاب
دیوے زبان تیغ سے اس کو کوئی جواب
آخر بڑھے پرے سے امام فلک جناب
کی عرض مصطفیٰ سے یہ کیا انتظار ہے
بندہ رضائے حرب کا امیدوار ہے

۹۴

کی عرض ہاتھ جوڑ کے حیدر نے تین بار
نزدیک تھا کہ فوج محمدؐ کرے فرار
محبوب حق نے پر نہ دیا حکم کارزار
سلمان نے عرض کی فدا ہو یہ جاں نثار
سر بر نہ ہوگا کوئی جواں اس جوان سے
نکلے گی ذوالفقار نہ جب تک میان سے

۹۵

یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہ بحر و بر
پہنائی اپنے تن کی زرہ اس کے جسم پر
اپنے عمامہ کو کیا حیدرؑ کا تاج سر
ہاتھوں سے اپنے باندھی ید اللہ کی کمر
حفظ خدا علیؑ ولی کی سپر ہوئی
قبضے میں ذوالفقار کلید ظفر ہوئی

۹۶

رخصت نبیؐ سے ہو کے جو وہ شیر نر چلا
قبلہ کی سمت ہاتھ اٹھا کر یہ کی دعا
پڑھتے تھے رو کے آیۂ نصرت کو مصطفیٰ
تو مرتضیٰ علی کا نگہبان ہے خدا
بے تاب ہوں یہ میری دعا مستجاب ہو
عمرا بن عبدود پہ علیؑ فتحیاب ہو

۹۷

یارب یہ تیرا بندۂ طاعت گذار ہے
عابد ہے متقی ہے یہ اور خاکسار ہے
یارب یہ روزہ دار ہے شب زندہ دار ہے
یہ تیرے نام پاک پہ دل سے نثار ہے
دنیا بہت ذلیل ہے اس کی نگاہ میں
جان اپنی صرف کرتا ہے یہ حق کی راہ میں

۹۸

کرتے تھے یاں نبی یہ مناجات بار بار
بڑھ کر رجز کو ہاتھ میں تولی جو ذوالفقار
پہونچا خدا کا شیر بہ میدانِ کارزار
چومے قدم نصیب نے نصرت ہوئی نثار
خادم کوئی جلو میں نہ تھا راہوار تھا
اس دن پیادہ پا تھے نہ دلدل سوار تھا

۹۹

عمرا بن عبدود سے یہ کی پہلے گفتگو
بہتر نزد نبی کا ہو کہ زیادہ ہو آبرو
اقرار کر اللہ کی وحدانیت کا تو
یا ترک کر محاربہ احمدؐ سے اے عدو
ڈر حق سے اور در پئے جنگ و جدل نہ ہو
تا انتظام دین نبیؐ میں خلل نہ ہو

۱۰۰

ہنس کر علیؑ سے بولا یہ وہ نطفۂ حرام
واقف ہیں میرے زورِ شجاعت سے خاص و عام
میں نے کبھی سُنے نہیں اس طرح کے کلام
لڑکے سے کیا لڑوں کہ یہ ہے ننگ کا مقام
ناحق تو جان دینے کو آیا ہے آپ سے
پھر جا کہ دوستی ہے مجھے تیرے باپ سے

۱۰۱

آشفتہ ہو کے کہنے لگے مرتضیٰ علیؑ
تو دشمنِ خدا و محمدؐ ہے اے شقی
ہوتی نہیں ہے مومن و کافر میں دوستی
کردوں گا ایک حملہ میں تجھ کو فنا ابھی
حیدرؑ ہوں ابن عمِ رسالت پناہ ہوں
لڑکا نہ جانیو کہ میں شیرِ الٰہ ہوں

۱۰۲

آکر غضب میں گھوڑے سے کودا وہ بد سیر
دو ٹکڑے ہوتا برق جو وہ تیغ کوہ بر
پے کر کے اسپ کو ہوا حضرت پہ حملہ ور
حیدرؑ نے بہرِ دفعِ ضرر سر پہ لی سپر
اُس ضرب سے دو نیم علیؑ کی سپر ہوئی
سر پر لگا جو زخم جبیں خوں سے تر ہوئی

۱۰۳

یوں دوڑ کر علیؑ نے کیا اپنا اس پہ وار
ضربت کے روکنے کی عدو کو ملی نہ بار
آجائے شاہباز کے پنجے میں جوں شکار
بجلی سی بس چمک کے گری سر پہ ذوالفقار
اتنا تو منہ سے فوج کے نکلا غضب ہوا
ثابت نہ تھا کسی پہ کہ دو ٹکڑے کب ہوا

۱۰۴

تکبیر کی علیؑ نے جو میداں سے وہی صدا
روح الامیں نے آکے پس از تہنیت کہا
محبوبِ حق نے شکر کا سجدہ ادا کیا
ضربِ علیؑ کی کرتا ہے تعریف کبریا
کس تیغ میں یہ ضرب ہے کس میں یہ زور ہے
گردوں پہ تہنیت کا فرشتوں میں شور ہے

۱۰۵

اتنے میں فتح کر کے پھرے شاہ بحر و بر
حیدرؑ کو پیار کرنے لگے سیدالبشر
ڈالا قدم پہ اسپ نبی کے عدو کا سر
فرمائی یہ حدیث زباں سے پکار کر
جس سے خدا خوشی ہے علیؑ کی وہ حرب ہے
افضل عبادتِ دو جہاں سے یہ ضرب ہے

۱۰۶

آیا نظر جو زخم سرِ مرتضیٰ علیؑ
فرماتے تھے میں آہ کہاں ہوں گا اس گھڑی
پٹی سے اس کو باندھ کے روئے بہت نبیؐ
زخمی کرے گا جب تجھے سجدے میں اک شقی
لوٹے گا تو جو خانۂ پروردگار میں
تڑپے گی میری روح مقرِ مزار میں

۱۰۷

اے مومنو شجاعتِ حیدرؑ کا تھا یہ حال
دنیا سے جب کہ اُٹھ گئے محبوبِ ذوالجلال
کامل تھا صبر و شکر میں وہ صاحبِ کمال
آزارِ مرتضیٰ کو لگے دینے بدخصال
کیا کیا نہ شیرِ حق پہ مصیبت گذر گئی
اعدا کے ظلم و جور سے زہراؑ بھی مر گئی

۱۰۸

اس پر بھی ظالموں نے نہ کھینچا ستم سے ہاتھ
مسجد میں مرتضیٰ گئے گھر سے پئے صلوٰت
گذری مہِ صیام کی انیسویں جو رات
قتلِ علیؑ کی گھات میں تھا اک زبوں صفات
پایا جو محوِ بندگیٔ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

۱۰۹ — مطلع سوم

رو دو کہ روز قتل امیر عرب ہے آج
پیٹو کہ روز حشر ہے غربت کی شب ہے آج
بزم عزا میں آ کے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج
پایا جو محو بندگیِ بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

۱۱۰

اب پیٹنے کی جا ہے غلامانِ مرتضا
آقا کی گوش دل سے مصیبت سنو ذرا
ایسا کریم، ایسا سخی، ایسا پیشوا
بے جرم حق کے سجدے میں مجروح ہو گیا
فرصت نہ دی نماز کی اُس روزہ دار کو
نہلا دیا لہو میں شہ ذوالفقار کو

۱۱۱

سجدے میں شیر حق کا دوبارہ ہوا جو سر
اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اُبلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر
گردوں پہ جبرئیلؑ پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیر عرب ہوا

۱۱۲

پہونچی جو گوش حضرتِ زینبؑ میں یہ صدا
رو کر جناب شبّرؑ و شبیرؑ سے کہا
جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتا
کس نے کیا شہید امامِ حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

۱۱۳

یہ سن کے دوڑے جانب مسجد حسنؑ حسینؑ
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بہ شور و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہ مشرقین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نور عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

۱۱۴

گہ زخمی سر کو دیکھ کے کرتے تھے یہ بیان
ٹوٹی بس اب ہماری کمر ہائے بابا جان
نانا ہمارے سر پہ نہ جیتے تھے اور نہ ماں
جاویں گے جس طرف نہ ملے گی ہمیں اماں
بیٹوں کو قید غم سے چھڑاؤ تو خوب ہے
ساتھ اپنے ہم کو لیتے ہی جاؤ تو خوب ہے

۱۱۵

فریاد ہے کہ خانۂ زہراؑ تباہ ہوا
زخمی کیا وصیِ محمدؐ کو بے گناہ
یہ کہہ کے لائے روتے ہوئے تا بہ خوابگاہ
حضرت کی آنکھیں بند تھیں کرتے تھے آہ آہ
خوں سے عبا تھی سرخ جراحت میں درد تھا
مانند زعفران پر نور زرد تھا

۱۱۶

حضرت کے گرد جمع تھے اصحاب با وفا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
تم سے وصی رسول کا ہوتا ہے اب جدا
وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا
غم میں ہمارے خاک سروں پر اُڑاؤ گے
کل خویش مصطفےٰؐ کو نہ دنیا میں پاؤ گے

۱۱۷

کی اٹھ کے صعصعہ بنِ سحباں نے عرض تب
خاطر میں چند مسئلے ہیں یا شہ عرب
جب چاہا اس کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب
دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب
خادم امیدوار ہے اس کے جواب کا
آدم کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا

۱۱۸

سر کو جھکا کے شیرِ خدا نے دیا جواب
گندم کے کھانے سے وہ ہوئے موردِ عتاب
آتا ہے مجھ کو اپنی تمنا کرنے سے حجاب
میں نے بغیر منع کیا اس سے اجتناب
فاقوں میں شکرِ حق سے زباں آشنا رہی
نانِ جویں ہمیشہ علیؑ کی غذا رہی

۱۱۹

کی عرض اُس نے رو کے کہ اے شاہِ لافتا
فرمایا جب کہ اُمتِ سرکش نے کی جفا
رتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
کی حق میں اُن کے نوح سے صابر نے بددعا
باندھا ستمگروں نے گلا ریسمان سے
میں نے دعائے بد نہ کبھی کی زبان سے

۱۲۰

اور دوسرے سعید نہ تھا نوح کا پسر
میرے پسر رسول کے ہیں پارۂ جگر
کافر رہا سدا نہ ہوا دیں سے بہرہ ور
یہ دونوں لعل عرشِ الٰہی کے ہیں گہر
سردار اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں
نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں

۱۲۱

پھر اس نے عرض کی کہ غلام آپ پر نثار
فرمایا اُن کو جب ہوا حکمِ کردگار
قدر آپ کی ہوا ہے کہ موسیٰؑ کا اقتدار
فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں
گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لے کے جاؤں میں

۱۲۲

مجھ سے رسولِ پاک نے جس دم کہی یہ بات
تھے جمع واں بہت سے صنادید بدصفات
ہاں جا کے اہلِ کعبہ میں پڑھ سورۂ برات
لایا بجا میں حکم شہنشاہِ کائنات
سورہ پڑھا برات کا اس عزّ و شان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

۱۲۳

جب طور پر عصا ہوئی موسیٰ کا اژدہا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریت کا اقتضا
موسیٰ اسے پکڑ یہ ہوا حکمِ کبریا
غیر از خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
حیدر لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں
دو انگلیوں سے چیرا ہے اژدر کو مہد میں

۱۲۴

عیسیٰؑ کو اس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا
جب دردِ وضعِ حمل انھیں کعبہ میں ہوا
مادر ہے ان کی حضرتِ مریمؑ سی پارسا
آئی ندائے غیب کہ باہر یہاں سے جا
یاں کوئی امر غیرِ عبادت روا نہیں
طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں

۱۲۵

اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی
باہر سے فاطمہؑ کو صدا یہ کسی نے دی
مادر مری دعا کے لئے کعبہ میں گئی
آ اندر آ تو کعبہ کے اے مادرِ علیؑ
مریم سے مرتبہ ترا اس دم زیادہ ہے
تو ہے کنیزِ خاص علیؑ خانہ زاد ہے

۱۲۶

یہ کہتے تھے کہ شیرِ خدا کو غش آگیا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا
پردے کے پاس آن کے زینب نے یہ کہا
گھر جاؤ اپنے وقت ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہِ کون و مکاں کو
جی بھر کے دیکھنے دو نہیں بابا جان کو

۱۲۷

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہ ذوالفقار
زینب بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
آؤ مرے قریب کہ ہے وقت اختصار
یہ سن کے روتے روتے دم اُنکے اُلٹ گئے
بارہ پسر علی کے قدم سے لپٹ گئے

۱۲۸

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا
اور ہاتھ اُن کے ہاتھوں میں دونوں کا دیا
چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاس ادب سے باپ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں ان کو دیکھتی تھی، وہ منھ ماں کا تکتے تھے

۱۲۹

اُم البنین قدم پہ گری کھولے سر کے بال
عباسؑ سے ہے خاطرِ اقدس پہ کچھ ملال
کی عرض یا علیِؑ ولی، شیرِ ذوالجلال
لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
رہتا نہ خدمتِ حسنِ خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا ان کے ہاتھ میں

۱۳۰

اُم البنین سے رو کے علی نے کہی یہ بات
شیدا ترے پسر کا ہے شبیرِ خوش صفات
دیتا حسن کے ہاتھ میں کیونکر میں ان کا ہات
اور عاشقِ حسین ہے عباسِ نیک ذات
شانِ بہادری ہے ترے نورِ عین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دستِ حسین میں

۱۳۱

عباس کو بلا کے گلے سے لگا لیا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے باوفا
ہاتھ اس کا دے کے ہاتھ میں شبیر سے کہا
میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
آفت کا دن جو تجکو مقدر دکھائے گا
اس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

۱۳۲

عباسؑ سے کہا کہ سن اے میرے نونہال
رکھیو ہمیشہ خاطرِ شبیرؑ کا خیال
تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفےٰ کا لال
اس کا ملال احمدِ مرسل کا ہے ملال
بیشک خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
تجکو بھی پاس رہتا ہے اس نورِ عین کا

۱۳۳

خدمت سے کیجیو نہ کسی حال میں قصور
دلبند فاطمہؑ کا ہے پاس ادب ضرور
تو ایک مشتِ خاک ہے یہ ہے خدا کا نور
جو اس کے دل سے دور ہے وہ ہے خدا سے دور
آقا کا ساتھ تا دمِ مردن نہ چھوڑ تو
سب چھوٹیں پر حسین کا دامن نہ چھوڑ تو

۱۳۴

بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر
ہو پہنچے جو کربلا میں یہ سلطان بحر و بر
پہلے مرے حسینؑ سے تو باندھیو کمر
خیمہ کی چوکی شام سے تا دیجو تا سحر
روز نبرد معرکہ آرائی کیجیو
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو

۱۳۵

یہ سن کے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار
اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی

۱۳۶
اک بار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
آتے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفیٰ
بغلوں میں ہاتھ دے کے اٹھاؤ مجھے ذرا
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتا
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گزر گئے
غل پڑ گیا کہ حیدرِ کرار مر گئے

۱۳۷
فوج ملک میں شور قیامت ہوا عیاں
جنات پیٹنے لگے با نالہ و فغاں
تھرا گئی زمین لگا ہلنے آسماں
مابین آسمان و زمیں تھا یہی بیاں
واحسرتا کہ تخت امامت الٹ گیا
بس آج زور آلِ محمد کا گھٹ گیا

۱۳۸
بیٹوں نے بہرِ غسل اتارا جو پیرہن
رو کر کیا حسین نے بھائی سے یہ سخن
پیوند اس کے دیکھ کے رونے لگے حسن
مدت سے تھا گلے میں یہی جامۂ کہن
جو کہتا تھا کہ رخت بدن چاک چاک ہے
کہتے تھے شستِ خاک کی پوشاک خاک ہے

۱۳۹
معجز نما کو غسل جو دینے لگے پسر
آیا تھا خلد سے کفنِ شاہ بحر و بر
پھرتا تھا آپ جسم مبارک ادھر ادھر
زہرا کے لال کہتے تھے سر پیٹ پیٹ کر
بابا رسولِ پاک سے ملنے کو جاتے ہیں
ہم خلقتِ اخیرِ پدر کو نہاتے ہیں

۱۴۰
اس وقت یہ حسن نے کسی شخص سے کہا
یہ سن کے اہلِ بیت میں رونے کا غل اٹھا
نیلے نشان دوش پہ کیسے ہیں جا بجا
بولے حسن کہ رات کو لے جاتے تھے صدا
اک دوش پر اناج فقیروں کے واسطے
اک دوش پر طعام اسیروں کے واسطے

۱۴۱
تابوت میں جو رکھ چکے فرزند ارجمند
ڈالی ردائے سبز جو تابوت کر کے بند
دل سوزِ غم سے جلنے لگا صورتِ سپند
آگے سے تب جنازہ ہوا خود بخود بلند
غل تھا جنازۂ شہِ مرداں رواں ہوا
دیکھو ہوا پہ تختِ سلیماں رواں ہوا

۱۴۲
بیٹے جو گھر سے لے چلے تابوت شاہ کا
غل پڑ گیا کہ ہائے علی وائے مرتضیٰ
ازواج میں علی کے قیامت ہوئی بپا
ام البنین نکل پڑیں گھر سے برہنہ پا
چلاتی تھیں مجھے نہیں صورت دکھاتے ہیں
شیر اللہ قبر میں سونے کو جاتے ہیں

۱۴۳
گھر سے بس جنازۂ سلطان بحر و بر
زینب پکارتی تھیں کہ بابا چلے کدھر
ساری زنانِ ہاشمیہ نکلیں ننگے سر
بیٹی نثار ہائے مرے فاقہ کش پدر
آتا ہے روزِ عید خوشی لوگ ہوئیں گے
ہم منہ کو اپنے ڈھانپ کے اب گھر میں روئیں گے

۱۴۴
اور پیچھے اس جنازہ کے فضہ کا تھا یہ حال
کہتی تھی پیٹ کر سر و زانو بہ صد ملال
خم تھا کمر میں اور کھلے تھے سفید بال
بچے تباہ ہو گئے یا شیرِ ذوالجلال
بیٹے کی کوئی خاک کوئی سر پہ ڈالے گی
کس کس کو تم بغیر یہ لونڈی سنبھالے گی

۱۴۵

فضّہ سے تب حسینؑ نے رو کر کیا کلام
در بند کر کے بازو دیے ام البنیںؑ کو تھام
چادر سے سر کو ڈھانپ یہ ہے صبر کا مقام
گھر سے کہیں نکل نہ پڑیں بیبیاں تمام
صدمے سے باپ کے دلِ کلثومؑ پھٹ نہ جائے
زینبؑ کہیں جنازے سے آ کر لپٹ نہ جائے

۱۴۶

بازار میں جو کوفہ کے ہو پہنچے بہ چشمِ تر
بارہ پسر تھے ساتھ جنازے کے ننگے سر
اک شور تھا علیؑ نے جہاں سے کیا سفر
جاتے تھے گرد و پیش زن و مرد نوحہ گر
مولا کے عدل و داد کے مذکور ہوتے تھے
بازاری سب دوکانوں پہ اٹھ اٹھ کے روتے تھے

۱۴۷

سر اپنا پیٹ پیٹ کے چلّاتے تھے فقیر
قیدی پکارتے تھے اے کل کے دستگیر
ہم لوگ مر گئے ترے مرنے سے اے امیر
اب کس کی راہ رات کو دیکھیں گے ہم اسیر
کہتی تھیں رانڈیں خلق کے وارث گذر گیا
چلاتے تھے یتیم کہ باپ آج مر گیا

۱۴۸

کہتا تھا کوئی مر گیا احمدؐ کا جانشیں
دم سے ابوتراب کے تھی رونقِ زمیں
کہتا تھا کوئی ٹوٹ گیا آج رکنِ دیں
افسوس بے چراغ ہوئی بزمِ مومنیں
عالم کے سر کا تاج زمانہ سے اٹھ گیا
ہادی ہمارا آج زمانے سے اٹھ گیا

۱۴۹

اس شور میں یہ فاطمہ کی آتی تھی صدا
وارث نہ کوئی زینب و کلثوم کا رہا
بچے مرے یتیم ہوئے وا مصیبتا
ماں مر چکی تھی آگے ہی بابا بھی اب مرا
بچوں کو تھامتے ہیں جو ماں باپ ہوتے ہیں
کیسے بلک بلک کے مرے لعل روتے ہیں

۱۵۰

بس آگے اے انیسؔ نہیں طاقتِ رقم
طاری ہے شیعیانِ علیؑ پر ہجومِ غم
ہے اشک ریز صفحۂ قرطاس پر قلم
کر تو دعا یہ حق سے کہ جب تک ہے دم میں دم
جاری زباں پہ نہ کوئی اور حرف ہو
مداحیِ علیؑ میں مری عمر صرف ہو

سلام

بجز پنجتن کسی کی تولّا نہ چاہیے
غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیے

خادم امیدوارِ حضوری ہے یا حسینؑ
چاہیں اگر حضور تو پھر کیا نہ چاہیے

اک در پہ بیٹھ گر ہے توکل کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

تکرار کیا ہے زندگیِ مستعار میں
اے موت بار بار تقاضا نہ چاہیے

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیے

ہر اک کے واسطے ہے ترقی بہ قدرِ حال
اسفل کو فکرِ منصبِ اعلیٰ نہ چاہیے

ہر کوہ پر نہ ہوگی تجلی مثال طور
ہر ہاتھ کے لئے ید بیضا نہ چاہیئے

کھانے کو رزق رہنے کو گھر اور لحد کو جا
دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیئے

کہتے تھے شاہ پیاس میں لذت ہی اور ہے
دریا کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیئے

قطعہ

صغرا نے شاہِ دیں کو لکھا خط تو بھیجئے
گر چاہتے نہیں ہمیں اچھا نہ چاہیئے

دو بیٹیاں تو پاس ہوں اک جاں بہ لب بعید
میں سچ کہوں یہ آپ کو بابا نہ چاہیئے

فرقت رہی تو کون سی پھر زندگی کی شکل
بیمار پر عتاب مسیحا نہ چاہیئے

کہتے تھے فاطمہؑ سے علیؑ گھر میں جو ہو دو
خالی کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیئے

قطعہ

کپڑے سپید پہنے جو قاسم سے بولی ماں
اتنی بھی سادگی نئے دولھا نہ چاہیئے

دولھا نے عرض کی کہ اجل ہے گلے کا ہار
چہرے پہ مرنے والوں کے سہرا نہ چاہیئے

پانی کا ذکر کرتی سکینہؑ تو کہتے شاہ
بی بی محال شے کی تمنا نہ چاہیئے

کہتا تھا شمر چادریں رانڈوں کی چھین لو
ایسے گناہگاروں کو پردا نہ چاہیئے

عباسؑ گرد پھرتے تو کہتے یہ شاہ دیں
تکلیف اتنی اے مرے شیدا نہ چاہیئے

قطعہ

کہتی تھی فضہ شام میں بازار یو ہٹو
زہرا کی بیٹیوں کا تماشا نہ چاہیئے

یہ کون بیبیاں ہیں تمہیں کچھ خبر نہیں
آلِ رسول پر یہ ستم ایسا نہ چاہیئے

آزار تو نہ دو جو حمایت نہ ہو سکے
کیوں کلمہ گو یوں چاہیئے یا یہ نہ چاہیئے

مرقد چراغ داغ سے روشن ہے اے انیس
شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیئے

رباعی

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے
بے قدر فلک جناب ہو جاتا ہے

گر اک نظر مہر سے دیکھیں حیدر
ذرہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

مرثیہ

زہرا سپہر عزّ و شرافت ہے فاطمہ
مفتاح باب گلشن جنت ہے فاطمہ
شرح کتاب عصمت و عفت ہے فاطمہ
نور خدا و آیۂ رحمت ہے فاطمہ
رتبے میں وہ زنانِ دو عالم کا فخر ہے
حوا کا افتخار ہے مریم کا فخر ہے

۲

زہرا کو کیا خدا نے دیے رتبۂ جلیل
اس سیدہ کا کوئی جہاں میں نہیں عدیل
خدمت گزار جن کے سرافیل و جبرئیل
جس کی کفیل فاطمہ اس کا خدا کفیل
ہے فوق اس کے مرتبہ کو مہر و ماہ پر
لکھا ہے نام فاطمہ عرش الٰہ پر

۳

اللہ ری فاطمہ کی بزرگی زہے شرف
شوہر ملا امیر عرب اور شہِ نجف
بابا ملا تو فخر رسولانِ ماسلف
اللہ نے حسینؑ و حسنؑ سے دیے خلف
دونوں امام خلق کے حاجت روا ہوئے
مشکل کشا کے بیٹے بھی مشکل کشا ہوئے

۴

یاں اے زباں خموش ادب کا ہے یہ مقام
اے دل بجز درود نہ کچھ کیجیو کلام
کوثر سے منھ کو دھولے تو لے فاطمہ کا نام
اے کلک اپنے سر کو جھکا دے بہ احترام
کاغذ پہ پہلے سورۂ مریم کو دم کروں
تب فاطمہ کی عصمت و عفت رقم کروں

۵

وہ فاطمہ کہ جو ہے سراپا خدا کا نور
گر حور اس کو کہیئے تو ہے عقل کا قصور
پروانہ جس کے چہرۂ اقدس کا شمع طور
اس کے قدم کی خاک ہے سرمہ برائے حور
کس کو ملا یہ رتبۂ اعلیٰ جہان میں
بھیجا خدا نے آیۂ تطہیر شان میں

۶

اکثر زباں سے اپنی یہ فرماتے تھے نبیؐ
پیدا اگر جہاں میں نہ ہوتا مرا وصی
ہے فاطمہ کو حق نے بزرگی عطا وہ کی
دنیا میں پھر بتول کا ہمسر نہ تھا کوئی
جو سمجھے حور عقل کا اس کے قصور ہے
میں سایۂ خدا ہوں وہ خالق کا نور ہے

۷

شمس الضحیٰ علی ہیں تو بدر الدجیٰ ہے یہ
بحر سخا علی گہرِ بے بہا ہے یہ
وہ جسم ہے تو جانِ دلِ مصطفیٰ ہے یہ
عبد خدا ہے وہ تو کنیز خدا ہے یہ
زاہد ہیں حق پرست ہیں خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے رتبے میں ایک ہیں

۸

دونوں کا ایک نور خدا سے ظہور ہے
ہیں خاصگان حق ادب ان کا ضرور ہے
ظاہر ہیں ان میں رجس سے ہر ایک دور ہے
وہ نور چشم ہے تو یہ دل کا سرور ہے
ناری ہے جس نے دونوں کی خاطر ملول کی
ان کی خوشی خوشی ہے خدا اور رسول کی

۹

حقا کہ فاطمہ کے فضائل ہیں بے شمار
لکھا ہے ہوگا عرصۂ محشر جو آشکار
دوزخ پہ اور خلد پہ اس کا ہے اختیار
اس روز ہوگی نور کے ناقے پہ وہ سوار
تابندہ ہوں گے لعل و زبرجد زمام میں
حوریں جلو میں ہوں گی ملک اہتمام میں

۱۰
ہووے گا حق سے حکم شفاعت کا سر پہ تاج
ہووے گی اس سے سب کو شفاعت کی احتیاج
قیمت نہ جس کی ہو سکے کونین کا خراج
غل ہوگا دیکھو مرتبۂ فاطمہؑ کو آج
کس دبدبے سے بیٹی پیمبر کی آتی ہے
سر کو سواری شافعِ محشر کی آتی ہے

۱۱
آئیں گی اس شکوہ سے محشر میں جب بتول
دیکھیں گی شیعیانِ علی کو جو دل ملول
اور جائیں گی بہشت میں وہ دلبرِ رسولؐ
ہووے گا حکم حق کہ دعا ہے تری قبول
کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ کیا انتظار ہے
بخشش میں ان سبھوں کی ترا اختیار ہے

۱۲
کریں گی یوں وہ اپنے غلاموں کو انتخاب
کھولے گا جیحمِ شوق سے خلدِ بریں کا باب
دانوں کو جس طرح سے جھپٹے بھوک میں عقاب
اس دم خطائیں شیعوں کی ہو جائیں گی ثواب
خنداں پھریں گے سایۂ لطفِ رحیم میں
جنات عدن میں کبھی باغِ نعیم میں

۱۳
اب زہد و فقرِ فاطمہ کا کچھ سناؤں حال
لاتے جو مزد آب کشی شیرِ ذوالجلال
فاقے پہ فاقے کرتی تھی اکثر وہ پُر ملال
تب جو منگا کے پیستی تھی وہ نکو خصال
دولت سے کچھ غرض تھی نہ حشمت سے کام تھا
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام تھا

۱۴
جز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا
بستر سے تھا کبھی نہ تنِ پاک آشنا
اس میں بھی لیف خرما کے پیوند جا بجا
فرشِ زمیں تھا خواب گہِ بنت مصطفےٰ
دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

۱۵
ناقل ہے اس حدیث کا سلمان خوش سیر
فضہ نے آن کر یہ کہا تب قریب در
مسجد سے ایک دن میں گیا فاطمہ کے گھر
عریاں ہے پارۂ جگرِ سید البشر
کر لے حجاب کچھ ابھی آنا روا نہیں
بنتِ رسولِ پاک کے سر پر ردا نہیں

۱۶
فضہ کو میں نے اپنی ردا دے کے یہ کہا
بعد اس کے میں جو داخلِ بیت الشرف ہوا
لے جا کے اوڑھ لیویں اسے اشرف النساء
دیکھا کہ چکی پیستی ہیں بنتِ مصطفا
محنت کشی کا رنج ہے اس حق شناس پر
ایک ہاتھ ہے حسینؑ پہ اک ہاتھ آس پر

۱۷
پیشانی پر عرق ہے کفِ دست ہے فگار
جاری زبانِ پاک پہ ہے حمدِ کردگار
دیتی ہیں دودھ روتا ہے جب طفلِ شیرخوار
پہلو میں مارے بھوک کے شبیرؑ ہیں بے قرار
فرماتی ہیں نہ رو کہ کچھ اس میں بھی راز ہے
باری خدا کریم ہے بندہ نواز ہے

۱۸
زہرا کا حال دیکھ کے دل ہو گیا کباب
اے دخترِ رسولؐ خدا اے فلک جناب
کی عرض فاطمہؑ سے یہ با دیدۂ پُر آب
ان محنتوں کی آپ کے دل میں کہاں ہے تاب
جو پیستی ہیں دودھ پسر کو پلاتی ہیں
فضہ کے ہوتے آپ یہ ایذا اٹھاتی ہیں

۱۹

فرمایا فاطمہؑ نے پس از شکر کردگار
اور کی ہے میں نے محنتِ یک روزہ اختیار
اک دن تو فضہ کرتی ہے سب گھر کا کاروبار
ایذا ہو اس کو یہ نہیں منظور زینہار
گو میں محمدؐ عربی کی عزیز ہوں
حق کی کنیز وہ بھی ہے میں بھی کنیز ہوں

۲۰

سلماں یہ سن کے جانبِ مسجد ہوئے رواں
بے اختیار رونے لگے سرورِ زماں
ایذائے فاطمہ کا نبی سے کیا بیاں
دیکھا کبھی علی کو کبھی سوئے آسماں
آنسو بھر آئے آنکھ میں شیر الہ کے
زہرا کی بے کسی پہ محمد نے آہ کی

۲۱

عصمت سرا میں روتے گئے شاہ لافتا
پوچھا سبب نبی نے خوشی کا تو یہ کہا
اک دم کے بعد آئے خوشی پیش مصطفا
سوتی تھیں گھر میں فاطمہ جس وقت میں گیا
خادم بھی کوئی تھا نہ مرے نور عین کا
پر ہل رہا تھا آپ سے جھولا حسین کا

۲۲

چکی کے آس پاس کوئی تھا نہ مصطفا
جو فرد ہوتے جاتے تھے آٹا بھی گرتا تھا
گردش میں آپ صورتِ گردوں تھی آسیا
تھی پیش روئے فاطمہ تسبیح کی صدا
سوتے میں شغل طاعتِ ربِّ ودود تھا
دل میں خدا کی یاد تھی لب پہ درود تھا

۲۳

کہنے لگے یہ سن کے رسولِ فلک جناب
تھی پیسنے کی تنِ زار میں نہ تاب
روزے سے آج فاطمہ ہے یا ابا تراب
چاہا یہ کبریا نے کہ آ جائے اس کو خواب
غافل کیا بتول کو راحت کے واسطے
بھجوا دیا فرشتوں کو خدمت کے واسطے

۲۴

اکثر فرشتے آتے ہیں خیر النساء کے گھر
جھولے کو تو جھلاتے ہیں جبرئیل نامور
اکثر خدا بتول کی منگواتا ہے خبر
اور چکی پیستے ہیں سرافیل خوش سیر
میکال ذکرِ حق میں ہیں بدلے بتول کے
پیشِ خدا یہ رتبے ہیں بنتِ رسول کے

۲۵

محتاج تھی مگر تھا سخاوت کا بھی یہ حال
دے آئیں کچھ نہ کچھ اسے جا کر وہ خوش خصال
فاقے میں در پہ آن کے جس نے کیا سوال
دنیا کے مال کو نہ سمجھتی تھیں کچھ بھی مال
سینے میں دل علائقِ دنیا سے پاک تھا
گو طلا بھی سامنے زہرا کے خاک تھا

۲۶

کرتا ہے ایک راویِ شیریں سخن بیاں
عرابی ایک آ کے لگا کہنے ناگہاں
تھے مسجدِ مدینہ میں پیغمبرِ زماں
فاقے پہ فاقے کرتا ہوں اے شاہ انس و جاں
ایماں بھی لا چکا پہ فراغت نہیں مجھے
کپڑے بناؤں اتنی بھی طاقت نہیں مجھے

۲۷

یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہ کائنات
کچھ دیوے اس کو ہے کوئی ایسا نکو صفات
اصحاب باوفا سے نبی نے کہی یہ بات
اٹھے سخن یہ سنتے ہی حلالِ مشکلات
سرتاجِ دیں نے اپنا عمامہ دیا اسے
حیدر کے بعد سعد نے جامہ دیا اسے

۲۸

پھر ان سبھوں سے کہنے لگے سیدِ انام
سلمان نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ کیا کلام
ایسا بھی ہے کوئی جو کھلا دے اسے طعام
تحصیل توشہ کرتا ہے اس کے لئے غلام
کوشش میں امر خیر کی جانا ثواب ہے
بھوکے کو کھانا لا کے کھلانا ثواب ہے

۲۹

سلماں یہ کہہ کے واں سے گئے فاطمہ کے گھر
مخدومۂ جہاں نے کہا تب جھکا کے سر
سائل کا حال عرض کیا سب بہ چشم تر
غیر از خدا کسے ہے مرے حال کی خبر
فرزند میرے بھوک کی شدت سے مرتے ہیں
مجھ پر تو تین روز سے فاقے گذرتے ہیں

۳۰

محتاج خود طعام کو ہیں فخر انبیا
سائل سے آہ سخت خجالت ہے دوں میں کیا
کرتے ہیں روز فاقہ کشی شاہ لافتا
بچوں کو غش ہے کانپتے ہیں میرے دست و پا
طاقت نہیں ہے اتنی کہ اٹھ کر کھڑی ہوں میں
سجادے پر نماز میں گر گر پڑی ہوں میں

۳۱

پر ہوں سخی کی بیٹی مجھے آتا ہے حجاب
خیر النساء خدا نے کیا ہے مرا خطاب
یہ تو کبھی نہ ہوئیگا کہ سائل کو دوں جواب
ہے شرم کی جگہ جو نہ ہو لے وہ بہرہ یاب
اب تک تو رد سوال کسی کا کیا نہیں
اس در پہ سائل آن کے خالی پھرا نہیں

۳۲

مشہور ہے سخاوتِ محبوب ذو الجلال
کیا جانے اجنبی مری فاقہ کشی کا حال
فیاض ہے علی ولی شاہ خوش خصال
دل میں کہے گا وہ مرا خالی کیا سوال
اک نانِ جو بتول نے مجکو عطا نہ کی
حاجت روا ے خلق نے حاجت روا نہ کی

۳۳

آخر اُتار کر سرِ پر نور سے رِدا
کر رہن یہ رِدا مری اور جو شتاب لا
سلماں سے زوجۂ اسد اللہ نے کہا
تا سیر ہو طعام سے اک بندۂ خدا
خالق نے کی ہے چادرِ رحمت عطا مجھے
کافی ہے سر پہ سایۂ لطفِ خدا مجھے

۳۴

لے کر ردا کو حضرتِ سلماں ہوئے رواں
شمعوں کے پاس جا کے کیا اس طرح بیاں
رکھ یہ ردا لے دخترِ پیغمبرِ زماں
جو دے کہ اک فقیر ہے زہرا کا میہماں
گھر میں جو کچھ نہ دینے کو پایا بتول نے
چادر گرو کو بھیجی ہے بنتِ رسول نے

۳۵

یہ سنتے ہی وہ رونے لگا اور یہ کہا
کس کا یہ حوصلہ ہے بجز بنتِ مصطفا
واللہ زہد یہ ہے یہ ہے ہمت و سخا
حقا کہ مصطفیٰ ہے فرستادۂ خدا
ناطق کلام حق ہے ثنا ے بتول کا
توریت میں ہے ذکر جناب بتول کا

۳۶

یہ کہہ کے اس نے رکھ لی وہ چادر بہ چشم تر
ہر تار جوں خطوط شعاعی تھا جلوہ گر
نور خدا سے ہو گیا روشن تمام گھر
لایا یہودی کلمۂ طیب زبان پر
بے دیں کو دم میں صاحبِ ایماں بنا دیا
کافر کو اس ردا نے مسلماں بنا دیا

۳۷

لے آیا جا کے کچھ رطب و جَو وہ بایقیں
سلماں وہ لے کے بنتِ نبیؐ کے گیا قریں
جلدی سے لے کے دخترِ سلطان مرسلیںؐ
چکی میں پیسنے لگیں جَو با دلِ حزیں
پر تھیں یہ ناتواں کہ بدن تھرتھراتا تھا
زہراؑ کو مارے ضعف کے غش پر غش آتا تھا

۳۸

فاقے سے مارے ضعف کے بے حال تھے حسنینؑ
چکی کے پاس آ کے کہا ماں سے یہ سخن
بھوکوں پہ شکر ہے کہ ہوا فضل ذوالمنن
فاقے سے سنسناتا ہے اماں مرا بدن
دنیا میں لوگ کھاتے ہیں نعمت زمانے کی
دو دن کے بعد یاں ہوئی تدبیر کھانے کی

۳۹

کہنے لگیں حسنؑ سے وہ بنتِ رسولِ حق
داری ہے اِس طعام کا اک اور مستحق
ہونے سے دیر کے مرا ہوتا ہے رنگ فق
بھوکا وہ پھر نہ جائے یہی ہے مجھے قلق
کھا کے تمھارے حق میں جو سائل دعا کرے
ہے کیا عجب کہ حق تمھیں نعمت عطا کرے

۴۰

سائل کا فاطمہؑ سے حسنؑ نے سنا جو نام
کہنے لگا وہ لختِ دلِ سیدِ انام
سائل ہے میہماں تو نہ مانگیں گے ہم طعام
دیوے گا ہم کو اجر مرا ربّ ذوالکرام
لڑکے ہیں گو یہ آج تو محنت اٹھانے دو
ہوگا ثواب ہم کو بھی چکی پھرانے دو

۴۱

کرتے کی آستین اُلٹ کر وہ خوش صفات
چھوٹا سا چوب آس کی جانب بڑھا کے ہات
جَو پیسنے کو ہو گئے آمادہ ماں کے سات
لے کر بلائیں فاطمہؑ نے تب کہی یہ بات
جَو پیس چکے کڑھاؤ نہ احمدؐ کی جائی کو
صدمہ نہ پہونچے کچھ تری نازک کلائی کو

۴۲

آخر پکا کے روٹیاں اور اس پہ خرمہ دھر
سلماں کو دیں تو کہنے لگا یوں وہ خوش سیر
ہیں آپ تین دن سے گرسنہ مع پسر
اک نانِ جَو رکھو کہ حسنؑ ہووے بہرہ ور
بولیں بتول اس میں سے لینا روا نہیں
سائل کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

۴۳

سلماں نے جا کے جب دیا سائل کو وہ طعام
تب اس سے پوچھنے لگے وہ سیدِ انام
کھانا دیا یہ کس نے تو بولا وہ نیک نام
زہرا کے گھر سے لایا ہوں اے شاہ خاص و عام
فاقہ جو تھا رسول کو بھی مرتضیٰ کو بھی
حیرت ہوئی نبیؐ کو بھی شیرِ خدا کو بھی

۴۴

اٹھ کر گئے بتولؑ کے گھر سرورِ زمن
دیکھا کہ فاطمہؑ میں نہیں طاقتِ سخن
آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں زرد ہے بدن
مرجھا گیا ہے صورتِ گل چہرۂ حسنؑ
فاقوں سے فاطمہؑ کا زبس شیر خشک تھا
جھولے میں دودھ بن لبِ شبیرؑ خشک تھا

۴۵

آنکھوں میں آنسو بھر کے محمدؐ نے یہ کہا
اے میرے نورِ عین یہ کیا حال ہے ترا
کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے فخرِ انبیاءؐ
گذرے ہیں تین روز کہ کھانا نہیں ملا
راضی ہوں میں تو جو کہ رضائے اللہ ہے
لیکن حسنؑ حسینؑ کی حالت تباہ ہے

۴۶

سن کر سخن یہ رونے لگے سرورِ امم
کی یہ دعا رسولِ خدا نے بہ چشمِ نم
گودی میں پھر نواسے کو لے کر بہ درد و غم
اے رازق العباد کر ان بچوں پر کرم
آسودگی ہے سارے زمانے کے واسطے
آلِ رسول روتے ہیں کھانے کے واسطے

۴۷

زہراؑ ہے تیری خاص کنیزوں میں انتخاب
دونوں کو پر ہے دولتِ دنیا سے اجتناب
تیرے کرم سے قاسم روزی ہے بوتراب
زہرا کے حال دیکھنے کی اب نہیں ہے تاب
صدمے عجیب گذرے ہیں اس باتمیز پر
فاقے ہیں تین روز سے تیری کنیز پر

۴۸

حضرت کا یہ نہ ختم ہوا تھا ابھی کلام
خوشبو وہ تھی کہ جس سے معطر ہوا مشام
موجود اک طبق میں ہوا خلد کا طعام
آئی صدائے غیب کہ اے سیّد انام
رتبہ یہ کب تھا مریم و حوا کے واسطے
کھانا یہ ہم نے بھیجا ہے زہراؑ کے واسطے

۴۹

اس سیّدہ کو ہم نے وہ بخشا ہے اقتدار
سب نعمتوں پہ خلد کی اس کو ہے اختیار
خدمت ہے جس کی بنت سلیماں کا افتخار
کہہ دے گی یہ جسے وہی ہووے گا رستگار
دنیا میں آج گو اسے عسرت کے رنج ہیں
پر فاطمہ کے واسطے عقبیٰ کے گنج ہیں

۵۰

جس پر یہ کبریا کی عنایت ہو یہ کرم
دنیا سے کوچ کر گئے جب سرورِ امم
اس پر قلیل عمر میں کیا کیا ہوئے ستم
اس فاقہ کش پہ ٹوٹ پڑا کوہ درد و غم
محبوب کبریا سا پدر سر سے اٹھ گیا
سایہ تھا جس کا سر پہ وہی سر سے اٹھ گیا

۵۱

تھا رونے پیٹنے کے سوا اور کچھ نہ کام
کہتی تھیں ڈاڑھیں مار کے یا سید انام
سینے سے آہیں بھرتی تھیں لے لے پدر کا نام
تم کیا جہاں سے اٹھ گئے زہراؑ ہوئی تمام
رہتی ہے صبح و شام نظر سوئے در مری
شفقت سے پوچھتے نہیں آکر خبر مری

۵۲

تم کو تو مجھ بغیر نہ تھا ایک دم قرار
چھاتی سے مجھ کو کون لگا کر کرے گا پیار
بیٹی سے کیوں خفا ہوئے یا شاہ نامدار
فرقت میں آپ کی نہ جیے گی یہ سوگوار
اس فاقہ کش کو چھوڑ کے بابا کدھر گئے
آباد گھر بتول کا ویران کر گئے

۵۳

سینے میں درد و غم تو بدن زار رنگ زرد
تن میں کبھی بخار کبھی ہاتھ پاؤں سرد
سوزش جگر میں ہوش پراگندہ دل میں درد
پوشاک میلی بال پریشان رخ پہ گرد
بند آنکھیں دل میں یاد رسالت پناہ کی
تکیے سے سر کبھی جو اٹھایا تو آہ کی

۵۴

حضرت کے خالی حجرے میں دن بھر گذارتی
تکیوں پہ ملتی آنکھوں کو اور ڈاڑھیں مارتی
بستر کے گرد آپ کو پھر پھر کے وارتی
بولے پدر جو آتی تو رو رو پکارتی
لاؤں کہاں سے آہ دو عالم کے شاہ کو
سونے زمیں میں چھوڑ کے اس خوابگاہ کو

۵۵
فریاد کی کبھی چھاتی پہ مارا ہات
غم تھا یہی کہ سر پہ نہیں شاہِ کائنات
گر بات کی شفقتِ خیر الوریٰ کی بات
زہرا جیے جہاں سے پیمبر کی ہو وفات
دنیا کے درد و غم سے چھڑاتے نہیں مجھے
پاس اپنے بابا جان بلاتے نہیں مجھے

۵۶
رغبت نہ کھانے پر تھی نہ پانی کا تھا خیال
کرتا سیاہ بر میں پریشان سر کے بال
چہرے پہ آنسو بہتے تھے آنکھیں تھیں دونوں لال
پہروں زمیں پہ غش میں پڑے رہتے تھے نڈھال
نے فرش سے غرض تھی نہ بستر سے کام تھا
گر کام تھا تو ذکرِ پیمبر سے کام تھا

۵۷
اس صدمے پر بھی در پئے ایذا تھے اہلِ کیں
مسجد میں خطِ سند کا گئی لے کے وہ حزیں
باغِ فدک ہوا جو ٹھکانا نہ تھا کہیں
اس کو دیا جواب کہ یہ تیرا حق نہیں
بس چل سکا نہ زوجۂ شیرِ الٰہ کا
پرزے کیا نوشتہ رسالت پناہ کا

۵۸
مانندِ بید غیظ سے تھرائی فاطمہ
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلائی فاطمہ
روتی نبی کی قبر پہ پھر آئی فاطمہ
فریاد کرنے آئی ہے دکھ پائی فاطمہ
یا شاہ ضبط ملک مری آج ہو گئی
بیٹی تمھاری قوت کو محتاج ہو گئی

۵۹
لوٹی گئی بتول مرا باغ چھن گیا
بچوں کو اپنے آہ کھلاؤں گی اب میں کیا
حاصل اسی کا تھا مرے جینے کا آسرا
حضرت کے غم سے ہو گئے حیدر شکستہ پا
مزدوری کر کے لاتے تھے سو وہ بھی چھٹ گئی
زہرا تمھارے مرنے سے ہر طرح لٹ گئی

۶۰
دو داد اے پدر مجھے اعدا ستاتے ہیں
بچے گرسنگی سے مرے تلملاتے ہیں
ہر روز رنجِ نو مجھے دینے کو آتے ہیں
بے آس ہو کے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں
کس سے کہوں جو کچھ مری توقیر ہوتی ہے
شیرِ خدا کے قتل کی تدبیر ہوتی ہے

۶۱
یہ بین کر کے کھول دیا فاطمہؑ نے سر
مسجد کے کانپنے لگے دیوار و بام و در
ہاتھوں سے پیٹنے لگی چھاتی بہ چشمِ تر
جنبش میں آ گئی لحدِ سیّد البشر
رقت ہوئی نہ ضبط جو اس دل فگار سے
نکلے نبیؐ کے دستِ مبارک مزار سے

۶۲
قبرِ رسولِ پاک سے پھر آئی یہ صدا
پہچانا سب نے ہاتھ اور آواز مصطفا
زہراؑ کو کیوں ستاتے ہو اس نے کیا ہے کیا
آثار حشر کے ہوئے عالم میں غل پڑا
گردوں پہ سن کے حشر کے شور و نشور کو
نزدیک تھا کہ پھونکتے اسرافیل صور کو

۶۳
اتنے میں روتے آئے وہاں شاہِ لافتا
بس بس خدا کے واسطے کرتی ہو کیوں بکا
چادر اڑھائی فاطمہ کو اور یوں کہا
گھر میں چلو کہ روتے ہیں سبطینِ مصطفا
لازم ہے تم کو رحم کہ رحمت کا باب ہو
ایسا نہ ہو کہ خلق پہ نازل عذاب ہو

۶۴
یہ کہہ کے گھر میں لائے جناب بتولؑ کو
اس پر بھی دشمنی تھی یہ قوم جہول کو
غش آیا فرط ضعف سے بنت رسولؑ کو
رہنے دیا نہ چین سے اُس دل ملول کو
پاس ادب رسول کے گھر کا اُٹھا دیا
دروازہ آ کے آگ سے اس کا جلا دیا

۶۵
در سے لگی وہ کھڑی تھی آنسو بہا بہا
اک شخص نے ستم یہ کیا وا مصیبتا
کیوں گھر مرا جلاتے ہو میں نے کیا ہے کیا
دروازہ لات مار کے اس پر گرا دیا
پہلو پہ آئی ضرب جو بنت رسول کے
محسن ہوا شہید شکم میں بتول کے

۶۶
صد حیف رحم آیا کسی کو نہ زینہار
کھینچی خدا کے دوست پہ شمشیر آبدار
بازو بھی تازیانے سے اس کا کیا فگار
رسّی گلے میں ڈال کے شل گنا ہگار
غل تھا کہ کل تو احمد مختار مر گئے
اور آج فاطمہؑ پہ یہ صدمے گذر گئے

۶۷
اس روز سے بتول کی حالت ہوئی تباہ
حسرت سے منہ پہ بچوں کے کرتیں کبھی نگاہ
روتی تھیں اپنے حجرے میں پہروں بہ اشک و آہ
کہتیں کبھی علی سے کہ اے ضیغم الٰہ!
کرتی ہے موت قطع سخن اشتیاق کے
ایام وصل گذرے دن آئے فراق کے

۶۸
رخصت ہے تم سے اور وصیت ہے یہ مری
میرے حسن حسین کو ایذا نہ دے کوئی
بچوں سے میرے رہیو خبردار یا علی
مجھ سے جدا یہ رات کو سوئے نہیں کبھی
مر جاؤں جب تو چھاتی پہ ان کو سُلائیو
دونوں کو پیار کیجو گلے سے لگائیو

۶۹
ہردم مجھے غش آتا ہے یا شاہ بحر و بر
ہوتا ہے اس کے حال پہ ٹکڑے مرا جگر
زینب ابھی سے روتی ہے منہ ڈھانپ ڈھانپ کر
یہ میری لاڈلی مرے غم میں نہ جائے مر
مجھکو دعائیں جینے کی پاس آ کے دیتی ہے
ہردم بلائیں ننھے سے ہاتھوں سے لیتی ہے

۷۰
رو کر کہا علی نے یہ کیا کرتی ہو کلام
فرقت تمہاری اب ہے مجھے مرگ کا پیام
ماتم میں مصطفےٰ کے تو روتا ہوں صبح و شام
سمجھایا فاطمہ نے کہ ہے صبر کا مقام
بن ماں کے تھی جہاں میں پدر کو بھی رو چکی
مدت تمام عمر کی زہراؑ کے ہو چکی

۷۱
شب کو مجھے اٹھائیو یا شاہِ لافتا
بیزار اہل ظلم سے ہے بنت مصطفےٰ
دیکھے نہ دشمنوں میں جنازہ کوئی مرا
بھولی نہیں ہوں میں جو مجھے جس نے دکھ دیا
محسن کے خوں کی داد نہ جبتک میں پاؤں گی
پیش خدا میں عرش کا پایا ہلاؤں گی

۷۲
یہ سن کے آبدیدہ ہوئے شاہ مشرقین
مادر کے منہ کو دیکھ کے روئے بہ شور و شین
اتنے میں آئے مضطر و حیراں حسنؑ حسینؑ
کہنے لگے علی سے یہ احمدؐ کے نور عین
مہماں کوئی گھڑی کی محمدؐ کی پیاری ہے
بہلاؤ تم انھیں کہ مجھے دم شماری ہے

۷۳
بولے علیؑ یہ بیٹوں کو چھاتی لگا لگا
واں ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر کرو دعا
تم جاؤ سوئے روضۂ محبوبِ کبریا
تا رحم فاطمہ کے کرے حال پر خدا
بھیجا انھیں اُدھر جو وصیِ رسولؐ نے
حجرے کے در کو بند کیا یاں بتولؑ نے

۷۴
مسجد میں مرتضیٰ گئے روتے پڑھنے نماز
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ بے نیاز
یاں فاطمہؑ نے حق سے کہا اپنے دل کا راز
میں ہوں تری کنیز تو عالم کا کارساز
مقبول یہ دعا مری اس آن کیجیو
مشکل فشارِ قبر کی آسان کیجیو

۷۵
بیٹی ترے رسولؐ کی میں ہوں جگر فگار
فرزند وہ دیے کہ کیا جن کو تو نے پیار
زوجہ ہوں اس کی بخشی جسے تو نے ذوالفقار
سب کچھ دیا تو دے مجھے اتنا بھی اختیار
محشر میں اٹھ کے قبر سے جب آئے فاطمہؑ
چاہے جسے بہشت میں لے جائے فاطمہؑ

۷۶
یہ کہہ کے چپ ہوئی جو وہ مخدومۂ زماں
کچھ کہتے کہتے ہو گئیں خاموش اماں جاں
زینب یہ بولی فضہ سے با چشمِ خونفشاں
آئی صدائے احمدِ مختار ناگہاں
چھوڑا جہانِ فانی کو بنتِ رسول نے
صف ماتمی بچھائی قضا کی بتول نے

۷۷
زینبؑ نے سن کے نانا کی آواز دردناک
منھ پیٹا چھاتی کوٹی کیا پیرہن کو چاک
کھولا جو در تو دیکھا سدھاریں بتولِ پاک
فضہ نے بین یہ کیے سر پر اڑا کے خاک
شہزادی میری بالے جہاں سے گذر گئی
فضہ نہ فاطمہؑ کی بلا لے کے مر گئی

۷۸
اتنے میں آئے فاطمہ زہرا کے نونہال
منھ دیکھ ایک ایک کا بولے بصد ملال
آنکھوں میں اشک گرد بھرے گیسوؤں کے بال
کیا غش پھر آ گیا ابھی اماں کا کیا ہے حال
زینب پکاری قہر ہوا ننگے سر کرو
بابا کو ماں کے مرنے کی جا کر خبر کرو

۷۹
یہ سنتے ہی وہ رونے لگے ڈاڑھیں مار کر
وا حسرتا کہا کئی باری پکار کر
پھینکیں زمیں پہ ٹوپیاں سر سے اتار کر
پیراہنوں کی جیب کو پھر تار تار کر
مسجد میں جا کے کہنے لگے بابا جان سے
گھر میں چلو کہ اٹھ گئیں اماں جہان سے

۸۰
بیٹوں سے مرگِ فاطمہؑ کی سنتے ہی خبر
چلّائے شیعیانِ علیؑ پیٹ پیٹ کر
غش ہو گئے علیؑ دلِ شاہِ بحر و بر
تازہ ہوا پھر آج غمِ سید البشر
مارا تھا بے گناہ جسے تازیانے سے
وہ فاقے کرنے والی سدھاری زمانے سے

۸۱
غاصب فدک کے روزِ سزا دیں گے کس کو آہ
محسن کے خوں کی ہوئیں گی اب حق سے دادخواہ
اب کس کا گھر جلانے کو جائیں گے رو سیاہ
بنتِ رسولِ پاک کو ایذا دی بے گناہ
کس درد سے نواسے پیمبر کے روتے ہیں
دونوں کی بے کسی پہ جگر ٹکڑے ہوتے ہیں

۸۲

اک دم کے بعد ہوش میں آئے جو مرتضیٰ
روتے ہیں ڈاڑھیں مار کے اصحاب باوفا
دیکھا بچھاڑے کھاتے ہیں سبطین مصطفیٰ
غل ہے کہ ہائے دخترِ سردارِ انبیا
پھیلائے ہاتھ دیکھ کے اس شور و شین کو
رونے لگے لگا کے حسن اور حسین کو

۸۳

بیٹوں کو ساتھ لے کے امامِ فلک جناب
زہراؑ کو مردہ دیکھ کے دل ہو گیا کباب
آئے حرم سرا میں جو با دیدۂ پر آب
منھ سے ردا اٹھا کے یہ رو رو کیا خطاب
بی بی علیؑ کو چھوڑ کے دیرِ خراب میں
آخر گئیں رسولؐ خدا کی جناب میں

۸۴

اب کون لے گا شبّر و شبّیر کی خبر
کیا کہہ کے دیوے ہائے تسلی انھیں پدر
چھوٹے سے سن میں ہو گئے بے کس مرے پسر
افسوس ہے کہ ہو گیا ویراں علیؑ کا گھر
جیتے ہیں کب جو ہجر کے صدمے اٹھاتے ہیں
ہم بھی تمھارے پاس کوئی دن میں آتے ہیں

۸۵

سن کر خدا کے شیر سے پُر درد یہ بیاں
تھا حال اسیرانِ علی پہ کہ الاماں
برپا تھا حشر خانۂ زہراؑ کے درمیاں
منھ پیٹتی تھیں بیٹیاں با نالہ و فغاں
مردے سے ماں کے دونوں پسر لپٹے جاتے تھے
حیدر ہٹا ہٹا انھیں چھاتی لگاتے تھے

۸۶

ماتم میں گذری بنتِ نبی کو جو آدھی رات
گھر سے جنازہ لے چلے بیٹوں کو لے کے سات
میت کو دے کے غسل و کفن شاہ خوش صفات
زینب پکاریں مار کے چھاتی پہ دونوں ہات
کیا ہے جو بیٹیوں سے بھی منھ موڑے جاتی ہو
اماں اکیلا گھر میں ہمیں چھوڑے جاتی ہو

۸۷

اب آگے دفنِ فاطمہؑ کا کیا سناؤں حال
گردوں میں تیرے مرثیہ گوئی کا ہے خیال
کاغذ ہے سینہ ریش قلم کی زباں ہے لال
بس اے انیسؔ حیدرِ صفدر سے کر سوال
ذہنِ سلیم اپنے کرم سے عطا کرو
یا مرتضیٰ علیؑ مری حاجت روا کرو

رباعی

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں
گردوں پہ ملک اشکوں سے منھ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اٹھتا ہے
بن باپ کے سبطینِ نبیؐ ہوتے ہیں

مرثیہ

جب کوفیوں نے کوفے میں مسلم سے دغا کی
کی شرم خدا سے نہ محمد سے حیا کی
جو عہد کیا ایک نے اس زندہ فنا کی
مظلوم پہ بے کس پہ مسافر پہ جفا کی
پانی نہ دم مرگ دیا تشنہ دہن کو
کس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

۲
مسلم سا بھی مظلوم زمانے میں نہ ہوگا
دم لیں کہیں اتنا نہ روادار کوئی تھا
دشمن تو ہزاروں تھے وہ بے کس تن تنہا
کچھ امن کی صورت نظر آتی تھی نہ اصلا
اس پر بھی نہ کچھ رنج تھا اپنا نہ الم تھا
کوٹھے کو چلے آویں نہ تکبیر یہ غم تھا

۳
جانے کی کہیں راہ نہ تھی بند تھے رستے
گھیرے تھے سواران ستم گار کے دستے
کوٹھے چلے آتے تھے کمر ظلم پہ کستے
تھے نیچے یہ اور کوٹھوں سے پتھر تھے برستے
جب وار نہ چل سکتا تھا اس شیر ژیاں پر
انگارے لعیں پھینکتے تھے سوختہ جاں پر

۴
زخم ہوا اس شہ کے ہرا دل پہ یکایک
پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک
تلوار سے کٹ کر گرے لب ہائے مبارک
زندہ بھی شکستہ ہوئے پتھر لگے یاں تک
آلودہ تھی سب ریش مبارک جو لہو سے
چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر سر مو سے

۵
جب غش میں گرا خاک پہ وہ بے کس و ناچار
اس زخمی کے بازو میں رسن باندھ کے یک بار
اعدا نے کیا مسلم بے کس کو گرفتار
کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفار
سو ٹکڑے محمدؐ کا ہوا دل بھی جگر بھی
مارا گیا مسلم بھی ہوئے قتل پسر بھی

۶
بیٹوں نے تو پایا بھی کفن آب رواں کا
کوٹھے پہ تو سر کٹ گیا اس شیر ژیاں کا
اور باپ کو کیسا کفن اور غسل کہاں کا
اور جائے کفن خوں نے تن پاک کو ڈھانکا
خندق کے بھی رہنے نہ دیا غار میں لاشہ
رستے میں پھرے کھینچتے بازار میں لاشہ

۷
اعدا سے دم قتل جو کچھ کی تھی وصیت
سب غاصبوں نے غصب کی جو کچھ تھی بضاعت
اس کو بھی بجا لائے نہ وہ اہل شقاوت
مقروض گیا خلق سے وہ صاحب ہمت
نیزے پہ گیا شام کی جانب سر مسلم
محتاج رہا گور کو بھی پیکر مسلم

۸
نکلے سے ادھر ہو چکے تھے شاہ روانا
مانع رہے احباب پہ حضرت نے نہ مانا
منظور تھا کوفے کو بہ سرعت انھیں جانا
تھا مد نظر امر جو کچھ دل میں تھا ٹھانا
یہ شوق شہادت کا تھا اس عاشق رب کو
یعقوب نمط جاتے تھے یوسفؑ کی طلب کو

۹
ہر گام میں ہر دشت میں بھرتے تھے دم عشق
کہتے تھے کہ بہتر ہے بڑھے جو قدم عشق
معشوق کی خاطر تھا گوارا ستم عشق
ہے دل مرا پروانۂ شمع حرم عشق
کیا صبر کروں صبر کا ہنگام نہیں ہے
بن سر کے کٹائے مجھے آرام نہیں ہے

۱۰
ہر منزل و ہر دشت میں کرتے تھے یہ تقریر
طے جلد ہو یہ راہ گوارا نہیں تاخیر
ہو جائے کہیں منزلِ مقصود بہ تقدیر
اب وصل کا معشوق کے مشتاق ہے شبیر
بھائی کی جدائی کا بڑا رنج و تعب ہے
مسلم سے ملاقات نہ ہووے تو غضب ہے

۱۱
بھیجا تو ہے بھائی کو یہ دل ہے مرا بے تاب
اس شہر میں دشمن ہیں بہت تھوڑے سے احباب
تشویش سے آتا نہیں تا صبح مجھے خواب
ہے بحرِ شجاعت کا وہ اک گوہرِ نایاب
ہٹنے کا نہیں کیسا ہی گر پیچ پڑے گا
کوفے میں اکیلا وہ ہزاروں سے لڑے گا

۱۲
بھیجا تھا جو پہلے تو گیا تھا وہ بصد یاس
پھر بھیجا تھا میں نے تو وہ تھا جینے سے بے آس
جا کر کئی منزل سے پھر آیا تھا مرے پاس
پچھتاتا ہوں اب اور بھی ہے گا مجھے وسواس
مسلم نہ ملے ایسی نہ کچھ بات ہوئی ہو
وہ آخری ہم سے نہ ملاقات ہوئی ہو

۱۳
جاتا تھا اسی سوچ میں وہ عاشقِ باری
پردے کو اٹھا مسلمؑ مظلوم کی پیاری
جس دم کبھی سایے میں ٹھہرتی تھی سواری
حضرت سے یہ کہتی تھی بچا جان میں واری
کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا
کوفے سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا

۱۴
بابا کی ملاقات کو اب دل ہے تڑپتا
گھبراتی ہوں کچھ بس نہیں اور ہے یہ تمنا
کٹتی بھی نہیں راہ کسی طرح کروں کیا
اک دم میں پہنچ جاؤں جو دو دن کا ہو رستا
مشتاق ہے دل چشم بھی دیدار طلب ہے
قسمت میں ملاقات خدا جانیے کب ہے

۱۵
گذرے ہیں کئی دن کہ ہیں بابا تو سفر میں
سوزش ہے تپِ ہجر کی نتھنے سے جگر میں
مدت ہوئی سوئی نہیں آغوشِ پدر میں
راحت نہ سفر میں ہے نہ آرام تھا گھر میں
میں کیا کہوں جو درد و غم و رنج ہے جی کو
بابا سے جدائی نہ ہو دنیا میں کسی کو

۱۶
فرماتے تھے تب شاہ کہ اے باپ کی شیدا
میرا بھی یہی حال ہے جو حال ہے تیرا
گھبراتی ہے کیوں جلد ملے گا ترا بابا
بھائی کی ملاقات کو میں بھی ہوں تڑپتا
میں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں ہے
صغرا کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے

۱۷
تم باپ کے اور بھائیوں کے غم سے ہو مضطر
اس پاس تو ماں ہے نہ پدر ہے نہ برادر
دو بھائی تو ہمراہ ہیں اور ساتھ ہے مادر
اس غم میں شفا ہووے گی بیمار کو کیونکر
اس کے تو سبھی چاہنے والے ہیں سفر میں
کیا حال ہوا ہووے گا اجڑے ہوئے گھر میں

۱۸
حضرت نے جو کی دخترِ مسلم سے یہ تقریر
چلائی سکینہ ترے صدقے مری ہمشیر
صغرا کے لئے رونے لگیں بانوئے دلگیر
اب دیکھیے کب تجھ سے ملا دے ہمیں تقدیر
زینبؑ نے پکارا کہ میں قربان مری صغرا
بچی ترا اللہ نگہبان مری صغرا

۱۹
روئے کی صدا محلوں سے آئی جو یک بار
راہی ہوئے روتے ہوئے واں سے شہِ ابرار
جلتی تھیں زمیں دھوپ سے یوں تھی جو شرربار
سایہ کئے تھا فرقِ مبارک پہ علمدار
لب خشک تھے گرمی سے ہر اک غنچہ دہن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

۲۰
ہر دشت حرارت کے سبب تھا کرۂ نار
بے برگ تھیں سب ڈالیاں اور جلتے تھے اشجار
ہر کوہ تھا جوں آہنِ حدادِ شرربار
تھی گرم زمیں پاؤں اٹھا لیتے تھے رہوار
جو سوتا تھا آغوشِ بتولؑ عذرا میں
پھنکا وہ چلا جاتا تھا اس گرم ہوا میں

۲۱
مسکن سے پرند اپنے نکلتے تھے نہ باہر
سایہ کے لئے بیٹھے تھے پتوں میں وہ چھپ کر
اٹھتے تھے چرندے بھی ترائی سے نہ دم بھر
تا شام پڑے رہتے تھے سب جھیلوں کے اندر
تھے شاہ سفر میں ستمِ قومِ شقی سے
ان روزوں میں چھڑوا دیا گھر آلِ نبیؐ سے

۲۲
اطفال کی گرمی کے سبب بجھتی نہ تھی پیاس
مرجاتے تڑپ کر نہ کوئی تھا یہی وسواس
جو مانگتا تھا پانی پلا دیتے تھے عباس
کچھ سوچ کے تب روتے تھے شبیر بصد یاس
جو پوچھتا فرماتے یہ رونے کا سبب ہے
پانی نہ میسر ہو کوئی دن یہ غضب ہے

۲۳
اکبرؑ نے کہا پانی نہ ملنے کا سبب کیا
واں اتریں گے یا شاہ جہاں ہووے گا دریا
شہ نے کہا اُتروں گا تو دریا ہی پہ بیٹا
پر خیمہ اٹھا دیں گے مرا نہر سے اعدا
آرام کہیں اے مرے جانی نہ ملے گا
چوبیس پہر بچوں کو پانی نہ ملے گا

۲۴
یہ کہہ کے چلے واں سے جو روتے شہِ والا
وارد ہوا اک دشت میں وہ دلبرِ زہرا
برپا کئے واں خیمۂ اردوئے معلّیٰ
دن ڈھل گیا جب اور لگا پھیلنے سایا
شہ نے کہا اب دیکھئے صحرا کو بھی چل کر
بیٹھے سرِ رہ کرسی پہ خیمہ سے نکل کر

۲۵
یک بار پسِ پشت لگائے ہوئے ہتھیار
صف باندھ کے استادہ ہوئے شاہ کے انصار
دہنی طرف اکبرؑ خلفِ سیدِ ابرار
تھے بائیں طرف قاسمؑ و عباسؑ علمدار
اور پہلوؤں میں زینبؑ و مسلمؑ کے پسر تھے
دو مہر ادھر کو تھے تو دو ماہ ادھر تھے

۲۶
تھا حسنِ رخِ شاہ سے سب دشت منور
انصار تھے یوں گرد ہوں جوں ماہ کے اختر
عبدِ حبشی دو تھے مگس راں عقبِ سر
اک رشکِ بلال اور تھا اک غیرتِ قنبر
عمامے سروں پر تھے نمازی وہ جواں تھے
پیشانیوں پر سجدۂ خالق کے نشاں تھے

۲۷
اس روز تھے مغموم بہت حضرتِ شبیر
خاموش تھے خویش و رفقا صورتِ تصویر
ہر سو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر
تھا دھیان خبر پوچھو جوں آئے کوئی رہ گیر
رخساروں پہ آنکھوں سے کبھی اشک رواں تھے
لب پر کبھی دنیا کی مذمت کے بیاں تھے

٢٨

قاصد کوئی نامہ تھا جو مسلم کا نہ لایا
تشویش میں تھا حیدرِ کرار کا جایا
ناگاہ اُسے اک مردِ مسافر نظر آیا
بھجوا کے کسی کو اسے حضرت نے بلایا
تسلیم کی اس شخص نے جھک کر شہِ دیں کو
نعلینِ مبارک پہ لگا ملنے جبیں کو

٢٩

لے ہاتھ میں ہاتھ اس کا اٹھے سیدِ والا
لے جا کے کنارے اسے اس طرح سے پوچھا
اے شخص تو آتا ہے کدھر سے مجھے بتلا
وہ کہنے لگا کوفے سے میں آتا ہوں شاہا
شہ نے کہا کوفے کا مسافر تو اگر ہے
مسلم مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے؟

٣٠

صحبت سے تو ہیں ساتھ جو دو بیٹے ہیں اس کے
کڑھتے تو نہیں پہلے پہل ماں سے ہیں چھوٹے
کیا کرتے تھے تو نے انھیں دیکھا ہو تو کہہ دے
ماں روتی ہے ان کے لئے بھائی ہیں تڑپتے
اس گرمی میں کیا کام تھا بچوں کا سفر میں
بابا سے ملے تھے نہ رہے اس لئے گھر میں

٣١

کم سن تھے بہت ان کی طرف سے ہے یہ دھڑکا
آگاہ نہیں رنج سفر سے ابھی اصلا
تھا یاد، وطن میں بھی انھیں گھر کا نہ رستا
اس عمر میں صحرا کوئی دیکھا تھا نہ دریا
اِن منزلوں میں پھول سے کمھلا گئے ہوں گے
رخ تابشِ خورشید سے سنولا گئے ہوں گے

٣٢

سنتا ہوں بہت لوگوں نے کی آن کے بیعت
بے دینوں کو بارے ہوئی کچھ دین پہ رغبت
خط میں مجھے لکھا تھا کہ جلد آئیے حضرت
کیا حاکمِ کوفہ بھی ہے مصروفِ اطاعت
دھڑکا ہے اسی کا کہ وہ ایسا نہ پھر جائے
تنہا مرا بھائی کہیں اعدا میں نہ گھر جائے

٣٣

سُن ہو گیا حضرت سے یہ کہہ کر وہ مسافر
کیا کہتا کہ مسلمؑ کے وہ تھا حال سے ماہر
چہرے سے جو اس شخص کے حیرت ہوئی ظاہر
کہنے لگے گھبرا کے شہِ صابر و شاکر
اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے
جو گذری ہو کہہ دے کہ مرے دل کو قلق ہے

٣٤

رو رو کے وہ کہنے لگا کس منھ سے کہوں آہ
مسلم کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہ
اور پاؤں میں لاشوں کے رسن باندھ کے بدخواہ
بازاروں میں کھینچے لئے پھرتے ہیں سرِ راہ
دونوں سروں کی شام میں جانے کی خبر ہے
لاشوں کو سرِ دار چڑھانے کی خبر ہے

٣٥

مارا گیا بے جرم و خطا آپ کا بھائی
تربت بھی مسافر کی کسی نے نہ بنائی
مرنے سے بھی پہلے ہوئی بیٹوں سے جدائی
بچوں کو غریب الوطنی میں اجل آئی
دریا پہ انھیں مار کے جب آیا تھا حارث
دربار میں دو چھوٹے سے سر لایا تھا حارث

٣٦

لایا تھا جو دریا پہ وہ پکڑے ہوئے گیسو
سنتا تھا بہت منتیں کرتے تھے وہ گل رو
تھے ایک ہی رسی میں بندھے دونوں کے بازو
کہتے تھے ہمیں بیچ لے، پر قتل نہ کر تو
رُخ میں نے بھی دیکھے تھے عجب غنچہ دہاں تھے
رخساروں پہ دونوں کے طمانچوں کے نشاں تھے

۳۷

جب شہ نے سنی یہ خبرِ مسلمِ بے پر
سینے میں تڑپنے لگا دل مثلِ کبوتر
رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
منھ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر
بلوا کے مدینہ سے ہمیں مر گئے مسلم
ہم کو نہ تنک آلے تو سفر کر گئے مسلم

۳۸

پھر کوٹ کے چھاتی یہ کہا شاہ نے رو رو
ہم بھی وہیں آ ملتے ہیں تم سے کوئی دم کو
بھائی چھٹے دنیا کے غم و رنج سے تم تو
آمادۂ مرگ اپنے برادر کو بھی سمجھو
اب خونِ جگر کب تلک اس غم میں پیوں گا
میرے لئے مارے گئے میں بھی نہ جیوں گا

۳۹

میرے لئے گھر چھوڑ کے تم آئے وطن سے
تیغوں کے لگے زخم بندھے بازو رسن سے
میری ہی طرفداری میں سر کٹ گیا تن سے
میرے لئے محروم رہے گور و کفن سے
شرمندہ ہوں کیا بھائی یہ احساں کیے بھائی
جاں اپنی بھی دی بیٹے بھی قرباں کیے بھائی

۴۰

رو رو کے پھر اس شخص سے کہنے لگے سرور
اس واسطے کہتا ہوں کہ یہ واقعہ سن کر
کیجیو یہ خبر تو ابھی ظاہر نہ کسی پر
ہووے نہ پریشان مری جمعیتِ لشکر
ہے دخترِ مسلم بھی گرفتارِ الم میں
مر جائے گی وہ پیٹ کے سرباب کے غم میں

۴۱

دو بیٹے بھی زوجہ بھی ہے اس کی مرے ہمراہ
دل پر مرے اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا آہ
مسلم نہیں مارا گیا میں مر گیا واللہ
کیا ہو گا وہ جب ہووے گی اس حال سے آگاہ
شرم آتی ہے سمجھانے کا یارا مجھے کب ہے
عورت کے لئے رنج رنڈاپے کا غضب ہے

۴۲

فرما کے یہ آنکھوں سے بہت اشک بہائے
بیٹھے تھے جہاں پھر وہیں تشریف جو لائے
رخصت وہ ہوا آپ پھر سر کو جھکائے
تر ریش مبارک ہوئی یہ اشک بہائے
رکھ لیتے تھے رومال کبھی دیدۂ نم پر
روتے تھے کبھی سر کو جھکا زانوئے غم پر

۴۳

تھے خویش و برادر سبھی گردِ شہِ مظلوم
عباس کو تشویش تھی اکبر بھی تھے مغموم
لیکن سببِ گریہ نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اس سوچ میں تھے زینبِ دلگیر کے معصوم
کیا وجہ ہے جو اشکوں سے منھ دھوتے ہیں ماموں
چل کر کہیں ماں سے کہ کیوں روتے ہیں ماموں

۴۴

قاسم کا عجب حال تھا جب روتے تھے سرور
تھے مضطر و حیراں پسرِ مسلمِ بے پر
بے تاب تھا دل رنگ تھا رخ کا متغیر
آہستہ یہ کہتا تھا برادر سے برادر
یارا نہیں جو پوچھیں کہ حضرت نے سنا کیا
کیا جانیے کوفہ کے مسافر نے کہا کیا

۴۵

جس وقت سے کوفے کے وہ کچھ کہہ گیا اخبار
دھڑکا ہے کہ خلقت نہیں کوفے کی وفادار
اس وقت سے غمگیں ہیں نہایت شہِ ابرار
بابا سے کہیں پھر نہ گئے ہو دیں جفاکار
یہ کہتے تھے اور جوش تھا سینے میں بُکا کا
منھ تکتے تھے آنسوں بھرے آنکھوں سے چچا کا

۴۶

حیدر کے نواسے تھے زمیں عاشقِ سرور
روتے ہوئے خیمہ میں گئے با دلِ مضطر
زینب نے کہا خیر تو ہے صدقے میں تم پر
کیوں روتے ہو جلدی کہو مرجائے گی مادر
یاد آتا ہے گھر تنگ ہو یا رنج سفر سے
یا اس لئے روتے ہو کہ چھوٹے ہو پدر سے

۴۷

رو رو کے یہ کہنے لگے زینبؑ کے وہ پیارے
دم ماریں نہ واللہ جو ہم پر چلیں آرے
کچھ آج عجب صدمہ ہے ماموں پہ ہمارے
وہ روتے ہیں خویش و رفقا غم میں ہیں سارے
کیا جانیے کیا غم ہے دل و جان نبیؐ کو
پوچھے کوئی بڑھ کر یہ نہیں تاب کسی کو

۴۸

یہ سنتے ہی گھبرا گئیں سب بیبیاں یک بار
بانو نے کہا روتے ہیں لوگو شہِ ابرار
ہو خیر کہ تھی فاطمۂ صغرا مری بیمار
کہتی تھی کھڑی زوجۂ مسلمؑ بہ دلِ زار
وارث مرا دو بیٹے لیے ساتھ گیا ہے
کوفے کے مسافر کا نگہبان خدا ہے

۴۹

اس وقت عجب خیمہ میں برپا تھی قیامت
منھ سب کے تھے فق ہوگئی تھی ایک کی صورت
زنہار نہ زینبؑ کو رہی صبر کی طاقت
ڈیوڑھی پہ گئی مضطر و بے تاب نہایت
چلا کے کہا مجکو نہ تڑپایئے بھائی
باہر میں نکلتی ہوں نہیں آیئے بھائی

۵۰

آواز جو زینبؑ کی سنی شاہ نے یک بار
با دیدۂ تر خیمہ میں آئے شہِ ابرار
زینبؑ نے کہا اے اسد اللہ کے دلدار
صدقے گئی کچھ رونے کا باعث کرو اظہار
غم دیدہ تو ہے اور بھی غم کھائے گی زینب
واللہ چھپاؤ گے تو مرجائے گی زینب

۵۱

حضرت نے کہا کان میں زینب کے یہ رو کر
کس طرح نہ روؤں کہ ستم ہوگیا مجھ پر
میرے لئے مارا گیا مسلم سا برادر
بے کس کو ہوا گور و کفن بھی نہ میسر
اک کوفی کے ہاتھ آگئے فرزند بھی اس کے
پردیس میں مارے گئے دلبند بھی اُس کے

۵۲

بیٹھی ہے کہاں دخترِ مسلمؑ کو تو لاؤ
جلدی اسے لاکر مری چھاتی سے لگاؤ
رو کر کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے کہ جاؤ
کبرا و سکینہؑ کی مصاحب کو بلاؤ
دیکھو کہیں یاں ہوگی کہ واں ہوگی سکینہ
وہ بھی وہیں ہووے گی جہاں ہوگی سکینہؑ

۵۳

یہ سنتے ہی کلثومؑ بلانے کو چلی تھی
جو سامنے کبرا و سکینہؑ نظر آئی
تھی ساتھ ہی ان دونوں کے مسلمؑ کی بھی بیٹی
حضرت کے قریب آکے بدستور وہ بیٹھی
یوں پیار تو کرتے تھے ہمیشہ تھی جب آکر
اس روز بہت پیار کیا چھاتی لگا کر

۵۴

حضرت نے پھر آہستہ یہ فرمایا بہن سے
لے آؤ وہ دُر میں نے جو رکھوائے ہیں گھر سے
زینبؑ انھیں لے آئی جو شبیرؑ کے آگے
حضرت نے وہ کانوں میں بھتیجی کے پنھائے
آنکھوں سے کبھی ملتے تھے رخسار سے اس کے
منھ پر کبھی رکھ دیتے تھے منھ پیار سے اس کے

۵۵

کیں اور بھی چیزیں کئی منگوا کے عنایت
اور سر پہ بھی ہاتھ اس کے پھرایا بہ صد الفت
شک دل میں پڑا لڑکی کے دیکھی جو یہ شفقت
کہنے لگی کچھ سوچ کے اور تھام کے رقت
اس لطف فراواں کا سبب کیا ہے چچا جان
الطاف بھتیجی پہ یہ کیسا ہے چچا جان

۵٦

انداز وہی آج مجھے ہے نظر آتا
جس طرح یتیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا
اس پیار پہ دل ہے مرا ٹکڑے ہوا جاتا
کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکیں نہیں پاتا
کونے سے بڑی دور سفر کر گئے بابا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا

۵۷

یہ کہہ کے وہ بیٹی تو کہا شاہ نے رو رو
بابا کی جگہ اپنے تم اب مجھ کو ہی سمجھو
ماں ہے تری اب میری بہن زینبؑ خوشخو
کبراؑ و سکینہؑ سے زیادہ ہے تو مجھ کو
غم بے پدری کا تجھے معلوم نہ ہوگا
سب ہوگا پہ اک مسلم مظلوم نہ ہوگا

۵۸

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے چلائی وہ دختر
ہے ہے مرے بابا میں تمھیں پاؤں گی کیوں کر
میں جیتی رہی آپ گئے جانب کوثر
کس بے کسی سے قتل ہوئے صدقے میں تم پر
مہمان پہ کچھ رحم بھی کھایا نہ کسی نے
تلواریں چلیں تم پہ بچایا نہ کسی نے

۵۹

بیٹی کی سنی زوجۂ مسلمؑ نے جو زاری
سر پر سے ردا گر پڑی گھبرا کے پکاری
کیا آئی خبر کیا ہوا کیوں روتی ہو پیاری؟
بیٹی نے کہا ٹوٹ گئی آس ہماری
اب کیا کہوں تقدیر مری سو گئی اماں
پردیس میں بن باپ کے میں ہو گئی اماں

٦۰

تم رانڈ ہوئیں ناک سے اور نتھ کو بڑھاؤ
اب روؤں گلے مل کے میں تم سے ادھر آؤ
اب ماتمی صف پیٹنے رونے کی بچھاؤ
بالوں کو پریشان کرو خاک اڑاؤ
تم آٹھ پہر رہتی تھیں مشتاق خبر کی
آئی ہے سنانی مرے مظلوم پدر کی

٦۱

پیغام رنڈاپے کا سنا بیٹی سے جس دم
منھ پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری وہ بصد غم
ہے ہے مرے والی مرے صاحب مرے ہمدم
لاشے پہ وہاں کس نے کیا ہووے گا ماتم
میں جیتی ہوں صدمہ ہے مری جان حزیں پر
کس بیکسی سے لاش پڑی ہوگی زمیں پر

٦۲

بے دردوں میں زخموں کو سیا ہووے گا کس نے
سر نزع میں زانو پہ کیا ہووے گا کس نے
بے کس تھے کفن تم کو دیا ہووے گا کس نے
تربت میں تمھیں دفن کیا ہووے گا کس نے
پردیس میں فرزند کہاں چھٹ گئے ہوں گے
زنداں میں مرے بچوں کے دم گھٹ گئے ہوں گے

٦۳

اتنے میں صدا حضرت زینبؑ کی یہ آئی
اے زوجۂ مسلم الم و غم کی ستائی
تو رانڈ ہوئی آج محمد کی دہائی
وارث کی سنائی تجھے قسمت نے سنائی
تھرا رہی ہے قبر نبی تیری فغاں سے
پرسا تجھے دینے کو میں آئی ہوں جناں سے

۶۴

وارث جو ترا لال ہے میرے ہوا قرباں
تنہائی کا تو مسلم بے کس کی نہ کر دھیاں
اے رانڈ ہو مجھ پہ ترا اب ہوا احساں
میں پاس تھی جس دم وہ ہوا خون میں غلطاں
آگے مرے کوفے میں ترا راج لٹا ہے
وارث کا ترے سر مرے زانو پہ کٹا ہے

۶۵

لاش اس کی لعیں کھینچے لئے جاتے تھے جب آہ
کرتے تھے رسول عربی نعرۂ جاں کاہ
سر ننگے پڑی پھرتی تھی ماں لاش کے ہمراہ
لائے تھے کفن خلد بریں سے اسد اللہ
کفنا کے علی قبر میں لاش اس کی دھریں گے
محبوب خدا آپ اسے دفن کریں گے

۶۶

زہرا کا بیاں سن کے یہ برپا ہوا محشر
چھاتی سے لگا کے انھیں کہنے لگے سرور
تڑپے پسر مسلم مظلوم زمیں پر
اب صبر کرے تم کو عطا خالق اکبر
جو ہونا تھا سو ہو چکا اس کشتۂ غم پر
اب باقی رہا ہے وہ جو کچھ ہونا ہے ہم پر

۶۷

اب تم کو یہ بہتر ہے کہ پھر جاؤ وطن کو
ماتم میں گوارا نہ کرو رنج و محن کو
مادر کو بھی ہمراہ لو اور چھوٹی بہن کو
وہ کہنے لگے سن کے یہ حضرت کے سخن کو
اب جنگ سے منھ موڑ کے جائیں گے نہیں ہم
حضرت کے قدم چھوڑ کے جائیں گے نہیں ہم

۶۸

جن کوفیوں نے مارا ہے بابا کو ہمارے
جو ظلم و ستم سہہ کے وہ جنت کو سدھارے
ہم بھی نہ رہیں گے انھیں بے جان سے مارے
سر تن سے کوئی یوں ہی ہمارا ابھی اتارے
وہ دن تو ہو شیبے گا کہ کیا کر گئے ہم بھی
مارا انھیں للکار کے یا مر گئے ہم بھی

۶۹

یہ کہتے تھے اور لوٹتے تھے دونوں زمیں پر
مل کر کف افسوس یہ فرماتے تھے سرور
رو رو کے ام انھیں تھامتی تھی شاہ کی خواہر
کیا داغ برادر کو دیا ہائے برادر
سویا نہ کوئی مسلم مظلوم کے غم میں
تا صبح رہی سینہ زنی اہل حرم میں

۷۰

کوفے کو نماز سحری پڑھ کے چلے شاہ
اک دشت خطرناک میں جا پہونچے جو ناگاہ
روتے ہوئے سب قافلے ان کے ہوئے ہمراہ
گھوڑا نہ بڑھا آگے تو بولے شہ ذی جاہ
کس غم نے کیا خائف و ترساں تجھے گھوڑے
پیاری ہے مری جان سے کیا جاں تجھے گھوڑے

۷۱

منھ پھیر کے گھوڑے نے کہا عرض کروں کیا
کیا جانے زمیں کیسی ہے کیسا ہے یہ صحرا
تھراتا ہوں ہرگز قدم آگے نہیں بڑھتا
پوچھے تو کسی سے کوئی کیا نام ہے اس کا
پوچھا تو کوئی بولا یہی دشت جفا ہے
نام اس کا ہے اک ماریہ اک کرب و بلا ہے

۷۲

یہ سن کے اتر گھوڑے سے حضرت نے پکارا
اب آ گئے ہے اک دشت سے کب جانے کا یارا
صد شکر کہ تقدیر نے منزل پہ اتارا
مسکن ہے یہی اور یہی مدفن ہے ہمارا
سادات کے یہ خون کے بہنے کی جگہ ہے
تا حشر ہمارے یہی رہنے کی جگہ ہے

۷۳

ارمان اسی دشت میں تھا آنے کا ہم کو
نزدیک ہیں سمجھو نہ بعید اہلِ ستم کو
استادہ کرو خیمہ اُترواؤ حرم کو
گھیریں گے ہمیں آن کے اعدا کوئی دم کو
جیتوں کو ہے آپس کی ملاقات غنیمت
فرصت جو ملے ان سے تو ہے رات غنیمت

۷۴

فرّاشوں نے یہ سنتے ہی خیمے کیے استاد
تھے گرمی کے دن پیاس کی ہونے لگی فریاد
اور محملوں سے اُترے حرم بادلِ ناشاد
گھبرا کے رفیقوں سے کیا شاہ نے ارشاد
دیکھو تو بہت دور ہے دریا کے قریں ہے
بچّے مرے سب پیاسے ہیں اور پانی نہیں ہے

۷۵

کی عرض رفیقوں نے کہ اے سرورِ والا!
دریا تو ہے پر فوج کی کثرت ہے یہ اس جا
ہم بیچ میں ہیں گرد میں ہے لشکرِ اعدا
مطلق نظر آتا نہیں دریا کا کنارا
خالی ہے لیے مشکوں کو دریا سے پھر آئے
پینے کو بھی پانی نہ ملا پیاسے پھر آئے

۷۶

یہ سن کے گئے خیمہ میں شہ سر کو جھکائے
زینب نے کہا شہ سے بہن صدقے یہ جائے
دیکھا جو سکینہ کی طرف آنسو بھر آئے
اس دم کسے بھینا تری مظلومی دکھائے
کس دکھ میں تو اے وارثِ اولادِ علی ہے
نانا ہے نہ بابا ہے نہ ماں کوکھ جلی ہے

۷۷

شہ نے کہا مرضئ خدا یوں ہی ہے خواہر
لشکر نہ مرا ہوگا نہ میں صاحبِ لشکر
تم دیکھو گی کٹ جائے گا کل تن سے مرا سر
سب جائیں گے جنت کو مرے خویش و برادر
کل آسکوں گا کاہے کو خنجر کے تلے سے
آج اور لگا لوں میں سکینہؑ کو گلے سے

۷۸

تا صبح رہی بھائی بہن سے یہی تقریر
مقتل کو چلے بہرِ وغا حضرتِ شبیرؑ
میداں میں صف آرا ہوا واں لشکرِ بے پیر
روتی رہیں سب بیبیاں بہ حالتِ تغیر
جاتے ہی لڑائی ہوئی شمشیر زنوں سے
سر کٹ کے گرے شہ کے رفیقوں کے تنوں سے

۷۹

پھر رن میں گئے مسلمؑ مظلوم کے جائے
جوہر انھیں شمشیرِ شجاعت کے دکھائے
یاں تک وہ لڑے لاشوں پہ لاشے ہی گرائے
مارے گئے وہ جیتے نہ پھر خیمہ میں آئے
باقی بھی رضا لے کے جانے لگے رن میں
سب تا بہ دمِ عصر ٹھکانے لگے رن میں

۸۰

جب کٹ گیا سب سیدِ مظلوم کا لشکر
کہتا تھا لعینوں سے کہ اے قوم ستمگر
اور رہ گیا تنہا خلفِ ساقیِ کوثر
اب میں ہوں و یا خیمۂ ناموسِ پیمبر
منظور اگر یہ ہے کہ جاؤں نہ وطن کو
تو اور کہیں جانے دو مجھ تشنہ دہن کو

۸۱

کتنا انھیں سمجھایا پہ اعدا نے نہ مانا
تیروں سے تن اس فاطمہؑ کے لال کا چھانا
سمجھے وہ گناہ پیاسے کو پانی کا پلانا
یہ جانِ پیمبر ہے لعینوں نے نہ جانا
پرخوں کیا عمامۂ فرزندِ علیؑ کو
ٹکڑے کیا تلواروں سے ملبوسِ نبیؐ کو

۸۲
نیزوں سے اُسے خاک پہ گھوڑے سے گرایا
آئینۂ خنجر جو چمکتا نظر آیا
چھاتی پہ چڑھا شمر تڑپنے نہ دہ پایا
زینبؑ نے نکل خیمہ سے یہ شور مچایا
سینے سے اُتر اس کے یہ کرتا ہے ظالم
فریاد ہے زہراؑ کی نہیں ڈرتا ہے ظالم

۸۳
ہے ہے یہ گلا بوسہ گہِ مصطفوی ہے
یہ زخمی جو چھاتی ترے زانو سے دبی ہے
بے جان نہ کر اس کو یہ دل و جانِ نبیؐ ہے
واللہ یہ چھاتی ہے محمدؐ کی جی ہے
محبوبِ خدا جس کے لئے اونٹ بنا ہے
تو سینے پہ اس شاہِ دو عالم کے چڑھا ہے

۸۴
رو رو کے یہ چلاتی تھی زینبؑ تو کھلے سر
جس وقت جدا ہو گیا تن سے سرِ انور
اور حلق پہ شبیرؑ کے واں چلتا تھا خنجر
یہ پیٹی کہ غش ہو کے گری زینبؑ مضطر
جس دم یہ ہوا ظلم انیسؔ اس شہِ دیں پر
حیرت ہے کہ کیوں گر نہ پڑا عرش زمیں پر

سلام

کچھ اور جز سخن نہیں اہلِ سخن کے پاس
مجرائی کیا زباں کے سوا ہے دہن کے پاس

مجرائی گھر ملے گا امامِ زمن کے پاس
ہوتا ہے آشیانۂ بلبل چمن کے پاس

کس کو فشارِ قبر کی دہشت ہے قبر میں
آنسو ہمارے پاس ہیں صرفِ کفن کے پاس

کہتے تھے دیکھ کر لب و دندانِ شہ کو لوگ
سمرن درِ عدن کی ہے لعل یمن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغرؑ کو قبر میں
مجھ کو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

قاسمؑ جو مر گئے تو کہا شہ نے رو کے یہ
پہونچی حسنؑ کی آج امانت حسنؑ کے پاس

سوفار جس کا تر نہ ہو خونِ حسینؑ سے
ایسا نہ تیر تھا کسی ناوک فگن کے پاس

صدمے سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پاؤں
جس وقت بیڑیاں نظر آئیں رسن کے پاس

شہ پڑھ چکے جو عقد تو آئے سلام کو
دولھا کے پاس موت رنڈاپا دلہن کے پاس

دریا بہا حرملہ نے لگایا لبوں پہ تیر
چلو بھی لائے تھے نہ شہِ دیں دہن کے پاس

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیسؔ کی ہو کفش کن کے پاس

مرثیہ

۱

جس دم یزید شام میں مسند نشیں ہوا
شبیر سے زیادہ اسے بغض و کیں ہوا
سب ملک رو سیاہ کے زیرِ نگیں ہوا
ایذائے اہلِ بیتؑ کا در پے لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو ساماں درست ہے
سختی نہ ان پہ ہو تو ریاست یہ سست ہے

۲

خط حاکمِ مدینہ کو لکھا بہ شدّ و مد
بیعت مری حسین سے لے تو بجدّ و کد
مضمون یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

۳

پہونچا اسی مدینے میں جب نامۂ یزید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید
پڑھ کر وہ خط بہت متردّد ہوا ولید
میں فاطمہؑ کے لال کو کیوں کر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہے
ایسے کنارہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

۴

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب
فرمایا اس سے جا کہ میں آؤں گا وقتِ شب
بھائی بھتیجے شاہ کے حاضر تھے سب کے سب
معلوم ہے مجھے جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعتِ فاسق حرام ہے
اس کی طلب نہیں یہ اجل کا پیام ہے

۵

گھبرا گئے یہ سُن کے عزیز و رفیق و یار
اکبرؑ نے بھی طلب کیا اسبابِ کارزار
قاسمؑ نے رکھ لی سامنے شمشیرِ آبدار
آئے کمالِ غیظ میں عباسؑ نامدار
کہہ کر یہ بات صورتِ شیر اٹھ کھڑے ہوئے
حاکم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

۶

زینبؑ کے دونوں بیٹوں کو اس دم رہی نہ تاب
حاکم کے گھر میاں جاتے ہیں شاہِ فلک جناب
جا کر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
اماں ہمارے نیمچے لا دیجئے شتاب
بگڑے گی گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

۷

سُن کر سخن یہ ہو گیا زینبؑ کا رنگ زرد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہ سرد
آنسو بھر آئے آنکھوں میں اُٹھا جگر میں درد
کیا والیِ مدینہ ہے آمادۂ نبرد
ایسی علیؑ کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا کیا خطا ہوئی

۸

ہے ملک سے غرض نہ اسے حُبِّ جاہ ہے
لوگوں سے رابطہ ہے نہ غیروں سے راہ ہے
قبضے میں نے خزانہ ہے اور نے سپاہ ہے
جائے نشست قبرِ رسالتؐ پناہ ہے
ناحق یہ ظلم حق سے نہیں لوگ ڈرتے ہیں
جنگل بسے جس غریب پہ فاقے گذرتے ہیں

۹

نانا ہیں اس کے سر پہ نہ حیدرؑ رہیں نہ حسنؑ
زندہ ہے جب تلک تو جیتے ہیں پنجتن
صدقے غریب بھائی پہ ہو جائے یہ بہن
مرضی ہو دشمنوں کی تو ہم چھوڑ دیں وطن
گریاں ملے گا چین نہ زہراؑ کی جائی کو
جنگل میں جا رہے گی بہن لے کے بھائی کو

۱۰

بھائی کو میرے پاس بلا دو سنوں میں حال
کیا بات ہے جو خاطرِ اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہؑ کا لال
بھائی یہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو جنگ کا ساماں کیے چلیں
حاکم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لیے چلیں

۱۱

زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امامِ دیں
منہ دیکھ شہ کا رونے لگی زینبِ حزیں
فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں خوف کچھ نہیں
حاکم کے گھر میں جائے گا حیدر کا جانشیں
وہ اور ہے جگہ تمھیں جس کا خیال ہے
یاں مجھ پہ ہاتھ اُٹھائے کوئی کیا مجال ہے

۱۲

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بچشمِ تر
باندھی شہِ نجف نے کمربند سے کمر
ڈالا عبائے پاک محمدؐ کو دوش پر
لے کر عصا نبیؐ کا چلے شاہِ بحر و بر
یوں ساتھ تھے عزیز شہِ کم سپاہ کے
جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گردِ ماہ کے

۱۳

اس دم کمال حضرتِ زینبؑ تھیں بے قرار
بیت الشرف کو جاتی تھیں ڈیوڑھی پہ بار بار
عباسؑ سے بلا کے کہا اے وفا شعار
بھائی کو چھوڑیو نہ اکیلا بہن نثار
حاکم سے ہم سخن جو شہِ خوش خصال ہوں
تم اک طرف ہو ایک طرف میرے لال ہوں

۱۴

یہ بات کہہ کے رونے لگی وہ جگر کباب
چالیس شخص لے کے چلے ابن بوتراب
جو دیکھتا تھا شانِ امامِ فلک جناب
کہتا تھا وہ کہ رات کو نکلا ہے آفتاب
رستے میں شب کو حسنِ نبیؐ کا ظہور تھا
افلاک تک زمیں کے ستاروں کا نور تھا

۱۵

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام
تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمھارا کام
پر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام
دَر آنہ آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام
گھبرائے اتنا کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں
نہ تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دُور ہوں

۱۶

پاسِ ادب سے کہہ نہ سکے کچھ رفیق و یار
بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامدار
دل کو غلام کے نہیں آئے گا یاں قرار
سایہ کی طرح ساتھ نہ چھوڑے گا جاں نثار
شاید نہ پہنچے یاں تلک آواز دور کی
کفشیں لیے رہے گا یہ خادم حضور کی

۱۷

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ
اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ
پڑھیے خطِ یزید کو اے شاہِ دیں پناہ
پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ
فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ اَلم نہیں
دانستہ دیویں ہاتھ سے عزت وہ ہم نہیں

۱۸

ہم ہیں ستونِ دین نشانِ رہِ یقیں
خالق نے اپنے راز کا ہم کو کیا اَمیں
واللہ ہم ہیں وارثِ سردارِ مرسلیں
روشن ہمارے نورِ امامت سے ہے زمیں
گردش سے گو زمانے کی مظلوم آج ہیں
فضلِ خدا سے عرشِ معلیٰ کے تاج ہیں

۱۹

بھیجا ہمارے شان میں خالق نے ھل اتیٰ
کافی سند کے واسطے ہے لفظ قل کفیٰ
زیبا ہمارے تن پہ ہے تشریف انما
ہم کو کیا خدا نے سرافراز لافتیٰ
ہم سے زیادہ کس کا ہے رتبہ جہان میں
قرآن ہے تین حصہ ہماری ہی شان میں

۲۰

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہ ذوالاحترام
قبر رسولؐ پر اسی شب کو گئے امام
لپٹے ضریح پاک سے اور یہ کہے کلام
رخصت کرو حسینؑ کو یا سید انام
تربت میں لے کے جلد لگا لیجے سینے سے
اعدا نکالے دیتے ہیں مجھکو مدینے سے

۲۱

حضرت کی قبر چھوٹتی ہے مجھ سے نانا جان
میں چھپ رہوں جہاں نہیں ایسا کوئی مکان
آرام سے گھروں میں ہیں سب زیر آسماں
فریاد ہے حسینؑ کو ملتی نہیں اماں
ناموس کو حضور کے کس جا بٹھاؤں میں
بچے ذرا ذرا سے کہاں لے کے جاؤں میں

۲۲

یہ جو کہا امام نے آنسو بہا بہا
بس یک بیک مزار نبیؐ کانپنے لگا
آئی ضریح پاک محمدؐ سے یہ صدا
ماں باپ میرے تجھ پہ فدا اور میں فدا
تیرے الم سے خنجر کیں دل پہ چلتے ہیں
جاتا ہے تو تو قبر سے ہم بھی نکلتے ہیں

۲۳

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر
دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر
بھائی مرا مدینہ سے ہے عازم سفر
ملتی نہیں پناہ شہ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

۲۴

اماں تمہاری بیٹیاں ہوتی ہیں بے وطن
کیوں کر بچائے بھائی کو آفت سے یہ بہن
ہے ہے اجاڑ ہوتا ہے پھولا پھلا چمن
دو دن سے بے قرار ہے شاہنشہ زمن
کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ شب کو سوتے ہیں
تربت پہ نانا جان کی جا جا کے روتے ہیں

۲۵

زینب کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام
رخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر کیا سلام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہ خاص و عام
وقت سحر وطن سے چلے سید انام
رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہل وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

۲۶

ناموس تھے جو فاطمہؑ کے نور عین سے
ملتے تھے آنکھیں پائے شہ مشرقین سے
اس رات کوئی گھر میں نہ سویا تھا چین سے
غل ہے مدینہ ہوتا ہے خالی حسینؑ سے
رخصت حرم سے عورتیں آ آ کے ہوتی ہیں
کوٹھوں پہ پردے والیاں منہ ڈھانپے روتی ہیں

۲۷

آتی تھی جب عماریِ زینبؑ قریب بام
ان عورتوں سے کہتی تھی خواہر امام
اے بیبیوں بطور ندا ہے مرا کلام
شہ کی سلامتی کی دعا کیجو صبح و شام
وہ دن خدا کرے کہ خوشی تم کو پاؤں میں
بھائی کو لے کے خیر سے پھر گھر میں آؤں میں

تا کے تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام
اہلِ حرم کو ساتھ لئے با صد احترام
تھا قصد حج حبیبؐ خدا کے حبیب کو

۲۸
سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امام
اس رکنِ دیں نے کعبے میں جا کر کیا قیام
واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو

صحرائے کربلا میں ہوا جب ورود شاہ
منظور تھا کہ ہو دیں نبی فاطمہؑ تباہ
دریا تھا گرد موج زن افواج شام کا

۲۹
اس رہبرِ زمانہ کی واں آ کے رکی راہ
چاروں طرف سے قتل کو آنے لگی سپاہ
تھا جوں حباب بیچ میں خیمہ امام کا

کرتے تھے استغاثہ امامِ فلک جناب
اس وقت بڑھ کے شمر لعیں نے کیا خطاب
تیغیں کھنچی ہوئی ہیں سر انجام جنگ ہے

۳۰
موجود تھے وہ سب پہ نہ دیتے تھے کچھ جواب
بس بس سخن کو طول نہ اب دیجیے بے حساب
باتوں کا ہے یہ وقت کہ ہنگام جنگ ہے؟

فرمایا شہ نے قتل کا میرے ہے گر خیال
مردود نے کہا نہیں مقبول یہ سوال
مہلت ملے مجوس و نصاریٰ کے واسطے

۳۱
مہلت طلب ہے آج کی شب فاطمہؑ کا لال
اکبرؑ بگڑ کے کہنے لگے او زبوں خصال
اور حکم قتل سیدِ والا کے واسطے

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگا شمر رو سیاہ
خیمے میں آئے روتے ہوئے دشت کیں سے شاہ
مل مل کے ہاتھ کہتی ہیں ہے ہے میں لٹتی ہوں

۳۲
دی مہلت آج آپ کو یا شاہ دیں پناہ
دیکھا کہ حال حضرتِ زینبؑ کا ہے تباہ
پردیس میں حسینؑ سے بھائی سے چھٹتی ہوں

زینبؑ کے پاس روتے گئے اور یہ کہا
مہلت ہے شب کی آؤ گلے سے لگو ذرا
تم قیدیوں میں جاؤ گی ہم رن میں سوئیں گے

۳۳
بھینا ابھی سے روتی ہو کیوں تم پہ میں فدا
ہوں گے نہ اور چار پہر تم سے ہم جدا
مہماں ہیں اور آج کی شب کل نہ ہوئیں گے

بنتِ علیؑ یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
ہے ہے جہاں سے پہلے نہ میں کر گئی سفر
بہتر ہے موت آئے اگر اس حیات سے

۳۴
دیتے ہو اپنے مرنے کی بھائی مجھے خبر
اعدا مجھے پھرائیں گے بلوے میں ننگے سر
گور و کفن تو پاؤں گی بھائی کے ہات سے

روئے امام سن کے بہن کا کلام یاس
پھر اور نا امیدوں کو آیا پیام یاس
سیدانیوں کو قطع امید حیات تھی

۳۵
فرمایا سچ ہے دار فنا ہے مقام یاس
گذرا وہ روز چھا گئی خیمے پہ شام یاس
وہ دشت ہولناک تھا اور کالی رات تھی

کرتا تھا سائیں سائیں وہ صحرائے لق و دق
دم گھٹتے تھے اندھیرے سے بچوں کو تھا قلق
مائیں انھیں سلاتی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۳۶
تھے بیبیوں کے صورتِ مہتاب رنگ فق
آواز سے درندوں کی ہوتے تھے سینے شق
سینوں سے لپٹے جاتے تھے وہ کانپ کانپ کے

۳۷

پیاسے مسافروں کو جو شب خوں کا خوف تھا
مانند شیر دیتے تھے ہر بار یہ صدا
خیمے کے گرد پھرتے تھے عباس باوفا
بیدار ہوشیار جوانانِ مرتضا
نزدیک صبح جنگ ہے کچھ رات اب نہیں
آقا بھی جاگتے ہیں یہ غفلت کی شب نہیں

۳۸

نزدیک خیمہ رہیو کہ آقا نہیں ہیں دور
حوروں کی ہے طلب کہ نہ خدمت میں ہو قصور
ناموسِ مصطفےٰ کی خبرداری ہے ضرور
حاضر رہو کہ حق کی عبادت میں ہیں حضور
اس رات بستروں پہ نہ جا جا کے سوئیو
کل دن سے پاؤں دشت میں پھیلا کے سوئیو

۳۹

ناگاہ آسماں پہ ہوا صبح کا ظہور
کافور کی طرح سے اڑا روئے مہ کا نور
پھیلی سپیدی ہو گئی ظلمت جہاں سے دور
یاد خدا میں زمزمہ کرنے لگے طیور
آثار صبح کے جو عیاں ہوتے جاتے تھے
حضرت نماز پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے

۴۰

پھیرا سلام جب تو اٹھائے دعا کو ہات
سب راتیں ہو چکیں نہیں باقی ہے کوئی رات
خالق سے کی یہ عرض کہ اے ربِّ پاک ذات
ہے روز قتل قطع ہوئی مدتِ حیات
طاعت کا وقت ہاتھ سے کھویا نہیں کبھی
شاہد ہے تو کہ شام سے سویا نہیں کبھی

۴۱

شرمندہ ہوں کہ کس لئے آیا تھا کیا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لا انتہا کیا
جو حقِ بندگی تھا نہ وہ بھی ادا کیا
یاں تک کہ سارے خلق کا حاجت روا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نور عین پر
آسان کر دے قتل کی مشکل حسینؑ پر

۴۲

ہتیار سج کے صحن میں آئے امام پاک
فریاد الوداع کہ اب ہوں گے ہم ہلاک
دیکھا کہ اہل بیت گریباں کئے ہیں چاک
ناموس مصطفےٰ نے اڑائی سروں پہ خاک
بانوئے شاہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑیں
زینبؑ قدم پہ شاہ کے گھبرا کے گر پڑیں

۴۳

ہو کر وداع گھوڑے پہ حضرت ہوئے سوار
مانند گل شگفتہ تھا ہر ایک گل عذار
حلقہ کئے تھے گرد عزیز و رفیق و یار
تھی فاطمہ کے باغ پہ وہ آخری بہار
مرنے کے شوق میں قدم آگے نہ بڑھتے تھے
ہنس ہنس کے باتیں کرنے میں کیا پھول جھڑتے تھے

۴۴

مولا کے ساتھ صبح سے کھولی نہ تھی کمر
زخموں سے چور ہو ہو کے گرتے تھے خاک پر
آتے تھے تیر ادھر سے تو بن جاتے تھے سپر
رکھتے تھے شہ کے پائے مبارک پہ اپنا سر
کیا خوش نصیب وہ تھے کہ جب دم نکلتے تھے
منہ اپنا ان کے چہروں پہ شبیر ملتے تھے

۴۵

قاسم نے رن میں لاشہ پہ لاشہ گرا دیا
اکبر نے دم میں ناموروں کو بھگا دیا
عباس نے بھی خون کا دریا بہا دیا
انداز ضرب شیر الٰہی دکھا دیا
تنہا جب ان کے بعد شہ بحر و بر ہوئے
تیروں کے سامنے علی اصغر سپر ہوئے

۴۶
اس وقت تھی امام پہ کیا بے کسی و یاس
فاقہ تھا تین روز کا سولہ پہر کی پیاس
لاشیں تھیں گرد اور نہ تھا کوئی آس پاس
دشمن کئی ہزار اکیلا وہ حق شناس
اعدا ادھر تو نیزوں پہ نیزے لگاتے تھے
خیمے سے اہلِ بیتؑ ادھر نکلے آتے تھے

۴۷
میداں میں آ کے کہنے لگا شمر بے ادب
جو آپ کو بچاتے تھے مارے گئے وہ سب
طاقت علیؑ کی کیا ہوئی لڑتے نہیں ہو اب
ہاتھوں کے کانپنے کا ہے شاید یہی سبب
اب کی جو فوج گھوڑوں کی باگیں اٹھائے گی
حضرت سے ذوالفقار بھی کھینچی نہ جائے گی

۴۸
یہ سن کے آگیا شہِ ذی جاہ کو جلال
بل کھا کے اٹھے ریشِ مقدس کے سارے بال
مانندِ شیر ہو گئیں آنکھیں غضب سے لال
فرمایا سامنے سے سرک او زبوں خصال
تو جانتا ہے ابنِ علی کو ہراس ہے
مجھ کو فقط رسول کی امت کا پاس ہے

۴۹
مشہور ہے کنندۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوچتا نہیں کہ مرا ہے جواں پسر
لنگر اٹھا لوں کوہ کا ٹوٹی ہے گو کمر
لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
وارث ہوں ذوالفقار جناب امیر کا
رگ رگ میں میری زور ہے زہراؑ کے شیر کا

۵۰
دے حکم جنگ کس لئے لڑنے میں دیر ہے
گو ہاتھ کانپتے ہیں مرا دل تو شیر ہے
دیکھوں تو فوجِ شام کی کیسی دلیر ہے
شبیر بھوک پیاس میں جینے سے سیر ہے
بھائی کا غم سہا علی اکبرؑ کو رو چکا
کس کس جوان کو انھیں ہاتھوں سے کھو چکا

۵۱
یہ کہہ کے کھینچی تیغ تو تھرا گئے فلک
دیکھی گئی نہ تیغ ید اللہ کی چمک
فریاد کا سماں ہے ہوا شور تا سمک
آنکھوں کو بند کر کے لگے کانپنے ملک
تابندگیِ برق نگاہوں سے گر گئی
شکلِ اجل لعینوں کی آنکھوں میں پھر گئی

۵۲
پشتے تھے زخمیوں کے چپ و راست و پیش و پس
چلتے تھے برقِ تیغ سے اعدا مثالِ خس
بجلی سا کوندتا تھا ہر اک غول میں فرس
ہر صف میں تھا یہ شور کہ بس اے حسینؑ بس
تم نے پیا ہے شیر جنابِ بتولؑ کا
امت پہ رحم کیجئے صدقہ بتول کا

۵۳
اس وقت ہاتھ روک کے گویا ہوئے یہ شاہ
مارا جواں پسر کو یہ کیا منصفی تھی واہ
تم نے کیا نہ رحم کہ اکبرؑ تھا بے گناہ
میں ہو گیا تباہ کہ تم ہو گئے تباہ
پوچھو تو اس سے خاک میں یوں جس کا گھر لٹے
ہاں پھر کٹے یہ ہاتھ جو میرا پسر ملے

۵۴
یہ کہہ کے چاہتے تھے کہ پھر ہوویں حملہ ور
فرماتے ہیں حسینؑ بس امت پہ رحم کر
دیکھا نبیؐ کے ہاتھ کو گھوڑے کی باگ پر
اے لال میرے پاس ہے تیرا جواں پسر
جب تک کہ سر کٹا کے نہ جنت میں آؤ گے
عباسؑ سے ملو گے نہ اکبرؑ کو پاؤ گے

۵۵
یہ سنتے ہی میاں میں لی شہ نے ذوالفقار
اب ہے فقط حسینؑ کو اماں کا انتظار
رو کر کہا کہ آپ کی اُمّت کے میں نثار
آئی صدا بتول کی اے میرے گلعذار
میں پیٹتی تھی برچھی جب اکبر نے کھائی تھی
اماں تو دیر سے تمہیں لینے کو آئی تھی

۵۶
اس بن کی خاک میں کبھی سر پہ اڑاتی ہوں
زینبؑ کو تھامنے کبھی خیمہ میں جاتی ہوں
اصغر کی لاش کو کبھی چھاتی لگاتی ہوں
سر پیٹتی ہوئی کبھی میداں میں آتی ہوں
راحت میں فاطمہؑ کے نہ کیونکر خلل پڑے
جس کی کمائی لٹتی ہو کیا اس کو کل پڑے

۵۷
یہ ذکر تھا کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام
چھوٹی رکاب پاؤں سے اور ہاتھ سے لگام
باہم چلے یہ تیر کہ تن چھن گیا تمام
تلوار فرق پر جو لگی جھک گئے امام
ہر بی بی در پہ خیمہ کے غش کھا کے گرتی تھی
گھوڑے کے گرد فاطمہؑ سر ننگے پھرتی تھی

۵۸
آخر گرا زمین پہ زہرا کا نازنین
آگے بڑھا چڑھائے ہوئے شمر آستیں
عرش الٰہ کانپ گیا ہل گئی زمیں
زانو تو رکھا چھاتی پہ گردن پہ تیغ کیں
بے سر نماز میں پسر فاطمہؑ ہوا
سجدہ نہ ہو چکا تھا کہ بس خاتمہ ہوا

۵۹
بس اے انیسؔ ختم کلام اب ضرور ہے
دعوئی کلام کا نہ بیاں کا غرور ہے
لطفِ سخن اُٹھاتا ہے جو ذی شعور ہے
حاسد جلیں تو اس میں مرا کیا قصور ہے
مارا دماغ و بحث و سرِ کارزار نیست
لیکن دل دو نیم کم از ذوالفقار نیست

سلام

علی سا بھی نہ کوئی عادل زمانہ ہوا
کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبیرؑ میں زمانہ ہوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہوا

امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا
وہ گھر اُجڑ گیا غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

یہ انقلاب غضب کا ہے یا علی فریاد
کہ مسجدیں تھیں جہاں واں شراب خانہ ہوا

حسین نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جس کا خوان کرم
نصیب اسے نہ کئی دن تک آب و دانہ ہوا

شباب تھا کہ دم واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب ادھر آیا ادھر روانہ ہوا

جو زندے پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مُردے
کہ ہم بھی پھرتے ہیں یوں ہی اسے زمانہ ہوا

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

گرائی برق اسی پر فلک نے یا تقدیر
جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا

لحد یہ کہتی ہے میت سے اب ہے تو اور میں
جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دار حسینؑ
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا

سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو
لحد کو اس کی میسر نہ آب و دانہ ہوا

قطعہ

لگا کے بچے کو ایک تیر حرملہ نے کہا
یہ کام مجھ سے دمِ جنگ رستمانہ ہوا

پکارے شاہ کہ اس درد دل کو مجھ سے پوچھ
خبر ہے کیا تجھے کس کا جگر نشانہ ہوا

دلہن کو دے کے سدھارے تھے آستیں جس کی
کفن بنے گا وہی خلعتِ شہانہ ہوا

ملا نہ اصغرِ ناداں کو جام پانی کا
صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا

وہ زلف چوب سناں میں بندھی ہزار افسوس
نبیؐ کی پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا

رہا نہ کوئی بہتّر میں ظہر تک باقی
حسینؑ رہ گئے سب کارواں روانہ ہوا

فراق شہ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہؑ سے
قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیسؔ اٹھو کارواں روانہ ہوا

رُباعی

جس پر کہ نظر لطف کی شبیر کریں
ادنیٰ اعلیٰ سب اس کی توقیر کریں

جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

کنعان محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے	مرثیہ ۱	خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے		اک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے
گل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں		گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں
دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے	۲	جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے		چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر		طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر
گردش ہے اب اور فاطمہ زہرا کا قمر ہے	۳	اک ایک قدم راہ میں لٹ جانے کا ڈر ہے
بستی ہے نہ رستے میں کسی جا نہ شجر ہے		درپیش ہے سختی کا پہاڑوں کا سفر ہے
گرمی میں گرفتار محن ہوتے ہیں شبیرؑ		بچے لئے آوارہ وطن ہوتے ہیں شبیرؑ
دنیا کی مذمت میں ہے ارشاد پیمبر	۴	ہیں تین مصائب کہ نہیں ان سے فزوں تر
اول تو سوال ان میں ہے والد سے بھی ہو گر		اور دوسرے جس شخص کی ہو ایک بھی دختر
دونوں کے لئے رنج و الم شام و سحر ہے		باقی رہی اب ایک مصیبت وہ سفر ہے
غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام	۵	کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام		منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا		یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا
اس فصل میں ہے رخصتِ فرزند پیمبر	۶	جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے لو چلتی ہے دن بھر		جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں		سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں
وہ لو وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا	۷	سردی میں ہو ذکر اس کا تو آ جائے پسینا
دشوار ہے اب دھوپ میں معصوموں کا جینا		ویرانہ ہے بستی میں، اجڑتا ہے مدینا
حضرت بھی گھلے جاتے ہیں تشویش سفر سے		ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے
برپا ہے مدینے میں تلاطم کئی دن سے	۸	ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے ایک شور و تظلم کئی دن سے		منہ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی		راتیں کئی گذری ہیں کہ سویا نہیں کوئی
یثرب کے زن و مرد ہیں سب بے خور و بے خواب	۹	شبیر کی فرقت کی کسی دل کو نہیں تاب
ہمسائے میں ایک غل ہے بکا کرتے ہیں احباب		غل ہے کہ مدینے میں خوشی اب ہوئی نایاب
اس شاہ میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی		اب کون خبر راتوں کو لے گا فقرا کی

۱۰

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے
روضے پہ نبیؐ کے شہِ دیں آنے نہ پائے
کیا جانیے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروّت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

۱۱

شب سے ہیں تردّد میں سفر کے شہِ ابرار
اسباب سفر باندھتے ہیں یاور و انصار
گھوڑے بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہے تیار
عباسؑ نکلواتے ہیں صندوقوں سے ہتھیار
ہر فرد پہ الطاف و کرم کرتے ہیں شبیرؑ
ہمراہیوں کے نام رقم کرتے ہیں شبیرؑ

۱۲

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے
جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

۱۳

اعدا نے شہِ یثرب و بطحا کو ستایا
یاں بیٹھے بٹھائے شہِ والا کو ستایا
بے کس کو نبیؐ زادے کو تنہا کو ستایا
افسوس عجب تارکِ دنیا کو ستایا
اس گوشہ نشیں پر یہ تعدی نہ روا تھی
کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی خطا تھی

۱۴

کہتے ہیں جوانانِ مدینہ یہی رو کر
بے تاب ہیں احباب علمدار دلاور
اب ہم سے بچھڑ جائیں گے ہے ہے علی اکبرؑ
روتا ہوا گرتا ہے کوئی آ کے قدم پر
ہر مرتبہ اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں عباسؑ
چھاتی سے ہر اک دوست کو لپٹاتے ہیں عباسؑ

۱۵

قاسم کے جو ہم سن ہیں وہ سب کرتے ہیں زاری
کہتے ہیں کہ اب تلخ ہوئی زیست ہماری
ایک ایک پہ اندوہ و غم و رنج ہے طاری
کیا ہوگا چلی جائے گی جس وقت سواری
جب آئیں گے یاں نالہ و فریاد کریں گے
سب روئیں گے جب خلقِ حسن یاد کریں گے

۱۶

ہمجولیوں کا عون و محمدؑ کے یہ ہے حال
ایک ایک سے فرماتی ہیں وہ صاحبِ اقبال
بے تاب ہیں سب روتے ہیں اس درد سے اطفال
بس بھائیو بس رونے سے آنکھیں نہ کرو لال
عزت ہے اطاعت میں امامِ دوسرا کی
پھر آئیں گے گر زیست نے اس سال وفا کی

۱۷

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب بیبیاں گھر میں
تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
اک حشر ہے ناموسِ شہِ جنّ و بشر میں
سب مل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی

۱۸

سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کے شیدا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا
کس طرح کے خط آئے یکایک ہوا یہ کیا
وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لو اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

۱۹

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی
جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی
کس طرح جئیں گے اسد اللہ کے جانی
تو لنا ہوا بچہ کبھی جاں بر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

۲۰

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے
کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

۲۱

فرماتی تھیں زینبؑ نہیں بہنوں کوئی چارا
گھر چھوڑ کے جانا بھی کسی کو ہے گوارا
قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا
ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

۲۲

جس دن سے ہوئی احمد مرسل سے جدائی
ماں باپ چھٹے پہلی مصیبت وہ اٹھائی
دم بھر بھی مرے جانی نے راحت نہیں پائی
تنہا ہوئے جب زہر سے بے جاں ہوئے بھائی
راحت سے کسی رات کو سوئے نہیں شبیرؑ
دن کون سا ایسا تھا کہ روئے نہیں شبیرؑ

۲۳

قبروں کی زیارت سے بہلتا تھا دلِ زار
شہروں سے زیارت کو یہاں آتے تھے زوار
روتے تھے ہر صبح کو جا کر شہِ ابرار
رہنے نہیں دیتے ہمیں یثرب میں جفاکار
تھی کون سی تکلیف حسینؑ ابن علیؑ سے
مظلوم نواسے کو چھڑاتے ہیں نبیؐ سے

۲۴

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہِ بحر و بر آئے
ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
دیکھا رخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائے
بیٹی شہِ ذی جاہ کی تعظیم کو اٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی

۲۵

جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت
اک ضعف کی تصویر ہو آتی ہے نقاہت
بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغراؑ
بے ہوش تھیں تم شب کو جب ہم آئے تھے صغراؑ

۲۶

صحت تمھیں دے حق یہی بابا کی دعا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمھیں پاتا ہوں صغراؑ
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغراؑ

۲۷　افراط

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
سب زرد ہے افراطِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

۲۸

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیوں کر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ ہو پانی جو میسر
تم جانے کے قابل نہیں یں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

۲۹

گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
مجبور ہوں بے ہجر نہیں ہے کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اُتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

۳۰

صغرؑا نے کہا آپ کی الفت کے میں قرباں
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائے گا ساماں
پھر کس کو ہو گر آپ کی لونڈی کا نہ ہو دھیاں
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درماں
جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا ہو

۳۱

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منھ کا بھی مزہ تلخ نہیں ہے

۳۲

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سیدِ والا
سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں ہونے کی ایذا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ ہول سے فراق آتی ہے بابا

۳۳

مرجاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
بیماری میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤں گی نہ غم کھاؤں گی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

۳۴

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
بیمار ہو کس طرح سے لے جاؤں تمھیں آہ
آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں
گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

۳۵

وہ صعب پہاڑوں کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہیں جز خار کوئی آ کے قدمبوس
آرام کہیں راہ میں جانی نہیں ملتا
جنگل ہیں وہ پر ہول کہ پانی نہیں ملتا

۳۶

تھوڑے ہی دنوں ہوئے گی کنبے سے جدائی
کی مجھ سے نہ گر کونے کی خلقت نے برائی
پردیس سے آ کر تمھیں لے جائیں گے بھائی
ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مرجاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

۳۷

ثابت ہوا صغراؔ یہ کہ اب ہم رہے گھر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آ گئی اس کو

۳۸

تھراتی ہوئی اٹھ کے گری شہ کے قدم پر
تنہائی میں بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
کی عرض کہ مر جاؤں گی یا سبطِ پیمبر
سب بیٹیاں ہیں کیا میں نہیں آپ کی دختر
بے آپ کے اس گھر میں نہ یا شاہ رہوں گی
اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ رہوں گی

۳۹

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرتِ شبیر
چلائی سکینہ کہ میں صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر
کم سن ہیں مسافر مجھے تشویش یہی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

۴۰

یہ سن کے تو بس ماں کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
مر جانے سے کچھ کم نہیں صغراؔ کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

۴۱

آغاز سفر میں تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام
کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر صبح و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر میں
بھولے گی وہ چھوڑیں گے اکیلا جسے گھر میں

۴۲

صغراؔ نے کہا آپ کی باتوں کے میں قرباں
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آساں
تم جان بچا لو کہ میں لونڈی ہوں پھوپی جاں
جیتی رہی صغراؔ تو نہ بھولے گی یہ احساں
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہیں کرتیں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

۴۳

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائیں گی وہ ہمراہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطرِ ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے

۴۴

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
زندہ ہوں پہ مردے کی طرح ہو گئی دشوار
ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیمار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کون سا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

۴۵

تب کیا مجھے آئی کہ پیامِ اجل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
کیا خوب مرے نخلِ تمنا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ نہیں کوئی زمانے میں کسی کا

۴۶

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے
میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
کنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

۴۷

تنہائی میں رونے سے اُتر جائے گی یہ تپ
تڑپوں گی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب
ہاں درد بھی ہے سر میں مرے [illegible] نہیں اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں

۴۸

کھوئے گا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا
تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا
تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا
تنقیہ کامل ہے مرے واسطے رونا
راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

۴۹

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی نہ ماں کی
فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

۵۰

سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت
بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
بولیں نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
فرقت کا اَلم میرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بُری ہے

۵۱

عاشق مرے مشہور ہیں بھیّا کے ہیں واری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریۂ و زاری
دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غم خوار نہیں ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

۵۲

اس وقت محبت مری ہو جائے گی خالی
لو مر گئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی
جب راہ میں خط پڑھ کے کہیں گے شہ عالی
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہو گیا خالی
قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر میں
وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر میں

۵۳

پھر ہم نہیں ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا
سب رو کے کہیں گے کہ اسے ہاتھ سے کھویا
کیا نفع اسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
پُرسے کے لئے جمع ہوئے لوگ تو پھر کیا
پردیس میں کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

۵۴

یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبر
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
سرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخ انور
اس بیٹے کے ان ہاتھوں کے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی

۵۵
بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ
وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ تو کیے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی

۵۶
وہ دن ہو کہ بوٹا سی تمھاری دُلہن آئے
سب پھول کے گہنے میں سنواری دُلہن آئے
جلدی کہیں یا حضرتِ باری دُلہن آئے
تم جیسے ہو ویسی ہی پیاری دُلہن آئے
ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی
بھابی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی

۵۷
رونے کا ادھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
تیار ہے ناموسِ محمدؐ کی سواری
کیا دیر ہے اب آئے یداللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

۵۸
شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغرا
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغرا
جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغرا
جاں اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغرا
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجو

۵۹
بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
صغرا بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بہ صد غم
ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہِ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

۶۰
غل تھا شہِ ابرار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
رانڈوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غم خوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقوں کے غربت کے اُلم کس سے کہیں گے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

۶۱
شہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے سب کا
ساماں ہے کبھی غم کا کبھی عیش و طرب کا
انسان کی کیا آس بھروسا ہے تو رب کا
مضطر نہیں فرزند شہنشاہِ عرب کا
مانگو یہ دعا خیر سے وہ وقت بسر ہو
جس روز کہ شبیرؑ کا دنیا سے سفر ہو

۶۲
یہ کہہ کے برآمد ہوا وہ خلق کا والی
احباب تڑپتے تھے بلکتے تھے موالی
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والی
غل تھا کہ محمدؐ کا بھرا گھر ہوا خالی
یوں روتے تھے سب گردِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے
جس طرح کہ ماتم تھا جنازے پہ نبیؐ کے

۶۳
صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
جس ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد و دل افگار
اٹھی کئی بار، اور گری در پہ کئی بار
اُس ناقے کے پاس آ کے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغرؑ کو پھر اک بار دکھا دو

۶۴
مضطر ہوئی یہ سن کے سخن بانوئے بے پر
پردے سے جگر بند کا منھ کر دیا باہر
بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغرؑ
منھ زرد ہے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
یہ نرگسی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہے ہیں

۶۵
تھرّاتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
بھیّا نہیں جینے کی میں فرقت میں تمھاری
کب آکے پھر اس جھولے کو آباد کروگے
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

۶۶
عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانیِ حیدر
مر جائے گی اب فاطمہؑ صغرا مری دختر
حمّالوں سے کہہ دو کہ بڑھیں اونٹوں کو لے کر
اسواریوں کے ساتھ رہیں قاسمؑ و اکبرؑ
احباب جو روتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تمھیں آتے ہیں ہم بھی

۶۷
یہ سنتے ہی ناقے تو روانہ ہوئے یک بار
غش کھا کے گری خاک پہ صغراؑ جگر افگار
گھر پر اُسے پہنچا کے چلے سیّدِ ابرار
غل شہر میں تھا ہائے دو عالم کے مددگار
روتے تھے مجاور جو نواسے کو نبیؐ کے
اک حشر تھا روضے پہ رسولِ عربیؐ کے

۶۸
آتی تھی صدا اے مرے تربت کے مجاور
صدقے تری مظلومی کے اے صابر و شاکر
اے فاقہ کش اے منزلِ اوّل کے مسافر
ہے ہے مری امت نے ستایا تجھے آخر
دشمن کو بھی اس طرح اذیت نہیں دیتے
ظالم مجھے مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتے

۶۹
دو چیزوں کو میں چھوڑ کے آیا ہوں امانت
اک مصحفِ معبود ہے اور اک مری عترت
ان دونوں کو یوں بھول گئے اہلِ شقاوت
عترت کا یہ نقشہ ہوا قرآن کی وہ صورت
الفت کو محبت کو مروّت کو بھی بھولے
سب ایک طرف امرِ رسالت کو بھی بھولے

۷۰
منھ پھیر لیا سب نے مرے دفن و کفن سے
باندھا مرے داماد کی گردن کو رسن سے
زہراؑ تو ستم سہہ کے گئی دارِ محن سے
کی رسمِ محبت میں دغا سب نے حسنؑ سے
کنبہ مرا دنیا میں گرفتارِ بلا ہے
باقی تھا حسینؑ ایک سو مرنے کو چلا ہے

۷۱
آتی تھی صدا تربتِ زہراؑ سے یہ اس آن
تم جاتے ہو جنگل کے بسانے کو مری جاں
فوجیں ہیں نہ لشکر نہ دغا کا کوئی ساماں
شبیر یہ مادر تری تنہائی کے قرباں
کیا ہوگا ہوا ظلم کی جب آہ چلے گی
مادر بھی پسر ہونے کو ہمراہ چلے گی

۷۲
جس باغ کو زہراؑ نے ریاضت سے لگایا
جب فصلِ بہار آئی تو پھل آہ نہ پایا
ان باغیوں نے قبر میں بھی مجھ کو ستایا
ہے ہے مری بستی کو کسی نے نہ بسایا
داغوں کے چمن سینے میں کھل جائیں گے ہے ہے
اب پھول مرے خاک میں مل جائیں گے ہے ہے

۷۳
سنتے ہوئے مادر کی غم انگیز یہ تقریر
یاران وطن گرد تھے افسردہ و دلگیر
روتے ہوئے گھوڑے پہ چلے جاتے تھے شبیرؑ
فرماتا تھا ایک ایک سے وہ صاحب توقیر
کیوں پیٹتے ہو غم میں حسینؑ ابن علیؑ کے
اب تم بھی کرو صبر نواسے کو نبیؐ کے

۷۴
دنیا ہے سرائے غم و اندوہ و مصیبت
احباب کا ہے وصل کبھی اور کبھی فرقت
ہم کیا ہیں پیمبرؐ نے تو پائی نہیں راحت
برہم نہ ہوئی ہو کوئی ایسی نہیں صحبت
غم آج تو یہ ہے کہ بچھڑتے ہیں وطن سے
اُٹھ جائیں گے اک روز یونہی دارِ محن سے

۷۵
لاکھوں ہیں مسافر کہ نہ پھر آئے سفر سے
رک جاتی ہے شمشیر کی ضربت تو سپر سے
جنگل میں عزیزوں کو اجل لے گئی گھر سے
ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
کہتے ہیں مسافر کہ تہِ خاک نہاں ہیں
قبریں تو ہیں ویرانے میں بستی میں مکاں ہیں

۷۶
فرما کے یہ رخصت ہوئے یاران وطن سے
نکلا درِ نایاب نبوت کے عدن سے
ایام بہاری نے کیا کوچ چمن سے
طے منزلیں ہوتی تھیں عجب رنج و محن سے
رستے کی وہ سختی وہ سفر رنج و بلا کا
سچ کہتے ہیں سودا ہے کڑا راہ خدا کا

۷۷
کٹتی تھی جو رہ رہ کے جبل کی وہ کٹھن راہ
ہر کوہ کے طے کرنے میں تھی محنتِ جاں کاہ
عمریں بھی غریبوں کی ہوئی جاتی تھیں کوتاہ
تھا شور کہ چشمہ نہ کہیں ہے نہ کہیں راہ
ہاتف کی صدا تھی کہ بہت بعد نہیں ہے
گھر دور ہے، اور منزلِ مقصود قریں ہے

۷۸
اس دھوپ میں بستان محمد کا یہ تھا حال
چہرے پہ کوئی دھوپ میں رو کے ہوئے تھا ڈھال
سونلائے ہوئے رنگ تھے لالے کی طرح لال
رکھتا تھا بھگو کر کوئی رخساروں پہ رومال
لو تھی کہ شجر جل گئے تھے دشت بلا میں
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے آگ ہوا میں

۷۹
ناموسِ محمدؐ تھے جو آفت میں گرفتار
بچوں کی مصیبت کا بیاں کرتے تھے ہر بار
افسردہ و مغموم و حزیں تھے شہِ ابرار
دنیا کی مذمت میں کبھی پڑھتے تھے اشعار
فرماتے تھے اے دہر گرفتار بلا ہوں
میں وہ ہوں جو آغوش محمدؐ میں پلا ہوں

۸۰
رستے میں سنی جب خبرِ مسلمِ ثانی
صدمے سے مسافر کا لہو ہو گیا پانی
منہ ڈھانپ کے رو دیا اسد اللہ کا جانی
فرماتے تھے افسوس برادر کی جوانی
آج ان پہ جو گذری وہ ہمارے لیے کل ہے
مسلمؑ کی شہادت نہیں پیغام اجل ہے

۸۱
عباس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
مظلوم کی بیوہ کو ابھی دینا ہے پرسا
فراشوں سے کہہ دو وہیں خیمے کریں برپا
آفت ہے صغیروں کے لئے داغ پدر کا
سر پیٹیں گے رو دیں گے دمِ سرد بھریں گے
فرصت ہوئی ماتم سے تو کل کوچ کریں گے

۸۲

برپا ہوا خیمہ وہیں اُترے شہِ عالم
سیدانیاں خیمے میں بکا کرتی تھیں باہم
تا صبح رہا ایلچیِ شاہ کا ماتم
مسلم کے پسر پیٹتے تھے چھاتیاں ہردم
ہلتی تھیں زمیں ہائے مسافر کی صدا سے
سویا نہ کوئی زوجۂ مسلم کی صدا سے

۸۳

فارغ ہوئے حضرت جو فریضے سے سحر کے
ٹکڑے ہیں غمِ مسلمِ بےکس میں جگر کے
ارشاد کیا بھائی سے اشک آنکھوں میں بھر کے
تھمنے کے نہیں اشک مرے دیدۂ تر سے
پُرسے کے لیے خیمے میں جایا نہیں جاتا
منھ زوجۂ مسلم کو دکھایا نہیں جاتا

۸۴

عباسؑ نے کی عرض کہ ارشاد بجا ہے
کوفے میں تو مولا نہ مروت نہ وفا ہے
خادم کا بچھڑنا سبب آہ و بکا ہے
بے دین ہے آل ان کی محبت کا دغا ہے
بے عہد ہیں طماع ہیں بے درد ہیں ظالم
مظلوم کو بے سر کیا نامرد ہیں ظالم

۸۵

یہ ذکر ابھی کرتے تھے عباس خوش اطوار
سب ساتھ لیے اولادِ عقیلؑ جگر افگار
جو آئے وہاں مسلم مظلوم کے دلدار
دیکھا جو انھیں رونے لگے سیدِ ابرار
دل ہل گیا بچوں کے لیے پیر و جواں کا
دربار میں اک شور ہوا آہ و فغاں کا

۸۶

پاس آکے جو قدموں پہ جھکانے لگے وہ سر
پیشانی کے بوسے لیے منھ رکھ دیا منھ پر
شبیرؑ نے چھاتی سے لگایا انھیں اُٹھ کر
بٹھلا لیا مسند پہ انھیں اپنے برابر
فرماتے تھے یہ راحتِ جاں لختِ جگر ہیں
آگے تو بھتیجے تھے یہ اب میرے پسر ہیں

۸۷

دونوں نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
ہے فخر غلامی ہمیں اے فاطمہؑ کی جان
اس لطف پہ بیٹے بھی فدا باپ بھی قربان
کام آئے جو بابا تو خوشا بخت زہے شان
بیٹوں کو نہ کیوں فخر و مباہات کی جا ہو
آزاد وہ بندہ ہے جو آقا پہ فدا ہو

۸۸

حضرت نے کہا بھائی کا غم ہے غمِ جانکاہ
درپیش ہمیں بھی کوئی دن میں ہے یہی راہ
کیا کیا نہ ستم سہہ کے وہ دنیا سے گیا آہ
اس غم میں تمھیں صبر عنایت کرے اللہ
آفت ہے غمِ بے پدری دارِ محن میں
اب تم کو مناسب ہے کہ پھر جاؤ وطن میں

۸۹

کافی ہے تمھارے لیے مسلم کی شہادت
قرباں کو بھی ہمراہ بلانے میں ہے عزت
واللہ میں تم کو بہ خوشی کرتا ہوں رخصت
ہے مصلحتِ وقت گوارا کرو فرقت
مسلم کی نشانی ہو مرے نورِ [illegible] ہو
اب تو مجھے تم اکبر و اصغر کی جگہ ہو

۹۰

یہ سن کے سر اُن دونوں نے پہلے تو جھکائے
وہ جائیں کہاں اے اسد اللہ کے جائے
پھر جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
جو اپنا وطن چھوڑ کے مرجانے کو آئے
جائیں گے جدھر آپ ادھر جائیں گے مولا
گھر قبر ہے مرجائیں تو گھر جائیں گے مولا

91

اس وقت میں آقا کی رفاقت سے کنارا — یہ امر غلاموں کو نہ ہووے گا گوارا
فرمایئے یثرب میں ہے اب کون ہمارا — اک باپ تھا سر پر سو وہ دنیا سے سدھارا
مشتاقِ جناں طالبِ فردوسِ بریں ہیں — جینے پہ جو مرتے ہیں غلام ان میں نہیں ہیں

92

منھ کس کو دکھائیں جو پھریں راہِ رضا سے — ہم اپنی اجل کے ہیں طلبگار خدا سے
مارا ہے لعینوں نے مسافر کو دغا سے — لیں گے عوضِ خونِ پدر اہلِ جفا سے
مر جائیں گے یا جنگ کو سر کر کے پھریں گے — کوفے کی زمیں خوں سے تر کر کے پھریں گے

93

اب دھیان ہے مادر کا نہ بہنوں کا نہ گھر کا — دعویٰ ہے لعینوں سے ہمیں خونِ پدر کا
مرہم ہے یتیمی میں یہی زخمِ جگر کا — دم لیں گے لہو دیکھ کے اُس بانیِ شر کا
دل میں تو پھپھولے ہیں کلیجہ بھی جلا ہے — اب تیغ ہے اور حاکمِ کوفہ کا گلا ہے

94

دو بھائی تو ہمراہ پدر جان گنوائیں — ہم باپ کے مرقد کی زیارت کو نہ جائیں
اِس راہ سے پھر جائیں تو منھ کس کو دکھائیں — حسرت ہے کہ جو باپ کا ورثہ ہے وہ پائیں
مر جائیں گے قدموں پہ شہِ جن و بشر کے — قبریں بھی جو اب ہوں گی تو پہلو میں پدر کے

95

جس وقت سنی شہ نے یتیموں کی یہ گفتار — فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم دونوں وفادار
اُٹھ جائیں زمانے سے جب اس طرح کے غمخوار — پھر خلق میں کچھ زیست کی لذت نہیں زنہار
آبِ دمِ شمشیر کے مشتاق گلے ہیں — بہتر ہے چلو ہم بھی تو مرنے کو چلے ہیں

96

فرما کے یہ اس بن سے چلا فاطمہؑ کا لال — تھے زرد مگر صدمۂ مسلم سے رخِ آل
منزل پہ زبالہ کی جو پہنچا وہ خوش اقبال — عبداللہِ یقطر کی شہادت کا سنا حال
دو صدمۂ تازہ ہوئے اک جانِ حزیں پر — وہ رات بھی اندوہ میں گذری شہِ دیں پر

97

اُکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالم — خدام سے ارشاد کیا آپ نے اس دم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم — اس منزلِ پر ہول میں پانی ہے بہت کم
شربے جو ہیں سیراب انھیں اونٹوں پہ دھر لو — جو مشکیں چھاگلیں ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

98

یہ سن کے ہر اک ظرف میں سقوں نے بھرا آب — راہی ہوا اس بن سے نبیؐ کا گلِ شاداب
گرمی تھی یہ اس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب — تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہاں تاب
لو چل رہی تھی رنگ بھی سنولائے ہوئے تھے — جنگل میں گلِ فاطمہؑ کمھلائے ہوئے تھے

99

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر — جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اس شخص سے فرمانے لگے حضرتِ شبیرؑ — بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
کی عرض قریب آ کے شہِ عرش نشیں سے — وہ نخل نظر آتے ہیں کوفے کی زمیں کے

۱۰۰

لوگوں نے یہ کی عرض کہ اے دلبر زہرا
خرمے کے یہاں نخل تو دیکھے نہیں اصلا
عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا
کی عرض شہ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا
کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہیں
نوکیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوش فرس ہیں

۱۰۱

شبیر نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی
یہ فوج ہمارے لئے کوفے سے ہے آئی
قائم ہیں کئی روز سے راحت نہیں پائی
کیا دور ہے گر ہو اسی جنگل میں لڑائی
سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا
خیمہ کہیں برپا کرو ناموس نبیؐ کا

۱۰۲

یہ کہہ کے بڑھے دہنی طرف سبط پیمبرؐ
برپا کیا نزدیک جبل خیمۂ اطہر
پہونچے تھے حرم خیموں میں ناقوں سے اُتر کر
جو آ گیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر
سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے
سب ایک ہزار اُن میں زرہ پوش جواں تھے

۱۰۳

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفا کار
عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہ ابرار
آئین ادب سے تمھیں بہرہ نہیں زنہار
کچھ عرض جو کرنی ہے تو کر لیجو ٹھہر کر
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اُتر کر

۱۰۴

بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اُٹھائے
کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنچ دکھائے
پیغام ہے یا کچھ ہو عریضہ کوئی لائے
تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے
گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا
ہتیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

۱۰۵

نے عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام
ٹھہرو وہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجام
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا سپہ شام
گیتی کو اُلٹ دیں جو بڑھیں تول کے صمصام
جنگل میں وہ اُترا ہے جو مختار زمیں ہے
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے

۱۰۶

گھر سمجھے ہو دربار شہنشاہ عرب کا
نے پاس جلالت کا نہ کچھ دھیان ادب کا
ہر چند کرم عام ہے اس خاصۂ رب کا
غصہ بھی نمونہ ہے مگر حق کے غضب کا
ڈالو گے اگر رنگ لڑائی کی بنا کا
صحرا بھی بن جائے گا بازار فنا کا

۱۰۷

جنگل میں جو گونجا اسد بیشۂ حیدر
دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے خود سر
کس پیار سے شبیر پکارے کہ برادر
پوچھو تو ذرا کون ہے سرکردۂ لشکر
آئے ہیں ملاقات کو یا قصد دغا ہے
مجھ پر بھی تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے

۱۰۸

یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
سردار ہوں اس فوج کا میں حر ہے مرا نام
دعوائے غلامی ہے مجھے آل نبیؐ سے
اب عفو ہو محجوب ہوں اس بے ادبی سے

۱۰۹

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ
بس غیظ نہ فرمایئے بہرِ شہِ ذی جاہ
نے داب سے واقف ہیں نہ آداب سے آگاہ
اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
ہے عفو ترحم کا رواج آپ کے گھر سے
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے

۱۱۰

جب حُر نے بہ صد عجز یہ تقریر سنائی
جس وقت اجازت حرِ دیندار نے پائی
شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
خود بھی بہ ادب آ گے بڑھا فوج بھی آئی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مجرا کیا صف باندھ کے سلطان اُمم کو

۱۱۱

منھ دیکھ کے فرمانے لگے شاہ خوش اقبال
کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
تب عرض کی یہ حُر نے کہ اے فاطمہؑ کے لال
بے تاب ہیں سب ماہیِ بے آب کی تمثال
آہوں کا دھواں اُٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے

۱۱۲

کوسوں گئے پانی کے تجسس میں ہوا خواہ
جز خاک نہ چشمہ کہیں دیکھا نہ کہیں چاہ
دس سو ہیں سوارانِ عراقی مرے ہمراہ
بے موت مرے جاتے ہیں سب یا شہِ ذی جاہ
اب جان نہ گھوڑوں میں نہ اسواروں میں دم ہے
اے ساقیِ کوثر کے پسر وقت کرم ہے

۱۱۳

یہ سنتے ہی بے تاب ہوئے سبطِ پیمبر
دیکھا رُخِ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر
جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر
بھیّا کمر اب کھولو پیاس ان کی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ بندے ہیں خدا کے

۱۱۴

عباسؑ نے کی عرض کہ اے کلؑ کے مددگار
پر مصلحتاً عرض یہ کرتا ہے نمک خوار
کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں تکرار
اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ابرار
مولا ابھی فرسخ ابھی جاتا ہے یہاں سے
مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئے گا کہاں سے

۱۱۵

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب
انسان کا انساں سے روا ہوتا ہے مطلب
میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں یہ سب
مر جائیں مسلماں یہ گوارا ہے مجھے کب
میں مالکِ کوثر ہوں تردّد مجھے کیا ہے
پیاس ان کی بجھا دو مرے بچوں کا خدا ہے

۱۱۶

یہ سنتے ہی سقّوں کو علمدار پکارے
سقّے جو تھے سرکار کے حاضر ہوئے سارے
جو پانی ہوئے آؤ وہ سب پاس ہمارے
مشکیزے بھی ناقوں سے بہ تعجیل اُتارے
ہاتھوں میں کٹورے رفقائے شہ کے ملتے تھے
سقّوں نے پکھالوں کے دہن کھول دئے تھے

۱۱۷

مصروف ہوا خود پسرِ ساقیِ کوثر
تقسیم ادھر کرتے تھے عباسؑ دلاور
پیاسوں کو عطا ہونے لگے پانی کے ساغر
پیاسوں کو اُدھر دیتے تھے پانی علیؑ اکبر
ہر لب پہ ثنائے شہِ والا کا بیاں تھا
دریائے کرم ساقیِ کوثر کا رواں تھا

۱۱۸

چلّاتے تھے سقّے یہ کٹوروں کو بجا کر
یخ ہو گیا ہے آب ہوا دشت میں کھا کر
جو فوج میں پیاسا ہو وہ پانی پیے آ کر
گرمی میں جگر سرد کرو پیاس بجھا کر
یہ مشک ہر اک چشمۂ شیریں سے بھری ہے
کوثر کا جو مالک ہے سبیل اس نے دھری ہے

۱۱۹

سب ہو چکی سیراب جو فوجِ حرِّ دیندار
مضطر ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے رہوار
عباسؑ سے فرمانے لگے سیّدِ ابرار
یاں ان کو بھی سیراب کرو اے مرے غم خوار
حیوانوں کا بھی قافلہ محروم نہ رہ جائے
یہ گھر ہے سخی کا کوئی محروم نہ رہ جائے

۱۲۰

سقّوں کو لیے ساتھ بڑھے حضرتِ عباسؑ
اسواروں کو جن گھوڑوں کے بچنے کی نہ تھی آس
ہاتھوں میں لگن کوئی لیے تھا تو کوئی طاس
جاں آ گئی اُن تازیوں کی جب کہ بجھی پیاس
حیوانوں کا یہ پاس تھا جس شاہِ اُمم کو
پانی نہ ملا تین دن اس بحرِ کرم کو

۱۲۱

پیاسا نہ رہا جب کوئی راکب کوئی رہوار
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کر اظہار
تب حُرؑ سے یہ فرمانے لگے سیّدِ ابرار
کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے مردِ وفادار
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے پہ جو آیا ہو تو کہہ دے

۱۲۲

تب حُرؑ نے یہ کی عرض کہ اے خاصۂ داور
رستے میں جہاں تم کو ملیں سبطِ پیمبرؐ
بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہکر
تو ساتھ سے ان کے نہ جدا ہو جیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

۱۲۳

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اس میں ہے منظور
بس سُرخ ہوا غیظ سے شہ کا رُخِ پُر نور
کی عرض کہ حاکم کے ہیں ہوں حکم سے مجبور
فرمایا کہ روکے مجھے کس کا ہے یہ مقدور
کیا ہوتا ہے دم میں تو ذرا روک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

۱۲۴

خط بھیج کے منّت سے سماجت سے بُلانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا
جب آئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
تلوار جو پکڑوں تو اُلٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

۱۲۵

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار
جب تک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار
کیا سمجھا ہے قیدی وہ مجھے ظالمِ غدّار
دبنے کا نہیں لختِ دلِ حیدرِ کرّار
بے کس ہوں مسافر ہوں پریشان و حزیں ہوں
کچھ حاکمِ کوفہ کا گنہگار نہیں ہوں

۱۲۶

مکّار ہے بے دیں ہے جفا جو ہے وہ بے پیر
تھی مسلمِ بے کس کی بھلا کون سی تقصیر
ہر امر میں ہے کید ہر اک بات میں تزویر
مارا گیا کس ظلم سے وہ صاحبِ توقیر
کوٹھے سے گرا کر تنِ صد پاش کو کھینچا
پھر پاؤں میں باندھی رسن اور لاش کو کھینچا

۱۲۷

لے تو بھی تو ہے ایلچی حاکمِ خود سر
لیکن نہیں یہ شیوۂ اولادِ پیمبر
کیا ہو جو تجھے قتل کرے سب مرا لشکر
ہم لوگ ہیں دشمن کی مدارات کے خوگر
کینے کو دلِ صاف میں ہم جا نہیں دیتے
جو بے گھر آئے اسے ایذا نہیں دیتے

۱۲۸

ہم قتل عدو کا بھی اشارا نہیں کرتے
عزت کی جگہ جان کو پیارا نہیں کرتے
کافر ہیں وہ جو پاس ہمارا نہیں کرتے
مر جاتے ہیں پر ننگ گوارا نہیں کرتے
غربت ہے تو ہو جنگ سے معذور نہیں ہیں
مختار کے فرزند ہیں مجبور نہیں ہیں

۱۲۹

پھرتے ہیں یہیں سے کوئی روکے تو بھلا راہ
کیا اس سے علاقہ جو ہے سادات کا بدخواہ
اقلیم ستمگار سے خود ہے ہمیں اکراہ
جائیں گے جدھر اب ہمیں لے جائے گا اللہ
کیا شہروں میں کوفے ہی کی آباد زمیں ہے
وسعت ہے بہت ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

۱۳۰

یہ کہہ کے فرس کو جو پھرانے لگے سرور
عباسؑ بڑھے غیظ میں تھرّا گئے اکبرؑ
بس ڈال دیا حُر نے بھی ہاتھ اپنا عناں پر
روکا انھیں اور بولے یہ حُر سے شہِ صفدر
ڈر ہے مجھے اس کا کہ تو قتل کہیں ہو
جاماں تری ماتم میں ترے سوگ نشیں ہو

۱۳۱

جب مادرِ حُر کا شہِ والا نے لیا نام
تھا مانع اگر چھوڑ دیا قبضۂ صمصام
اس صاحبِ عزت کا لگا کانپنے اندام
کی عرض بس اے قبلۂ دیں شاہِ خوش انجام!
دب جاتا ہے غصے کو نہ گر ضبط کروں میں
دہشت مجھے اس کی ہے کہ کافر نہ مروں میں

۱۳۲

نام اور کوئی شخص جو لیتا مری ماں کا
ہیں آپ کی ماں نورِ خدا اے شہِ والا
خادم بھی جواب اس کو اسی طرح کا دیتا
حوّا کا نہ یہ اوج نہ مریم کا یہ رُتبا
خادم ہیں ملک بنتِ رسولِؐ دوسرا کے
جل جاؤں کہوں کچھ جو سوا اصلِ علیؑ کے

۱۳۳

چپکے سے بنِ قیس نے کی عرض یہ اُس دم
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم
بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑ لیویں ابھی ہم
پھر آئیں گی فوجیں ادھر اے قبلۂ عالم
یہ در پئے آزار ہیں راحت تو نہ دیجے
پانی تو دیا اب انھیں مہلت تو نہ دیجے

۱۳۴

دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا ہا!
چھوڑوں کو اگر قتل کیا ہم نے تو پھر کیا
ہم حجتِ حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
جب آویں گی فوجیں تو سمجھ لیویں گے اچھا
بولیں گے نہ کچھ تن پہ اگر تیر پڑیں گے
ایسا ہی ستائے گی جو امت تو لڑیں گے

۱۳۵

فرما کے یہ اس دشت میں ٹھہرے شہِ صفدر
شب نصف گئی پر اسے نیند آئی نہ دم بھر
اک تیر کے پلے سے حُر اترا مع لشکر
سب سو رہے جب دم تو اُٹھا حُرِّ دلاور

۱۳۶

بھرتا ہوا دم عشقِ امامِ ازلی کے
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۳۶

سوتے تھے ادھر بھی شہ مظلوم کے انصار
پر جاگتے تھے حضرت عباس خوش اطوار
پھرتے تھے کبھی گرد خیام شہ ابرار
ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اس عاشق رب کو
جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

۱۳۷

نعرہ کیا ابن اسد اللہ نے بڑھ کر
کون آتا ہے بتلا نہیں موت آئی ہے سر پر
تھرا کے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاور
کی عرض کہ میں حر ہوں غلام شہ صفدر
کر دیجئے خبر ابن شہنشاہ عرب کو
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو

۱۳۸

فرمایا کہ یہ آنے کا ہے کون سا ہنگام
آرام میں ہے فاطمہ زہرا کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرت عباس خوش انجام
لے دیجئے جا کر در دولت پہ مرا نام
قسمت جو ہے یاور تو شرف پائے گا خادم
آقا نہ بلائیں گے تو پھر جائے گا خادم

۱۳۹

تھا پاس ادب خود کہ ہے دربار شہنشاہ
ہتھیار بھی میں باندھ کے آیا نہیں واللہ
اک مرد سپاہی ہوں دغا سے نہیں آگاہ
کام آئے مرا سر تو ہے نذر شہ ذیجاہ
خاک اس پہ کہ سید سے جو دل صاف نہیں ہے
محسن کی بدی شیوۂ اشراف نہیں ہے

۱۴۰

عباس اسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے
خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حر آیا ہے اے حیدر کرار کے جائے
ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آیا ہے بلا لو
گمراہ تھا اب راہ پر آیا ہے بلا لو

۱۴۱

خود آ کے اسے لے گئے عباس دلاور
مجرا کیا حر نے سر تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدم سبط پیمبر
کی عرض کہ بے تاب ہوں اے خاصۂ داور
فوجیں لئے تا بار یہ شمر و عمر آئے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

۱۴۲

ہوتی ہے لعینوں سے وہاں قتل کی تدبیر
تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر
شہروں سے ہے فوجوں کی طلب یا شہ دلگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

۱۴۳

اترے ہیں پہاڑوں میں قشون عرب و روم
ہے چار طرف قتل بنی فاطمہ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم
سرکردۂ افواج ستم ہے عمر شوم
ایسا نہ ہو جلادوں میں گھر جائیے مولا
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

۱۴۱

سب سوتا ہے لشکر بھی مرا یا شہ ابرار
بہتر ہے اسی وقت اگر ہو جیے اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حر وفادار
جو ہونے سو ہو اب تو ہیں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے
مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

۱۴۵

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا
کی عرض یہ حرؔ نے کہ بجا ہے یہ اشارا
[illegible] ہے غربت میں تو کیسا زور ہمارا
بولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غم خوار ہی کم ہیں
میں اس لئے کہتا ہوں کہ ساتھ اہل حرم ہیں

۱۴۶

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبط پیمبرؐ
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہوگی مقدر
اے دوست یہی رائے ہے تیری تو ہے بہتر
دیکھیں یہ شب تار بسر ہوتی ہے کیوں کر
کس کو خبر اس کی ہے کہاں قبر بنے گی
یہ ہوگی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

۱۴۷

روتا ہوا رخصت کو اُٹھا حرؔ دل افگار
لے بھول نہ جانا ہمیں اے یار وفادار
چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہ ابرار
جیتے ہیں تو ہوئے گی ملاقات پھر اک بار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
پھر تا بہ قیامت نہ جدا ہوئیں گے بھائی

۱۴۸

اللہ تجھے فوج ضلالت سے نکالے
دیں دار کو اشرار کی صحبت سے نکالے
ربِ دو جہاں نور کو ظلمت سے نکالے
محبوب کو زمانے کی صعوبت سے نکالے
مسکن ہو وہاں خلق میں جو نیک جگہ ہو
تو اور حسینؑ ابن علیؑ ایک جگہ ہو

۱۴۹

اس وقت جو میں نے لیا مادر کا تری نام
نفرین کریں ابن علیؑ کا یہ نہیں کام
وہ حق میں دعا تھی ترے اے مردِ خوش انجام
ہم کرتے ہیں اُمت کی دُعائیں سحر و شام
اس امر کو کیا تو ابھی جانے کہ وہ کیا تھا
لے عفو کر اب اس کو جو کچھ ہم نے کہا تھا

۱۵۰

حرؔ نے کہا ارشاد یہ کیا کرتے ہیں سرور
حضرت کے غلاموں کی ہے لونڈی مری مادر
میں بندۂ ناچیز ہوں یا سبط پیمبرؐ
نام اس کا اور آئے شہِ والا کی زباں پر
ہر شخص مجھے خادم درگاہ کہے گا
تا حشر مری قوم میں فخر اس کا رہے گا

۱۵۱

روتا ہوا رخصت ہوا شہ سے حرؔ دیں دار
وہ دشتِ پر آشوب کی وحشت وہ شب تار
راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہِ ابرار
بیہڑ کہیں بن میں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

۱۵۲

جنگل سے جو آتی تھیں درندوں کی صدائیں
کہتی تھی سکینہ کہ میں لیتی ہوں بلائیں
دم کرتی تھیں سیدانیاں بچوں پہ دُعائیں
کہہ دو علی اکبر سے کہ صورت تو دکھائیں
عباسؑ بھی آواز سناتے نہیں مجھ کو
اماں کہیں بابا نظر آتے نہیں مجھ کو

۱۵۳

حیران و پریشاں تھے وہ سب لشکر شاہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی
اسواروں پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
گویا شب ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہِ ذیجاہ پہ یوں راہ میں گذریں
جس طرح کہ یوسفؑ پہ شبیں چاہ میں گذریں

۱۵۴

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے
ماندے ہوئے راہوار بھی اور اونٹ بھی سارے
جس طرح کریں سیر شبِ تار میں تارے
سادات نے وہ دو پہریں آفت میں گذارے
گردش میں کٹی رات ولی ابنِ ولی کو
مقتل پہ ہوئی صبح حسین ابنِ علی کو

۱۵۵

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی یک بار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ علمدار
اس دشت سے لیکن نہ بڑھا ایک بھی رہوار
یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اُڑتے اسے دیکھا ہے یہ جمتے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھکتے نہیں دیکھا

۱۵۶

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اس ہاتھ میں کوڑا
منھ شہ کی طرف اسپِ وفادار نے موڑا
غیرت سے عرق آ گیا تھرّا گیا گھوڑا
کی عرض کہ خود میں نے یہ رستہ نہیں چھوڑا
مانا ہے سدا حکم شہنشاہِ اُمم کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

۱۵۷

یہ سنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ ابرار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرّار
فرمایا کہ بس کھول دو اونٹوں کے یہیں بار
عباسؑ نے فرمایا کہ اُترو مرے غم خوار
ہوئے گا مقام اب یہیں زہراؑ کے پسر کا
لو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

۱۵۸

کیا وادیٔ دل چسپ ہے کیا آب و ہوا ہے
سبزہ ہے کہ اک فرش زمرد کا بچھا ہے
رنگینیٔ فردوس ہے جنت کی فضا ہے
گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
دیکھے جو اسے پھر نہ کرے سیر چمن کی
ہر پھول سے یاں آتی ہے بو باس دُلہن کی

۱۵۹

یہ کہہ کے لبِ نہر شہِ بحر و بر آئے
عباسؑ علمدار بھی باندھے کمر آئے
دریا کی طرف دیکھتے ہی اشک بھر آئے
شبیر یہ کہتے ہوئے نزدیک تر آئے
کیوں تم کو جگہ کون سی محبوب ہے بھائی
کی عرض ترائی تو بہت خوب ہے بھائی

۱۶۰

بہتر ہے کہ خیمہ بھی یہیں کیجئے برپا
دور اُترے تو ہووے گی بہت پانی کی ایذا
لو چلتی ہے گرمی ہے بہت یا شہِ والا
بھر کر نفسِ سرد کہا آپ نے اچھا
پھر بولے کہ مانع کوئی غدّار نہ ہووے
وہ کیجئے جس امر میں تکرار نہ ہووے

۱۶۱

آئے ہیں یہاں جس لئے مطلوب ہے وہ کام
خس خانہ میں یا دھوپ میں ہو صبح سے تا شام
دونوں ہیں برابر ہمیں ایذا ہو کہ آرام
ہر طرح بسر کرتے ہیں مردانِ خوش انجام
اندازہ خالق میں ہمیں بھاتی ہے بھائی
لو میں بھی غریبوں کی گذر جاتی ہے بھائی

۱۶۲

سات آٹھ دن اس دشت میں رہنا ہے برادر
اُترے یہیں شاید ستم ایجادوں کا لشکر
دسویں کو چلے جائیں گے اس بن سے سفر
خیر اپنی طرف سے ہمیں منظور نہیں شر
ہے پاسِ نبی ہاتھ نہ قبضے پہ دھریں گے
اُمت جو ستائے بھی تو ہم صبر کریں گے

۱۶۳
عباسؑ نے کی عرض یہ کہیے نہ خدا را
اس نہر کا مختار ہے مختار کا پیارا
خادم نہ کرے گا کبھی دریا سے کنارا
فرمایا کہ تھا باغِ فدک بھی تو ہمارا
حقدار جو تھے حق سے وہ محروم رہے ہیں
اُمت کے ستم سارے بزرگوں نے سہے ہیں

۱۶۴
عبرت کی جگہ ہے رسن اور گردنِ حیدرؑ
بابا کو جو گھر سے لیے جاتے تھے ستمگر
دروازہ گرایا مری مادر کے شکم پر
سر کھولے ہوئے گھر سے نکل آئیں تھیں مادر
دکھ سہہ کے زمانے کے مسافر ہوں میں آیا
جھگڑے میں اسی باغ کی آخر ہوں میں آیا

۱۶۵
ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ ظلم کے بانی
سب کوفے میں اور شام میں ہیں دشمن جانی
کیا دور ہے گر بند کریں نہر کا پانی
حاکم وہ ہے جو غاصبِ اوّل کا ہے ثانی
غربت نہ کسی کو فلکِ پیر دکھائے
دیکھیں گے یہاں جو ہمیں تقدیر دکھائے

۱۶۶
یہ کہہ کے پھرے اشک بھرے آنکھوں میں سرورؑ
محمل سے پکاری شہِ مظلوم کی خواہر
آئے حرمِ پاک کے اونٹوں کے برابر
کیا آج اسی دشت میں رہیئے گا برادر
سنتی ہوں جدھر گریہ و زاری کی صدا ہے
بھیا مجھے بتلاؤ تو یہ کون سی جا ہے

۱۶۷
آواز کسی بی بی کی آتی تھی یہ ہر آن
اے دشت یہ بے کس ہے ترا آج سے مہمان
اے وادیٔ غربت کے مسافر ترے قربان
آباد ہے تو اور ہے بستی مری ویران
یہ وہ ہے نبیؐ چومتے تھے جس کے گلے کو
بے چین نہ کیجو مرے نازوں کے پلے کو

۱۶۸
آگے کوئی بستی نہیں کیا اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں اُچھلتا ہے مرا دل
یہ دشت کسی طرح نہیں رہنے کے قابل
بچے بھی ہیں سہمے ہوئے کیسی ہے یہ منزل
پہلو سے ذرا ماں کے جو اٹھتی ہے سکینہؑ
اک ایک سے رو رو کے لپٹتی ہے سکینہؑ

۱۶۹
حضرت نے کہا خیر ہے گھبراؤ نہ خواہر
چھوڑا ہے اسی ارضِ مقدس کے لیے گھر
یہ پاک زمیں ساری زمینوں سے ہے بہتر
مسکن ہو یہاں جس کا خوشا اس کا مقدر
یہ بن ہو تو آں خلد وہ ایجاد کریں گے
اب دیکھیو تم ہم اسے آباد کریں گے

۱۷۰
فراشوں سے حضرت نے کیا پھر یہ اشارا
حمالوں نے اونٹوں سے قناتوں کو اُتارا
برپا کرو خیمہ اسی جنگل میں ہمارا
میداں کو ادھر بادِ بہاری نے بہارا
منظورِ نظر تھی جو وہ جا سرورِ دیں کو
چھڑکاؤ سے تر کر دیا سقوں نے زمیں کو

۱۷۱
برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریٔ شبیرؑ
تکتا تھا بہ حسرت سوئے مقتل فلکِ پیر
اس ارضِ مقدس کی دو بالا ہوئی توقیر
وہ شمسۂ زرریز کا اوج اور وہ تنویر
شکلِ شجرِ طور کلس نور فشاں تھا
خورشید سرِ کوہِ زمرّد پہ عیاں تھا

۱۷۲
خود کہتا تھا خیمہ مری رفعت پہ کرو غور
شمسے ہیں مرے طور و تجلی کے ہیں سب طور
کیوں آج جہاں میں مرا ثانی ہے کوئی اور
یہ اوج زمانے میں کسی کا ہے نہ یہ دور
کرسی ہو کہ گردوں کوئی پائے میں ہیں میرے
جو عرش کے تارے ہیں وہ ہالے میں ہیں میرے

۱۷۳
اللہ رے شرف خیمۂ افلاک حشم کا
گھر آلِ محمدؐ کا محل شاہِ امم کا
سایہ کی قناتیں کہ احاطہ تھا کرم کا
جو گرد پھرا طوف کیا اُس نے حرم کا
ڈیوڑھی نہ کہو رحمتِ معبود کا در تھا
کعبے میں جو پیدا ہوا اس شاہ کا گھر تھا

۱۷۴
فراش جو باہر گئے فرش اس میں بچھا کر
ہودج سے اُترنے لگیں جب دخترِ حیدرؑ
کس شان سے داخل ہوئے ناموسِ پیمبرؐ
پردے کو سنبھالے ہوئے تھے قاسمؑ و اکبرؑ
رایت لئے عباس فلک جاہ کھڑے تھے
خود اپنی عبا روکے ہوئے شاہ کھڑے تھے

۱۷۵
محمل سے اُتر آئیں جو نہوڑائے ہوئے سر
اک ہاتھ کو تھامے ہوئے تھی بانوئے سرور
نعلین رکھی زوجۂ عباسؑ نے بڑھ کر
سجادہ اُٹھائے تھے لٹکتی ہوئی چادر
اک دخترِ شبیرؑ ادھر ایک اُدھر تھی
سر بلوے میں کھل جائے گا اسکی نہ خبر تھی

۱۷۶
اک دن تو یہ تھا یہ سامان سواری
ہودج تھا نہ محمل نہ کجاوہ نہ عماری
اک روز وہ تھا گرد تھے نیزے لئے ناری
بے پردہ تھی خاتونِ قیامت کی وہ پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہرے پہ اور ہاتھ بندھے تھے

۱۷۷
یاں حیدرؔ لو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
پُرسا دو کہ ہیں فاطمہ اس بزم میں حاضر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
ہے ہے تری گردن کی رگیں کٹ گئیں آقا

۱۷۸
مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
ان زخموں کے قرباں دلِ محزوں کے تصدق
آقا ترے پیراہنِ پُر خوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
آقا ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

۱۷۹
زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بد خو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے لاشے پہ ردا رہنے نہ پائی

۱۸۰
وہ دار کی وہ دھوپ آٹھ پہر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا
خولی نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

۱۸۱
مصروف بکا بزم میں ہیں شاہ کے غم خوار　　ہر شخص کے بر لائیں مطالب شہ ابرار
خالق سے انیسؔ اب یہ دعا کر بہ دل زار　　یارب اسی ماتم سے رہے مجھکو سروکار
ہر دم پسر فاطمہؑ کی یاد میں گذرے　　دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گذرے

سلام

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں　　ماتم سجادؑ میں بیمار ہوں
مثل بوئے گل سفر ہوگا مرا　　وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں
بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں　　کس گل تر کے گلے کا ہار ہوں
عالم پیری میں آئے کون پاس　　اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں
ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں　　ہم دموں میں تیغ جوہر دار ہوں
اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ　　آسماں کا طرۂ دستار ہوں

قطعہ

شہ کو عرضی میں یہ صغرا نے لکھا　　رحم کیجے طالب دیدار ہوں
شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر　　صورت مہتاب شب بیدار ہوں
شربت دیدار ہے میری دوا　　اے مسیحائے زماں بیمار ہوں

قطعہ

کہتے تھے عباسؑ اے فوج یزید　　میں غلام سید ابرار ہوں
میرا آقا ہے حسینؑ ابن علی　　ابن زہرا کا علم بردار ہوں
زور جعفرؑ کا مرے بازو میں ہے　　جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں
کون ہے کونین میں مجھ سا جری　　صف شکن ہوں صفدر و جرار ہوں
کاٹ ڈالوں گا سر اعدائے دیں　　ذوالفقار حیدر کرار ہوں

قطعہ

کہتے تھے عابدؑ اٹھیں کیوں کر قدم　　اے ستمگارو نحیف و زار ہوں

دم بہ دم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو　　پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں
میں پیادہ تم ہو گھوڑوں پر سوار　　کس طرح دوڑوں بہت بیمار ہوں

قطعہ

کہتے تھے اعدا سے حضرت وقتِ جنگ　　ورنہ دارِ حیدرِ کرّار ہوں
میں چڑھا ہوں مصطفیٰ کے دوش پر　　میں شبابِ خلد کا سردار ہوں
خرمنِ ہستی ابھی ہو جل کے خاک　　برقِ قہرِ حضرتِ قہّار ہوں
بنتِ احمدؐ کا پیا ہے میں نے شیر　　شیر ہوں، جرّار ہوں، کرّار ہوں
پہلے حملے میں اُلٹ دوں فوج کو　　ایک دم سے اِن صفوں سے پار ہوں
بیچ میں ہے اُمّتِ جد کا قدم　　کیا کروں مجبور ہوں ناچار ہوں

قطعہ

بولا حُر لالچ دیا جب شمر نے　　میں نثارِ سیدِ ابرار ہوں
پھر فنا ہونے کی حسرت ہو مجھے　　شاہ پر صدقے اگر سو بار ہوں
مجھ کو بہکاتا ہے او شیطانِ خلق　　تو ہے غافل اور میں ہشیار ہوں
چھوڑ کر کعبے کو آؤں سوئے دیر　　نور ہو کر پھر شریکِ نار ہوں

قطعہ

کہتی تھی تیغِ علیؑ یا شاہِ دیں　　حکم گر دیجے تو آتش بار ہوں
سب کو کر دیتی ہوں فرش اک آن میں　　عرش سے اُتری ہوئی تلوار ہوں
میں نے کاٹے ہیں پرِ روح الامیں　　میں علیؑ کی تیغِ جوہر دار ہوں
چار آئینہ ہوں پر ہیں یا زرہ　　چار کر دوں اس کو جس سے چار ہوں
کیا کروں اے خامسِ آلِ عبا　　آپ کے اس رحم سے ناچار ہوں
کہتی تھی زینب دُہائی یا علیؑ　　سر برہنہ میں سرِ بازار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیس　　آنکھ میں دشمن کے اب تک خار ہوں

مرثیہ ۱

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہ خدا کو
اک عید ہوئی عاشقِ ربِّ دوسرا کو
منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے نظر آتا ہے چمن خلد بریں کا

۲

اے قافلے والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے
دینداروں کے یہ سر سے گزرنے کی جگہ ہے
خیمے کرو برپا یہ اترنے کی جگہ ہے
ہمت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر تہِ افلاک ملے گی
یہ خاک وہ ہے جس میں مری خاک ملے گی

۳

کعبے سے بزرگی میں برابر یہ زمیں ہے
گو فرش کی اور عرش کی ہمسر یہ زمیں ہے
آئینۂ گردوں سے منور یہ زمیں ہے
قرباں گہِ اولادِ پیمبر یہ زمیں ہے
بے جاں ہمیں ہونا ہے یہیں جان گئے ہم
اس دشت کو اس نہر کو پہچان گئے ہم

۴

مدت سے اسی خاک کا مشتاق تھا شبیر
اس ارضِ مقدس کی محبت تھی گلو گیر
پھرتی تھی سدا آنکھوں میں اس دشت کی تصویر
اب منزلِ مقصود پہ لائی مجھے تقدیر
اترو یہ فرشتوں کی صدا آتی ہے مجھ کو
یاں گلشنِ جنت کی ہوا آتی ہے مجھ کو

۵

کیا سبزۂ نوخیز ہے کیا خوب فضا ہے
جنت کا نمونہ اسے کہیے تو بجا ہے
کیا چشمۂ شیریں ہے عجب سرد ہوا ہے
آرام سے سونے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
یوں غنچۂ خاطر متبسم ہوا کھل کر
خوش ہوتا ہے جیسے کوئی معشوق سے مل کر

۶

دریا سے وضو کر کے مصلوں کو بچھاؤ
کھولو کمریں اب قدم آگے نہ بڑھاؤ
سجدے میں سر اس ارضِ مقدس پہ جھکاؤ
حمالوں کو دو حکم کہ اونٹوں کو بٹھاؤ
گھوڑے بھی تھکے ماندے ہیں زینوں کو اتارو
محمل سے بس اب ناقہ نشینوں کو اتارو

۷

اترے فرسِ خاص سے سبطِ شہِ لولاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رخِ پاک
تھرا کے زمیں زرد ہوئی اڑنے لگی خاک
رومال سے خدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

۸

جھونکوں سے ہوا کے جو اڑے پردۂ محمل
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل
سینوں میں اچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آ جائے جہاز آلِ نبیؐ کا

۹

اونٹوں سے نہ اترا تھا ابھی خیمہ و خرگاہ
تھے سارے عزیز و رفقا آپ کے ہمراہ
صحرا سے ٹہلتے ہوئے دریا پہ گئے شاہ
گرد اخترِ تابندہ تھے اور بیچ میں دو ماہ
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

۱۰

اکبر تو یہ کہتے تھے کہ صحرا پہ ہے عالم
فرماتے تھے عباس ترائی بھی نہیں کم
اپنی تو اسی سمت نظر پڑتی تھی اس دم
خیمہ ہو کہیں آن کے سوئیں گے یہیں ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
شیروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

۱۱

ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر
رنگِ رُخِ عباسِ علیؑ ہو گیا تغییر
منھ دیکھتے تھے دونوں کا اور روتے تھے شبیر
پوچھا سببِ گریہ تو بولے شہِ دلگیر
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بہ خود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

۱۲

جاتے تھے لڑائی پہ جو صفین کی حیدر
مغموم تھے اس روز بہت فاتحِ خیبر
ہے خوب مجھے یاد جہاں اترا تھا لشکر
جب تک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر
کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

۱۳

تب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذی شاں
لپٹا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں
کیا وجہ ہے بے تابی کی کیوں آپ ہیں گریاں
اے احمدِ مرسل کے پسر میں ترے قرباں
اک دن تو مرے بعد یہاں آئے گا شبیر
عقدہ مرے اس رونے کا کھل جائے گا شبیر

۱۴

سب چھوٹے بڑے رونے لگے سن کے یہ گفتار
خیمہ ہو کہاں اترے کجاووں سے کہاں بار
ہم شکلِ پیمبر نے کہا یا شہِ ابرار
فرمانے لگا مصطفیٰؐ شہ کا علمدار
کم سن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے

۱۵

گرمی تو صغیروں کی ہلاکت کا سبب ہے
کھینچی ہے جو ایذائے سفر حال عجب ہے
پیاسے رہیں دم بھر یہ تامل انھیں کب ہے
کھانے سے زیادہ انھیں پانی کی طلب ہے
منزل پہ میں رکھواتا تھا مشکیزوں کو بھر کر
پانی پہ گرے پڑتے تھے ناقوں سے اُتر کر

۱۶

حضرت نے کہا یاں بھی خدا واں بھی خدا ہے
ہر چند کہ تدبیر حفاظت کی بجا ہے
صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے
پر ہوگا وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہے
دریا پہ اُترنے کا سرانجام نہ کیجے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجے

۱۷

ہر چند حقیقت میں یہ دریا ہے ہمارا
ہے مالکِ کوثر یداللہ کا پیارا
پر کرتے ہیں ہم دیدہ و دانستہ کنارا
کیا بحرِ کرم کے لئے چشمے کا سہارا
فکر اس کی عبث ہے کہ نہ ہاتھ آئے گا پانی
اللہ وہی پیاسوں کو پہنچائے گا پانی

۱۸

فرما کے یہ حضرت اسی صحرا میں پھر آئے
خیمے کئے استادہ سراچے بھی لگائے
فراشوں نے جھاڑی وہ زمیں اونٹ بٹھائے
اور ڈیوڑھی پہ ناموس کے جمّازوں کو لائے
پاس آ کے گھٹاٹوپ کو گھرواتے تھے عباسؑ
ہر بی بی کو محمل سے اُترواتے تھے عباسؑ

۱۹
جمازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہونچا
گرد آ کے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا
کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحیٰ
محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ
اک ہاتھ علی اکبرِ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بند یداللہ نے تھاما

۲۰
چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اُتریں
آنسو رُخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
پردہ تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں
آگاہ نہ تھی اس ستمِ چرخِ کہن سے
کھل جائے گا سر ہاتھ بندھے ہونگے رسن سے

۲۱
داخل ہوئیں خیمہ میں جوں ہی دخترِ حیدرؑ
جب کھل گیا پردا تو اُترنے لگا لشکر
پیچھے گئیں ناقوں سے کنیزیں بھی اُتر کر
بالیں بھی کھڑی ہو گئیں، اور لگ گیا بستر
کمروں کو پیادوں نے اور اسواروں نے کھولا
دوکانوں کو لشکر کے دوکانداروں نے کھولا

۲۲
اک سمت بندھے آن کے اصطبل میں رہوار
اُٹھے پئے گل گشت جوانانِ خوش اطوار
محمل جو اُتارے تو ہوئے اونٹ سبک بار
زہراؑ کے گلستاں سے وہ صحرا ہو گلزار
صورت نظر اللہ کے مقبولوں کی آئی
ہنستے گئے جس سمت مہک پھولوں کی آئی

۲۳
وہ خیمۂ زنگاریِ شاہنشہِ والا
اوج اس کا جو دیکھے تو کہے دیکھنے والا
بے چوبہ گردوں سے تھا رفعت میں دوبالا
سر چرخِ چہارم سے زمیں نے ہے نکالا
دستار پہ رکھ ہاتھ جو دیکھا ہے فلک سے
خورشید کا منہ زرد ہے شمسے کی چمک سے

۲۴
وہ خیمہ وہ لشکر وہ بیاباں وہ ترائی
رونق چمنِ خلد کی اس دشت نے پائی
اک قدرتِ اللہ کی تھی جلوہ نمائی
ویرانے میں بستی ہوئی جنگل میں ترائی
کانٹوں کے جہاں ڈھیر تھے گلشن نظر آیا
پھولوں سے بھرا دشت کا دامن نظر آیا

۲۵
سقے گئے اور مشکوں میں آنے لگا پانی
موقوف اُسی دن سے ہوئی تھی رسد آنی
تونسے ہوئے گھوڑوں کی بجھی تشنہ دہانی
لشکر میں ہوئی شاہ کے سقے کی گرانی
مہمانوں پہ رحم آیا نہ پیماں شکنوں کو
ناقوں کے پیام آنے لگے بے وطنوں کو

۲۶
گذرا تھا جو دن عالمِ غربت میں ہوئی شام
مصروفِ عبادت میں ہوئے شاہِ خوش انجام
اک بار اذاں دینے لگے اکبرِ گل فام
طاعت کے لئے جمع ہوا لشکرِ اسلام
جو دانۂ تسبیح برابر وہ جواں تھے
صف پیچھے تھی اور آگے امامِ دوجہاں تھے

۲۷
فارغ جو فریضہ سے ہوئے سیدِ ذی جاہ
پہونچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ
سجادۂ طاعت سے اُٹھے خیمہ کی لی راہ
رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں
اختر تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

۲۸
مسند کو شہِ دیں نے منور کیا جا کر
جا بیٹھی سکینہؑ بھی قدم جلد بڑھا کر
لپٹنے لگی بھائی کی بلائیں بہن آ کر
کہنے لگی منہ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
کس کس سے بلانے کے لئے میں نے کہا تھا
بابا تمہیں کب سے مرا دل ڈھونڈ رہا تھا

۲۹
کس بات کا اندیشہ ہے میں آپ کے قربان
سونے کی نہ کچھ فکر ہے کھانے کا نہ کچھ دھیان
خاطر بھی پریشان ہے گیسو بھی پریشان
کیا ہو گئے وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہمان
ہر مرتبہ کیوں اشکوں سے منہ دھوتے ہو بابا
کیا فاطمہؑ صغرا کے لئے روتے ہو بابا

۳۰
ڈھل پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے جب کرتے ہو کچھ بات
پچھلے کو یہ کرتے ہو دعا بعد مناجات
رونے میں کٹی دن سے گذر جاتی ہے سب رات
مشکل مری آسان کر اے قاضیِ حاجات
تو چاہے تو مقصد پہ پہنچ جاتا ہے شبیرؑ
اب دیر جو ہوتی ہے تو گھبراتا ہے شبیرؑ

۳۱
حضرت نے کہا کچھ نہیں تشویش مری جان
عاشق وہ ہے جو ہو رہِ معشوق میں قربان
اللہ سے لازم ہے طلب خیر کی ہر آن
اب آتے ہیں وہ لوگ کہ ہم جن کے ہیں مہمان
فارغ الم و رنج سے ہونے کے دن آئے
صدقے پدر اب چین سے سونے کے دن آئے

۳۲
منہ دیکھ کے زینبؑ کا یہ کہنے لگے شبیرؑ
کیوں آنکھیں ہیں سوجی ہوئی کیا روتی ہو ہمشیر
پاتا ہوں بہت میں تمہیں افسردہ و دلگیر
ہے غم سے تمہارے مرا حال اور بھی تغیر
ہاتھوں سے نہ مادر کا چلن دیجیو بہنا
مر جائے گا شبیرؑ تو رو لیجیو بہنا

۳۳
زینب نے کہا شاہ سے باگریۂ وزاری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری
یہ کون سا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
گھبراتی ہے ڈر ڈر کے سکینہؑ مری پیاری
بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغرؑ نے بھی منہ پھیر لیا ہے

۳۴
زینبؑ سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر
اس دشت کا میں حال سناؤں تمہیں ہمشیر!
کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیر
کونین میں اس ارضِ مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی جگہ ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

۳۵
یہ سن کے اڑا رنگ رخِ زینبؑ مضطر
حضرت نے کہا خیر ہے کیا کرتی ہے خواہر
منہ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے مجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

۳۶
اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی
بہنا کو مدینہ بھی نہ پہنچاؤ گے بھائی
گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
میں دیکھوں گی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولاد سے بانو کے یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموس نبیؐ کے یہی لٹنے کی جگہ ہے

۳۷
جب سنتی تھیں یہ نام تو خوش ہوتی تھیں اماں
نے کھاتی تھیں نے پیتی تھیں نہ سوتی تھیں اماں
منہ شام تلک آنسوؤں سے دھوتی تھیں اماں
جیسے کوئی مر جاتا ہے یوں روتی تھیں اماں
وہ بین وہ فریاد و بکا یاد ہے مجھ کو
وہ ہائے حسینا کی صدا یاد ہے مجھ کو

۳۸
حجرے سے صدا آتی تھی ہے ہے مرے شبیرؑ
بچے تری ثابت ہوئی تھی کون سی تقصیر
اماں ترے قربان ہوا اے کشتۂ شمشیر
اے لال ترا سینہ کہاں اور کہاں تیر
ماتم میں ترے کوکھ مری جل گئی بیٹا
تو ذبح ہوا مجھ پہ چھری چل گئی بیٹا

۳۹
زینبؑ سے جو یہ ذکر سنا رونے لگے شاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ
ناموس محمدؐ پہ ہوا صدمۂ جاں کاہ
پہونچا یہ خبردار کو حکم شہ ذی جاہ
ہاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے طرف یا ادھر آیا

۴۰
مانند نظر دور گیا پیک صبا دم
قائم رہے اقبال شہنشاہ دو عالم
پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ حجرے کو ہوا خم
کوفے کی ہوئی فوج لب نہر فراہم
سب چار ہزاروں میں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

۴۱
اس فوج میں تیار ہے سب جنگ کا ساماں
گھوڑے دو رکابے ہیں جوانوں کے تہ راں
نیزوں کی یہ کثرت ہے کہ گویا ہے پرستاں
دیکھا جسے سر تا قدم آہن میں ہے پنہاں
ڈھالیں عقب دوش ہیں چار آئینے بر میں
تلواریں تو قبضوں میں ہیں خنجر ہیں کمر میں

۴۲
شہ نے کہا سر کردۂ لشکر کا ہے کیا نام
سن کر یہ خبر بولے شہنشاہ ذوالاکرام
کی عرض یہ اس نے عمر سعد بد انجام
صد لشکر کے آ پہونچا ہمیں موت کا پیغام
دشمن کو اگر رے کی حکومت کی خوشی ہے
موجود ہیں ہم کو بھی شہادت کی خوشی ہے

۴۳
اکبر نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا
شہزادۂ کونین جو کچھ آپ نے پوچھا
تھرا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
ہو جائے یہ زباں قطع اسے عرض کروں کیا
کہتا تھا یہ لشکر عمر سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسین ابن علیؑ کا

۴۴
عباسؑ لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج کو جا کر
کی تیغ کے قبضے پہ نظر غیظ میں آ کر
روکا شہ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر
سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

۴۵
شہ نے کہا کیوں روتے ہو کیا جی میں یہ آئی
رو لے گی غریبی پہ مری ساری خدائی
تم میری طرف دیکھو کہ بے کس ہوں میں بھائی
جو چاہیں کریں ہم کہے جائیں گے بھلائی
غصے کی یہ جا گہ نہیں کیا اس میں ضرر ہے
سر لینے کو آئے ہیں تو حاضر مرا سر ہے

۴۶

مظلوم ہیں ہم غیظ سے مظلوم کو کیا کام
ہر رنج کو سمجھو رہِ معبود میں آرام
غصّے کا نہیں وقت یہ ہے صبر کا ہنگام
منظور ہے یارا بخشش اُمّت کا سرانجام
کچھ جان کا صرفہ نہیں حیدرؑ کے پسر کو
وہ مانگیں تو خود کاٹ کے بھیجدوں سر کو

۴۷

کیا ہوتا ہے کہتے ہیں تو کہنے دو ستم گر
موجود ہے اکبر سا پسر تم سا برادر
طاقت ہے کوئی ہاتھ اُٹھا سکتا ہے مجھ پر
کیوں روتے ہو تم کاٹتا ہے کون مرا سر
آنسو نہ بہاؤ کہ لہو میرا گھٹے گا
آگے نہ تمہارے سرِ شبیر کٹے گا

۴۸

تم سا کوئی دنیا میں نہیں صاحبِ شمشیر
عالم کے زبردستوں کو بابا نے کیا زیر
موقع نہیں غصّے کا ہر اک وقت مرے شیرا
کیا کیا نہ سہے رنج ہوئے زیست سے جب سیر
اس روز نہ تقدیر سے کچھ زور چلا تھا
رسّی سے بھلا بندھنے کے قابل یہ گلا تھا

۴۹

ہر دم یہ صدا آتی تھی تیغ دو زباں سے
فرماتے تھے اس صاعقۂ شعلہ نشاں سے
یا شیرِ خدا مجھ کو نہ کھینچو گے میاں سے
مجبور ہیں ہم حکمِ خدا سے دو جہاں سے
یہ دیدہ و دانستہ جفا میں نے سہی ہے
تلوار وہی زور وہی ہاتھ وہی ہے

۵۰

اماں مرے پہلوئے شکستہ کو سنبھالے
چلّاتی تھیں کوئی مرے وارث کو بچا لے
پیچھے چلی جاتی ہیں ردا دوش پہ ڈالے
بازار میں سر پیٹتے تھے دیکھنے والے
نے ہم پہ نہ اماں کے کھلے سر پہ نظر تھی
بابا کی فقط خالقِ اکبر پہ نظر تھی

۵۱

غصّہ تھا تمہاری ہی طرح ہم کو بھی بھائی
مرجانے پہ تیار تھے پر کچھ نہ بن آئی
کچھ غیض میں آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی
بابا نے قسم روحِ محمد کی دلائی
جب والدہ روتی تھیں تو چلّاتے تھے ہم بھی
لپٹے ہوئے بابا سے چلے جاتے تھے ہم بھی

۵۲

میری تو کسی نے ابھی باندھی نہیں گردن
بہنیں مری نکلی نہیں کرتی ہوئی شیون
شبیر کو پکڑے ہوئے جاتے نہیں دشمن
گھر میرا جلا دینے کو آئے نہیں دشمن
بے تیغ چلے غیظ میں تم آ گئے بھائی
سر کٹنے کے مذکور پہ تھرّا گئے بھائی

۵۳

تیروں کا نشانہ جو بنائیں گے ستم گر
اس پیار سے معلوم یہ ہوتا ہے برادر
پھر تم سے بھلا صبر کیا جائے گا کیوں کر
مر جاؤ گے جب تیغ کوئی کھینچے گا مجھ پر
لو بس کرو اتنا بھی کوئی روتا ہے بھائی
بھائی تو ابھی ذبح نہیں ہوتا ہے بھائی

۵۴

اتنے میں صدا دور سے نقاروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوج ستمگاروں کی آئی
آواز جفا کاروں کے رہواروں کی آئی
پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی
کی عرض وہ لشکر ہے سیہ جس کے علم ہیں
اک شمر ہے اور چار ہزار اہلِ ستم ہیں

۵۵

جس جا پہ ہے فوج پسر سعد بد اختر
عباسؑ سے شہ بولے کہو اس سے برادر
داہنی طرف اس فوج کے اُترا ہے وہ لشکر
آہستہ کہے داخلۂ لشکر ستمگر
اک حشر بپا زینبؑ ناشاد کرے گی
سر کھول کے اللہ سے فریاد کرے گی

۵۶

جس وقت سے اُترا ہوں میں اس دشت ستم میں
مادر کی طرح روتی ہے زینبؑ مرے غم میں
لب خشک ہے منھ فق ہے دم اس کے نہیں دم میں
دھڑکا ہے کہ مرجائے نہ بھائی کے الم میں
شبیرؑ کے بچنے کا بھی کچھ طور نہیں ہے
اس کا تو کوئی میرے سوا اور نہیں ہے

۵۷

اس فکر میں سوئے نہ ذرا سبط پیمبرؐ
دن کو یہی خبریں چلی آتی تھیں برابر
صحرا میں رہی تا بہ سحر آمد لشکر
شبث آیا ہے اب ساتھ لئے فوج ستمگر
خود آگے ہے اور پیچھے کمانداروں کی صف ہے
ایک ایک کا رُخ فوج حسینی کی طرف ہے

۵۸

یہ سنتے تھے جو دوسرا آکر یہ پکارا
عمان شقاوت نے ہے اک جوش سا مارا
آ پہونچا یزید ابن رکاب ستم آرا
گھوڑوں سے رکا جاتا ہے دریا کا کنارا
پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

۵۹

آئے دُہل فتح بجاتے ہوئے باہم
تھے چار ہزار اہل ستم اور بھی اظلم
حجاج و سنان ابن انس خولی و قشعم
انبوہ ہوا تا بہ ششم ماہ محرم
امڈی ہوئی بادل کی طرح فوج گراں تھی
مقتل میں زمیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

۶۰

اس فوج سفر سوز کی تعداد ہے دشوار
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ وارد اخبار
لکھتا ہے کوئی تیس ہزار آئے تھے غدار
اکثر کا یہ ہے قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہل جفا تھے
یاں بے کس و مظلوم امام دوسرا تھے

۶۱

اُڑتے تھے نشانوں کے پھریرے تو ہوا سے
اندھیر تھی کوس تھا ڈھالوں کی گھٹا سے
اور گونجتا تھا دشت وہ گھوڑوں کی صدا سے
سب تیغ زن اس پیاسے کے تھے خون کے پیاسے
غل تھا کہ نہ مہلت دو شہ جنؑ و بشر کو
سادات کا سر کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

۶۲

تانے ہوئے نیزوں کو سوار ایک طرف تھے
اور تیر فگن تیس ہزار ایک طرف تھے
تلواریں لیے ظلم شعار ایک طرف تھے
کوفے کے جواں باندھے قطار ایک طرف تھے
بدلی سیہ شام کی پیاسوں پہ جھکی تھی
شہ بیچ میں تھے چار طرف راہ رُکی تھی

۶۳

اللہ رے جوانانِ حسینی کے ارادے
کل تیس تو اسوار تھے چالیس پیادے
سادات نہ ہوں کیوں جنھیں توفیق خدا دے
اک ایک [illegible] کہ لاکھوں کو بھگا دے
جنت ہی شہیدوں کی شہادت کا صلا تھا
ہفتم سے دہم تک انھیں پانی نہ ملا تھا

۶۴

کچھ پیاس کا شکوہ تھا نہ فاقوں کی شکایت
تھی دل میں ولائے پسرِ شاہِ ولایت
ایک ایک تھا پروانۂ مصباحِ ہدایت
لب پر فیکفیکہم اللہ کی آیت
ہر چند یہ سامان وغا ان کی طرف تھا
حضرت کے یہ تھے ساتھ خدا ان کی طرف تھا

۶۵

پڑھ پڑھ کے نمازیں شبِ عاشور گزاری
ہر دم یہی نعرہ تھا کہ یا ایزد باری
خشکیدہ زبانوں پہ رہا شکر ہی جاری
ہے شکر کہ عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
خوشنود رہیں فاطمہؑ وہ کام کریں ہم
پہلے ترے محبوب کے پیارے سے مریں ہم

۶۶

جانکاہ ہے صبحِ شبِ عاشور کا ہنگام
جس وقت کمر باندھ چکے شاہ خوش اقبال
زہراؑ کا اسی روز چمن ہو گیا پامال
سر پیٹ کے سب بیبیوں نے کھول دیے بال
رومال جو حضرت نے رکھا دیدۂ نم پر
گھبرا کے بہن گر پڑی بھائی کے قدم پر

۶۷

رو کر سرِ زینبؑ کو قدم پر سے اٹھایا
فرما کے سخن صبر و رضا کا یہ سنایا
پیشانی سے بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا
مجبور ہیں قسمت نے ہمیں تم سے چھڑایا
نیکوں سے صدا نیک عمل ہوتا ہے زینبؑ
اب ٹھہریں تو وعدے میں خلل ہوتا ہے زینبؑ

۶۸

یہ کہہ کے چلے آپ ہوا گھر تہ و بالا
کرسی پہ جلو خانے میں بیٹھے شہِ والا
زینب جو گری دوڑ کے فضہؑ نے سنبھالا
گردِ مہِ زہراؑ رفقا ہو گئے ہالا
کہنے کو تو کرسی تھی مگر عرش نما تھی
پایہ میں کہیں تختِ سلیماں سے سوا تھی

۶۹

شہ نے نظرِ لطف سے غمخواروں کو دیکھا
گہ ان کو کبھی فاطمہؑ کے پیاروں کو دیکھا
مرجانے پہ تیار وفاداروں کو دیکھا
کمروں سے الجھتے ہوئے تلواروں کو دیکھا
پوشاک کو مانندِ کفن چاک کیے تھے
دربار میں سر نذر کو ہاتھوں پہ لیے تھے

۷۰

خوش بھی ہوئے رونے بھی لگے سرورِ ذی شاں
عرصہ نہیں تیار ہے سب فوج کا ساماں
ہمشکلِ پیمبر سے کہا اے مہِ تاباں
لاؤ علمِ فوج کو خیمے سے مری جاں
زینت ہے وہی فوجِ حسین ابنِ علیؑ کی
سب کر لیں زیارت کہ نشانی ہے نبیؐ کی

۷۱

جب لے چلے اکبر وہ علم خیمہ سے باہر
جس وقت نکالا اسے ڈیوڑھی سے جھکا کر
رونے حرم آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
فضہ لگی سر پیٹنے پردے کو اٹھا کر
ہوتے تھے بیاں بیکسیِ شاہِ امم کے
تھیں بیبیاں سر کھولے ہوئے پیچھے علم کے

۷۲

زینبؑ علمِ شاہ کی لیتی تھی بلائیں
اللہ کرے خیر سے پھر گھر میں سب آئیں
کہتی تھی کرو بیبیو! نصرت کی دعائیں
بھائی کی عداوت سے عدو ہاتھ اٹھائیں
سادات کا اقبال و حشم جاتا ہے دیکھو
گھر سے مرے نانا کا علم آتا ہے دیکھو

۷۳

عباسؑ کی زوجہ یہ بیاں کرتی تھی رو رو
زینبؑ کے پسر عمر میں چھوٹے ہیں ابھی تو
کیوں صاحبو دیکھیں یہ علم ملتا ہے کس کو
ہم شکل نبیؐ ہیں علی اکبرؑ خوش خو
خادم شہ دیں کے ہیں تو عباسؑ علی ہیں
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

۷۴

اکبرؑ سے کہا بانو نے کیوں اے مرے دلدار
وہ بولے کہ مجھ پر تو ابھی کچھ نہیں اظہار
یہ منصب والا کسے دیں گے شہ ابرار
پرچا ہے کہ عباسؑ علی ہوئیں علمدار
اس وقت انھیں پر نظر سرور دیں ہے
اور ایسا جواں بھی کوئی لشکر میں نہیں ہے

۷۵

خاموش کھڑے ہیں جو لگائے ہوئے ہتھیار
پڑتی ہے انھیں پر نظر ایک ایک کی ہر بار
ہے شان حسنؑ دبدبۂ حیدرؑ کرار
حمزہ کوئی کہتا ہے کوئی جعفر طیار
شہ دیکھتے ہیں اشک بھرے دیدۂ تر میں
تصویر علیؑ پھرتی ہے بابا کی نظر میں

۷۶

مژدہ یہ سنا زوجۂ عباس نے جس دم
بولی کہ بڑی فکر تھی پر اب نہیں کچھ غم
منہ سرخ خوشی سے ہوا تشویش ہوئی کم
قربان تمھارے ہیں شہنشاہ دو عالم
مخدومۂ کونین کے جانی کے تصدق
آقا میں تری تشنہ دہانی کے تصدق

۷۷

کیوں کر نہ ہو اس بھائی کو ہے گود میں پالا
نام اپنا ہے خادم کا جو رتبہ ہے دوبالا
نعلین اٹھانے لگے جب ہوش سنبھالا
سب ملتے ہیں ملتا ہے کہاں چاہنے والا
توقیر جو ان کی ہے تو نام شہ دیں ہے
جانیں گے یہی سب کہ غلام شہ دیں ہے

۷۸

کونین میں والی کو مرے کر دیا ممتاز
ہے دلبر زہراؑ کی محبت پہ اسے ناز
عزت وہ نہ دیویں تو کرے کون سرافراز
وہ شمع ہدایت ہے یہ پروانۂ جاں باز
شمشیر کے شعلے سے نہ ٹل جائے گا عباسؑ
آنچ آئے گی آقا پہ تو جل جائے گا عباسؑ

۷۹

شوہر کی میں خاطر سے یہ کرتی نہیں گفتار
بھڑکانے کے در پے ہی رہا شمر ستمگار
عباس سا دنیا میں نہ ہوئے گا وفادار
سالاری لشکر کا پیام آیا کئی بار
جھنجھلا کے وہ کہتے تھے کہ مرجانے کی جا ہے
تلوار کے بھی زخم سے یہ زخم سوا ہے

۸۰

شاید مجھے محتاج سمجھتا ہے وہ بے پیر
منصب مرا مرجانا ہے اور خلد کی جاگیر
ہے اس ولد الثعلب کا سر اور مری شمشیر
دنیا کے لئے چھوڑیں گے ہم دامن شبیرؑ
کیا قہر ہے کیوں کر نہ مجھے رنج و تعب ہو
سن لیویں کہیں قبلۂ عالم تو غضب ہو

۸۱

یہ حال یہ تمنا ہے کہ ہوں شہ کا علمدار
صاحب یہ دعا مانگو کہ اے کل کے مددگار
اس رات تلک مجھ سے یہی کہتے تھے ہر بار
عباسؑ کو لشکر کا علم دیں شہ ابرار
حسرت ہے کہ جب سامنے افواج ستم ہو
اس دوش پہ تلوار ہو اور اس پہ علم ہو

۸۲

میں کہتی تھی کیوں شاہ سے کرتے نہیں مذکور
میں ذرہ ہوں وہ مہر ہیں میں خاک ہوں وہ نور
تھرا کے وہ کہتے تھے کہ میرا نہیں مقدور
ہاں فضل خدا سے دو جہاں سے نہیں کچھ دور
سامان تو خالق نے کیے سارے خوشی کے
پھولے نہ سماویں گے وہ اب مارے خوشی کے

۸۳

مذکور علمداریٔ عباسؑ کو سن کر
کہنا کہ مبارک ہو تمھیں منصبِ جعفر
چلائی سکینہؑ مرے بھیا علیؑ اکبر
کیا اب بھی نہ پانی سے کرو گے مرے لب تر
بھولے گی مری یاد نہ میدانِ ستم میں
میں باندھتی ہوں سوکھی ہوئی مشک علم میں

۸۴

لائے علی اکبرؑ علم شاہ کو جس دم
تھی نور کی چادر یہ پھریرے کا تھا عالم
پنجہ تھا کہ اک نیزے پہ تھا نیرِ اعظم
حسرت سے عزیز و رفقا کہتے تھے باہم
تا عرش خدا رتبہ کو پہونچاتا ہے کس کے
دیکھیں یہ ہما فرق پہ پھر جاتا ہے کس کے

۸۵

عباسؑ کو کس پیار سے حضرت نے بلایا
بھائی کو علم فوج کا دے کر یہ سنایا
آداب سے ہاتھوں کو وہ جوڑے ہوئے آیا
لو پایۂ جعفرؑ کی تمنا تھی سو پایا
خوش ہو کے رکھا ہاتھ تو غازی نے علم پہ
اور بیٹھ کے ہوڑا دیا سر شہ کے قدم پہ

۸۶

فرمایا شہِ دیں نے کہ منگواؤ سواری
عباسؑ بہن صدقے ہو شوکت پہ تمھاری
ناگاہ درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
زہراؑ کی امانت سے خبردار میں واری
سونپا ہے تمھیں میں نے دل و جانِ نبیؐ کو
لیوے گی بہن تم سے حسین ابنِ علیؑ کو

۸۷

بھیا مرے ماں جائے کا دشمن ہے زمانا
بھائی کو کہیں چھوڑ کے گھوڑا نہ اٹھانا
بڑھ کر بھی کوئی بولے تو غصے میں نہ آنا
تلواروں سے زہراؑ کے کلیجے کو بچانا
چھٹیں یہ نہ دونوں کے نظر مجھو بھائی
بیٹے مرے بچوں کو سپرد مجھو بھائی

۸۸

بانو یہ پکاری علیؑ اکبر کو مری جاں
تم کیا چلے وارثی مرا گھر ہو گیا ویراں
صدقے تری سج کے ترے ہتھیار کے قرباں
ہشیار خبردار لڑائی کا ہے ساماں
تاثیر مرے دودھ کی دکھلائیو بیٹا
گر آن بنے باپ پہ مر جائیو بیٹا

۸۹

قاسمؑ کو صدا ماں نے یہ دی ڈیوڑھی پہ آ کر
دامن کو بھی گردان لو ہتھیار لگا کر
پگڑی پہ لپیٹو مری جاں سہرہ اٹھا کر
بھجوانا ہے میداں میں بنا تجھ کو بنا کر
دو گھر کی ترے مرنے سے بربادی ہے بیٹا
صدقے ہو چچا پر یہ تری شادی ہے بیٹا

۹۰

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ

۱

جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوف حرم کی
فرمایا کہ لو راہ بس اب ملکِ عدم کی
اس کعبۂ ایماں پہ گھٹا چھا گئی غم کی
بطحا سے چلی فوج شہنشاہِ اُمم کی
جوں قبلہ نما قصد جدھر کرتے تھے شبیرؑ
پھر پھر کے سوئے کعبہ نظر کرتے تھے شبیرؑ

۲

کہتے تھے بصد درد کہ اے قبلۂ داور
ملتی نہیں سیدؑ کو اماں وائے مقدر
اب تجھ سے جدا ہوتا ہے فرزندِ پیمبرؐ
جاتا ہوں سوئے گور سراسیمہ و مضطر
دوری ہوئی اس گھر سے بس اب دل کو یقیں ہے
قربانیٔ شبیر کا ہنگام قریں ہے

۳

اے رکن و مقام اب ہے مرا کوچ جہاں سے
اس دشت میں مشتاق قضا جاتا ہوں یاں سے
چھٹتا ہے مکیں خالق اکبر کے مکاں سے
ٹکڑے مجھے ہوتا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوند دو عالم کی رضا پر

۴

اس راہ میں اب مجھ کو توقف کی نہیں تاب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب
رخصت ہے مری اے حجرہ و منبر و محراب
دریا پہ لعیں ذبح کریں گے مجھے بے آب
اک جام دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
چاہیں گے کنوں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

۵

اے کوہِ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے
صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگِ الم سے
قسمت لئے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
سب لعل مرے گرد غریبی سے اٹیں گے
گرمی کے یہ دن بچّوں پہ سختی سے کٹیں گے

۶

پھر قبر محمدؐ کی طرف بڑھ کے کی زیارت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت
کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رُخصت
آزار پہ باندھے ہیں کمر اہلِ ضلالت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

۷

بطحا ہے نہ مسجد ہے نہ مامن نہ مفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور اک مرا سر ہے
غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں انھیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

۸

نانا مجھے رہنے کا ٹھکانا نہیں ملتا
آٹھ آٹھ پہر بچوں کو کھانا نہیں ملتا
جنگل میں بھی بستی کا بسانا نہیں ملتا
پانی کہیں ملتا ہے تو دانا نہیں ملتا
مہلت نہیں اتنی کہ میں سایہ میں کھڑا ہوں
حضرت سے جدا ہو کے تباہی میں پڑا ہوں

۹

دنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہِ ابرار
بے خوف یہاں آ کے جو مخفی ہو گنہگار
اک خانۂ حق، ایک درِ احمدِ مختار
کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اس کو گرفتار
یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لئے مامن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

۱۰

حاکم نے مدینے کے ادھر مجھ کو ستایا
جلادوں نے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا
میں سوئے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
میں دھوپ میں ہوں جیسے اُٹھا آپ کا سایا
حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

۱۱

فریاد ہے راحت مجھے مولا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی
اک خیمہ بپا کرنے کی بھی جا نہیں ملتی
دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی
راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجکو تو کچھ دُور نہیں ہے

۱۲

میں بچوں کو لے کر کدھر اس شہر سے جاؤں
سیدانیوں کو کون سے پردے میں چھپاؤں
کس دشت میں اس آپ کی بستی کو بساؤں
مخفی ہوں اگر قبر کا گوشہ یہاں پاؤں
کب دن میں کئی بار اسے غش نہیں آتا
زینبؑ کا وہ ہے حال کہ دیکھا نہیں جاتا

۱۳

بانو غم صغراؑ میں بکا کرتی ہے دن رات
سہمی ہے سکینہؑ بہت اے قبلۂ حاجات
تلخی سے بسر ہوتی ہے مولا مری اوقات
رو دیتی ہے مجھ سے بھی جو کرتی ہے کوئی بات
ساتھ اس کے زمانے سے گذر جاؤں گا میں بھی
یہ مر گئی غربت میں تو مر جاؤں گا میں بھی

۱۴

تا شام تو لو چلتی ہے جنگل میں سحر سے
چِلاتی ہے برسا کے لہو دیدۂ تر سے
کم دودھ ہے بانو کا صعوبات سفر سے
بچی میں تجھے ڈھونڈھ کے لے آؤں کدھر سے
پہلو میں تری پاتی ہوں خوشبو نہیں صغراؑ
افسوس کہ سب ساتھ ہیں پر تو نہیں صغراؑ

۱۵

یہ کہہ کے روانہ ہوئی وہ خاصۂ باری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری
گویا کہ بیاباں میں چلی بادِ بہاری
فیاض نے صحرا کے بھی کی کار برآری
نکلے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولے میں نسیم ختن آئی

۱۶

اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خواں کی صدا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یاد خدا سے
گھوڑے بھی طراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
صاف آتی تھی آواز کی تکبیر درا سے
صحرا تھا دم ظہر کہ دامن تھا جبل کا
غل ہوتا تھا اک حیّ علیٰ خیر عمل کا

۱۷

وحشت کو فراموش کیے دشت کے آہو
غل تھا پسر شیر الہی سے یہ ہر سو
تکتے تھے بہ حسرت طرفِ سیدِ خوش خو
خوش بو میں بہ از مشک خطا ہیں یہی گیسو
رخ ماہِ دو ہفتہ ہے تو قد سرو سہی ہے
دے آئی تھی بچہ جسے ہرنی وہ یہی ہے

۱۸

کچھ دن سے اُترتے تھے جہاں سیدِ ابرار
اردو میں دکانیں جو لگاتے تھے دکاندار
ہو جاتی تھی تاریک شبیں مطلعِ انوار
آراستہ ہو جاتا تھا اک چھوٹا سا بازار
نیت میں فرزندوں کے ثابت قدمی تھی
پانی کا نہ تھا قحط نہ غلّے کی کمی تھی

۱۹

کھولے ہوئے پر کہتے تھے شاہین ترازو
سن لے جو فروشندہ ہے سنجیدہ و خوش خو
تلے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہے اُردو
خاسر ہے جو میزاں میں ہوا فرق سر مو
اک فصل میں اس جنس کے عقدے بھی کھلیں گے
اعمال یوں ہی عدل کی میزاں میں تلیں گے

۲۰

قریوں سے زیارت کو جو آ جاتی تھی خلقت
یکساں تھی ہر اک پر نظر لطف و عنایت
کرسی پہ نکل بیٹھتے تھے خیمے سے حضرت
محتاجوں سے باتیں تھیں غریبوں سے محبت
ہر عاجز و بے کس کی مدد کرتے تھے مولا
درویش کا ہدیہ بھی نہ رد کرتے تھے مولا

۲۱

عقدے تھے اگر حل انھیں کر دیتے تھے حضرت
بے برگ درختوں کو ثمر دیتے تھے حضرت
خالی تھے جو دامن انھیں بھر دیتے تھے حضرت
لاتا کوئی دو پھول تو زر دیتے تھے حضرت
پھل اس کو دیے جس کو زرومند نہ دیکھا
فیاض کی مٹھی کو کبھی بند نہ دیکھا

۲۲

کافر بھی جو آیا اسے دی دولتِ ایماں
تھا مصحفِ ناطق کی طرح خلق پہ احساں
بے زاد مسافر تھا ہر اک آپ کا مہماں
منزل کوئی بے فیض نہ تھی صورتِ قرآں
وہ کون سا عاجز ہے جو کچھ پا نہیں جاتا
دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا

۲۳

جس دشت میں اس سرو رواں کے قدم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ اُمم آئے
پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
جس طرح برستا ہوا ابر کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

۲۴

سب کہتے تھے اے احمدِ مختار کے جائے
فرماتے تھے شبیر کہ ہم رہنے نہ پائے
کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر آئے
یوں کوئی مسلماں، نہ مسلماں کو ستائے
تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی تھی
تدبیر گرفتاری شبیر ہوئی تھی

۲۵

گر دستِ ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسؑ خوش اطوار
چلتی حرم حضرتِ معبود میں تلوار
باندھے رہے تا صبح سر شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے
نے مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

۲۶

کہتے تھے یہ شمشیرِ دو دم تول کے ہر بار
پاس اس کا نہ ہوگا کہ یہ ہے خانۂ غفار
شیروں کے پسر بھی کہیں ہوتے ہیں گرفتار
کر دوں ابھی تا کوہ صفا لاشوں سے انبار
لو قتل ہو سب فوج لڑائی کی بنا میں
جس طرح گلے کٹتے ہیں دنبوں کے منا میں

۲۷

ہونٹوں کو چباتے تھے علیؑ اکبر گلفام
زینبؑ کے پسر کہتے تھے تولے ہوئے صمصام
تھرا رہا تھا غیظ سے قاسم کا بھی اندام
اب کعبے سے لڑتے ہی چلے جائیں گے تا شام
تلواریں کچھ رکے جو لعینوں پہ جھکیں گے
روکیں گے جو آقا بھی تو پھر ہم نہ رکیں گے

۲۸

جھنجھلا کے ہوئے ستمگر ذی جاہ کے دلدار
ایک ایک سے کرتے تھے تفحص یہی ہر بار
آئے ہیں جو چھپ کر پئے قتل شہ ابرار
بتلاؤ تو کس قافلے میں ہیں وہ ستمگار
پائیں تو پھریں قلب و جگر کاٹ کے ان کے
کونے میں ابھی بھیج دیں سر کاٹ کے ان کے

۲۹

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد
حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہ کی اولاد
حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پہلے جو فساد آہ اُدھر سے نہ نکلتا
مرکر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

۳۰

راضی ہوں کہ اس بن میں کٹے تن سے مرا سر
جس بن میں نہ پانی ہو نہ دانا ہو میسر
کچھ غم نہیں لاشے کو کفن بھی نہ ملے گر
پر خوں نہ مسلمانوں کا ہو یاں کی زمیں پر
معلوم ہے سب کو کہ یہ وہ پاک زمیں ہے
پنچھی کے ستانے کا یہاں حکم نہیں ہے

۳۱

کس کو نہیں معلوم تہ چرخ مقرنس
مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس
مقدور یہ مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بے بس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

۳۲

جس گھر کو بتوں سے اسد حق نے کیا پاک
جانے نہیں دیتے اسی گھر میں ہمیں سفاک
بدعت سے لعینوں کی کلیجہ ہے مرا چاک
شاید میں نہیں لخت دل سیدۂ لولاک
قابض ہوئے ہیں گھر پہ خداوند احد کے
جانے نہ دیا مجھ کو مصلے پہ بھی جد کے

۳۳

کعبہ جو حقیقت میں ہے لاریب وہ میں ہوں
ہاں جس کے لئے ہے مدد غیب وہ میں ہوں
جس میں نہیں دنیا کا کوئی عیب وہ میں ہوں
معصوم ہے طفلی سے جو تا شیب وہ میں ہوں
اوج اُن کے ہیں جو اوج سعادت کے ہما ہیں
کعبہ بھی ہمیں سے ہے ہمیں قبلہ نما ہیں

۳۴

عالم ہیں سب اس کے کہ میں خود کعبۂ دیں ہوں
حق مجھ سے ہے نزدیک تو میں حق سے قریں ہوں
شاہد فلک اس کا ہے کہ مختار زمیں ہوں
کعبہ کی طرح خاتم دنیا کا نگیں ہوں
سمجھے وہی اس رمز کو جو حق کی طرف ہے
حج سے بھی سوا میری زیارت کا شرف ہے

۳۵

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری
حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری
ناجی ہے جو مرتا ہے اطاعت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
ہم جس سے پھرے سب کی نگاہوں سے پھرا وہ
جو ہم سے پھرا کعبۂ ایماں سے پھرا وہ

۳۶

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی
قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرور عالی
مہماں ہوں غریبوں کے یہ انصار موالی
فخر اس کا ہے رخ آپ کا جس وہ کی طرف ہو
عزت ہو تو مُردوں کی جو زندوں کا شرف ہو

۳۷

سرسبز زراعت بھی ہے جھیلیں بھی ہیں پُرآب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے نایاب
میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دے دینے میں صرفہ نہ کریں گے

۳۸

گھر چھوڑ کے اب آپ کہاں جاتے ہیں مولا
خادم انھیں قدموں سے شرف پاتے ہیں مولا
یہ کیا ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں مولا
سب آپ کا صدقہ ہے جو ہم کھاتے ہیں مولا
خالی ہو جو دنیا قدم سرورِ دیں سے
دانا کبھی برسوں میں نہ پیدا ہو زمیں سے

۳۹

رکھے جو قدم اس پہ امامِ دوسرا نے
ایک دانے کو سَو سَو جو خدا دیتا ہے دانے
بخشی برکت خاک کے طبقے کو خدا نے
بینا ہو تو سمجھے اسے دانا ہو تو جانے
جو دل سے بھلا دیتا ہے حق آلِ نبیؐ کے
بجلی بھی جو گرتی ہے تو خرمن پہ اسی کے

۴۰

اللہ نے چشمے ہیں جو کئے خلق میں جاری
منھ آپ پھرا لیں تو زمیں خشک ہو ساری
سب یہ ہے کرم آپ کا اے خاصۂ باری
صحرا کی طرف رُخ نہ کرے ابرِ بہاری
باغوں میں کوئی پھول نہ پتا نظر آئے
کوسوں کہیں جنگل میں نہ سبزہ نظر آئے

۴۱

یہ عجز یہ الطاف ہے اس جاہ و حشم پر
تنہا یہ ترحم یہ عنایت نہیں ہم پر
وہ قطع ہو جو ہاتھ اُٹھے شاہِ اُمم پر
مہمان ہیں دنیا میں سب اس خوانِ کرم پر
نور آپ جو بخشیں تو ستارے بھی قمر ہوں
اس گھر کی طفیلی میں ملک ہوں کہ بشر ہوں

۴۲

وہ کون ہے ان ہاتھوں سے جو پا نہیں جاتا
گھر اس کے پہونچتا ہے جو کچھ کھا نہیں جاتا
خالی کوئی اللہ کا بندہ نہیں جاتا
دشمن بھی جو آتا ہے تو بھوکا نہیں جاتا
درباں کوئی روکے یہ وہ سرکار نہیں ہے
کافر ہے جو اس گھر کا نمک خوار نہیں ہے

۴۳

گھر جتنے ہیں مولا کے غلاموں کے وہ گھر ہیں
ہم بندے ہیں اور آپ محمدؐ کے پسر ہیں
کھینچے کوئی تلوار تو ہم سینہ سپر ہیں
جانیں ہیں تصدق تو فدا قدموں پہ سر ہیں
اشراف ہیں صادق ہیں وفادار ہیں مولا
اس وہ کے زن و مرد وفادار ہیں مولا

۴۴

عورات بھی ہیں فاطمہؑ کے نام پہ قرباں
فخر اس کا ہے جو زادہ ہو جس قوم کا مہماں
کیا دخترِ زہراؑ کی زیارت کا ہے ارماں
فضہ کو بھی تکلیف نہ ہو ان کو ہے یہ دھیاں
ہوگا وہی شہزادیاں جو منھ سے کہیں گی
سب بیبیاں زینبؑ کی کنیزی میں رہیں گی

۴۵

فرماتے تھے حضرت تمھیں خالق رکھے آباد
کیا اپنی تباہی کہوں میں بے کس و ناشاد
دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد
رو دو گے مفصل جو سنو گے مری روداد
در پیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

۴۶

جائے گا اسی سمت یہ مظلوم مسافر
بستی ہو کہ جنگل وہی ہے حافظ و ناصر
منزل ہے معین جو ازل سے مری خاطر
آتا ہے محرم یہ مہینا بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبیؐ کو
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی کو

۴۷

ہر چند کہ لو چلتی ہے اٹھتے ہیں بگولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھو لے
اشجار خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
تم لوگوں کی ایسی نہیں الفت کہ جو بھولے
موت آئی تو بر میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آ کے رہیں گے

۴۸

ان سب سے یہ فرما کے چلے سیدِ ابرار
پھرتے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار
روتے ہوئے بستی میں گئے اپنی وہ دیں دار
بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار
گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

۴۹

اس بن میں چلے جاتے تھے مولائے خوش اطوار
پہونچی جو قریبِ فرسِ سیدِ ابرار
ہرنی ہوئی اک دور سے ناگاہ نمودار
ہاتھوں کو زمیں پر وہ پٹکنے لگی اک بار
پیدا تھا غم و درد و الم اس کی صدا سے
کچھ کہتی تھی گویا پسرِ شیرِ خدا سے

۵۰

قرباں کبھی ہوتی تھی شہِ عرش نشیں پر
رکھتی تھی اٹھا کر کبھی سم دامنِ زیں پر
جھک کر کبھی ماتھے کو رگڑتی تھی زمیں پر
آنکھیں کبھی ملتی تھی وہ پائے شہِ دیں پر
پایا تھا زبس عقدہ کشا اہلِ عبا کو
ہونٹوں سے پکڑ لیتی تھی دامانِ عبا کو

۵۱

نزدیک تھے بیٹے جو کئی شیرِ خدا کے
ہنس دیتے تھے شہ ہاتھ کو ماتھے پہ پھرا کے
ایک ایک کا منہ تکتی تھی دشت میں وہ آ کے
رم کرتی نہ تھی خلق کے سرتاج کو پا کے
علم اس کا کسی اور کو کیوں کر ہو جہاں میں
کچھ کہتے تھے حضرت اسی ہرنی کی زباں میں

۵۲

عباس سے ارشاد کیا آپ نے مڑ کر
اس شیر نے کی عرض کہ اے نائبِ حیدرؑ
تم جانتے ہو مجھ سے جو کہتی ہے یہ مضطر
جانے کوئی کیا غیرِ دل و جانِ پیمبرؐ
سمجھے یہ زباں وہ جو امامِ دو جہاں ہو
عقدہ یہ وہ کھولے جو سلیمانِ زماں ہو

۵۳

جنات ہوں، احرار ہوں، ہوں یا کہ ذوالاکرام
اک بات میں بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے سب کام
دم بھرتے ہیں مولا کی عطا کا صبح و شام
عالم کا وسیلہ ہے شہنشاہ خوش انجام
سب اس درِ دولت پہ جھکائے ہوئے سر ہیں
دنیا میں اگر ہیں متمرد تو بشر ہیں

۵۴

مور و ملخ و گرگ و غزال و فرس و شیر
کی جس نے جفا اس پہ چلی عدل کی شمشیر
سب آتے ہیں جب ہوتا ہے کچھ خلق میں اندھیر
فریاد رسی میں کبھی حضرت نے نہ کی دیر
بچ بچ گئے یاں ذبح سے جاں دادہ ہزاروں
چھٹ چھٹ گئے مرغانِ گرفتار ہزاروں

۵۵

دیکھے کوئی ہرن کو نہ وحشت ہے نہ رم ہے
اخلاق حسن ہے تو محمد کا کرم ہے
پہچانتے ہیں سب کہ یہ آہوئے حرم ہے
زائل نہیں ہوتا ہے وہ جو کچھ جسے غم ہے
اللہ رے شرف سبط رسول دوسرا کے
مالک تو خدائی کے ہیں بندے ہیں خدا کے

۵۶

مظلوم کو دنیا میں ملی داد اسی گھر سے
احرام ہوا بھی ہوئے آزاد اسی گھر سے
غمگیں بھی جو آیا وہ گیا شاد اسی گھر سے
آہو کی بھی آنکھوں پہ ہوا صاد اسی گھر سے
کھاتا ہے طمانچہ جو دلیر آتا ہے مولا
اس در پہ دبکتا ہوا شیر آتا ہے مولا

۵۷

اے لخت دل قاضیٔ شہباز کبوتر
مولائے جہاں نور خدا سبط پیمبر
حیوانوں کے قضیے یہیں فیصل ہوئے آکر
دنیا میں اگر ہے تو ہے عادل کا یہی گھر
ظالم کو سزائے شر و بیداد ملے گی
فریاد کو آئی ہے تو یاں داد ملے گی

۵۸

فرمایا خدا دے نہ کسی کو غم اولاد
کہتی ہے کہ اس دشت میں مجھ پر ہوئی بیداد
یاں آئی ہے فریاد کو یہ مضطر و ناشاد
مولا مرے بچے کو پکڑ لے گیا جلاد
بے کل ہوں طبیعت مری جینے سے ہٹی ہے
آقا مجھے یہ رات تڑپنے میں کٹی ہے

۵۹

ملتا نہیں حضرت مرے بچے کا ٹھکانا
سوجھے مجھے کس طرح چراگاہ میں جانا
پانی نہ بغیر اس کے خوش آتا ہے نہ دانا
اندھیر ہے مولا مری آنکھوں میں زمانا
بے تاب ہے دل خون ٹپکتا ہے جگر سے
میں چوکڑی بھولی ہوئی ہوں چار پہر سے

۶۰

جان آئے جو کھوئے ہوئے بچے کو میں پاؤں
صیاد کے گھر کس کے وسیلے سے میں جاؤں
کس دیس سے کس بن سے اسے ڈھونڈ کے لاؤں
شق چھاتیاں ہوتی ہیں کسے دودھ پلاؤں
جیتی رہوں یہ وہ ستم و جور نہیں ہے
اب تو کوئی بچہ بھی برا اور نہیں ہے

۶۱

اس رات کو باپ اس کا سحر تک نہیں سویا
کہتا تھا کہ تو آپ ہے آرام کا جویا
پٹکا کبھی سر کو، کبھی تڑپا، کبھی رو دیا
غافل ہوئی ایسی کہ جگر بند کو کھویا
جائے گی سحر کو تو اس گھر میں نہ آنا
بچہ نہ ملے گا تو مرے گھر میں نہ آنا

۶۲

کیوں تو نے سزا دور چلے جانے کی پائی
ساری یہ مصیبت تری غفلت نے دکھائی
کیا کام ہے اب گھر میں مرے کس لئے آئی
یاں سے تو اسے لے گئی اور ساتھ نہ لائی
چھوڑا تجھے جنگل میں الگ جا کے مروں گا
اب سر کو پہاڑوں سے میں ٹکرا کے مروں گا

۶۳

سایہ بھی نہیں دوپہر اب ڈھلتی ہے آقا
کب دیکھئے یہ سر سے بلا ٹلتی ہے آقا
ہیں دھوپ میں آپ اور زمیں جلتی ہے آقا
میرے تو کلیجہ پہ چھری چلتی ہے آقا
فریاد اسی دشت پر آفت میں لٹی ہوں
بچے سے بھی آہو سے بھی گھر سے بھی چھٹی ہوں

۶۴

بن میں اسے میں ڈھونڈتی پھرتی تھی بصد یاس
جنگل میں ہے فخرِ خضر و عیسٰی و الیاس
اک آہوئے صحرا نے کہا کچھ نہیں وسواس
فریادی ہو جا کے پسرِ فاطمہ کے پاس
صحرا سے کہیں بادِ بہاری نہ نکل جائے
جا جلد کہ مولا کی سواری نہ نکل جائے

۶۵

شہزادوں کو دنیا میں سلامت رکھے اللہ
حیوانوں کو دل بند کی ہوتی ہے بہت چاہ
اولاد کی اُلفت سے تو خوب آپ ہیں آگاہ
اللہ مدد کر مرے اے ابنِ ید اللہ
بچھڑے ہوئے دلبر سے مجھے جلد ملا دے
اصغرؑ کا تصدق مرے بچے کو دلا دے

۶۶

دے گا مجھے صیاد جو بچہ مرا لا کے
بچ جائے گا صدقے میں امامِ دوسرا کے
میں پیار کروں گی اسے چھاتی سے لگا کے
دے دوں گی اُسی شخص کو پھر دودھ پلا کے
دم بھر بھی جو شکل اس کی نظر آئے گی مولا
تسکین تو کچھ قلب کو ہو جائے گی مولا

۶۷

فرما کے یہ صیاد کے گھر پھر گئے سرور
گھر سے نکل آیا تو وہ بولے شہِ صفدر
ہرنی بھی گئی ساتھ سراسیمہ و مضطر
اس بچۂ آہو کو یہاں چھوڑ دے لا کر
حسرت اسے دودھ اس کو پلانے کی پڑی ہے
بچہ وہ اسی کا ہے یہ ہرنی جو کھڑی ہے

۶۸

صیاد ہوا شہ کی طرف دیکھ کے ششدر
دوڑا گیا اور گود میں بچے کو اٹھا کر
دل میں کہا مقبول ہے یہ بندۂ داور
لایا تو اسے چھوڑ دیا ماں کے برابر
منہ بچے کے چہرے سے ملانے لگی ہرنی
بو سونگھ کے دودھ اسکو پلانے لگی ہرنی

۶۹

جب سیر ہوا دودھ سے مادر کے وہ بچا
صیاد سے فرمانے لگے سیدِ والا
ہرنی نے اسے چھوڑ کے منہ شاہ کا دیکھا
دے بچۂ آہو مجھے اور لے عوض اس کا
جس چیز کی خواہش ہو ابھی تجھ کو منگا دوں
بچہ اسے دے دوں تجھے بخشش کی دعا دوں

۷۰

دنیا میں بشر دل کو کسی کے نہ ستائے
کیا جانیے کب کوچ ہو کس دم اجل آئے
لازم ہے کہ پاک آیا ہے اور پاک ہی جائے
ہم خوش ہوئے تو حق سے جزا خیر کی پائے
ربِ دو جہاں گھر ترا آباد رکھے گا
بھائی ترے بچوں کو خدا شاد رکھے گا

۷۱

منظور نظر ہے کہ نہ غمگیں ہو یہ حیوان
میں اور مرا گھر آپ کے الطاف کے قربان
بولا وہ کہ بخشا اسے میں نے بہ دل و جان
ہرنی سے یہ فرمانے لگے سرورِ ذی شان
بس اب مری جانب نہ بہ حسرت نگراں ہو
لے بچے کو لے کر طرف دشت رواں ہو

۷۲

آنکھوں سے لگا کر قدمِ سیدِ ابرار
کچھ بولتی جاتی تھی مگر راہ میں ہر بار
بچہ لیے راہی ہوئی ہرنی سوئے کہسار
سب نے کہا کیا کہتی ہے اب یہ جگر افگار
فرمایا عوض خیر کا ہے خیر جہاں میں
دیتی ہے دعائیں یہ مجھے اپنی زباں میں

۷۳
کہتی ہے کہ اے احمدؐ مختار کے جائے
اللہ سے تو اس کی جزا خلق میں پائے
خالق ترے بچھڑے ہوؤں کو تجھ سے ملائے
غربت میں بلا کچھ ترے بچوں پہ نہ آئے
ہے لطف و کرم ختم گھرانے پہ علیؑ کے
قربان غزال حرم لم یزلی کے

۷۴
کیوں اہلِ عزا رحم کا حضرت کے سنا حال
مارے گئے کس ظلم سے اس شاہ کے اطفال
حیواں پہ بھی کرتا تھا کرم فاطمہؑ کا لال
نازک کئی بچے صفتِ گل ہوئے پامال
اکبرؑ تو جواں تھا اسے شمشیر سے مارا
اصغرؑ کی خطا کیا تھی جسے تیر سے مارا

۷۵
کیسے وہ مسلماں تھے کہ کچھ رحم نہ آیا
حضرت نے تو یوں بچۂ آہو کو بچایا
بے شیر کو مرتے ہوئے پانی نہ پلایا
زنداں سے سکینہؑ کو کسی نے نہ چھڑایا
بسمل سی تڑپتی رہی وہ قیدِ محن میں
مرجانے پہ بھی ننھی سی گردن تھی رسن میں

۷۶
اعجاز اسی طرح دکھاتے ہوئے شبیرؑ
گر شام کو ٹھہرے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
جاتے تھے بہ صد شوق سوئے نیزہ و شمشیر
ہر دم یہ دعائیں تھیں کہ اے مالکِ تقدیر
کشتی مری طوفاں میں ہے ساحل نظر آئے
مشتاق ہے دل جس کا وہ منزل نظر آئے

۷۷
خورشید درخشانِ امامت ہے سفر میں
احباب وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں
گردش نظر آتی ہے نظر دورِ قمر میں
صغرا کے بچھڑ جانے کا بھی درد جگر میں
تشویش سے منہ قافلے والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسفِ زہراؑ کو قلق ہے

۷۸
وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو پائیں
یہ دھوپ میں شدت تھی کہ جلتی تھیں زبانیں
اٹھتا تھا دھواں ان سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

۷۹
چہروں پہ جوانانِ علیؑ رو کے تھے ڈھالیں
گرمی سے وہ کیوں کر نہ زبانوں کو نکالیں
لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
دھوپ اُن پہ جھپٹیں سایہ میں سیدانیاں پالیں
اللہ ری تپ و تاب بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

۸۰
مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر میں
نہ بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
جلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

۸۱
پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے
ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
دھڑکا تھا کہ یہ لو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

۸۲

تھا ہجر کی حدّت سے یہ حالِ شہِ ابرار
تحمید میں جنباں تھے لبِ لعل گہر بار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سُرخ تھے رخسار
بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہرا کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

۸۳

گرمی سے یہ تھا حضرتِ عباسؑ کا عالم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو راحت تمھیں بھائی نہ ملے گی
جب تک کبھی دریا کی ترائی نہ ملے گی

۸۴

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینے میں نہائے
جب پھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
جیسے تپِ محرق میں جواں کو عرق آئے
ربِّ دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گذرے گا ہر اک دم تپشِ دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہوں گے عرق میں

۸۵

حضرت کو سکینہ یہ صدا دیتی تھی پیہم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم
محمل میں گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
برسے گی یوں ہی آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہے ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیے بابا

۸۶

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباس
لو پانی پیو تجکو لگی ہو جو بہت پیاس
کہتے تھے چچا صدقے ہو روؤ نہ بصد یاس
دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

۸۷

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گلِ تر سے
تم کیا ابھی واقف ہو صعوبات سفر سے
گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کے لئے ترسے
مجبور ہوں کچھ بن نہیں آتا ہے سکینہ
نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہ

۸۸

مشکیں لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بہ سرِ راہ
پھرلاتے تھے پانی پئے فوجِ شہِ ذی جاہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہوا خواہ
جنگل میں عطش کا تھا جو صدمہ رخِ شہ پر
چہرے پہ چھڑکتا تھا کوئی کوئی زرہ پر

۸۹

بھرتا تھا دمِ سردِ پریشاں کوئی ہو کے
بچتا تھا کوئی لُو سے ردا چہرہ پہ روکے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ آ کوئی دھو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

۹۰

کہتے تھے قریب ناقوں کے آکر شہِ ابرار
آندھی سے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہیں ہر بار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
اے بنتِ یداللہ سکینہؑ سے خبردار
رستا یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچوں کو چھپا لے رہو لو آج بڑی ہے

۹۱

محل سے نظر کر کے ید اللہ کی جائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی
فریاد بہن دھوپ میں سنولا گئے بھائی
کیا بن گئی جنگل میں امام دوسرا پر
سایہ بھی درختوں کا نہیں ظلِ خدا پر

۹۲

صدقے گئی جنگل کو نہ اب دھوپ میں چلیے
دن کاٹیے سایے میں کہیں رات کو چلیے
منہ دھوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے
لو چلتی ہے آفت کے پہاڑوں سے نکلیے
ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مر جائے تو کیا ہو

۹۳

غربت کی جفائیں یوں ہی سہتے ہوئے دن رات
طے راہ خدا کرتے تھے شبیر خوش اوقات
ہو جاتی تھی جس مرد مسافر سے ملاقات
گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سر راہ ہے بھائی
کوفے کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

۹۴

وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا
ہر سمت ہیں فتنے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا
دوران کا ہے. کچھ جس کو مروت نہیں اصلا
ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا
ٹوٹا ہے فلک ظلم کا شیعوں کے سروں پر
جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پر

۹۵

اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے
دروازے نہیں کھولتے لٹ جانے کے ڈر سے
ہو جاتی ہے جب شام تردد میں سحر سے
سب کرتے ہیں سجدے کہ بلا ٹل گئی سر سے
یہ ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر
سولا یہ تباہی ہے حسینؑ ابن علی پر

۹۶

گھر گھرتے ہیں بستی میں یہ بدعت ہے یہ بیداد
ویراں ہیں جو تو گھر تو کہیں ایک ہے آباد
پھرتے ہیں مکانوں کے مکیں مضطر و ناشاد
حاکم ہے وہ مغرور کہ سنتا نہیں فریاد
کوچے بھی اجڑ جانے سے بے ربط ہوئے ہیں
جو بھاگ گئے تھے ان سب کے مکاں ضبط ہوئے ہیں

۹۷

کچھ خوف سے مخفی ہیں گرفتار ہیں کچھ لوگ
بگڑے ہوئے آمادۂ پیکار ہیں کچھ لوگ
کوفے سے نکل جانے پہ تیار ہیں کچھ لوگ
کچھ قتل ہوئے ہیں پہ سردار ہیں کچھ لوگ
بے جرم ستاتے ہیں محبانِ علیؑ کو
غل ہے کہ چھپائے نہ کوئی گھر میں کسی کو

۹۸

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر
ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کس پر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر
ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سناں بھی تبر بھی
رخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

۹۹

گھبرا کے یہ اس شخص سے بولے شہِ مظلوم
بھائی تجھے مسلمؑ کا بھی کچھ حال ہے معلوم
ایسا نہ ہو رہ جائیں ملاقات سے محروم
اس نے کہا میں واں سے چلا تھا تو یہ تھی دھوم
بے قتل سواروں کو نہ آرام ملے گا
مسلمؑ کا جو سر لائے تو انعام ملے گا

۱۰۰

کوچوں میں منادی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
گھر میں کوئی مجرم کو چھپائے نہ خبردار
بھاگا ہے کل اک مسجد کوفہ سے گنہگار
آفت ہے محلّوں میں بپا بند ہیں بازار
بچنے کا نہیں درپئے جاں دشمن دیں ہیں
مسلم کہیں پوشیدہ ہے فرزند کہیں ہیں

۱۰۱

آشوب ہے اس شہر میں اے خلق کے سرتاج
کیا کیا شرفا نانِ شبینہ کو ہیں محتاج
جو دیں کے ستوں تھے وہ مکاں ہو گئے تاراج
کل قتل ہوا وہ جو گرفتار ہوا آج
وہ خوش ہیں رعیت میں جو حاکم سے ملے تھے
پرسش ہے کہ کیا سوچ کے مسلم سے ملے تھے

۱۰۲

جس روز کہ ہانی کو ستمگار نے مارا
ایک ایک کے صدمے سے کلیجہ تھا دوپارا
عبرت تھی غضب شہر لرزتا رہا سارا
نہ ضبط کی طاقت تھی نہ فریاد کا یارا
دل پھنک رہے تھے آگ لگی تھی جگروں میں
فاقہ رہا دو روز محلے کے گھروں میں

۱۰۳

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مرد مسافر
منھ بھائی کا تکتے تھے شہِ صابر و شاکر
خاموش کھڑے سنتے تھے سب یاور و ناصر
وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ اس میں ہے نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

۱۰۴

مسلم سے بس اب یاس ہے یا حضرتِ شبیر
غدار ہیں بدعہد ہیں مرتد ہیں وہ بےپیر
افسوس کہ پردیس میں بیوہ ہوئی ہمشیر
اب کوفے میں چمکے گی یداللہ کی شمشیر
یہ معرکہ دیکھے گا وہ جو زندہ رہے گا
خوں تا بہ کمر دار امارہ میں بہے گا

۱۰۵

پردیس میں ہونا تھا انھیں خاک کا پیوند
ہر طرح گذر جائیں گے یہ بھی نفس چند
جو مرضیِ حق ہم ہیں بہرحال رضامند
ہم ہوں کہ مسلم ہوں برادر ہوں کہ فرزند
یاور ہیں تو کیا ہیں جو یگانے ہیں تو کیا ہیں
سب ناخنِ پائے شہِ والا پہ فدا ہیں

۱۰۶

مسلم کا خوشا اوج زہے بخت جیے رائے
ایذا بھی زیادہ ہوئی رتبے بھی بڑے پائے
زندہ ہے وہی راہ محبت میں جو مرجائے
وہ کام کا ہے کام پہ مولا کے جو مرجائے
لاکھوں سے لڑے نام کیا تیغ زنی میں
داخل ہوئے دربار رسولِ عربی میں

۱۰۷

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہِ فلک جاہ
مشہور یہ ہے عمرِ سفر ہوتی ہے کوتاہ
جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جاں کاہ
پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھلے جاتے تھے شبیر

۱۰۸

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی
راہی ہوئے پھر دھوپ جو بالائے سر آئی
جب آئی خبر راہ میں وحشت نظر آئی
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ مُوا وہ
جس دوست سے پوچھا یہ سُنا قتل ہوا وہ

۱۰۹

پانی کے لئے روئے عزیزوں سے فزوں تر — آنسو نہ تھا قتل کی افتاد کو سنکر
اس طرح کیا ماتم عبد اللہ بقطر — جس طرح کہ روتا ہے برادر کو برادر
ہوتا ہے غریبوں کا تاسف غربا کو — روتے ہیں یوں ہی اہل وفا اہل وفا کو

۱۱۰

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں — آبہو نہ تھی ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سونلائے ہوئے دھوپ میں منھ خشک زبانیں — اللہ کے جو نور ہوں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کونسی ایذا ہے جو در پے نہیں ہوتی — بے خار الم راہ خدا طے نہیں ہوتی

۱۱۱

اس راہ میں سالک کوئی دم تھم نہیں سکتے — کہتے ہیں ملائک بھی کہ ہم تھم نہیں سکتے
گر ہاتھ بھی تھامے تو قدم تھم نہیں سکتے — سختی ہے کہ ارباب ہمم تھم نہیں سکتے
پھر راہ میں کس طرح ڈگمگے پاؤں کسی کا — جب قافلہ سالار نواسہ ہو نبی کا

۱۱۲

جب منزل عاجز سے بڑھے سبط پیمبر — آئی یہ مفصل خبر مسلمؑ بے پر
دنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر — فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے پر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں — خندق میں تو لاش انکی ہے سر قلعہ کے در میں

۱۱۳

رنگ اُڑ گیا رخساروں سے تھرانے لگے شاہ — اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یہ رحمۃ اللہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ — برپا ہوئے خیمے وہیں اُترے شہ ذی جاہ
لشکر پہ اُداسی تھی غریب الغربا کے — سب روتے تھے رونے پہ امام دوسرا کے

۱۱۴

فرماتے تھے شبیر ہائے مرا بھائی — مقتول جفا صابر و شاکر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی — الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلا شک نہیں پایا — قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

۱۱۵

اللہ رے سلم کے جگر بندوں کی زاری — ہوش آیا کئی بار غش آیا کئی باری
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری — کونے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش کہ جلاتی ہے جگر کو — دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

۱۱۶

اس قافلے میں رونے کا اک شور ہوا جب — گھبرا گئے ناموس رسول عربی سب
غل پڑ گیا پردیسیوں کی خیر ہو یا رب! — دوڑی گئی سر کھولے در خیمہ پہ زینبؑ
چلاتے تھے کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو — کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو

۱۱۷

صغراؑ کو لیے کہتی تھی بانوئے دل افگار — میرا تو جگر منھ کو چلا آتا ہے ہر بار
اے بیبیو صغراؑ کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار — یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر شہ ابرار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو — کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

۱۱۸

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلمؑ تھی کھُلے سر
جلتی ہے چھری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر
کہتی تھی غضب ہوگیا اے شاہ کی خواہر
میں رانڈ ہوئی لُٹ گیا کوفے میں مرا گھر
دو بچوں کی دنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ ایلچیِ شاہ کے مرنے کی خبر ہے

۱۱۹

یہ غل تھا کہ حضرت نے کہا خیمہ میں آکر
مسلم سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر
اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مارا ستم ایجادوں نے تنہا اُنھیں پا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

۱۲۰

جس وقت یہ خیمہ میں غضب کی خبر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کی چادر اُتر آئی
ناموسِ محمدؐ پہ قیامت نظر آئی
واں کوئی گئی پیٹتی کوئی ادھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلم کے بیاں پر

۱۲۱

وہ بَین نبی زادیوں کے اور وہ ماتم
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم
مقتول کی بیوہ کو غش آجاتا تھا ہر دم
ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سوم کرکے روانہ ہوئے واں سے

۱۲۲

منزل پہ اِدھر کوفے سے تھے سیدِ ابرار
کچھ نیزوں کی نوکیں نظر آئیں تو کچھ اسوار
جو ایک طبق گرد اُٹھا دشت سے اک بار
اکبرؑ نے کہا فوج کی آمد کے ہیں آثار
گھوڑوں سے زمیں ہلتی ہے اک شور بپا ہے
آوازیں یہ زرہوں کی ہیں ٹاپوں کی صدا ہے

۱۲۳

عباسؑ نے کی عرض کہ ہم دیکھنے جائیں
فرمایا یہ کیا ہیں جنھیں ہم دھیان میں لائیں
ارشاد ہو مولا کا تو یہ آنے نہ پائیں
جاتے ہیں تو جائیں اِدھر آتے ہیں تو آئیں
کیا غم جو نہ تابع نہ ملازم ہو کسی کا
فوجوں سے وہ ڈرتا ہے جو مجرم ہو کسی کا

۱۲۴

شر اپنی طرف سے نہ ہو مطلب ہے یہ سارا
غربت میں ہمیں آب ہے دُنیا سے کنارا
اُمت جو کرے خیر تو یہ بھی ہے گوارا
شاید کہیں اس فوج میں ہو دوست ہمارا
لازم ہے مدارات گدا ہو کہ غنی ہو
وہ کیجے کہ دشمن کی نہ خاطر شکنی ہو

۱۲۵

جس کا تمھیں اندیشہ ہو یہ وہ نہیں صحرا
یاں ہے وہ ترائی نہ وہ ریتی نہ وہ دریا
پہچانتا ہوں خوب اسے اے مرے شیدا
رستہ ہے یہ فوجیں ہوں کہ لشکر ہو ہمیں کیا
رہ گیر ہیں آتے ہیں تو خیر آنے دو ان کو
تم روک لو باگوں کو نکل جانے دو ان کو

۱۲۶

انبوہ کا غل سن کے نہ سیدانیاں گھبرائیں
ٹھہریں وہیں گر کوہ کے دامن میں جگہ پائیں
جمّالوں سے کہہ دو کہ الگ ناقوں کو لے جائیں
ناقے بھی تھکے ماندے ہیں دم لے لیں ہوا کھائیں
جا خوب ہے حیواں بھی نہ تکلیف سہیں گے
رہ جائے گا دن کم تو یہیں آج رہیں گے

۱۲۷

ناگاہ قریب آگیا جنگی وہ رسالا
گھوڑوں سے ہوا سبزۂ صحرا تہ و بالا
بھالوں کو اُدھر فوجِ خدا نے بھی سنبھالا
سب رُک گئے وہ آپ بڑھے جب شہِ والا
مولا نے سوئے فوج نظر کی جو ٹھہر کر
مُجرا کیا سردار نے گھوڑے سے اُتر کر

۱۲۸

فرمانے لگے تب بہ محبت شہِ ذی جاہ
آتا ہوا کس سمت سے اے بندۂ اللہ
کی عرض کہ اے خلقِ دو عالم کے شہنشاہ
آتا ہے ادھر کوفے کی سرحد سے ہوا خواہ
سب کچھ مرے لشکر میں ہے پر آب نہیں ہے
پیاسا ہوں تکلم کی مجھے تاب نہیں ہے

۱۲۹

رستہ میں کنواں کوئی نہ چشمہ نظر آیا
جس چاہ پہ گرمی میں گئے خشک ہی پایا
اس دھوپ میں ہے ابرِ کرم آپ کا سایا
اب چشمۂ کوثر پہ مقدر مجھے لایا
کیا عرض کروں جو تپشِ دل سے تعب ہے
فیاض کی سرکار سے پانی کی طلب ہے

۱۳۰

سب ایک ہزار اس مرے لشکر میں ہیں رہوار
پر پیاس سے اب تاب کسی میں نہیں زنہار
کچھ رہ گئے کچھ بسقط ہوئے راہ میں رہوار
پیاسوں میں تلاطم ہے عجب یا شہِ ابرار
ہر شے کی حیات اے مرے مولا ہے اسی پر
پانی کی نہ تکلیف ہو دنیا میں کسی پر

۱۳۱

اس دھوپ میں مر جائے گا لشکر مرا سارا
چشمہ ہے نہ بڑکا ہے نہ دریا کا کنارا
اب ہے تو اسی بحرِ کرم کا ہے سہارا
اے ساقیٔ کوثر کے پسر پیاس نے مارا
اب بات کسی سے نہیں کی جاتی ہے مولا!
ہر بار زباں منھ سے نکل آتی ہے مولا

۱۳۲

فریاد جو کی حُر نے بہ صد اشک فشانی
گھبرا کے یہ بولا اسد اللہ کا جانی
حاضر ہے وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہے پانی
آ اے حُرِ دیں دار بُجھا تشنہ دہانی
ہم دوست کی تکلیف گوارا نہیں کرتے
پانی کو تو کافر بھی پیارا نہیں کرتے

۱۳۳

عباس سے فرمایا کہ سقّوں کو بلاؤ
ناقوں پہ جو سیراب ہیں شربے انھیں لاؤ
قاسم سے کہا چھاگلیں تم لینے کو جاؤ
اکبر سے کہا جلد پکھالوں کو منگاؤ
یہ قافلہ سب دھوپ میں لب تشنہ کھڑا ہے
دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس میں بڑا ہے

۱۳۴

یہ سنتے ہی دوڑے شہِ والا کے ہوا خواہ
مجمع ہوا سرکار کے سقّوں کا سرِ راہ
اک جام بھرے دستِ مبارک پہ بڑھے شاہ
جلد آگئے پکھالیں لیے عباس فلک جاہ
کی جب کہ نظر لطفِ شہِ جن و بشر پر
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر

۱۳۵

حُر کو شہِ والا نے دیا پانی کا ساغر
سیراب ہوا جب تو پکارا وہ دلاور
صدقے ترے اے لختِ جگر ساقیٔ کوثر
ٹھنڈا جگر و قلب ہوا روح معطر
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

۱۳۶

مجمع ہوا پھر گردِ شہنشاہ خوش انجام
مصروف تھے اک سمت علیؑ اکبر گل فام
بٹنے لگے پھر پیاسوں کو پانی کے بھرے جام
تقسیم ادھر کرتے تھے عباسؑ نکو نام
فرزند بھی حیدر کے نواسے بھی ہم تھے
اک جا تھی سرچشمۂ دریائے کرم تھے

۱۳۷

چلاتے تھے سقے کہ جو پیاسا ہو وہ آئے
عمانِ کرم سب ہیں ید اللہ کے جائے
ٹھنڈا کرے گرمی میں جگر پیاس بجھائے
دریا نے بھی یہ دست کشادہ نہیں پائے
دم میں مسِ و آہن کو زر و سیم کریں گے
اک دن یوں ہی کوثر کو بھی تقسیم کریں گے

۱۳۸

اُس پیاس میں اس دھوپ میں جو ہوتا تھا سیراب
دنیا میں یہ زہراؑ کی زراعت رہے شاداب
کرتا تھا دعا ہاتھ اُٹھا کر بصد آداب
پامال جو دشمن ہوں تو سیراب ہوں احباب
اللہ رے کرم پیاس کے ماروں کو جلایا
دم بھر میں مسیحا نے ہزار دل کو جلایا

۱۳۹

جان آگئی جس وقت بجھی تشنہ دہانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
گویا کہ بلا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہے خدا کی

۱۴۰

انساں جو ہٹے جانوروں کی ہوئی باری
سرگرم تھا بخشش میں جو وہ خاصۂ باری
اک چشمۂ حیواں ہوا پھر دشت میں جاری
برساتا تھا بارانِ کرم ابرِ بہاری
غل تھا کہ عجب رحم ہے زہراؑ کے پسر میں
پیاسوں کے لئے بحر کو لے آئے ہیں بر میں

۱۴۱

جب بادیۂ و طاس لگن ہوتا تھا خالی
سیراب تھے گھوڑے بھی زہے ہمتِ عالی
بھر دیتے تھے پھر سبطِ پیمبرؐ کے موالی
خود پانی پلاتا تھا وہ کونین کا والی
ہر دم کرمِ حضرتِ باری تھا زمیں پر
اک فیض کا دریا تھا کہ جاری تھا زمیں پر

۱۴۲

جتنے تھے اُلاغ و شتر و قاطر در ہوار
کپڑوں کو ہوا دینے لگے شاہ کے انصار
سیراب ہوئے سب تو پھرے سیدِ ابرار
ساتھ آئے یہ کہتے ہوئے انصار خوش اطوار
پیاسے نہ اب اشتر ہیں نہ شبدیز ہیں مولا
دو چار پکھالیں ابھی لبریز ہیں مولا

۱۴۳

ہم شکل پیمبر نے یہ کی عرض کہ حضرت
کثرت تو یہ کچھ پیاسوں کی پانی کی یہ قلت
لاریب کہ ذات آپ کی ہے آیۂ رحمت
سیراب ہوئے سب یہ ہے اعجاز و کرامت
ممنون ہر اک تا بہ لبِ گور رہے گا
اس پانی پلانے کا بھی اک شور رہے گا

۱۴۴

فرمانے لگے سر کو جھکا کر شہِ عالم
اس بحرِ کرم کا ہے مگر شکر مقدم
میں کیا کہوں ہے سب کرمِ خالقِ اکرم
پیاسے تھے بہت اور یہ پانی تھا بہت کم
بات آج دو عالم کے شہنشاہ نے رکھ لی
غربت میں مری آبرو اللہ نے رکھ لی

۱۴۵

وہ چاہے تو اک قطرے کو دریا ابھی کردے
چشمہ جو ہو پنہاں اسے پیدا ابھی کردے
ذرّوں کو صدف کے دُرِ یکتا ابھی کردے
جس ہاتھ کو چاہے یدِ بیضا ابھی کردے
گر اوج وہ بخشے تو زمیں عرش بریں ہو
ذرے پہ کرے مہر تو خورشید بریں ہو

۱۴۶

فرما کے یہ گریاں جو ہوئے سیدِ والا
حُر نے کہا مولا کے یہ رونے کا سبب کیا
فرمایا کہ دل نرم ہے اولادِ نبی کا
روتا ہوں کہ تم سب کو ہوئی پیاس کی ایذا
ذکر اس کا مناسب نہیں صدمہ ہے جو مجھ پر
حال اس سے مرے رونے کا کھل جائیگا تجھ پر

۱۴۷

واقف نہیں تو اس سے یہ ہے رازِ نہانی
سہنی ہے ہمیں بھی کئی دن تشنہ دہانی
ہم نے جنھیں الفت سے پلایا ہے یہ پانی
ہو جائیں گے اک روز یہی دشمنِ جانی
ہم نالہ و فریاد بھی ہر چند کریں گے
پانی مرے بچوں پہ بھی یہ بند کریں گے

۱۴۸

کھل جائے گا جب آئے گا جس دم وہ زمانا
اب کہہ تجھے یاں آج ٹھہرنا ہے کہ جانا
رہنا ہو تو شب کو بھی ملاقات کو آنا
ہمرہ نمک و نان جویں بھی ہمیں کھانا
حاضر ہے جو موجود ہے محتاج کے گھر میں
تجھ سے بھی وطن دور ہے ہم بھی ہیں سفر میں

۱۴۹

سر شرم سے نیوڑا کے یہ بولا حُرِ ذی جاہ
میں حاکمِ کوفہ کا فرستادہ ہوں یا شاہ
بہتر ہے کہ اب کوفے میں چلیے مرے ہمراہ
میں اور طرف جانے نہیں دینے کا واللہ
ہر چند غلامِ پسرِ شیرِ خدا ہوں
مامور ہوں اس پر کہ نہ حضرت سے جدا ہوں

۱۵۰

حُر سے یہ سخن سنتے ہی برہم ہوئے سرور
فرمایا کہ اس جانے سے مرجانا ہے بہتر
گھر کر نہیں جانے کا جگر بند پیمبر
لے کہہ دے کہ روکے مجھے سارا ترا لشکر
ڈرتے ہیں نہ تیروں سے نہ شمشیر سناں سے
بس ہم وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں زباں سے

۱۵۱

اس نے کہا لے جاؤں گا میں یا شہِ ابرار
فرمایا نہ جاؤں گا نہ جاؤں گا میں زنہار
یہ ردّ و بدل جب ہوئی آپس میں کئی بار
پاس آئے یہ کہتے ہوئے عباسِ علمدار
بے دیں ہے جو حکمِ شہِ خوش خو میں نہیں ہے
بس چُپ ہو زباں کیا ترے قابو میں نہیں ہے

۱۵۲

کرتا ہے یہ کس سے سخنِ بے ادبانہ
حیدر کا پسر احمدؐ مرسل کا یگانہ
ہوگا ترے پلے پہ اگر سارا زمانہ
کر دوں گا ابھی موت کے ناوک کا نشانہ
ڈالے گا اگر ہاتھ لجامِ شہِ دیں پر
سر ہوگا کہیں جسم کہیں ہوگا زمیں پر

۱۵۳

سرداروں سے کرتے ہیں اسی طور کی تقریر
لے جائے گا کس طرح نہیں جائیں گے شبیرؑ
کیا کوفے کے اور شام کے حکام کی توقیر
یہ دشمنِ ایماں ہے تو مرتد ہے وہ بے پیر
ہم شیر ہیں صحرا کے وہ نامرد ہے ظالم
ہے ایک شغال ایک سگِ زرد ہے ظالم

۱۵۴
یہ چند جو وحشی ہیں عرب کے ترے دنبال
کرّار کے دلبند ہیں سب صاحبِ اقبال
چھوٹے گا جو یک شیر تو ہو جائیں گے پامال
کر دیتے ہیں دم بھر میں زمیں خون سے یہ لال
تلوار ہیں لاکھوں کو رفاہ ان سے نہیں ہے
گردوں بھی سپر ہو تو پناہ ان سے نہیں ہے

۱۵۵
کچھ کہنے یہ تھا حر کہ پکارے شہِ ذی شان
تھرّا کے کہا حر نے کہ اے قبلۂ ایمان
کیا کہتا ہے بیٹھے ترے ماتم میں تری ماں
سرکار شہنشاہ سے عزت کا ہوں خواہاں
ذلت ہوئی اب منہ کسے دکھلاؤں گا مولا
میں اپنا گلا کاٹ کے مر جاؤں گا مولا

۱۵۶
کہتا یہ سخن منہ سے جو کوئی مرا ہمسر
ہیں رونقِ عرشِ خدا آپ کی مادر
لاتا وہیں نام اس کی بھی ماں کا میں زباں پر
صدّیقۂ و راضیۂ و مرضیۂ و اطہر
فضّہ کے غلاموں کا بھی رتبہ نہیں رکھتا
زہرا کہوں زہرا کو یہ زہرا نہیں رکھتا

۱۵۷
عباسؑ نے فرمایا کہ اے مردِ خوش انجام
عزت ہوئی آقا نے جو لونڈی کا لیا نام
بگڑے ہوئے اب حق نے بنائے ترے سب کام
غلمان غلامانِ شہنشاہِ ذوالاکرام
ایماں تجھے اس فاطمہ کے راحتِ جاں کو
بھائی ہوں یہ ہے فخر کنیزی مری ماں کو

۱۵۸
حر نے کہا میں بھی یہی رکھتا ہوں عقیدت
سن لے گا تو کیا جانیے کیا دے گا اذیت
پر جس کا ملازم ہوں وہ ہے بانیٔ بدعت
چھوڑے گا وہ سفاک نہ جان اور نہ عزت
کنبہ مرا آفت میں گرفتار رہے گا
نہ مال نہ فرزند نہ گھر بار رہے گا

۱۵۹
یہ عرض ہے مولا سے مقبول جو فرمائیں
راہی ہوں کسی اور طرف امن جہاں پائیں
نہ جائیں وطن پھر کے ادھر سے نہ ادھر آئیں
پھر جانے کا جھنجھلا کے زباں پر نہ سخن لائیں
بہتر ہے جو اس طور سے یہ مرحلہ سر ہو
پھر میں ہوں نہ بدنام نہ مولا کا ضرر ہو

۱۶۰
یہ سنتے ہی انصار سے فرمانے لگے شاہ
کی عرض طرماح نے اے فاطمہ کے ماہ
کیوں جانتا ہے تم میں سوا اس کے کوئی راہ
ہاں راہ ہے پرتلب ہے میں اس سے ہوں آگاہ
رد ہو گا اگر شر کوئی نااہل کرے گا
فرمایا بڑھ آگے کہ خدا سہل کرے گا

۱۶۱
پڑھتا رجز آگے بڑھا وہ مردِ دلاور
افسردہ و مغموم تھے رہوار پہ سرور
سب پیچھے چلا قبلۂ کونین کا لشکر
ہمراہ تھے ہتھیار سجے قاسم و اکبر
مجمع تھا یگانوں کا شہنشاہِ امم کے
اور بیچ میں سب فوج کے ناقے تھے حرم کے

۱۶۲
واں سے گئے جس دم کئی فرسخ وہ مسافر
جنگل سے نہ واقف نہ کوئی راہ سے ماہر
خورشید چھپا شب کی سیاہی ہوئی ظاہر
غل تھا کہ بس اب عمر کی مدت ہوئی آخر
غربت میں یہ گردش یہ تباہی نہیں دیکھی
ایسی کبھی آنکھوں سے سیاہی نہیں دیکھی

۱۶۳
تھی تُحر نہ شب تار کہ تارے بھی تھے مستور
اک پارہ ہے جس کا شب یلدا شب دیجور
دوڑے کہیں شبدیز نظر کا، تھا نہ مقدور
ہوتا نہ تھا ثابت کوئی نزدیک ہو یا دُور
حضرت پہ وہ اس بن میں بسر رات میں گذری
تکلیف سکندر پہ جو ظلمات میں گذری

۱۶۴
جب سورۂ واللیل میں گردوں نے سحر کی
صورت نظر آنے لگی زہرا کے قمر کی
حضرت نے یہ فرما کے سوئے شرق نظر کی
یہ رات بھی لو اس کی عنایت سے بسر کی
کیا فیض ہے کیا نور ہے کیا جلوہ گری ہے
ٹھہرو کہ یہی وقت نمازِ سحری ہے

۱۶۵
معبود یگانہ کا ادا کرکے دوگانا
صحرا سے ہوئے آپ بہ تعجیل روانا
واں پہونچے کہ جس بن میں نہ پانی تھا نہ دانا
ہاتف نے صدا دی کہ بس اب آگے نہ جانا
بڑھنے کا کسی اور طرف حکم نہیں ہے
وعدہ تھا جہاں کا یہ وہی پاک زمیں ہے

۱۶۶
بوسے دیے نعلین پہ اُٹھ اُٹھ کے زمیں نے
سجدہ کیا گھوڑے سے اُتر کر شہِ دیں نے
محمل سے جو دیکھا یہ ہر اک پردہ نشیں نے
سر پیٹ لیا زینبِ ناشاد و حزیں نے
چلائی میں واقف ہوں جو انجام ہے یاں کا
پوچھو ارے لوگو کوئی کیا نام ہے یاں کا

۱۶۷
یہ کہہ کے بلکتی تھی ید اللہ کی جائی
جو گریۂ زہرا کی صدا دشت سے آئی
زینبؑ نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی
یہ کون سی بی بی ہے جو دیتی ہے دُہائی
کیا غل ہے بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا
کس کا وہ چمن ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

۱۶۸
خواہر سے تسلی کا سخن کان میں کہہ کر
دریا پہ گئے واں سے ٹہلتے ہوئے سرور
اُترا ہوا تھا حُرِّ جری واں معہ لشکر
قدموں پہ گرا وہ تو یہ بولے شہِ صفدر
پائی نہ کہیں شب کو جگہ امن و اماں کی
لائی وہیں تقدیر کہ تھی خاک جہاں کی

۱۶۹
گرمی کی ہے یہ فصل تمازت کے ہیں یہ دن
جھیلوں میں پڑے رہتے ہیں سب دشت کے ساکن
بھائی مرے ہمراہ ہیں بچے کئی کم سن
بے نہر پہ اُترے مجھے راحت نہیں ممکن
پانی کی تو غربت میں نہ تکلیف سہوں میں
گر مشورہ تیرا ہو تو دریا پہ رہوں میں

۱۷۰
کی عرض یہ حُر نے کہ تصدق مرا گھر بار
میں منع کروں یہ مری طاقت نہیں زنہار
فوجیں لیے آیا ہے مگر شمر ستمگار
ڈھونڈھیں گے سبھی نہر کا قرب اے شہِ ابرار
تکرار نہ کچھ ہو مجھے ڈر ہے تو یہ ڈر ہے
شب سے پسرِ سعد کے آنے کی خبر ہے

۱۷۱
عباس کا منھ دیکھ کے شہ بولے کہ اچھا
جلتی ہوئی ریتی ہی پہ خیمہ کرو برپا
اس شیر نے کی عرض کہ چھوڑیں گے نہ دریا
فوجیں ہیں تو کیا خوف ہے لشکر ہے تو پھر کیا
یہ جائے گا لاکھوں کا لہو تیغِ دودم سے
دریا کی ترائی کوئی لے سکتا ہے ہم سے

۱۷۲
حضرت نے کہا لو تمھیں غیظ آگیا بھائی
قہر اُن پہ جہنم سے جنھیں دو گے رہائی
دریا کے لیے اُمّتِ احمدؐ سے لڑائی
یکساں ہے مسافر کو وہ ریتی پہ ترائی
دریا ہے تو یہ قطرہ ہے چشمہ ہے تو کیا ہے
کوثر کا خدا نے تمھیں مختار کیا ہے

۱۷۳
بٹھا کے برادر کو پھرے سیدِ بے کس
اُوج اس کا جو دیکھا تو دبا چرخ مقرنس
سیدانیاں استادہ ہوا خیمۂ اقدس
خورشید نے رخساروں کو شمسے سے کیا مس
یہ رنگ تھا اس پر فلکِ ہر شرف کا
جس طرح کہ مہتاب پہ دھبا ہے کلف کا

۱۷۴
محمل سے اُترنے جو لگی بنتِ یداللہ
خود بازو لیے ہمشیر کو تھامے ہوئے تھے شاہ
تھیں چادریں رو کے ہوئے سب لونڈیاں ہمراہ
اس پردے میں بھی سر کو جھکائے تھے وہ ذی جاہ
اس دن تو یہ پردہ تھا یہ شوکت یہ حیا تھی
اک دن وہی زینب تھی کہ محتاج ردا تھی

۱۷۵
خالی ہوئے وہ محمل و ہودج جو ہیں سارے
تارے بھی وہ تارے کہ جو اللہ کے پیارے
خیمہ میں چھپے عرش معلّے کے ستارے
جن تاروں پہ انجم کو فلک صدقے اُتارے
جیسے قمر اُس برج جہاں تاب میں دیکھے
یوسفؑ نے وہ کوکب نہ کبھی خواب میں دیکھے

۱۷۶
تھا عرش کے تاروں پہ اُسی خیمہ کا سایا
فرش اس کا دبائے ہوئے تھا عرش کا پایا
غل تھا یہ شرف برج شرف نے نہیں پایا
بَن میں جسے فردوس کے پھولوں نے بسایا
تکیوں سے چلی آتی تھی بو جسمِ نبیؐ کی
کرسی تھی کہ مسند تھی رسولِ عربی کی

۱۷۷
اوج ایسا کہ گردوں سے کلس کرتا تھا باتیں
در پردہ صدا دیتی تھیں سارے کی قناتیں
شمسے پہ تھا یہ نور کہ ہوتی تھیں نہ راتیں
یاں ملتی ہیں آزادیٔ دوزخ کی براتیں
اب خلق میں ایسا کوئی محتاج نہیں ہے
اس در کا گدا اور کا محتاج نہیں ہے

۱۷۸
اُترے ادھر اس برج شرف میں شہِ عالم
لکھا ہے چھٹی تک ہوئی یہ فوج فراہم
دریا پہ اُدھر آنے لگا لشکرِ اظلم
حیراں تھی خرد جس کے کم و کیف میں ہر دم
لاکھوں میں بھی تعداد انکار اس کا نہ ہو گا
بے روزِ حساب آئے شمار اس کا نہ ہو گا

۱۷۹
کر لیجے شمار اس کا محاسب نے یہ چاہا
دی کلک نے آواز کہ ہاں عقل پناہا
جو کچھ تھا ہندسں کا طریقہ وہ نباہا
لشکر کی سیاہی سے لکھا جائے سیاہا
تحریر خط و خال کا اب دھیان نہیں ہے
روز دن کا یہ گنا ہے کچھ آسان نہیں ہے

۱۸۰ مطلع چہارم
جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
شب آئی کہ فوجِ غم و رنج و تعب آئی
غربت میں نبی زادوں پہ آفت عجب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کی اب آئی
راحت نے کنارا کیا زہراؑ کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اسی شب کی سحر سے

۱۸۱

ہمشیر کو مصیبت تھی قیامت تھی حرم کو
اک حشر تھا خیمے میں یہ رقت تھی ہم کو
بچوں پہ عجب پیاس کی شدت تھی ستم کو
اللہ نہ دکھلائے جو آفت تھی ہم کو
وہ دن بھی کٹا جب تو مصیبت کی شب آئی
کھولے ہوئے بالوں کو شہادت کی شب آئی

۱۸۲

فرقت کی کٹی شب تو لڑائی کا دن آیا
ہمشیر و برادر کی جدائی کا دن آیا
غل تھا کہ تلاطم کا دُہائی کا دن آیا
زہرا کے بھرے گھر کی صفائی کا دن آیا
بیت الشرف صاحب معراج لٹے گا
محبوب الٰہی کا چمن آج لٹے گا

۱۸۳ مطلع پنجم

ظاہر ہوئی گردوں پہ سپیدی جو سحر کی
خود شاہ نے مشرق کی طرف اُٹھ کے نظر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے خیمے میں خبر کی
لو صاحبو رخصت ہے شبِ جن و بشر کی
تیار جماعت ہے نماز آپ پڑھیں گے
اب فرض ادا کر کے لڑائی پہ چڑھیں گے

۱۸۴

ناگاہ اذاں دینے لگے اکبر ذی شاں
چپ ہو گئے سب دشت کے مرغان خوش الحاں
زینب نے صدا دی کہ اس آواز کے قرباں
کیا صوتِ حسن ہے کہ زمانا ہے ثنا خواں
آواز حزیں سن کے دلوں کو نہ کل آئی
بلبل بھی گلستاں سے پھڑک کر نکل آئی

۱۸۵

آنا وہ دم صبح کا وہ رات کا جانا
وہ وقت عبادت وہ تنفس ع کا زمانا
وہ جھومنا اشجار کا وہ وقت سہانا
پھولوں کی وہ شادابی ہواؤں کا وہ آنا
بے ذکر نہ غنچے نہ گل و خار رہے تھے
مرغان چمن وجد میں چہکار رہے تھے

۱۸۶

فارغ ہوئے حضرت جو چراغ سحری سے
غائب ہوئے تارے فلکِ نیلو فری سے
طالع ہوا خورشید عجب جلوہ گری سے
ذرّے بھی سرافراز ہوئے تاج زری سے
آمادہ جو تھی فوجِ لعیں بے ادبی پر
تیر آنے لگے لشکر اللہ و نبی پر

۱۸۷

شاہِ شہدا خیمہ میں جا کر نکل آئے
آنسو رخِ اقدس پہ بہا کر نکل آئے
مشتاقوں کو دیدار دکھا کر نکل آئے
ہمشیر کو چھاتی سے لگا کر نکل آئے
خوں بہتا تھا فریاد سکینہ پہ جگر سے
پوچھے کوئی بیٹی کے بچھڑنے کو پدر سے

۱۸۸

پہلے سے مسلح تھا یہاں لشکرِ جرار
نکلے علم فوج خدا لے کے علمدار
گھوڑے پہ چڑھے پڑھ کے دعا سیدِ ابرار
پیدل ہوئے ہمراہ سبھی یاور و انصار
بوسہ دیا نصرت نے قریب آکے علم پر
اقبال نے سر رکھ دیا مولا کے قدم پر

۱۸۹

خورشید صفت جلوہ نما تھا علم آگے
عباس تو پیچھے تھے سپاہِ حشم آگے
چاؤش یہ دیتے تھے صدا دم بہ دم آگے
سر باز و بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
گرد اڑنے نہ پائے فرسوں کی تگ و دو میں
سر کھولے ہوئے فاطمہ زہرا ہے جلو میں

۱۹۰

حوریں سرِ پُر نور دریچوں سے نکالے
تلواریں تو ہیں زیرِ کمر ہاتھوں میں بھالے
کہتی تھیں کہ کیا کیا ہیں جواں گیسوؤں والے
یہ شیر ہیں سیدانیوں کے گود کے پالے
مجمع کبھی دیکھا نہیں اس جاہ و حشم کا
دیکھا بھی مرقع ہے گلستانِ ارم کا

۱۹۱

حیدرؑ کا وہ گلشن ہے، وہ جعفرؑ کا چمن ہے
وہ زیرِ علم ابنِ شہِ قلعہ شکن ہے
جو چاند سا دولھا ہے وہ فرزندِ حسنؑ ہے
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے، وہ جو غنچہ دہن ہے
انساں یہ نہیں چاند اُتر آیا ہے زمیں پر
محبوبِ خدا عرش پہ، سایا ہے زمیں پر

۱۹۲

یہ جسم لطافت میں فزوں ہے کہیں جاں سے
کیا کہیے بجز صلِّ علیٰ اور زباں سے
افضل ہے یہ محبوبِ حسینانِ جہاں سے
یوسف یہ تجمل یہ نمک لائے کہاں سے
یہ جان ہے ہر ہاشمیؐ و مطلبی کی
اس میں تو ملاحت ہے رسولِ عربیؐ کی

۱۹۳

اس شان سے پہونچے سرِ میداں جو وہ جانباز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
جنگل کو گئے چاند زمیں ہو گئی ممتاز
پہلے حُرِ غازی سے لڑائی ہوئی آغاز
انجام ہوا یہ کہ سفر کر گئے اکبرؑ
سینے پہ سناں کھا کے جواں مر گئے اکبرؑ

۱۹۴

پیری میں ہوا داغ جو فرزندِ جواں کا
ہر بات میں لکنت تھی یہ عالم تھا زباں کا
کم ہو گیا خوں جسمِ شہِ تشنہ دہاں کا
ماتم تھا برادر کا اُلم راحتِ جاں کا
غل اُٹھتے تھے فوجوں سے مبارز طلبی کے
دو لاکھ کا نرغہ تھا نواسے پہ نبیؐ کے

۱۹۵

یاں کانپتا تھا ضعف سے ٹوٹا ہوا بازو
اک شیر کا لاشہ نظر آتا تھا لبِ جو
نے تیغ پہ قبضہ تھا نہ تھا ہاتھ پہ قابو
اور سامنے تھی لاشِ علی اکبرؑ مہرو
سوتے تھے وہ تنہا جو ہزاروں سے لڑے تھے
رَن پہ ورقِ مصحفِ ناطق کے پڑے تھے

۱۹۶

چلّاتا تھا بڑھ بڑھ کے یہ شمرِ ستم آرا
وہ چاند نہاں خوں میں ہے یا آپ کا تارا
کر لیجیے بیعت جو وغا کا نہیں یارا
یہ لاشۂ اصغر ہے کہ ریتی پہ ستارا
جلدی نہیں اب یہ ہے کہ ہم جنگ کی سَر ہو
بھیجو اگر اکبرؑ سا کوئی اور پسر ہو

۱۹۷

شہ کہتے تھے اب تشنہ دہاں ہی نہیں ہے
بھیجوں کسے اب شیرِ ژیاں کوئی نہیں ہے
قاسمؑ سا مرا راحتِ جاں کوئی نہیں ہے
ہاں اکبرِ مہرو سا جواں کوئی نہیں ہے
تکیہ نہ برادر پہ مجھے تھا نہ پسر پہ
کچھ غم نہیں اللہ تو موجود ہے سر پہ

۱۹۸

یہ کہتے تھے حضرت کہ جلال آ گیا ناگاہ
گھوڑے پہ سنبھل کے جو کہا یا اسد اللہ
خورشید ہوا غیظ سے رو کش شہِ ذی جاہ
تھرّا گیا سب دشتِ ستم ڈر گئے گمراہ
سیدھے جو ہوئے تنگ زرہ ہو گئی بر میں
ہاتھوں میں وہ رعشہ تھا نہ وہ خم تھا کمر میں

۱۹۹

رونی ہوئی آنکھوں میں جو سرخی تھی نمودار — ثابت تھا کہ آیا غضبِ حضرتِ قہّار
ابرو جو ہلے فوج پہ چلنے لگی تلوار — پلکیں جو اٹھیں تیر کلیجے کے ہوا پار
رہوار ہرن شیر زیاں ہو گئے شبّیر — غُل تھا کہ نئے سر سے جواں ہو گئے شبّیر

۲۰۰

حیدر کی طرح ہاتھ کو قبضے پہ نہ چھوڑا — چلّائے ملک اب ہوئی دنیا تہ و بالا
جھکا کے فرس کو یہ پکارے شہِ والا — ہاں کون ہے لاکھوں میں مرا روکنے والا
تو تیغ کوئی دم میں چمکتی ہے علی کی — آگاہ ہیں کرتا ہوں کہ امت ہو نبی کی

۲۰۱

تم نے تو کوئی بات ہدایت کی نہ مانی — مارا علی اکبر سا مرا یوسفِ ثانی
صدمے سے کلیجے کا لہو ہو گیا پانی — مشتاقِ اجل اب ہے یداللہ کا جانی
ہر چند کہ طاقت نہیں ماتم میں پسر کے — جوہر تو دکھا دوں ابھی شمشیر دو سر کے

۲۰۲

سمجھایا بہت پر نہ عدو راہ پر آئے — میداں سے کئی تیر ستم شاہ پر آئے
یوں تیغ بکف لشکرِ گمراہ پر آئے — جس طرح اسد مجمعِ روباہ پر آئے
دل ہل گئے جی خوف سے چھوٹا نظر آیا — دیکھا تو ہر اک مورچہ ٹوٹا نظر آیا

۲۰۳

چھوڑا یہ غضب تیغ دو پیکر نے جو مسکن — شیروں نے نیستاں تو غزالوں نے چھٹا بن
تولا جو اسے سیر ہوئے زیست سے دشمن — اونچا جو کیا ہاتھ تو صحرا ہوا روشن
تھی صاحبِ ضو کیوں نہ اجالا نظر آئے — اک دو سرہ نو واں تہ و بالا نظر آئے

۲۰۴

کھنچ آئیں صفیں کھنچ کے جو دم تیغ نے کھینچا — سب فوج کے مابین شکم تیغ نے کھینچا
سر کے جو قدم سوئے عدم تیغ نے کھینچا — ہر فرد کے چہرے پہ قلم تیغ نے کھینچا
تھا غل کہ برستی ہوئی آتش نہیں دیکھی — یہ کاٹ یہ کس بل یہ کشاکش نہیں دیکھی

۲۰۵

حملہ کیا جس غول پہ ضرغامِ علیؑ نے — بے ذبح لیا دم نہ گل اندامِ علیؑ نے
پانی کیے شیروں کے جگر نامِ علیؑ نے — سر خاک پہ برسا دیے صمصامِ علیؑ نے
مجروح جو بھاگے تھے ادھر فوجِ عدو کے — جنگل کی طرف دونگڑے پڑے تھے لہو کے

۲۰۶

سر تن پہ کسی ظالمِ خود سر کے نہ چھوڑا — مغفر کو سلامت کسی افسر کے نہ چھوڑا
زندہ کسی جرّار کے لشکر کے نہ چھوڑا — تھا کون سا یکتا جسے دو کر کے نہ چھوڑا
مارا جسے دوزخ کو وہ راہی نظر آیا — جو رنگ سپاہی پہ سیاہی نظر آیا

۲۰۷

ہر ضرب میں گیتی کو ہلا دیتی تھی شمشیر — خود آئینۂ تن کو جلا دیتی تھی شمشیر
منھ ناریوں کے منھ سے ملا دیتی تھی شمشیر — پانی میں کفِ مار پلا دیتی تھی شمشیر
زہر اس کا چڑھا جس پہ وہ بسمل نظر آیا — فولاد کا جوہر سمِ قاتل نظر آیا

۲۰۸

کرتی تھی اشارے پہ وہ شمشیر دو پیکر — میں تیغ ہوں اس کی کوئی جس کا نہیں ہمسر
دو کر دیا جس نے تنِ مرحب کو برابر — دو انگلیوں سے جس نے اکھاڑا درِ خیبر
جن بیرِ علم میں انھیں شگوں سے چلے تھے — فقرے یہ وہی ہیں جو شریروں پہ چلے تھے

۲۰۹

دل فوج کا سلطانِ فلک جاہ نے توڑا — سر ہر متمرد کا شہنشاہ نے توڑا
ہر صف کو بزرِ صف جنگاہ نے توڑا — در کفر کا ضربِ اسد اللہ نے توڑا
یوں تیغ سے ٹکڑے کیا ثابت قدموں کو — توڑا تھا ید اللہ نے جیسے صنموں کو

۲۱۰

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہونچی — دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہونچی
عرض سر و گردن سے چلی شانے میں پہونچی — شانے سے بڑھی روح کے کاشانے میں پہونچی
سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اس نے — تب نکلی کہ جب خانۂ تن ڈھا دیا اس نے

۲۱۱

لکھا ہے یہ اربابِ تواریخ نے اکثر — اٹھتی تھی پئے ضرب جو شمشیر دو پیکر
بڑھ جاتی تھی ہفتاد گز اس دم وہ سراسر — ہر ہاتھ میں کتنے ہی لعیں ہوتے تھے بے سر
پھر کس سے وار امامِ ازلی کا — تلوار وہ اور ہاتھ حسین ابن علیؑ کا

۲۱۲

کاٹا اسے جس تیغ سے میداں میں لڑی تیغ — ٹکڑے ہوا چار آئینہ جس کے وہ پڑی تیغ
بکتر میں نہ الجھی نہ جلتہ میں اڑی تیغ — زرہوں کو کیا چاک یہ تھی منھ کی کڑی تیغ
دو کرتی تھی وہ ہر کس و ناکس کو یہ کس تھا — اک ہاتھ میں فارس تھا نہ زیں تھا نہ فرس تھا

۲۱۳

مشہور تھی وہ رنگ پری قاف سے تا قاف — جوہر تھا جواہر کا کہ تھا زیورِ شفاف
سر سے گئی تا صدر شکم سے گئی تا ناف — پھر دیکھو تو لب خشک زباں پاک دہن صاف
ٹپکا جو لہو منھ سے شرارے نکل آئے — دریا سے گہر ابر سے تارے نکل آئے

۲۱۴

وہ روپ وہ چم خم وہ دل اس کا وہ جوہر اس کا — وہ قد وہ بدن صاف وہ رخ جلوہ گر اس کا
ہر ہاتھ میں منھ چوم رہی تھی ظفر اس کا — محبوب تھی ہر خانۂ تن میں تھا گھر اس کا
کس کا یہ جگر تھا اسے روکے جو سپر سے — سینے میں در آمد تھی بر آمد تھی جگر سے

۲۱۵

کشتہ تھا ہر اک تیغ کے بے ساختہ پن کا — عریاں تھی مگر ہوش نہ تھا کچھ سر و تن کا
گرتا تھا لہو چھٹ کے نہ جوہر کے چمن کا — ابلی ہوئی تھی رنگ ٹپکتا تھا بدن کا
سب جسم بھبھوکا تھا حرارت تھی غضب کی — کفار کو پھونکا تھا شرارت تھی غضب کی

۲۱۶

تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی بھی جہاں گرد — بجلی کی بھی تھی گرمئ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو دم تا درد — ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گلِ زرد
لو دیے تن رنگیں بنگار آ گئی گویا — آیا وہ جدھر بادِ بہار آ گئی گویا

۲۱۷

کیا وصف لکھوں اشہبِ سرور کے قدم کا
ہوئی تھی قیامت کی طرارہ تھا ستم کا
سرپٹ ہے رواں حال ہے یہ رخشِ قلم کا
بکھرا گیا اس صفت کو یہ اُترا تو وہ چمکا
حیرت زدہ و ششدر و دلگیر تھے آہو
اڑتا تھا یہ اور آہو ہوئے تصویر تھے آہو

۲۱۸

کھنچی جو کبھی نظم میں اس رخش کی تصویر
مضموں کا بندھا رنگ نہ اس میں کسی تدبیر
ٹکڑے ہوئی مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر
رنگِ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک وہ ورق ہاتھ میں دیکھا

۲۱۹

زیبا ہے جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا
مشرق میں لیا دم اسے مغرب سے جو چھوڑا
تھا وسعتِ عالم کا بھی میداں اسے تھوڑا
جب ہل گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ فوجیں اسے ٹوکیں تو رُکے وہ
چمکار کے حضرت ہی جو روکیں تو رُکے وہ

۲۲۰

وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام
خوش قامت و خوش سر و خوش انداز و خوش انجام
ہوئے جو فلک سیر زمیں سے اسے کیا کام
تھا نعل در آتش کہیں دم بھر تھا نہ آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا
دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

۲۲۱

نعل آئینہ رنگ ایسے کہ آئینہ بھی شرمائے
ہر دم جو گند ھی پہ چونٹیوں کا دم نہ الجھ جائے
برہم ہو اگر شکل دُر رنگ اس میں نظر آئے
فتراک کے پر کھولے ہوئے چرخ پہ اُڑ جائے
ششدر رہوں فلک زینِ جواہر کی چمک پر
تھم رکھ دے ابھی جا کے یہ سرسبز فلک پر

۲۲۲

تھم تھم کے وہ ہر غول پہ حضرت کا جھپٹنا
وہ برہمیِ فوج وہ ہر صف کا اُلٹنا
جم جم کے فرس کا وہ چمکنا وہ سمٹنا
وہ تیغ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا
دم اپنا بڑھانے کو لہو چاٹ رہی تھی
کس گھات سے اعدا کے گلے کاٹ رہی تھی

۲۲۳

تھا شور کہ یہ قہر ہے تلوار نہیں ہے
کس فوج پہ برقِ شرر بار نہیں ہے
بحرِ غضب اللہ کا ہے دھار نہیں ہے
لاشوں کا کدھر دشت میں انبار نہیں ہے
یوں لاکھوں سے اک پیاسے کو لڑتے نہیں دیکھا
کھیت ایسا جہاں میں کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۲۲۴

ہر سو تھا تلاطم شہِ والا کی وغا سے
اوتاد زمیں کرتی تھی یہ عرض سما سے
سب دشت ستم ہلتا تھا نعروں کی صدا سے
تھراتے ہیں تیغِ پسرِ شیرِ خدا سے
کٹ جاتا ہے آہن یہ ہے تیغ دو سرا ایسی
سر جس سے بچے دے نہیں کوئی سپر ایسی

۲۲۵

کہتا تھا یہ گردوں تمھیں اللہ بچا لے
اس تیغ کی ضربت کوئی کس طرح اٹھائے
میں بھی ہوں ادھر چرخ میں سینہ کو چھپائے
ڈر ہے کہ کہیں گاڑ زمیں بیٹھ نہ جائے
ساکنانِ فلک جھکتے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں
پر خوف سے جبریل بھی سرکائے ہوئے ہیں

۲۲۶
برساتی تھی وہ تیغ لہو منھ سے جو ہر بار
حق کہتے تھے اب جان نہ چھوڑے گی یہ زنہار
پیکر تھا ہر اک ناریِ خوں خوار کا گلنار
ڈوبے گا زمانہ کہ رگِ ابر ہے خوں بار
بہتر ہے کنارہ کرو گر فوج عدو سے
بھر جائے کہیں کشتیِ گردوں نہ لہو سے

۲۲۷
دیکھا شہِ والا نے ہزاروں کو جو بے دم
دل دکھنے لگا دیدۂ حق بیں ہوئے پُر نم
جوش آگیا رحمت کا ہوا غیظ و غضب کم
بس میان میں صابر نے رکھی تیغ شرر دم
صدمہ ہوا امت کے لئے جانِ حزیں پر
روتے ہوئے گھوڑے سے اتر آئے زمیں پر

۲۲۸
ہرنے پہ رکھے آپ نے سب کھول کے ہتھیار
پوچھے جو خبر بھائی کی زینب جگر افگار
فرمایا کہ رخصت ہو بس اے اسپ وفادار
کہہ دیجو کہ اب حلق ہے اور خنجر خونخوار
تم قصد نکلنے کا نہ کیجو ابھی گھر سے
واں فاطمہ لپٹی ہوئی روتی ہیں پسر سے

۲۲۹
در پر نکل آئے جو عصا تھام کے سجاد
اب آنہیں سکتے کہ ہمیں گھیرے ہیں جلاد
کہنا مری جانب سے کہ اے بیکس و ناشاد
بابا کی وصیت نہ بھلانا یہ رہے یاد
مشکل ہے جو کچھ سہل ہوئی جاتی ہے بیٹا
بچوں سے خبردار کہ فوج آتی ہے بیٹا

۲۳۰
ماں بہنوں کی تم رکھیو خبر اے مرے پیارے
چادر کوئی زینبؑ کے نہ سر پر سے اُتارے
یہ قافلہ رانڈوں کا حوالے ہے تمھارے
سیلی کوئی نادان سکینہ کو نہ مارے
گھٹ جائے گا دم جان نکل جائیگی تن سے
ننھا سا گلا اس کا بچا لیجو رسن سے

۲۳۱
یہ کہتے تھے شبیر کہ قاتل نظر آئے
جلادوں کے قابو میں شہِ بحر و بر آئے
تلواریں لیے قتل کو بیداد گر آئے
نیزے بھی لگے تیر بھی سینوں میں در آئے
ٹکڑے ہوا تیغوں سے جگر حق کے ولی کا
خوں بہنے لگا احمد و زہراؑ و علیؑ کا

۲۳۲
کھاتے تھے جو کچھ زخم بدن پر دمِ پیکار
فرماتے تھے جب پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
ہر جا انھیں زخموں پہ لگے زخم پھر اک بار
بدلا ہے یہی رحم کا اے قوم ستمگار
تلواروں سے دم لینے کی فرصت نہیں دیتے
سجدہ بھی مجھے کرنے کی مہلت نہیں دیتے

۲۳۳
جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقۂ بے پیر
اترا ہوں فرس سے کہ چلی حلق پہ شمشیر
کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیر
پڑھ لوں میں نماز اتنی کرو قتل میں تاخیر
سجدے میں شہادت ہو امام دوسرا کی
یہ ذکر رہے فرض ادا کر کے قضا کی

۲۳۴
غل میں کوئی سنتا تھا نمازی کی نہ تقریر
کھینچا نہ تھا پیکاں کہ پڑی فرق پہ شمشیر
منھ تکتے تھے حضرت کہ لگا حلق پہ اک تیر
غش کھا کے گرے سینے کے بل خاک پہ شبیر
خولی نے تبر پہلوئے صد چاک پہ مارا
اک شامی نے تیغا کمر پاک پہ مارا

۲۳۵

شمر آیا جو حضرت کے قریں کھینچ کے خنجر
بڑھ کر یہ سواروں کو پکارا وہ ستمگر
دیکھا سر مجروح ہے سجدے میں زمیں پر
نیزوں سے الٹ دو تنِ فرزند پیمبر
یہ سن کے قدم سب نے تو زد و کشت پہ مارا
نیزہ بن اشعب نے ادھر پشت پہ مارا

۲۳۶

سیدھے ہوئے ریتی پہ تڑپ کر شہِ ابرار
اینٹھی تھی زباں پیاس سے پھٹتا تھا دلِ زار
تھے خاک سے اور خوں سے بھرے چاند سے رخسار
یہ ذکرِ خدا تھا لبِ خشکیدہ پہ ہر بار
حق بندگیِ حق کا ادا کرتے تھے مولا
تم لوگوں کی بخشش کی دعا کرتے تھے مولا

۲۳۷

جلاد نے صدرِ شہِ ذی شاں کو بلایا
فریاد ہے آئینۂ ایماں کو گرایا
محبوبِ خدا کے دلِ نالاں کو رلایا
زانو کے تلے زور سے قرآں کو دبایا
صدمہ ہوا اشکِ شہِ ذی شان نکل آئے
سینے میں جو ڈوبے تھے وہ پیکان نکل آئے

۲۳۸

ماتم کی صدا دشتِ پُرآشوب سے آئی
آندھی نے سیہ خاک بیاباں میں اڑائی
چلّاتی تھیں پریاں کہ دہائی ہے دہائی
درد و غم و حسرت کی گھٹا خلق پہ چھائی
ریتی پہ طپیاں دیکھ کے خورشیدِ زمیں کو
گردش تھی ہنڈولے کی طرح چرخِ بریں کو

۲۳۹

یہ واقعہ اب لکھتے ہیں یاں راقمِ اخبار
منھ پیٹ رہے تھے حرمِ احمدِ مختار
جب زانو کے قاتل کے تلے تھے شہِ ابرار
آثارِ قیامت ہوئے ناگاہ نمودار
دیکھا کہ سوئے ابنِ علیؑ آتی ہے زینب
کالی کفنی پہنے چلی آتی ہے زینب

۲۴۰

سر پہ نہ عصابہ ہے نہ مقنع ہے نہ چادر
ایک ایک قدم بیٹھتی تھی ہے وہ مضطر
گردن ہے جھکی بال ہیں لٹکے ہوئے منھ پر
گہ سینہ کبھی منھ کبھی زانو تو کبھی سر
کہتی ہے یہ ہے صابر و معصوم کا ماتم
یوں چاہیئے شبیرؑ سے مظلوم کا ماتم

۲۴۱

دوڑی ہوئی مقتل کے جو نزدیک وہ آئی
چلائی کہ اے دشت کدھر ہے مرا بھائی
ثابت ہوا اس دم کہ یہ زہراؑ کی ہے جائی
اے خاک پڑی ہے کدھر اماں کی کمائی
اے چرخ محمد کے نواسے کو بتا دے
اے نہر کئی روز کے پیاسے کو بتا دے

۲۴۲

سر پیٹ کے کہتی تھی کبھی ہائے برادر
مظلوم برادر مرے دکھ پائے برادر
کیا تجھ پہ بنی اے مرے ماں جائے برادر
کیوں کر ترے لاشے پہ بہن آئے برادر
تلواروں میں رستہ بھی نہیں پاتی ہے زینبؑ
محروم زیارت سے رہی جاتی ہے زینبؑ

۲۴۳

لکھا ہے کہ جب کٹ گیا تن سے سرِ سرور
زینب کو جو دیکھا تو کہا ہاتھ اٹھا کر
پکڑے ہوئے زلفوں کو چلا شمرِ ستمگر
کس کا ہے یہ سر دیکھ تو اے دخترِ حیدرؑ
مقتل میں ابھی تیغِ ستم جس پہ چلی ہے
یہ اور کوئی ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۲۴۴

منھ پیٹ کے چلّانے لگی زینبِ دل گیر
یہ ہاتھ ترا قطع ہو اے ظالمِ بے پیر
حلقِ پسرِ فاطمہؑ پر پھیر دی شمشیر
ہے ہے لئے جاتا ہے سرِ حضرتِ شبیر
آواز مجھے کیوں مرا بھائی نہیں دیتا
اندھیر ہے کچھ مجھ کو سجھائی نہیں دیتا

۲۴۵

اعجاز سے گویا ہوا اس دم یہ سرِ شاہ
بس صبر کرو بھائی کو اے زینبِ ذی جاہ
چلتے ہیں جہاں سر سے مجاہد یہ وہ ہے راہ
ہم شاہ شہیداں ہوئے الّمنۃ لِلّٰہ
معراج ملی مرتبہ بڑھتا ہے ہمارا
تم جاؤ سرِ اب نیزے پہ چڑھتا ہے ہمارا

۲۴۶

خیمے کو چلی خاک اُڑاتی ہوئی زینب
نکلے ہوئے پردے سے حرم پیٹتے تھے سب
زینب نے قریب آکے پکارا یہ انھیں تب
اے پیٹنے والو صفِ ماتم پہ چلو اب
تڑپوں گی زمیں پر کہ جگر چھٹ گیا لوگو
بے کس مرے بھائی کا گلا کٹ گیا لوگو

۲۴۷

خاموش انیسؔ اب کہ جگر غم سے ہوا خون
مصرع ہیں کہ چھریاں ہیں یہ نشتر ہیں کہ مضمون
ہر چشم ہے گریاں تو ہر اک قلب ہے محزون
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ میں کیا اس کا صلہ دوں
ارشادِ پیمبرؐ ہے کہ پاس اپنے مکاں دو
خلّے اسے فردوس کے دو باغ جناں دو

سلام

ضبطِ ماتم گریۂ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رُو سکتا نہیں
رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں
کار ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
گرد اپنے منھ کے پانی آپ دھو سکتا نہیں
کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں
شاہ کہتے تھے کہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رُو سکتا نہیں
نظم ہے یا یہ دُرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

رُباعی

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے
مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؑ نکلے
واللہ کہ حق خانہ زادی یہ ہے
نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

رُباعی

کعبے میں جسے حق نے اُتارا ہوگا
مرحب سے جواں کو جس نے مارا ہوگا
تلوار سے ایک شق کی سبحان اللہ
سجدہ میں اسی کا سر دو پارا ہوگا

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا سر جھک گیا فلک کا یہ اوج زمیں ہوا	مطلع	دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا خورشید محو حسنِ حسینؑ حسیں ہوا
بابا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے		جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے
زہرا کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی	۲	غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا		احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا
ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا	۳	مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا بس اب نواں بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے		روشن ہے جس سے عرش وہ درِ نجف ملے
یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں کعبہ کہاں نبی کا یہ دارِ محن کہاں	۴	جنگل کہاں بتول کے گل پیرہن کہاں قبریں کہاں شکستہ دلوں کے وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈھتے ہوئے اس ارضِ پاک کو		سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو
غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب	۵	باغی جو چمنِ دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب آیا گلِ ریاضِ محمدؐ خوشا نصیب
فخر اس زمیں کا جس پہ شہ انس و جن پھرے		دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے
خوشبو سے اُن گلوں کی ہوا دشت باغ باغ پہونچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ	۶	غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے		تاروں کو گرد کر دیا ذروں نے خاک کے
جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت	۷	بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت بس اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اسکی فرش سے غل عرش تک گیا		لو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا
کہتی تھی آسماں سے زمینِ فلک حشم مجھ پر ہیں وہ جو ہر نبوت پہ تھے قدم	۸	کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم ذرے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم
اب تو یہ خاکسار بھی ایوان اساس ہے		زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے
پھیلی جو نکہتِ چمنِ شاہِ بحر و بر جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر	۹	صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر
جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے		بڑھ کر قدم تو لے تو تری آبرو بڑھے

۱۰

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر
دریا دلی کا ہوگا تری شور شہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
سر کو قدم کئے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
آمد سنی جو سبطِ رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

۱۱

بولے فرس کو روک کے شاہِ فلک وقار
منزل پہ ہم پہونچ گئے احسان کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لئے دل ہے بیقرار
قربان اس مکان سعادت نشان کے
پایا درِ مراد بڑی خاک چھان کے

۱۲

اُترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ ہوگا اب نہ حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہیں زمیں ہے یہی مشہدِ امام
اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

۱۳

مثلِ زمینِ خلد مصفّا ہے یہ زمیں
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
روئے زمیں پہ عرشِ معلیٰ ہے یہ زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں
اس کے مکیں نہوں گے پراگندہ حشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے حشر میں

۱۴

مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزند بوتراب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سرنوشت میں
جائے گا ہاتھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

۱۵

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے
جس پر کھدا ہے نقشِ شفاعت نگیں یہ ہے
بطحا یہ ہے مدینۂ اربابِ دیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے نجف یہ ہے خلدِ بریں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

۱۶

دس دن سے اس کے اشرفیٔ مہر زرد ہے
مٹی طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے
کردے سقر کی آگ کو پانی یہ گرد ہے
کحلِ بصر ہے داروئے اندوہ درد ہے
زندے اَلم سے بچتے ہیں مردے فشار سے
آنکھوں میں نور آتا ہے اسکے غبار سے

۱۷

خاک اس کے دل میں ہو جسے اس خاک سے غبار
مجرم بھی اس کے فیض سے اُٹھے گا رستگار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اسکی ایک بار
سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار
یوں دور ہوں گناہ سب اس نیک بخت سے
پتے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

۱۸

کام آئے گی لحد میں یہ ہنگامِ درد و یاس
اس خاک سے بنے گا کفن نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس
سو طرح کی پائے گا راحت وہ حق شناس
فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے
سوئے وہ چین سے یہ مطیعِ امام ہے

۱۹

دیں گے جو اسی خاک سے لکھا ہوا کفن
ڈھانپے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالمنن
میّت یہ پھر نہ ہوگا کوئی صدمۂ و محن
خوشبو سے ہوگا کُنجِ لحد خلد کا چمن
پھولوں میں خاکِ پاک کفن کو بسائے گی
صدروں سے نکہتِ گلِ فردوس آئے گی

۲۰

توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد
یہ خاک آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مراد
دیکھے گا پاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو

۲۱

اُترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمت کا ناخدا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

۲۲

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

۲۳

گرمی میں ایسی سرد ہوا یا شہِ امام
ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
مشہور غاضریہ ہے شاید اسی کا نام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

۲۴

روکے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام
گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا میں اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

۲۵

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال
سبزے سے واں کے ابنِ حسن خوش ہوئے کمال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
کی عرض اس زمیں کا ہر اک گل ہے بےمثال
اے خسروِ زمیں یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطرِ عروس کی

۲۶

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِ اُمم
اُچھلیں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
الیاس شاد ہو کے پکارے بہ صد حشم
بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حسنِ حضور سے
لیں بلائیں بچۂ مرجاں نے دور سے

۲۷

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رُو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو
دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرِ نیک خو
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

۲۸

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامدار
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہ بحر و بر
ایذا ہے محلوں میں بہت اہلِ بیت پر
بچے ہیں تازگی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عمارتوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رکے ہوئے

۲۹

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینبؑ جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

۳۰

بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ہیں نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نور عین ہو
اُترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

۳۱

عاقل ہو تم تو نام خدا اے علیؑ کے لال
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے یہاں کا حال
داری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں نہ فضا ہو نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

۳۲

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں سے پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل میں پہاڑ تھا

۳۳

آج اس زمیں پہ ہمیں لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دُعا مانگو بھائی جان
یارب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہیں بادشہِ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

۳۴

بھائی سے اس زمیں کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرار شش جہت
جو جو سخن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

۳۵

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضیٰ
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ فاطمہؑ میں ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قرب نہر کا آبِ حیات ہے

۳۶

جس سرزمیں پہ دلبرِ زہراؑ عمل کرے
زہرہ کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
مانع وہ ہو جو دینِ نبیؐ میں دخل کرے
کافر ہے جو حسینؑ سے جنگ و جدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے نہ سلطان شام کا
دنیا کی سب زمیں یہ ہے قبضہ امام کا

۳۷

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جاں نثار
آیا حضورِ سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُتریں یہیں یہ مرضیِ آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

۳۸

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
حاضر ہوں آب پاش محل دیر کا نہیں
فراش آ کے جلد مصفا کریں زمیں
یاں ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں
جلد اُن کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے

۳۹

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
بڑھ کر حبیبؑ بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے میں ہوگئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

۴۰

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاجدار
ناگاہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عباس ذی وقار
رایت سیاہ سُرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

۴۱

یک جا ہوئے یہ سُن کے جوانانِ صف شکن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم چھوڑ کے وطن
نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن
تو سب کی خیر کیجیو اے ربِّ ذوالمنن
اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

۴۲

کہنے لگے پکار کے عباسؑ حق شناس
دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلامِ یاس
ہاں ناصرانِ قبلۂ کونین باحواس
جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
دونوں طرح مآل تمہارا بخیر ہے

۴۳

کیا ڈر قشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام
جو مرد ہیں ہراس کے کرتے نہیں کلام
ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
ہونے دو گر ہیں سُرخ علم یا سیاہ فام
سرسبز ہیں وہی جو علیؑ کے نشان ہیں
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

۴۴

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی
اک ایک پیر زور تہمتن شکوہ تھا
توسن رکاب سبز قدم سر گروہ تھا

۴۵

بولے ملازموں سے یہ عباسؑ باوفا
آتے ہیں سرکشی یہ طریقہ ہے کون سا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے
اُتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

۴۶
کرسی نشیں ہے تختِ دلِ سیّد البشر
آتی تھی اُڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادھر
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
کیا ہے جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑے پہ ظالم سوار ہیں

۴۷
اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام
حکمِ امیر ہے یہیں اُترے سپاہِ شام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

۴۸
کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی رہے گی جب پسرِ سعد آئے گا

۴۹
فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب
فوجوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
گِردے میں جس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

۵۰
ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادھر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیرِ نر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

۵۱
غصّے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر بڑھ قدم
گر فوجِ قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
پھیریں جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

۵۲
دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
ہے سب طرح کا رمز محمدؐ کی آل میں
دریا ہے کیا یہ شیر ہٹیں جس کو چھوڑ کے
جب پُل بنا دیا درِ خیبر کو توڑ کے

۵۳
تم کون ہو حسین ہیں مختارِ خشک و تر
دیکھو فساد ہو گا بڑھو گے اگر ادھر
اُن کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
شیروں کا یاں عمل ہے تمھیں کیا نہیں خبر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

۵۴
دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے تم ہو کون
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون
اس کا محق رسول کا پیارا ہے تم ہو کون
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون
ایہات غصبِ حق سے پھرے آج تک نہیں
منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فدک نہیں

۵۵

کیا ابنِ سعدِ شوم کی فوج اور کیا حشم
اُترے ہیں آ کے فخرِ سلیماں کے ساتھ ہم
سر لوٹتے پھریں گے بڑھایا اگر قدم
کیا اُن کے مورچے کہ جو ہوں چیونٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں چھ لاکھ اگر بدخصال ہیں
ہم بھی کشندۂ درِ خیبر کے لال ہیں

۵۶

کیا سر پہ موت آئی ہے بس سامنے سے جاؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر تو آؤ
فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
بیٹا رحیم کا ہوں مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار ادھر کھینچی کہ اُدھر کھیت ہو گیا
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

۵۷

ہم شیر ہیں قسم ہے اسدِ کردگار کی
سو کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی
رکھتے ہیں ناخنوں میں برش ذوالفقار کی
ٹوکے یہ کیا مجال کسی نابکار کی
گرجیں ابھی تو رعد ہیں برسیں تو ابر ہیں
اک ہیں نہیں بہت ابھی ایسے ہزبر ہیں

۵۸

چھوڑیں نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسماں
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان
بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشاں
رہتی یہ ہم بپا کریں خیمہ خدا کی شان
مرجائیں وہ جو ساتھ کئی شیر خوار ہیں
فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیروار ہیں

۵۹

ہم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہو تا بہ نہر
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر
کیوں غاصبو یہ نہر نہیں فاطمہ کا مہر
کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر
اُترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی

۶۰

شر اس قدر زمیں پہ تمھارے سروں پہ خاک
ہے بوترابیوں کی جگہ یہ زمین پاک
منتی ہوئے لکھے تھے عریضوں میں جو تپاک
ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں گر ہوئے ہلاک
تم لوگو کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

۶۱

سوچو تمھیں دلوں میں کہ حقدار کون ہے
ہادی ہے کون سیدِ ابرار کون ہے
عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے
ہے بے قصور کون گنہگار کون ہے
لازم ہے تم کو پاس کلامِ مجید کا
کلمہ نبی کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا

۶۲

یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمھیں
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمھیں
صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمھیں
ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمھیں
پھلتا نہیں نہال حسد پھولتا نہیں
محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

۶۳

ہم تو تمھیں سمجھتے ہیں سیّد کا خیر خواہ
الفت نہ دلدہی نہ تعارف نہ رسم و راہ
کیا خوب مہمانوں کی دعوت ہے واہ واہ
معصوم سے وہ کونسا ایسا ہوا گناہ
چشمے پہ جنگ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
نامنصفو پھراتے ہو آنکھیں حسینؑ سے

۶۴

ہر چند خاکسار ہیں فرزندِ بوتراب
لٹی تک آستین جو الٹیں دمِ عتاب
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پر

۶۵

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خون کا دریا کریں ابھی
جو سرکشی کرے اُسے پسپا کریں ابھی
ساحل تک آئے جو اسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

۶۶

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
بلوہ جو ہو گیا تو سمٹ آئے سوار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
اک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

۶۷

بگڑے ابو ثمامۂ سعدِ فلک سریر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر
تولی زہیر قین نے شمشیرِ بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عباس کو غیظ لشکرِ بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

۶۸

بولے اٹھا کے نیزہ کو ضرغامۂ دلیر
بولے حبیب ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بس اب سزا ہیں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

۶۹

الٹی جناب قاسمِ ذی شاں نے آستیں
بولے بگڑ کے بھیجے زینبؑ کے مہ جبیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرؑ حسین
شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے یہ اہلِ کیں
کھینچے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

۷۰

آگے تھے سب کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم
تیغیں جو تولتے تھے اُدھر بانیٔ ستم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
کہتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

۷۱

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی ادھر
گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

۷۲

چلائی رو کے زینب ناشاد و نامراد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امامِ اُمم کرو
لوگو دعائیں اکبرِ مہ رو پہ دم کرو

۷۳

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنتِ مرتضیٰ
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباس باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

۷۴

زینب پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد ملال
کہہ دے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

۷۵

لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر
عباس تم تو ساقیٔ کوثر کے ہو پسر
محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
یہ نہر کیا ہے جس کے لئے رنج اس قدر
مرجاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گذری ترائی سے

۷۶

دریا کو روکتے ہیں اگر بانیٔ ستم
غربت زدوں پہ چاہیئے اللہ کا کرم
جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
پھر آؤ بس سکینہ کی سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

۷۷

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہِ انام
عباس ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوج شام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

۷۸

ہر چند اس میں کوئی تمھارا نہیں قصور
خیر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
ناحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
جانے دو جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا
بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

۷۹

لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار
جرأت میں تم نہ ایک نہ یہ اہل کیں ہزار
کس پر یہ خشم اے شہِ مرداں کے یادگار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
بے آب تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
گر منہ سے اُف کرو تو ابھی جل کے خاک ہوں

۸۰

ہے گرچہ اُن کی بے ادبی قابلِ سزا
جنگل ہو یا ترائی ہو ہے ہر جگہ خدا
پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبی کی روح مطہر کا پاس ہے

۸۱

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
جعفر ہو دبدبے میں شجاعت میں بوتراب
یہ کیا ہیں تم تو سدِ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

۸۲

بھیا پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال
بلوہ تھا بعد رحلت محبوبِ ذوالجلال
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب ان کا حال
یاں تک کہ باندھ لے گئے رسّی سے بد خصال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

۸۳

توڑا ہو ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
تھرائیں جس کی ضرب سے روح الامیں کے پر
چھوئیں گھر اس کا اور کریں یوں وہ درگذر
رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر
کمزور دست و بازوئے خیبر کشا نہ تھا
سب قدرتیں وہی تھیں پر حکمِ خدا نہ تھا

۸۴

ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سیدِ انام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و سپر سے کام
باندھے رہا اُسی پہ کمر وہ فلک مقام
مظلوم ہو گئے تھے اطاعت ہے اس کا نام
ہم ہیں امام ہم کو بھی جانو اُسی طرح
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

۸۵

لازم ہے ان پہ رحم یہ اُمت ہے میں نثار
اُن کے لئے حسنؑ نے کیا جبر اختیار
کرتے تھے مصطفٰے انھیں بیٹوں کی طرح پیار
دشمن پہ بھی رہا کرمِ شیر کردگار
ہو نوجواں مزاج میں غصہ ہے آپ کے
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

۸۶

آؤ تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

۸۷

تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا
جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
آرام کا محل نہیں یہ عاریت سرا
اب وہ کہاں ہیں قصر جنھوں نے بسائے ہیں
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں

۸۸

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
بڑھتی شکن جبیں پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

۸۹

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکمِ خدا ہے حکم شہنشاہِ بحر و بر
کہہ دیجے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
اب کچھ کہوں زباں سے میں کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

۹۰

ٹھہریں گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی نہ چاہ
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ روسیاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
یہ عینِ مصلحت ہے جو حکمِ جناب ہے

۹۱
گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
لو اب اٹھا لو تیغ و سپر تم پہ میں فدا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں

۹۲
اس قوم سے نہ ردّ و بدل چاہیئے تمھیں
قرب خدائے عزّ و جل چاہیئے تمھیں
غصّہ نہ برہمی نہ جدل چاہیئے تمھیں
جو ہم کہیں اسی پہ عمل چاہیئے تمھیں
بھائی جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں
جو ہوگا اس زمیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں

۹۳
ہے منکشف امام پہ احوال بحر و بر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر
حق نے کیا ہے واقف اسرار خشک و تر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
دولت ملے گی یاں اسدِ کردگار کی
بھیا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی

۹۴
ہوتا ہے کیا ہزار کہیں ساکنانِ شام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آئے صبح و شام
بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
یاں ہوگی قبر حضرتِ عباس نیک نام
دیندار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

۹۵
سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے کیا جگہ
ٹھنڈی ہوا میں سونے کو پائی ہے کیا جگہ
پیارے ہمارے بھائی کو بھائی ہے کیا جگہ
کیا سبزہ کیا نفیس ترائی ہے کیا جگہ
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قرب نہر بہشتی کے واسطے

۹۶
آؤ اب اپنے قبر کی جا ہم تمھیں دکھائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ جنگل کی دھوپ کھائیں
مقتل میں نخل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
چالیس روز تک نہ کفن اور غسل پائیں
میداں ہو اور لاش حسین غریب ہو
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

۹۷
عباس آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام
فرمایا واں پہنچ کے جو تھا قتل کا مقام
بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
دیکھو حسین ہوگا یہیں قتل تشنہ کام
بھائی مقام خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے تربت کی جا ہے وہ

۹۸
رونے لگے پکار کے عباس نامدار
سن پائے گی جو زینبِ بے کس یہ حال زار
شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں نثار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہرا کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

۹۹
قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام
ارشاد یہ تو کیجئے اے قبلۂ انام
رو کر کہا کہ ہاں یہی ہووے گا لاکلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
رو دو گے تم نہ ہم کو ہمیں تم کو روئیں گے

۱۰۰
مژدہ یہ سُن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم
ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شاہ نے علم
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے
برپا ہوئے خیام شہِ آسمان
ذرّے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اُترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

۱۰۱
کھنچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
تارے شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و د
پردا حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُد
جنگل کا اوج ہو گیا خیمہ کی شان سے
بلّہ زمیں کا اُٹھ کے ملا آسمان سے

۱۰۲
تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
شمسے کا اوج اوج تھا خیمے کا دَور دَور
سکّان عرش دیکھتے تھے فرش کو بغو
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا ا
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

۱۰۳
خیمہ میں جا پہنچے جو حرم باصد احترام
کمریں اُدھر کھلیں اُدھر اُتری سپاہ شام
ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباس نیک نا
بھائی کو لے کے خیمہ میں داخل ہوئے اما
اُمڈا تھا دل جو سبطِ نبی کی جدائی سے
زینب لپٹ کے رونے لگی چھوٹے بھائی سے

۱۰۴
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
تھے دس ہزار مستعدِ جنگ تیغ زن
صدقہ اُتارو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن
جتنا میں زخمی ہوتے جو عباس صف شکن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
دیکھو ابھی تلک نہیں ابرو سے بل گیا

۱۰۵
لے کر بلائیں کہنے لگی وہ جگر فگار
محمل میں ہیں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
کیا جی میں آ گئی تھی یہ بھیّا بہن نثا
صدقے کروں وہ نہر لڑیں جس پہ نا بکا
پیارا ہے یہ اُنھیں جنھیں پانی عزیز ہے
بھیّا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

۱۰۶
سر رکھ کے منہ پہ بالی سکینہ نے یہ کہا
روتی تھی میں سنی بھی نہ تم نے مری صدا
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خد
بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچ
اس بے کسی میں دلبرِ زہرا کا کون تھا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

۱۰۷
کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش بیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان
غصّے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں

۱۰۸
فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولیے کمر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبرؑ نے دی خبر
زینب نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
فوج اور آئی شام سے یا شاہ بحر و بر
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہراس ہے

آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم
کیسا شمار حصر نہ تھا انتہا نہ تھی

۱۰۹
آپہونچا لے کے فوج گراں ابنِ سعد شوم
آفت کی ہے ہبیڑ قیامت کا ہے ہجوم
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدت تعب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا

۱۱۰
زغے میں آ گیا پسر سیدِ العرب
پانی مسافروں پہ ہوا بند ہے غضب
شور آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے ستم کو پیاس سے اطفال شاہِ دیں
تھا دودھ خشک پیٹتی تھی بانوئے حزیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی

۱۱۱
جز آبِ اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرؑ سا نازنیں
باقرؑ تڑپ رہا تھا سکینہ بلکتی تھی

رونے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
شب تھی مسافروں کے لئے موت کا پیام
مل لو جناب فاطمہ کے نورِ عین سے

۱۱۲
آئی سیہ بلا کی طرح شام تیرہ فام
غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسینؑ سے

لکھوں سیاہیِ شبِ عاشور کا جو حال
چھایا ہوا تھا ابرِ غم و حسرت و ملال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی

۱۱۳
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کے مثال
کھولے تھے اہلِ بیتِ محمدؐ سروں کے بال
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا
پہونچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا

۱۱۴
یعنی کتاب ذکرِ خدا کا سبق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی درِ باغِ شفق کھلا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

ہونے لگے چراغ نجوم آسماں پہ گل
برپا حسینیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پر

۱۱۵
قرنا بجی سپاہ عدو میں بجا دہل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جزو و کل
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

سجدوں میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریب در
کی عرض سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے

۱۱۶
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں اُدھر
حضرت پہ آ کے روک لی عباس نے سپر
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار
سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے

۱۱۷
شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار
باندھی کمر شفاعتِ اُمت کے واسطے

۱۱۸
رخصت کو اہلِ بیت نبیؐ میں گئے امام
وہ شورِ الفراق کا وہ یاس کے کلام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینب کے بین سے

۱۱۹
روتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نونہال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوشخصال
پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
قربان جاؤں منھ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو بہرِ خدا میرے بھائی سے

۱۲۰
قاسمؑ سے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجوان
اک سو تھا مادرِ علیؑ اکبر کا یہ بیان
چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسنؑ کی نشان
اٹھارویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان
رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اُتار کے

۱۲۱
دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہ خوش خصال
بس الوداع کہہ کے چلا فاطمہؑ کا لال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے با ادب کیا
گھوڑا سوار دوشِ نبی نے طلب کیا

۱۲۲
آیا عجب شکوہ سے شبدیز تیز گام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
طاؤس کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
عباسؑ نے رکاب کو تھاما بہ احترام
چھوٹی قدم سے بیں یہ ہوا غم زمین کو
جبریل جھاڑنے لگے شہ پر سے زین کو

۱۲۳
حاصل ہوا جو فیضِ قدم بوسیِ جناب
روشن تھے بدر سے سمِ اسپِ ضیا شتاب
اللہ ری ضیا مہِ نو بن گئی رکاب
ثابت تھا صدرِ زیں سے کہ ہے برجِ آفتاب
انساں تو کیا ہیں دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تارِ شعاع بوسے ایالِ سمند ہیں

۱۲۴
کس اوج سے خدیو زمین و زماں چلا
لے کر نشاں علیؑ ولی کا نشاں چلا
رہوار کیا زمیں پہ چلی آسماں چلا
دامن بھرے ہوئے علمِ زر فشاں چلا
اختر نثار بخششِ سبطِ رسولؐ تھے
ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

۱۲۵
سادات کے وہ چہروں کی ضَو وہ علم کی شان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان
تکتا تھا اُس زمیں کے ستاروں کو آسمان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
وار اُن کے معرکہ میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

۱۲۶
پہونچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں
گاڑا سیاہ کفر کے آگے نشانِ دیں
روشن تھا جن کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

۱۲۷
چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
سینے حسینیوں نے ادھر کر دیے سپر
حجت تمام کی یہ نہ سمجھے وہ بد گہر
مطلق نہ کی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

۱۲۸
عباسؑ نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
مولا کہاں کلام نصیحت کہاں یہ تیر
موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسماں سریر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

۱۲۹
بولے حبیب رحم کی بھی انتہا ہے اب
گذرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب
دیجیے رضا جہاد کی یا شاہ تشنہ لب
بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
کٹ جائیں پیاسے حلق ادا اس سے دین ہو
اب سلسبیل پر کہیں پہونچیں تو چین ہو

۱۳۰
فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
اچھا لڑو کہ خالقِ کونین ہے کفیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
ہاں اشتیاق خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
در پیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

۱۳۱
یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
رخصت جو انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
میداں سے اٹھ گئے قدمِ لشکرِ عناد
کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے

۱۳۲
نصف النہار تک تھا یہی شور کارزار
رخصت اسے کیا سے رو دیے زار زار
مرنے کو یہ چلا وہ تڑپ کر ہوا نثار
جاتے تھے آپ لاش اٹھانے کو بار بار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی
جاں نکلے سب کے گود میں سبطِ رسولؐ کی

۱۳۳
لٹنے لگی علیؑ کی بضاعت دمِ زوال
زینبؑ کے نورِ عین بھی جب کر چکے جدال
کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسن کا لال
ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

۱۳۴
اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجوم یاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ لو وہ پیاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
اٹھتا تھا درد دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے
فرما کے یا علیؑ ولی بیٹھ جاتے تھے

۱۳۵
جن میں مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار
بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
دوڑی چلی جہاں سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
قطرہ نہیں ہے پانی کا منھ میں چوانے کو

۱۳۶
گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہ بحر و بر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسؑ نامور
لب برگ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
پانی تھا غم سے اکبرؑ ذی جاہ کا جگر
تلخ ان کو زیست تھی انھیں سربار دوش تھا
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

۱۳۷
بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبرؑ یہ دم بہ دم
فرماتے تھے اشارے میں عباسؑ ذی حشم
رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہِ دیں سے ہم
کہیو نہ کچھ تمھیں سرِ شبیرؑ کی قسم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
مرلے یہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے

۱۳۸
یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
طاقت نے تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جب یہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کے زمیں پہ امامِ زماں گرے

۱۳۹
بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے میرے مہ لقا
پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہ کربلا
گذرے ہیں تین دن تو ہیں اُس خوش صفات پر
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

۱۴۰
بولے بہا کے اشک امامِ فلک جناب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزندِ بوتراب
یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
اچھا یہ ہے صلاح تو کیجیے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں

۱۴۱
کیا اختیار خیر دغا دیجیے ہمیں
ملیے گا اب کہاں یہ پتا دیجیے ہمیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجیے ہمیں
رو لیں لپٹ کے اتنی رضا دیجیے ہمیں
بھائی کی زیست قوتِ بازو کے ساتھ ہے
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

۱۴۲
یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر
روئے جواں پسر کے لئے جس طرح پدر
گھبرا کے آئی بالی سکینہ قریبِ در
چلائی عمو جان ادھر آکے جائیے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

۱۴۳
یاں چڑھ چکے تھے گھوڑوں پہ عباسِ حق شناس
بولی یہ مشک دے کے سکینہؑ بہ درد و یاس
آئی صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
بھنکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

۱۴۴
عباس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امام
بی بی تمھارے باپ کا ادنیٰ ہوں میں غلام
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کوثر میں سمجھوں دوش پہ گر مشک آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

۱۴۵

کہہ کر یہ بات باگ اٹھائی سمند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اڑا کہ چکارا تڑپ گیا

۱۴۶

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
اڑتا تھا پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے
راکب وہ ہیں جو فرق دو عالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

۱۴۷

وہ تھوتھنی وہ ابلی ہوئی انکھڑیاں وہ بال
وہ جلد وہ دماغ وہ سینہ وہ سم وہ چال
گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
دم میں کبھی ہما کبھی ضیغم کبھی غزال
وہ قصر آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا براق تھا

۱۴۸

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی
وہ نور وہ چمک علمِ زرنگار کی
تصویر تھی ہوا پہ شہ ذوالفقار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا نشان ثریا مآب کا
تھا فرقِ جبرئیلؑ پہ تاج آفتاب کا

۱۴۹

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم
نصرت پکارتی تھی جلو میں قدم قدم
افزوں ترا جلال ہو دوبالا ترا حشم
جب تک ہے آفتاب درخشاں رہے علم
مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں
یارب ترے حسینؑ کے بازو قوی رہیں

۱۵۰

اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
ذروں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

۱۵۱

پہونچا جو اس جلال سے وہ آفتابِ دیں
گاڑا جو دبدبے سے علم ہل گئی زمیں
دیکھا سپاہ کو صفتِ شیرِ خشمگیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہلِ کیں
غازی ہے صف شکن ہے جری ہے دلیر ہے
ہٹنا نہ تھا ترائی سے جو وہ یہ شیر ہے

۱۵۲

گر دے کے اپنے سر کی قسم لے نہ جائے شاہ
گویا کھڑے تھے تیغ بکف ضیغمِ الٰہ
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ
کیا قہر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے کلیجے فگار تھے
جنبش بھووں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

۱۵۳

خود اب تو دی ہے شہ نے اسے رخصتِ جدال
اس کا جلال حیدرِ صفدر کا ہے جلال
دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر آب نہ ہٹے گا ترائی سے

۱۵۴

یہ سُن کے تہلکہ صفِ اعدا میں پڑ گیا
ہر غول میں علم سے جو جھک کر کے لڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ، وہ رسالہ بگڑ گیا
جو رہ گیا نشاں وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں مچھلیوں سے جو چلّے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اُس صف پہ چل گئے

۱۵۵

تیغیں کھنچی کیے ہوئے بھاگے جو اہلِ شر
تلوار یاں پڑی تھی کسی کی تو واں سپر
کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
برچھی تھی اس شقی کی تو اس نحس کا تھا تبر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

۱۵۶

گھبرا کے ابنِ سعد نے لشکر کو دی صدا
اتنا ہراس نامِ وَرو ننگ کی ہے جا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعو یہ کیا کیا
وہ کون تھے علیؑ سے لڑے جو دمِ وغا
سب مل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

۱۵۷

قاتل تمھارے جد و پدر کا جو تھا دلیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
ہاں غازیو اُسی کا جگر بند ہے یہ شیر
دشمن کو پا کے واہ یہ کم جرأتی یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ جو مرد ہو

۱۵۸

یہ سن کے سب کو جوشِ حمیت کا آ گیا
پھر ابرِ فوجِ شام لبِ نہر چھا گیا
ابلیس آ کے راہِ ضلالت بتا گیا
شورِ دہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھُل گئے نیزے علم ہوئے

۱۵۹

بڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جنّ و بشر بڑھا
گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
بہرِ نبرد مالکِ فتح و ظفر بڑھا
تڑپا جو رخش برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی آنکھوں میں پھر گئی

۱۶۰

کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخِ لاجورد
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد
مانندِ کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے دن کی ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

۱۶۱

نکلی ادھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز
چمکے شرر بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبان تیز
گھبرا اجل نے بند ہوئے کوچۂ گریز
آیا خدا کا قہر ہر اک روسیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

۱۶۲

بجلی گری تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
جو تھے ہوا یہ خاک میں ان کو ملا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
دعویٰ تھا خونِ قاسمِ یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شبیرؑ کے لال کا

۱۶۳
کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں — ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں — پہلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے — یہ اُٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے

۱۶۴
جس غول پہ گری نہ رُکی نہ تھمی کہیں — اک دم بھی کی نہ اُس کی برش نے کمی کہیں
چمکی کہیں کسی پہ کسی جا دمی کہیں — فوجوں میں اتری تھی کہیں بر ہمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے — ہر جا تھے ضرب تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے

۱۶۵
جل جل کے آبِ تیغ سے کفار مر گئے — بس بس کے بھاگنے میں جفاکار مر گئے
نامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے — دو ہاتھ جب ادھر سے چلے چار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے — کہتا تھا شیر ہاں یہ مدد پنجتن کی ہے

۱۶۶
جب وار چل گیا سپر آستیں کٹی — دستانہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
مغفر کٹا دو نیم ہوا سر جبیں کٹی — سینے کو لے کے زیں سے جو اُتری زمیں کٹی
چورنگ تھا فرس تو دو پار اسوار تھا — اللہ رے منہ کہ تیغ نے چاٹا چنار تھا

۱۶۷
آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی — خالی صفوں میں اور سوا اتری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی — بھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل بھی ڈری ہوئی
آنچ اُس کی قہر تھی کوئی کیوں کر الگ نہ جالے — جھلتی تھی برق بھی کہ ہوا اُس کی لگ نہ جالے

۱۶۸
بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی — اک آگ تھی کہ چنبر گردوں میں جا لگی
چار آئینہ پہ ضربتِ قہر خدا لگی — کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اس کی ہوا لگی
برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا — پانی اتر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا

۱۶۹
پلٹی اُدھر سے جب تو ادھر کا برا نہ تھا — کاٹے تھے سر پہ فرق برش میں ذرا نہ تھا
جھٹکا ہوا تھا سم بدن اُس کا ہرا نہ تھا — خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا
سیل فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا — دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں سب ذوالفقار کا

۱۷۰
گورا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک — تھی صاف تیغ حیدرِ کرّار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی دھار کی چمک — اُس پار تک پہونچتی تھی اس پار کی چمک
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں — خشکی میں زلزلہ تھا تلاطم فرات میں

۱۷۱
بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو — کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سو — بھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سو
تیغ آئی جس پہ اس کا بھی دار اس پہ چل گیا — وہ سر گرا گئی تو یہ لاشہ کچل گیا

۱۷۲

ثابت ہو جس پہ زہ کوئی ایسی کماں نہ تھی
گرمیان تھا تو تیغ دو دم امتحاں نہ تھی
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی
خمدار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
سرکش خموش تھے لب سوفار کی طرح

۱۷۳

جب ضرب کی زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے
سر اُڑ گئے گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے
برہم مزاج لختِ دلِ بوتراب تھا
لاشے اُلٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا

۱۷۴

ممکن نہ تھا کہ ایک کو ستّو میں اماں ملے
جو نام ور بڑے تھے نہ اُن کے نشاں ملے
مارا وہیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
رہتی یہ گر ملے بھی لاشے تپاں ملے
کیوں معرکے میں تیغ دو دم سرخرو نہ ہو
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

۱۷۵

زہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے کسی کا دل
آفت تھی قہر تھی برش تیغ جاں گسل
بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے متصل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل
بگڑے تھے منھ سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بد سرشت کی

۱۷۶

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے
جب بھاگتا سپر کو سیہ کار روک کے
دم بھر نہ رُک سکا کوئی اک وار روک کے
عباسؑ مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا وہیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجے سے شیر کے

۱۷۷

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک وہ فرس کی جست
بجلی گری پھرا جو ذرا دستِ حق پرست
رستے کھلے ہوئے نہ صفیں وہ نہ بند و بست
غارت وہ مورچہ اِدھر آفت اُدھر شکست
افسر سے فوج فوج سے افسر چھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے لٹے ہوئے

۱۷۸

ہر اک علم کی چوب ضلالت نشاں کٹی
ترکش کٹے قلم ہوئے نیزے سناں کٹی
منھ تیغ کا کھُلا تو سناں کی زباں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ کمرِ پہلواں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ روحیں تنوں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

۱۷۹

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ در ہوئی
شب کو چمن کھلا جو سپر خوں سے تر ہوئی
چمکی اِدھر یہ تیغ تجلی اُدھر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی
چلّائی موت صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے

۱۸۰

جب بن سے فوج کفر پہ وہ جنگ جو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تند خو چلی
گویا سموم قہر خدا چار سو چلی
ٹکڑے اُڑا اُڑا کے ذبح کیا سرخرو چلی
غل تھا کہ برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۱۸۱
ن کے گلے سے مل کے چلی مر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
بکتے ہیں کوئی منھ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی بہر تماشا کھلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں

۱۸۲
ٹھی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اس سے سپر جدا
ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا
وہ تہلکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

۱۸۳
اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ٹھاٹھ بدلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا

۱۸۴
اٹھی پہ چلی سپاہ میں آئی جدا ہوئی
صف کی جدا پرے کی صفائی جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی
پیری جگر میں خوں میں نہائی جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا نہ تھی

۱۸۵
چھلتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے
تھراتا تھا زمیں کو نالک دیکھ دیکھ کے
رہ جاتے تھے سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق بھی تھی خم ہلال کا

۱۸۶
کٹتی تھی سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سروہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں

۱۸۷
سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع واہ
خط جا بجا تھے خاک پہ مابین رزم گاہ
اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم وہ پرا تباہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ
کترا کے لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

۱۸۸
گھیرا جو یک بیک غضب کردگار نے
کھینچا جو آسماں پہ زمیں کے غبار نے
گھوڑے بھگائے فوج ضلالت شعار نے
سر پر اڑائی خاک سیہ روزگار نے
دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹی کا پل بندھا تھا محیط سپہر پر

۱۸۹
اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنات کانپ کے کہتے تھے الحذر
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
دنیا میں خاک اڑاتی ہے اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
ٹل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

۱۹۰

دریا کی فوج گھاٹ سے جب مٹ گئی تمام
نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام
ساحل تک آئے حضرتِ عباسؑ نیک نا
وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنانِ شا
تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

۱۹۱

وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
لاکھوں میں کب تو دے کوئی اس تیغ کا جواب
ریتی یہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بوتراب
افسوس ابن سعدِ ستمگار ٹل گیا
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

۱۹۲

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
چمکا جو عکس روئے علمدار ارجمند
طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپ سربلن
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چن
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

۱۹۳

جلوے جو نہر میں علم شیر نے دکھائے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
اک شور تھا کہ خضر علیہ السّلام آئے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے
ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن تو بھنور آفتاب تھا

۱۹۴

چھاتی تک اس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بیقرا
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدا
تو پی لے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے

۱۹۵

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیز گام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرا
آقا ابھی حسینؑ کے بچے ہیں تشنہ کا
مطلب یہ ہے کہ ذکرِ وفا چار سو رہے
لب خشک تر نہ ہوں تو نہ ہوں آبرو رہے

۱۹۶

ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
پیتا یہ خانہ زاد بھی پیتے اگر حضور
جائیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی ہے ضرو
ناموسِ مصطفےٰ میں تلاطم ہے رات سے
اب جلد مشک بھر کے نکلیے فرات سے

۱۹۷

بچوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیرِ غم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بہ چشم نم
روئے لہو کے اشکوں سے عباس باکر
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیز خوش قدم
اُترتے ہی بحرِ ظلم کی موجوں میں گھر گیا
سقا نبی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

۱۹۸

ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اُٹھا ابر کوہسار
برچھے اٹھا اٹھا کے بڑھے سیکڑوں سوار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھا آہنی حصار
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے

۱۹۹
کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلوان
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسؑ نوجوان
رکھ دو یہ مشک اے اسد اللہ کے نشان
چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زبان
کیا منہ جو مشک لے کوئی جبتک یہ ہاتھ ہے
اے بے حمیتو مری جاں اسکے ساتھ ہے

۲۰۰
طفلی سے تھی ہمیں انھیں عہدوں کی آرزو
اک مشک اک نشان شہنشاہ نیک خو
دونوں امانتیں ہیں یہ اے فوج کینہ جو
اس سے جہاں میں نام ہے اور اس سے آبرو
گر مر گئے تو رنج و الم لے کے جائیں گے
مختار ان کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

۲۰۱
جھپٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کیے
حملے صفوں پہ صورت شیر دژم کیے
دونوں طرف کے نیزۂ خطی قلم کیے
تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
آدھی صفیں تو بچھ گئیں آدھی الٹ گئیں

۲۰۲
بوچھار یک بہ یک ہوئی تیروں کی ہے غضب
یہ شکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس غریبوں کی ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

۲۰۳
زخمی تھے پر فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علی کی لڑائی کا
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

۲۰۴
جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
دیتے تھے دم بدم یہ صدا شاہ ذوالفقار
قوت عطا کرو مجھے یا شیر کردگار
بیٹا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

۲۰۵
واحسرتا وہ فوج کا بلوہ وہ ایک جان
رونے کی بچو مشک کا دھڑکا علم کا دھیان
فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زبان
جی سن سے ہو گیا کہیں کڑکی اگر کمان
چمکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

۲۰۶
کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم
بہتا تھا خوں رکابوں میں تھمتے نہ تھے قدم
مضطر تھا مشک کے لئے وہ صاحب کرم
قوت کو ضعف ضعف کو قوت تھی دم بہ دم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

۲۰۷
تلوار ہاتھ میں علم شاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
بھرنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
تلوار کیا پہاڑ گرا آہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جان حزیں پہ تھا
دیکھا جو پھر کے دست مبارک زمیں پہ تھا

۲۰۸

ثانے سے یوں اُبل کے بہا خون کہ الاماں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو رہتی پہ تھا تپاں
تیور اکے جھومنے لگے عباسؑ نوجوان
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے اُنگلیاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

۲۰۹

رہتا تھا ہاتھ تیغ اُسی میں تھی ہے ستم
تلواریں دو چلیں جو کہیں گاہ سے بہم
اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزۂ علم
اُلجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے دعا کریں
بتلاؤ اب کہ حضرتِ عباس کیا کریں

۲۱۰

ڈر سے قریب تو آنہ سکا کوئی نابکار
اک تیر لگ کے مشک پہ گذرا جگر کے پار
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
مرنے پہ سر بکف کے بہشتی نے آہ کی

۲۱۱

گرزِ ستم سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جواب
تھرائے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثل آفتاب
تڑپے اُٹھے کراہ کے خاموش ہو گئے
منھ رکھ کے خالی مشک پہ بیہوش ہو گئے

۲۱۲

ان کا تو یاں ہے کوچ سنو واں کی اب خبر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے عباسؑ کا پسر
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریبِ در
زینبؑ کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عباس ساتھ ہے

۲۱۳

زینبؑ سے عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار
کچھ دم اُلجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار
ہے ہے یہ شور نہر پہ کیسا ہے میں نثار
گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

۲۱۴

کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
یہ ذکر تھا کہ تیغ کے باجے بجے اُدھر
پردہ اُٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
دوڑے زمیں سے اُٹھ کے شہنشاہ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دل اندوہناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان چاک تھا

۲۱۵

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم
اکبرؑ سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے اَلم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہرا کو لے چلو
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

۲۱۶

اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت ہے سدِّ راہ
چلتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو آہ آہ
عباسؑ کیا بچھڑ گئے گھر ہو گیا تباہ
وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر جو صبر ادھر سے عطا نہ ہو
یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

۲۱۷

ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر
سینہ لہو ہے دل ہے تپاں چاک ہے جگر
تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
اکبر بتاؤ ہاتھ ہیں رکھوں کدھر کدھر
لو اٹنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
کیا دکھ ہے یہ کہ ہیں ہمہ تن درد ہو گیا

۲۱۸

اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہ دیں
بابا یہی ہے لاشِ علمدار مہ جبیں
رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرؑ حزیں
گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پیار دیکھیے
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھیے

۲۱۹

حضرت پکارے جان بھی ہے جسم زار میں
کی عرض دم تو ہے جسدِ زخمدار میں
یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
پر منہ سے بولتے نہیں کچھ اختصار میں
کیجیے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو

۲۲۰

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار
بھیا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈ رہے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

۲۲۱

مر جائے گا حسینؑ برادر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبر جواب دو
اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیٔ کوثر جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
بھیا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں

۲۲۲

سن لو تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام
جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سن کے نام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

۲۲۳

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
اس سوکھے سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علی کا لال
کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
بھیا مدد کو آئے ہیں اب شیر ذوالجلال
رخ کیوں ہے زرد کونسی ایذا گذرتی ہے
کیوں دم بہ دم کراہتے ہو کیا گذرتی ہے

۲۲۴

گودی میں ہے مری دم آخر تمھارا سر
گذرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر
اور پائنتی جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
سینہ پہ ہوگا تیغ لیے شمر بد گہر
شمشیر حلق خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

۲۲۵

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ کے آئے
پرخوں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

۲۲۶
اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے | جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
منھ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے | وا حسرتا حسین کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ | دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

۲۲۷
اے میرے شیر صف شکن اے میرے نوجوان | پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیر خدا کا آج جہاں سے مٹا نشان | تم کو حسین جانتا تھا اپنے تن کی جان
تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو | بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

۲۲۸
آتے ہی بھا گئی تھی ترائی کی جا تمھیں | اللہ کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمھیں
بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمھیں | آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمھیں
اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسین سے | بھیا ہوائے سرد میں اب سوؤ چین سے

۲۲۹
قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم | کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے ہے ستم
کیا خوب ہو اگر یہیں نکلے ہمارا دم | الفت یہ چاہتی ہے کہ قبریں بھی ہوں بہم
روئیں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں | ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

۲۳۰
آئی صدا اے حضرت خاتون روزگار | ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں نثار | میرا پسر ہے آج سے عباسؑ نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں | پرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

۲۳۱
واری تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر | ایسا نہ ہو نکل پڑے زینبؑ برہنہ سر
چلّائے تب یہ رو کے شہنشاہ بحر و بر | اماں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گزر گیا | بازو ہمارا تھا منے والا تو مر گیا

۲۳۲
اکبرؑ سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ | پرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی پھپھی اسے پرسا دو خاک اڑاؤ | بیٹا چچا کے بچوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے | کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

۲۳۳
اکبرؑ یہ شہ سے سن کے چلے روتے بہ صد بکا | تڑپے اک آہ کر کے شہنشاہِ کربلا
ناگاہ آئی در سے سکینہؑ کی یہ صدا | بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عمو کدھر گئے | حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گزر گئے

۲۳۴
فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہِ انس و جاں | رو کر علم سے باندھ دی وہ مشک خونچکاں
پہونچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں | سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
اندھیر ہے جہاں مجھے کچھ سوجھتا نہیں | ہے ہے علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں

۲۳۵

ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمو کدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گذر گئے
مجھ کو بتا دیا نہ وہاں کا جدھر گئے
پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے بھتیجے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت الٹ گئی

۲۳۶

غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے
اے ابن فاطمہ کے مددگار ہائے ہائے
اے نورِ چشم حیدرِ کرار ہائے ہائے
اے فوج شہ کے جعفر طیار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

۲۳۷

حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہِ باکرم
جن سے جدا نہ ہوتے تھے کھو آئے ان کو ہم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی ہی جانتا ہے محبت کو بھائی کی

۲۳۸

بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا ہزار حیف
چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا ہزار حیف
اُمت نے میرے باغ کو لوٹا ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سروِ باغ علیؑ کو قلم کیا

۲۳۹

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
دنیا سے کھو گئے مجھے عباسؑ خوش خصال
ہے ہے علی کا نورِ نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

۲۴۰

ناگاہ صدا علی کی یہ آئی کہ اے بہو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہراؑ کشادہ مو
زانو پہ تھا مرے سرِ عباسؑ نیک خو
بی بی بس اب حسینؑ کو رو کر رُلا نہ تو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے
اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

۲۴۱

ہاں رو دو مومنو یہ بکا کا مقام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السّلام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
چہلم کی مجلسوں کا بھی آج اختتام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۲۴۲

آگے تمہارے مرتے جو عباس باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
پرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
زہراؑ بھی ننگے سر ہے قیامت کی ہے یہ جا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

۲۴۳

یہ کہہ کے ہائے حضرت عباسؑ خاک اُڑاؤ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے زمیں پہ پچھاڑیں کھاؤ
پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشک خوں بہاؤ
پُرسا پسر کا فاطمہؑ زہرا کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو
رخصت کرو حسینؑ علیہ السّلام کو

۲۴۴

اے بے دیار بے سر و سامان الوداع
اے بنتِ مصطفیٰ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع
اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بکا کے سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جبتک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے

۲۴۵

مولا ضریحِ پاک پہ بلوائیے شتاب
رہ جائے گی ہوس جو دیا زیست نے جواب
اب ہجر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب
خاکِ شفا ملے مجھے یا ابنِ بو تراب
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے
حسرت یہ ہے کہ رددوں لپٹ کر ضریح سے

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں
وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گزارا نہیں
سکندر کے خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں
گئے پہنے نعلین وال مصطفیٰ
فرشتے کا جس جا گذارا نہیں
جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں
پھرے دوست جب ہوگئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اتارا نہیں
ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

رباعی

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیسؔ
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

مرثیہ

ہے شور آمد آمدِ حُسینِ فوجِ شاہ میں
زہرا کی روح منتظرِ حُر ہے راہ میں
ہر اک جوان خوش ہے حسینی سپاہ میں
زینب دُعائیں دے رہی ہے خیمہ گاہ میں
اللہ رے مرتبے حُرِ قدسی سرشت کے
حوروں نے وا کیے ہیں دریچے بہشت کے

۲

غل قدسیوں میں ہے کہ خوشا حر زہے شرف
حامی ہیں فاطمہ تو محمدؐ ہیں شہِ نجف
دیکھو تو کس طرف سے یہ آتا ہے کس طرف
محبوبِ کبریا کی صدا ہے کہ لاتخف
اب نعمتیں ہیں گلشنِ عنبر سرشت کی
دیتے ہیں خضر حُر کو بشارت بہشت کی

۳

ہاتف کی ہے صدا کہ مبارک ہو وصلِ حور
حاضر ہو جلد دیر سے ہیں منتظر حضور
جنت بہت قریب ہے دوزخ بہت ہے دُور
لے قصرِ خلد اب کہ بحل ہو گئے قصور
قربِ حبیبِ حضرتِ داور نصیب ہو
دستِ علی سے ساغرِ کوثر نصیب ہو

۴

ہیں جس طرف حسین وہ راہِ نجات ہے
ہے پاس دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے
ظلمت یہ کفر کی ہے وہ آبِ حیات ہے
دُنیا کو چھوڑ کون بڑی کائنات ہے
ایسا نہ ہو کہ فوجِ عدو میں ہلاک ہو
دریا سے جاکے مل کہ گناہوں سے پاک ہو

۵

ہے جزو و کل پہ قبلۂ عالم کا اختیار
ہے ان کے ہاتھ میں قلمِ عفوِ کردگار
مختارِ کارخانۂ حق ہیں وہ نامدار
بخشائیں وہ جو لاکھ ہوں تجھ سے گنا ہگار
اب نورِ عین فاطمہ تیرا شفیع ہے
ڈرتا ہے کیوں حسین کا دامن وسیع ہے

۶

فیاضِ خلد نام ہے اُس بادشاہ کا
کیا ذکر اس جناب میں تیرے گناہ کا
حیدر کا علم خلق رسالت پناہ کا
مالک ہے وہ جہاں کے سفید و سیاہ کا
کس روز صبحِ شامِ غریباں نہ ہوئے گی
مشکل پڑی وہ کس پہ جو آساں نہ ہوئے گی

۷

وجہ قبولِ توبۂ آدم ہے ان کا نام
حامی کلیم کے تھے یہی اس میں کیا کلام
یہ قیدِ چاہ میں مہِ کنعاں کے آئے کام
جس پر درود بھیجیے یہ وہ ہیں والسلام
ان کے عدو کو راحتِ دنیا و دیں نہیں
حامی جو یہ نہ ہوں تو ٹھکانا کہیں نہیں

۸

جنت کی آبرو ہیں مرض کی دوا ہیں یہ
خورشیدِ آسمانِ سخا و عطا ہیں یہ
ہادی ہیں یہ امام ہیں یہ مقتدا ہیں یہ
سب روشنی انھیں کی ہے نورِ خدا ہیں یہ
رنجِ لحد سے اپنے محب کو بچاتے ہیں
ہفتاد بار قبر میں مومن کی آتے ہیں

۹

یہ خانۂ کرم ہیں یہ رحمت کے باب ہیں
جانِ رسول ہیں خلفِ بوتراب ہیں
مانندِ خضر ہادیِ راہِ ثواب ہیں
ذرّے کو کر دیں مہر یہ وہ آفتاب ہیں
مانندِ سبحہ رشتۂ ایماں قوی کرے
دانا وہ ہے امام کی جو پیروی کرے

۱۰

جس کام میں ہو شر بشر اس سے جدا رہے
لازم ہے امر خیر کہ راضی خدا رہے
دریا لئے فیض حق سے صدا آشنا رہے
آئینہ دار صاف رہے بے ریا رہے
گر ہو تو حق پرست کے دامن پہ ہاتھ ہو
ساتھ اس دل کا دے کہ خدا جسکے ساتھ ہو

۱۱

جو مرد ہیں جہاں میں وہ مرتے ہیں نام پر
دیں دار جان دیتے ہیں عقبیٰ کے کام پر
ہے تین دن سے فوج کا زغنہ امام پر
قربان ہو حسین علیہ السّلام پر
انسان کھو کے وقت کو پاتا نہیں کبھی
جو دم گذر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی

۱۲

یہ صف کشی یہ وقت یہ ہنگام پھر کہاں
یہ صورتیں یہ لشکرِ اسلام پھر کہاں
گر صاحبِ نگیں ہو تو یہ نام پھر کہاں
دن ڈھل گیا تو شاہ خوش انجام پھر کہاں
دنیا میں نور چشم نبی کو نہ پائے گا
ان میں سے بعد عصر کسی کو نہ پائے گا

۱۳

فرطِ خوشی سے یاں شہِ دیں کو نہیں قرار
خود چند گام بڑھتے ہیں اُٹھتا ہے جب غبار
اکبر سے سکرا کے یہ کہتے ہیں بار بار
آتا ہے میہماں مرے گھر پیرا دوستدار
ایسے کی پیشوائی کو جانا ثواب ہے
لاکھوں بدوں میں نیک ہو جو انتخاب ہے

۱۴

لکھا ہوا ہے مصحفِ زہرا میں اس کا نام
حُرِ جری شہید جفا ناصرِ امام
ناجی ہے اس کے جرم بجل ہو گئے تمام
روئیں گے اس جری کو محبت میں خاص و عام
کیوں کر رکھوں عزیز نہ اس خوشخصال کو
جس نے حسینؑ کے لئے چھوڑا عیال کو

۱۵

یاں کا تو ہے یہ حال سنو اُس طرف کا رنگ
فوج امیر شام ہے سب مستعد بہ جنگ
چلوں سے ہیں ملائے ہوئے اہل کیں خدنگ
غل ہے کہ ہاں لڑائی میں اب کچھ نہیں درنگ
فوجیں لیے کمک کو رئیسانِ شام ہیں
پھل برچھیوں کے جانب فوج امام ہیں

۱۶

حُر اک طرف کھڑا ہے سلح مگر خموش
پیچھے ہیں دو ہزار جوانان درع پوش
بھائی کا ہے خیال نہ کچھ ہے پسر کا ہوش
آنکھوں میں اشک دل میں محبت کا نشہ کی جوش
انجام کا خیال ہے ایماں کا درد ہے
رعشہ تمام جسم میں اور رنگ زرد ہے

۱۷

ٹپکا کے اشک آنکھوں سے کہتا ہے آہ آہ
کیوں مصطفےٰؐ کے لال کی روکی تھی میں نے راہ
میرے سبب سے ہائے یہ سیّد ہوا تباہ
نفرین فاطمہؑ سے بچا مجھ کو یا الٰہ
محجوب ہوں خجل ہوں شہِ مشرقین سے
کیا جانتا تھا میں کہ لڑیں گے حسینؑ سے

۱۸

بڑھ کر اگر کماں میں کوئی جوڑتا ہے تیر
کہتا ہے خیر تول کے شمشیر بے تطیر
یہ کیا خطا ہے دور ہو اسرکش و شریر
حیدر کا نور چشم ہے کونین کا امیر
کیا پاس کچھ نہیں دل و جان بتولؑ کا
بے درد چھید نہ جائے کلیجہ رسولؐ کا

۱۹

جب شمر نے سنے سخن حر حق شناس
کی عرض اے امیر نہایت ہوں بے حواس
گھبرا کے وہ گیا عمر بے حیا کے پاس
لشکر میں ہے فساد مجھے فتح سے ہے یاس
وہ فکر کر کہ فوج کا کچھ بند و بست ہو
آپس میں لڑ مریں تو غضب کی شکست ہو

۲۰

سادات پر ابھی نہ ستم تھا نہ ظلم و جور
فتنہ ہے نظر آتا ہے تو دیکھ لے بغور
بے طور کچھ مجھے نظر آتا ہے حر کا طور
ثابت ہوا مجھے کہ ارادہ ہے اس کا اور
سب ایک دل ہیں قتل شہ مشرقین پر
وہ اپنی جان دیتا ہے نام حسین پر

۲۱

ز در بڑے فساد ہے لشکر میں اے امیر
ہیں اس کی سرکشی سے کماں دار گوشہ گیر
کہتا ہے بے خطا ہے شہ آسماں سریر
چلے میں جوڑنے نہیں دیتا کسی کو تیر
رخ اس کا پھر گیا ہے ہماری سپاہ سے
وہ جا ملے گا سبط رسالت پناہ سے

۲۲

اس کو نہ تیرا پاس نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
بیٹے سے دم بدم ہے اشارہ کہ اے پسر
بپھرا کھڑا ہوا ہے الگ مثل شیر نر
ہے جنت النعیم ادھر اور ادھر سقر
اب یاں رہیں کہ سوئے شہ بحر و بر چلیں
عاقل اگر ہے تو تو بتا دے کدھر چلیں

۲۳

سنتے تھے سب جو بھائی سے اس نے کہے کلام
براز حسین مجکو نہیں ہے کسی سے کام
کہتا تھا نور عین علی ہے مرا امام
سچ کہتے ہیں اسی لئے ہے نوکری حرام
پانی کیا ہے بند امام سعید پر
دشمن ہے آل پاک کا لعنت یزید پر

۲۴

سن کے ابن سعد لعیں کو ہوا ہراس
یا عجب شکوہ سے حر خدا شناس
بولا بلا تو لائے کوئی حر کو میرے پاس
غصے سے رنگ سرخ مگر مجتمع حواس
یہ غیض تھا حر کی طلب سے دلیر کو
جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ میں شیر کو

۲۵

قبضے پہ ہاتھ اور زباں پر علی کا نام
نیزہ لیے برادر حر خجستہ کام
فرزند ارجمند بھی تولے ہوئے حسام
گرز گراں اٹھائے ہوئے باوفا غلام
دھڑکا کہ دیکھیے پسر سعد کیا کہے
ایسا نہ ہو حسین کو ظالم برا کہے

۲۶

خیمے سے دور تھا ابھی کچھ حر نام ور
لائے فرق بخش چمکتا تھا چتر زر
غل یک بہ یک ہوا کہ برآمد ہوا عمر
تیغیں علم کیے تھے مصاحب ادھر ادھر
غرہ تھا بے حیا کو ہجوم سپاہ پر
سایہ ہزار ڈھال کا تھا روسیاہ پر

۲۷

غل تھا ہٹو بڑھو کا پیادوں میں بار بار
گے تھے اہتمام میں دس بیس چوب دار
پیدل تھے ساتھ گھوڑوں سے اترے ہوئے سوار
بیٹھے پہلوان سلام کو باندھے ہوئے قطار
ظالم کے حکم میں سپہ شام و روم تھی
چاروں طرف سلامی کے باجوں کی دھوم تھی

۲۸

کہتا تھا شمر سے یہ بہ نخوت وہ خود پرست
کہہ دے درست ہو جو زمیں ہے بلند و پست
کھلوا نشان لڑائی کا ہو جلد بند و بست
دریا پہ جائیں اور جوانانِ تیز دست
آلِ نبی کو تشنہ دہن ذبح کیجیو
گر پاس آبرو ہے تو پانی نہ دیجیو

۲۹

حاکم کے حکم سے کوئی ہو منحرف اگر
مجرم ہے جائے گا جو ادھر سے کوئی اُدھر
قطعی یہ حکم ہے کہ جدا کر بدن سے سر
بچے اسیر ہوئیں گے تاراج ہو گا گھر
حاکم ہوں میں سزا کا مجھے اختیار ہے
درہ ہے بیڑیاں ہیں اسیری ہے دار ہے

۳۰

تھرا رہے تھے سن کے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام
چیں بر جبیں قریب گیا حُر نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے ہو جس کو کام
چیں بر جبیں قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعبِ حق پسرِ سعد ڈر گیا

۳۱

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرِّ نامور
کتنے جواں صفوں میں ہیں کتنے ہیں نہر پر
رن میں سوار تیرے رسالے کے ہیں کدھر
حُر نے کہا کہ اس کی مجھے کچھ نہیں خبر
دنیا میں زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
میں ہوں کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

۳۲

بولا وہ بے حیا کہ نہ برہم ہو اے جری
حُر نے کہا عزیز نہ سر ہے نہ افسری
اچھی نہیں یہ تند مزاجی یہ برہمی
میں وہ کروں گا جس میں ہو ایماں کی بہتری
کیا اس کا ساتھ جس کی اطاعت گناہ ہو
حاکم ہو یا رئیس ہو یا بادشاہ ہو

۳۳

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہوں گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی تو ہو گا سرفراز
دیر اس میں کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

۳۴

جو اس میں تیری رائے مجھے ہے وہی پسند
تھوڑے بہت ہیں یاورِ سلطانِ ارجمند
پانی تو تین دن سے ہے پردیسیوں پہ بند
پس جائیں گے اٹھائے سواروں نے جب سمند
لشکر میں یاں چھ لاکھ دلاور جوان ہیں
واں ایک صف ہے جس میں بہتر جوان ہیں

۳۵

ان میں بھی چھوٹے چھوٹے ہیں کچھ طفل نونہال
کیا جانئے دل میں سوچے ہیں کیا شاہ خوش خصال
تلوار جن کے ہاتھ سے اُٹھے گی اور نہ ڈھال
رو دیں گے پہلوانوں کے حربے یہ خرد سال
فوجوں کے ریلے ہونگے جو دشتِ نبرد میں
دب جائیں گے سواروں کے گھوڑوں کی گرد میں

۳۶

آمادہ قتلِ شاہ پہ ہیں سب جوان و پیر
کیوں برچھیاں حسین پہ پہلے چلیں کہ تیر
کہتا ہے اب سر پسرِ شاہ قلعہ گیر
حُر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر
انساں کو اختیار ہے خود اپنے کام میں
مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام میں؟

۳۷

سوچے اگر تو عاقل و ہشیار ہے بشر
ہر دم خدا کا یوں تو خطا وار ہے بشر
ہے دوزخی جو شر کا طلب گار ہے بشر
شر ہو کہ خیر عاقل و مختار ہے بشر
ایماں کا فیض ربِّ عُلا کی طرف سے ہے
شر اس طرف سے خیر خدا کی طرف سے ہے

۳۸

کتنے ہیں تشنہ رہتے ہیں حُبِّ علیؑ سے مست
کتنوں کی ہے جو فتح تو کتنوں کی ہے شکست
کتنوں نے دل سے محو کیا وعدۂ الست
کتنے ہوا پرست ہیں کتنے خدا پرست
احوال مختلف ہے شقی و سعید کا
عاشق کوئی حسینؑ کا کوئی یزید کا

۳۹

اے رائے نیک یہ ہے سمجھ ہے اگر پسند
پانی مسافروں پہ بھی کرتا ہے کوئی بند
فرزند فاطمہ کو نہ پہونچا کوئی گزند
واللہ بے قصور ہے وہ شاہ ارجمند
او مست عقل پاس بھی تجھ کو کسی کا ہے
مجرم بھی ہو اگر تو نواسا نبی کا ہے

۴۰

نادم ہو دل میں منھ کو گریباں میں اپنے ڈال
توبہ کر اے امیر گروہِ جفا خصال
ایمان کس کے گھر سے ملا یہ نہیں خیال
محسن کشی یہ کون سے مذہب میں ہے حلال
دنیا میں اک علی کا یہی نورِ عین ہے
جو مصطفیٰ کی جان ہے یہ وہ حسینؑ ہے

۴۱

حاکم ہے حرمتِ شرفا چاہیئے تجھے
پردیسیوں پہ مہر و وفا چاہیئے تجھے
روحِ رسولِ حق سے حیا چاہیئے تجھے
امدادِ بندگانِ خدا چاہیئے تجھے
جو اپنے گھر میں آئے اسے گھیرتے نہیں
مہمان کے گلے پہ چھری پھیرتے نہیں

۴۲

مہماں بھی کون سا کہ رسولِ خدا کا لال
نے ملک جس کے پاس نہ دولت نہ زر نہ مال
زہرا کی جان لختِ دلِ شیرِ ذوالجلال
سیدِ عیالدار مسافر شکستہ حال
کیا جانے یہ ستم تجھے کیوں کر پسند ہے
سولہ پہر سے آبِ رواں اُس پہ بند ہے

۴۳

لالچ نہ کر حکومتِ رے کا خدا سے ڈر
اس شے سے آدمی کو سدا چاہیئے حذر
کعبے کو ڈھا کے کوئی بناتا ہے اپنا گھر
جس کی طلب میں دولتِ ایماں کو ہو ضرر
دنیا میں کیا خبر کہ رہے یا نہ تو رہے
وہ کام کر کے جا کہ سدا آبرو رہے

۴۴

انساں کو پاسِ حرمتِ اسلام چاہیئے
منعم کو مثلِ ابرِ کرم عام چاہیئے
عقبیٰ بخیر جس میں ہو وہ کام چاہیئے
گو صاحبِ نگیں نہ ہو پر نام چاہیئے
فیضِ محبتِ شہِ نامی نصیب ہو
گر ہو تو پنجتن کی غلامی نصیب ہو

۴۵

کیا حاکمِ شقی کی محبت کا اعتبار
نامرد بدترینِ جہاں ننگِ روزگار
بدعہد و پُر دغا و شقی و شراب خوار
دنیا پرست فاسق و بے دین و بد شعار
دن رات اس کو شغل شراب و غنا کا ہے
شیطان کا مطیع ہے عادی زنا کا ہے

۴۶

باپ اس کا بھی ہمیشہ رہا پر سرِ فساد　　بغضِ علیؑ میں بھول گیا تھا خدا کی یا
برسوں لڑا وصیِ علیؑ سے بہ صد عناد　　خیبر سے بعد صبح تھا اظہار اتحا
پہونچا دئے رنج قبر میں خیرالانام کو　　دلوا کے زہر جان سے مارا امام کو

۴۷

یہ تشنہ لب حبیب الٰہی کا ہے حبیب　　تو ساتھ اس امام کا دے تو زہے نصیب
گر یہ نہ ہو سکے تو نجف یاں سے ہے قریب　　مہلت بس اتنی دے کہ نکل جائے یہ غریب
لایا تھا گھیر کر میں شہِ مشرقین کو　　پہونچا بھی آؤں قبرِ علی پر حسین کو

۴۸

محروم ہی رہا ہے سدا قاتلِ امام　　ہے منتقم بھی کوئی کہ لے گا وہ انتقا
دوزخ میں ابن ملجم ملعوں کا ہے مقام　　بے لعن طعن بھی کوئی لیتا ہے اس کا نام
مردود تھا یہ دونوں جہاں میں بکار ہے　　آتش کے گرز پڑتے ہیں نعمت کی مار ہے

۴۹

ملتا ہے گر تو قبلۂ عالم سے جلد مل　　ورنہ رہے گا احمدِ مرسل سے منفعل
میں بے تقیہ کہتا ہوں سن لے بہ گوشِ دل　　جاتا ہوں دیکھ جاتا ہوں آقا کے متصل
چھوڑا کنشت صاحبِ مسجد کے ساتھ ہوں　　تیرا شریک اب نہیں سید کے ساتھ ہوں

۵۰

یہ سن کے ہو گیا پسرِ سعد شوم تنگ　　غصے سے اور تیز ہوا تیرہ رو کا رنگ
بولا کہ بہر خیال ہے مجھ سے کرے گا جنگ　　ہوتا ہے حاکموں سے یہی گفتگو کا رنگ
نامِ حسینؑ منھ سے نہ اب بار بار لے　　کہہ دوں کہ کوئی تن سے ترا سر اُتار لے

۵۱

کیا جانتا نہیں کہ ہے اس نام سے عناد　　دشمن سے کیسی دوستی اور کیسا اتحاد
حاکم سے دل بھرا ہوا اور دل سے اعتقاد　　ایسی سزا ملے گی کہ برسوں کرے گا یاد
جانے دے جان جائے گی جانے میں کد نہ کر　　اچھا یہی ہے گر تو کسی کی مدد نہ کر

۵۲

لڑ لیں گے ہم حسین سے کیا تیری احتیاج　　آلِ نبی کے خون کے دریا بہیں گے آج
نعلین پائے سر کو سمجھتا ہے سر کا تاج　　محتاج ہیں وہ آب کدھر ہے ترا مزاج
زحمت اٹھا کے زیور و زر لینے آئے ہیں　　کوسوں سے یاں حسینؑ کا سر لینے آئے ہیں

۵۳

بے قتلِ ابن فاطمہ آسودگی محال　　لوٹیں گے گھر علیؑ کا ملے گا متاع و مال
دم میں کریں گے باغِ محمد کو پائمال　　پیاسا شہید ہو گا رسولِ خدا کا لال
ہوں گی علیؑ کی بیٹیاں بلوائے عام میں　　بندی بنیں گی آل کی جائے گی شام میں

۵۴

فرزند فاطمہ کی رفاقت سے کیا حصول　　حُر نے کہا کہ دولتِ خوشنودیِ رسول
جل جاؤں گا کریں گی اگر بد دعا بتول　　تیور بدل کے مجکو ڈراتا ہے اے جہول
گر نام نامیِ اسدِ ذوالجلال لوں　　انساں تو کیا ہے شیر کی آنکھیں نکال لوں

۵۵

بھولا ہے اپنی فوج کی کثرت پہ تند خو
کیا تیری اصل کیا ترا منہ او سیاہ رو
نامرد میرے سر کو اُتارے گا تن سے تو
جرار بادشاہوں سے کرتے ہیں گفتگو
کیا ڈر تجھے پسند ہو یا ناپسند ہو
میں حق پہ ہوں زباں مری کس طرح بند ہو

۵۶

کہتا ہوں بار بار نہ لے شاہ دیں کا نام
تو بندہ ہے یزید کا میں خادمِ امام
میں حرز جاں سمجھتا ہوں نامِ شہِ انام
ہو لے گا نزع میں بھی زباں کو اسی سے کام
نامِ حسین دوست کو پیارا ہے جان سے
اس نام کا مزا کوئی پوچھے زبان سے

۵۷

لعنت ترے یزید پہ کرتا ہوں بر ملا
اتنوں میں مجھ پہ ہاتھ تو ڈالے کوئی بھلا
کہہ دے جو ہو کوئی ترے لشکر میں منچلا
کر دوں لہو سے لال بیابانِ کربلا
خالق مدد کرے گا مطیع امام ہوں
فوجیں بھگائیں جس نے میں اس کا غلام ہوں

۵۸

تو کیا لڑے گا لال سے حیدر کے اے شریر
وہ شیر ہیں جنھوں نے پیا فاطمہ کا شیر
جب کچھ کڑی پڑی ہے تو بھاگے ہیں تیرے تیر
واں کا نہ اک جواں نہ ترا لشکرِ کثیر
چھوڑا ہے سیدوں نے کہیں آن بان کو
اٹھیں جو آستیں تو اُلٹ دیں جہان کو

۵۹

عقبیٰ خراب ہوتی ہے فوجِ ستم کے ساتھ
حرمت ہے اب عیال کی اہلِ حرم کے ساتھ
ہے سر مرا شہِ دو جہاں کے قدم کے ساتھ
میں حشر میں بھی ہوں گا امامِ اُمم کے ساتھ
چھوٹے گا روح سے بھی نہ مدفن حسین کا
ڈھونڈھے گی میری خاک بھی دامن حسین کا

۶۰

ہو قطع یہ زباں تری او دشمنِ امام
واجب ہے مثلِ کعبہ اسی گھر کا احترام
لیتا ہے تو اسیریِ بنتِ علیؑ کا نام
خاموش بے ادب کہ ادب کا ہے یہ مقام
بلوے میں قید دخترِ شیرِ الٰہ ہو
ویران شہرِ شام ہو کوفہ تباہ ہو

۶۱

نظارہ خوب آگ کا یا لالہ زار کا
کیا اتحاد فرق ہو جب نور و نار کا
بلبل نے گل کا ساتھ دیا ہے کہ خار کا
میں دوست پنجتن کا ہوں تو نابکار کا
سمجھا ہے تو ثواب جسے وہ گناہ ہے
تیری ہے اور راہ مری اور راہ ہے

۶۲

کیوں کر نہ پاس خسروِ جن و ملک کروں
کہلاؤں شور بخت جو پاس نمک کروں
کافر ہوں گر حسین کے رتبے میں شک کروں
بے کس کا ساتھ چھوڑ کے تیری کمک کروں
مر جاؤں منھ کو قبلۂ عالم سے موڑ کر
مسکن بناؤں دیر میں کعبے کو چھوڑ کر

۶۳

وہ عاشقِ حسین یہ کہتے ہی بس چلا
روکا کیے بہت پہ کسی کا نہ بس چلا
لشکر دعائے فاطمہؑ کا پیش و پس چلا
صرصر بھی پیچھے رہ گئی کچھ یوں فرس چلا
دل ہل گیا دماغ میں وہ بو جو چھا گئی
ٹھنڈی ہوا بہشت کے گلشن کی آ گئی

۶۴
پڑھ کر درود کہنے لگا حُرِّ نیک خو
صلِ علیٰ یہ ہے چمنِ فاطمہؑ کی بو
وہ راہ مل گئی مجھے تھی جس کی آرزو
گھوڑوں سے اب اُتر کے چلو شہ کے روبرو
محسن ملا حسینؑ سا احساں خدا کا ہے
ہاتھوں کو باندھو سامنا مشکل کشا کا ہے

۶۵
یہ کہہ کے راہواروں سے اُترے وہ خوش سیر
گھوڑوں پہ سب نے رکھ دیئے ہتھیار کھول کر
باندھے جو ہاتھ کھل گیا باغِ ارم کا در
بڑھ کر حسینی جری یہ پکارا بہ چشمِ تر
اے صاحبو غلام کو آنے کی راہ دو
صدقہ محمدِ عربی کا پناہ دو

۶۶
امداد کا مقام ہے یارو مدد کرو
مضطر ہوں اے نماز گزارو مدد کرو
شیرِ خدا کے شیر کے پیارو مدد کرو
اے عرشِ کبریا کے ستارو مدد کرو
دیں پرورو ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
عاصی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لو

۶۷
لازم ہے رہبری کہ میں گم کردہ راہ ہوں
برسوں ہوئے کہ دشتِ خطا میں تباہ ہوں
رحمت کے تم محیط ہو میں پُر گناہ ہوں
کس منھ سے نام عفو کا لوں رو سیاہ ہوں
ڈالا تھا ہاتھ کیوں شہِ والا کی باگ میں
میری یہی سزا ہے کہ جلوا دو آگ میں

۶۸
دُرّے لگاؤ تن پہ کرو مجھ کو سنگسار
راضی ہوں کھینچ دو جو شکنجے میں جسمِ زار
پھکوا دو تن سے کاٹ کے دستِ گناہ گار
پامال کر دیں لاش کو لشکر کے سب سوار
رسّی بندھی ہو پاؤں میں اور تن پہ سر نہ ہو
یہ سب قبول ہے پہ عذابِ سقر نہ ہو

۶۹
میں یوں نہ جاؤں گا مجھے ہمراہ لے چلو
راضی ہوں خواہ قتل کرو خواہ لے چلو
مجرم کو پیشِ سیدِ ذی جاہ لے چلو
رسّی گلے میں باندھ کے للّٰہ لے چلو
ارماں ہے صدقے ہونے کا حسرت نکال دو
سر کاٹ کے حسینؑ کے قدموں پہ ڈال دو

۷۰
روئی یہ استغاثۂ حُر سن کے فوجِ شاہ
غل تھا عجیب صاحبِ ایماں ہے واہ واہ
اکبر نے دی صدا کوئی روکے نہ اس کی راہ
اُترے فرس سے جلد شہنشاہِ دیں پناہ
مشتاق ہو کے دلبرِ زہرا رواں ہوا
قطرے کی پیشوائی کو دریا رواں ہوا

۷۱
پھیلا کے ہاتھ یاں سے بڑھے شاہِ سرفراز
قدموں پہ حُر نے دوڑ کے رکھا سرِ نیاز
سر رکھ کے دونوں ہاتھوں پہ بولے شہِ حجاز
بھائی ترے لئے درِ خلدِ بریں ہے باز
تو سہمگیں ہے کس لئے میں شرمسار ہوں
اٹھ کر گلے تو مل کہ بہت بے قرار ہوں

۷۲
دریافت کر لے دیر سے میں دیکھتا تھا راہ
میدان سے پھری نہیں اب تک مری نگاہ
ڈر تھا کہ گھیر لے نہ تجھے شام کی سپاہ
میری تجھی میں جان تھی اے میرے خیر خواہ
موجود رہبری کو خضرِ وقت پاس تھے
گو دور تھا حسینؑ علیؑ تیرے پاس تھے

۷۴

کیوں ہاتھ کس کے باندھے ہیں ہوتا ہوں میں خجل
واللہ تجھ سے صاف ہے ابنِ علیؑ کا دل
اے بھائی دل کو کھول کے مجھ سے گلے تو مل
جو کچھ ترے قصور تھے سب ہو گئے بحل
کیوں تجھ کو اتنی دہشتِ نارِ جحیم ہے
بھائی خدا کی ذات غفور و رحیم ہے

۷۵

کیسا ہی پُر گناہ ہو عبدِ سیاہ رو
کافی بہانا اشک کا ہے اے خجستہ خو
توبہ کے بعد اس کی بر آتی ہے آرزو
ہے رحمتِ خدائے دو عالم بہانہ جو
ناجی ہے اس کی راہ میں جو خاک ہو گیا
دریا سے جو قریب ہوا پاک ہو گیا

۷۶

اے حر سو قربان خدا ہیں ترے کفیل
تو ذی شرف جو ہے شرفا ہیں ترے کفیل
حیدرؑ جدا رسولؐ خدا ہیں ترے کفیل
شاہد ہوں میں کہ سب شہدا ہیں ترے کفیل
تو ہو لے اور گلشنِ جنت کی سیر ہو
میری بھی یہ دعا ہے کہ عقبیٰ بخیر ہو

۷۷

یہ کہہ کے کھولے شاہ نے اس باوفا کے ہاتھ
حُرِ جری نے چوم لیے مقتدا کے ہاتھ
اور اس کی مغفرت کی دعا کی اُٹھا کے ہاتھ
شہ بولے آبرو ہے تری اب خدا کے ہاتھ
جاری ہے فیض خانۂ ربِ جلیل میں
حصہ ترا ہے خلد میں اور سلسبیل میں

۷۸

جان آئی تن میں حُر کے جو دیکھا یہ شہ کا پیار
ہو آبرو دو چند جو صدقے ہوں لاکھ بار
رو کر کہا غلام اس الطاف کے نثار
تو آفتابِ فیض ہے اے نورِ کردگار
قربان یا حسین ترے حسنِ پاک کے
پرتو سے مہر کر دیا ذرّے کو خاک کے

۷۹

ہمراہ لے کے حر کو چلے سیدِ اُمم
تھامے تھا حُر کے ہاتھ کو اکبر زہے کرم
عباسؑ باوفا نے کیا سایۂ علم
قدسی درود پڑھ کے یہ کہتے تھے دم بہ دم
دیکھو رسولِ حق کے نواسے کی شان کو
لاتا ہے کس خوشی سے سخی میہمان کو

۸۰

داخل ہوا جو لشکرِ دیں میں وہ باوفا
تھا ہر زباں پہ نغمۂ تحسین مرحبا
لپٹے گلے سے حضرت کے جوانانِ مہ لقا
غل تھا خوشا نصیب زہے طالعِ رسا
بھائی کرم سے حضرتِ شبیر کہتے ہیں
بخت اس کو کہتے ہیں اسے تقدیر کہتے ہیں

۸۱

ناگاہ تیر چلنے لگے اس سپاہ سے
مانگی رضائے حرب رفیقوں نے شاہ سے
دشتِ نبرد ہل گیا زہراؑ کی آہ سے
کی حُر نے عرض قبلۂ عالم پناہ سے
مولا ابھی کسی کو نہ اذنِ وغا ملے
پہلے نئے غلام کو رن کی رضا ملے

۸۲

شہ نے کہا کہ واہ یہ جلدی یہ شوقِ جنگ
چلنے دے تیر کیوں متغیر ہے تیرا رنگ
تیرا فراق شیشۂ دل کے لیے ہے سنگ
جانے میں عجلت اس قدر آنے میں وہ درنگ
دشوار ہے یہ زخم سے برچھی کے نوک کے
جانا یہاں سے سہل نہیں ہم کو روک کے

۸۳
جی بھر کے تجھ کو دیکھ تو لیں اے وفا شعار
آنے میں تیرا شوق تھا اے میرے دوستدار
دُنیا میں زندگی کا بھلا کیا ہے اعتبار
اب یاں سے جانے دینے میں ہے ہم کو اختیار
پہلے کا ذکر اب نہیں وہ بات اور تھی
یہ صحبت اور ہے وہ ملاقات اور تھی

۸۴
ہنس ہنس کے آپ نے جو کیے حُر سے یہ کلام
کی عرض جانے دیجیے مجھے سوئے فوج شام
پھر جھک گیا قدم پہ وہ جرّار نیک نام
آقا اسی میں اب ہے سر افرازیٔ غلام
دل کو یہ آرزو ہے کہ زخموں سے چور ہوں
عزت ہو گر ہراول فوج حضور ہوں

۸۵
حوریں بہشت سے مجھے دیتی ہیں یہ صدا
دنیا میں غیر رنج و مصیبت ہے اور کیا
اے میہماں حسینؑ کے جنت میں جلد آ
دیکھ آن کر یہ باغ یہ انہار یہ فضا
پانی یہاں کا پی کے وہ لذت اٹھائیں گے
دُنیا کی نعمتوں کا مزا بھول جائیں گے

۸۶
دعوت کریں گے آج تری شبّر کردگار
حاضر ہیں خوان نعمت فردوس بے شمار
جلد آ محمدؐ عربی کو ہے انتظار
آراستہ ہے قصر ترا اے وفا شعار
ہم ہیں نثار کو طبق زر لئے ہوئے
زہراؑ کھڑی ہیں ساغر کوثر لیے ہوئے

۸۷
فرمایا شاہ نے یہی مرضی ہے گر تو خیر
خالق تجھے نصیب کرے اُس چمن کی سیر
ہے تلخ زندگی کا مزا دوست کے بغیر
بھائی حسین تجھ کو سمجھتا نہیں ہے غیر
تیری مفارقت میں نہایت ملال ہے
اللہ جانتا ہے جو کچھ دل کا حال ہے

۸۸
اس خاندان کے فیض سے واقف ہیں خاص و عام
بچے تمام رات تڑپتے ہیں بے طعام
اور ہم نہ دے سکے تجھے پانی کا ایک جام
اب تجھ سے کیا کہوں علیؑ اصغر ہے تشنہ کام
طوفاں میں ہے جہاز جناب امیر کا
بے دودھ گُنگ بیٹھ گیا ہے صغیر کا

۸۹
میں کیا کہوں جو کچھ ہے سکینہ کو اضطراب
ننھی زباں دکھا کے جو کہتی ہیں آب آب
معصوم بھوک پیاس کو رو کیں کہاں یہ تاب
ہوتا ہے سوزِ غم سے کلیجہ مرا کباب
مضطر ہوں گرچہ سن کے یہ سب شور و شین کو
یہ سب سے شاق ہے تری فرقت حسین کو

۹۰
یہ کہہ کے لپٹے حُر سے شہِ آسماں وقار
مہماں کے غم میں قاسمؑ و اکبرؑ تھے اشکبار
رونے پہ شہ کے روتے تھے سارے رفیق یار
بیتاب تھے حبیب علمدار بے قرار
باہر جو غل تھا رخصت مہمان شاہ کا
سیدانیوں میں شور تھا فریاد و آہ کا

۹۱
لپٹے ہوئے غلام سے چلاتے تھے یہ شاہ
اے بے کسوں کے دوست غریبوں کے خیرخواہ
مارا حسین کو تری فرقت نے آہ آہ
فرزند فاطمہؑ کو نہ بھولے گی تیری چاہ
مہماں ہوا حسینؑ کا اس رنج و یاس میں
فاقہ کشوں کا ساتھ دیا بھوک پیاس میں

۹۲

ناگاہ نکلی خیمہ سے فضہ بہ اضطراب
چادر قدم تک اور رخ پاک پر نقاب
کی عرض یا امام دو عالم فلک جناب
کہتی ہے میہماں کو دعا بنت بوتراب
ان کا یہی ہے کام جو خوش اعتقاد ہیں
زہرا کی ہوویں بیٹیاں سب ان سے شاد ہیں

۹۳

فرمایا ہے کہ اے مرے بھائی کے خیر خواہ
چڑھ آئی ہے حسین پہ کیوں شام کی سپاہ
ہے کیا ارادۂ پسر سعد رد سیاہ
اللہ جانتا ہے کہ سید ہے بے گناہ
بستی محمد عربی کی اجڑ نہ جائے
پردیس میں حسین سے زینب بچھڑ نہ جائے

۹۴

حر نے سنے یہ حضرت فضہ کے جب کلام
ڈیوڑھی کی سمت جھک کے ادب سے کیا سلام
کی عرض اے کنیز بتول فلک مقام
پھر جا کے اس گروہ کو سمجھائے گا غلام
ہے یہ دعا کہ صلح سپاہ عدو کرے
آل نبی سے مجھ کو خدا سرخرو کرے

۹۵

یہ عرض کر کے شیر نے کھینچا فرس کا تنگ
حر ہٹتے ہی مثل برق لگا کوندنے سرنگ
چہرہ ہوا فور شجاعت سے لالہ رنگ
سینے میں الفت شہ دیں دل میں شوق جنگ
پرتو جو پڑ گیا تھا امام غیور کا
جلوہ تھا روئے پاک پہ ایماں کے نور کا

۹۶

کیا خوش نما تھے دوش پہ شملے کے دو سرے
دیکھے جو حر کو حور تو گرد آن کے پھرے
چتون وہ قہر کی تھی کہ لاکھوں میں گر گھرے
دیکھے جدھر یہ غیظ سے بجلی ادھر گرے
جاتا ہوں یوں جہاد کو اہل نفاق سے
بلبل چمن میں جاتی ہے جب اشتیاق سے

۹۷

رہوار کی وہ شان سواری کا وہ سماں
سر پہ تو خود بر میں زرہ دوش پر کماں
وہ تیغ تیز دست جری میں کہ الاماں
بدلے سپر کے ساتھ دعائے شہ زماں
ہم بزدلوں ہو کہ ید اللہ ساتھ ہیں
دستانوں سے عیاں تھا کہ لوہے کے ہاتھ ہیں

۹۸

یوں ہاتھ میں تھا نیزۂ حطی بہ کر و فر
اللہ کے ہو لفظ پہ جوں خنجری زبر
سینہ کشادہ اور رگ گل سی وہ کمر
رشک غزال چشم مگر شیر کی نظر
رخسار تھے کہ پھول ہوں جیسے کھلے ہوئے
پلکوں کی صف کھلی ہوئی ابرو ملے ہوئے

۹۹

پلکوں کے بال تیز و سیاہ و کج و دراز
ابرو میں سب کمان کا چم خم پہ راست باز
چہرہ پہ رعب دین کی دولت سے سرفراز
بگڑے کو یوں بنائے زہے شان کارساز
سینے میں زنگ کفر جو تھا دور ہو گیا
نور خدا سے آ کے ملا نور ہو گیا

۱۰۰

پہونچا جو ہیں اڑا کے تگاور کو وہ دلیر
نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا مثال شیر
زور آوران فوج ہوئے اسکے ڈر سے زیر
نعرہ یہ تھا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر
بجلی گرے گی فوج پہ میرے حسام سے
بڑھ کر لڑو امام امم کے غلام سے

۱۰۱

آقا مرا حسینؑ ہے کونین کا امیر
یہ سن کے جوڑے تیرہ دلوں نے کماں میں تیر
میں ابن فاطمہؑ کا ہوں اک بندۂ حقیر
کھینچی جری نے میان سے شمشیر بے نظیر
اک صاعقہ گرا کہ ضیا تا فلک گئی
ابر سیاہ شام میں بجلی چمک گئی

۱۰۲

غازی اِدھر بڑھا کہ اُدھر طاقتیں گھٹیں
تلواریں منہ چھپانے لگیں برچھیاں ہٹیں
سطرِ غلط کی طرح صفیں کی صفیں کٹیں
شاخیں نہال کفر کی سب یک قلم چھٹیں
روپوش مردمان جہاں دیدہ ہو گئے
ڈھالوں کے پھول برگ خزاں دیدہ ہو گئے

۱۰۳

غصے میں جس کو شیر نے ڈانٹا وہ مر گیا
آیا کبھی اِدھر کبھی لڑتا اُدھر گیا
زوروں پہ جو چڑھا تھا سر اس کا اُتر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
سارے علم زمیں پہ گرے کانپ کانپ کے
تیغیں چھپیں تھیں ڈھالوں میں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۱۰۴

تو تو کے سر اُڑا دیے ایک ایک وار میں
پیدل میں تھی نہ جان نہ دم تھا سوار میں
مارا اسے جری نے جسے پایا ہزار میں
ٹوٹی ہوئی صفیں تھیں بھلا کس قطار میں
سرکش سے چھین لے جو نشاں اسمیں نام ہے
نردوں کا مارنا نہیں مردوں کا کام ہے

۱۰۵

لڑتا ہے وہ جو خاص غلام امام ہے
بھاگیں کہاں سوا زرہ تن پہ دام ہے
گرتی ہے برق شعلہ فشاں قتل عام ہے
تازی بھی زخمی ہو گئے ترکی تمام ہے
شعلے اُٹھے ہیں آتش شمشیر تیز سے
دوزخ کھلی ہے بند ہیں کوچے گریز کے

۱۰۶

گرتی تھی تیغ حر جری جب مثالِ برق
کوئی تڑپ رہا تھا کوئی تھا لہو میں غرق
پہونچوں سے ہاتھ اُڑتے تھے اور گردنوں سے فرق
کچھ اس میں اور برق میں تھا مطلقاً نہ فرق
ہر دم نئی تھی چال جدال و قتال میں
مشرق میں مغربی تھی جنوبی شمال میں

۱۰۷

پلٹی ادھر جگر سے تو سن سے اُدھر چلی
وہ دو ہوا یہ اور طرف غول میں تر چلی
عقدہ کو سر کے کھول کے سوئے کمر چلی
غوطہ لگا کے ماہیٔ بحر ظفر چلی
کوندی جو مثل برق شرر بار ہاتھ میں
دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ میں

۱۰۸

جس دل پہ تیغ حر دم جنگ و جدل گری
جس صف پہ جس پرے پہ گری برمحل گری
اس غول میں یہ غل ہوا برقِ اجل گری
اک آن میں زمیں پہ وہ صف منہ کے بل گری
تھا قہر حق کا طور جری کی جدال میں
کشتوں کے پشتے ہو گئے دشتِ قتال میں

۱۰۹

خار دل سے کربلا کا چمن صاف کر دیا
جادہ سب بن کے تیغ نے رن صاف کر دیا
جس سے خلش تھی دل کو وہ بن صاف کر دیا
آئینۂ زمین و زمن صاف کر دیا
کس صف میں کس پرے میں حُر باوفا نہ تھا
کوسوں زمیں پہ فوج ستم کا پتا نہ تھا

۱۱۰

مانند ابر جس طرف آئی برس گئی ۔۔۔ ناگن کی طرح جس پہ گری اُس کو ڈس گئی
بجلی سی دم میں راس و چپ و پیش و پس گئی ۔۔۔ راکب کے سر پہ آئی تو زیرِ فرس گئی
اُلجھی نہ چوٹیوں میں نہ پا کھر نہ زین میں ۔۔۔ وہ خاک پر گرا یہ در آئی زمین میں

۱۱۱

قربان تیغ حُر کی تراش و خراش کے ۔۔۔ چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
پھیلے زمیں پہ سیکڑوں نیزے تراش کے ۔۔۔ ثابت نہ عضو تھے کسی ظالم کی لاش کے
دستانوں کو اُڑا گئی ڈھالوں کی اوٹ میں ۔۔۔ چار آئینہ کو چار کیا ایک چوٹ میں

۱۱۲

نعرہ تھا ہاں نکل کے کوئی نوجواں لڑے ۔۔۔ منظور جس کو ہوئے مرا امتحاں لڑے
پس پانوں میں آکے جو شیر ژیاں لڑے ۔۔۔ بھالے کے نکلیں ہاتھ سناں سے سناں لڑے
غیرت ہو جو کسی کو تو پھر کیا درنگ ہے ۔۔۔ ہاں گو یہی ہے اور یہی میدانِ جنگ ہے

۱۱۳

سرکش بہت ہے شیث خطا پیشہ و شریر ۔۔۔ یہ بے رخی زہے قدر انداز بے نظیر
سمجھا ہوا کہ حرب جوانوں سے گوشہ گیر ۔۔۔ وہ ٹانگ کی کمان میں جوڑے تو کوئی تیر
دیکھیں تو کس نے فوج کے سرکش بھگا دئے ۔۔۔ کتنے خدنگ کاٹ کے تودے لگا دیے

۱۱۴

بھالا چلا کے فوج سے اِک پہلواں بڑھا ۔۔۔ مارِ سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
بھالا بڑھا نہ تھا کہ حُرِ نوجواں بڑھا ۔۔۔ نعرہ کیا کہ او ستم آرا کہاں بڑھا
غازی نے طورِ جنگ کا اس کو دکھا دیا ۔۔۔ مانند کلک نیزۂ حطی اُڑا دیا

۱۱۵

تیر و کماں کو لے کے بڑھے پھر وہ تیز دست ۔۔۔ آواز دی اجل نے کہ ہاں دے اسے شکست
شد رے جری کی لڑائی کا بند و بست ۔۔۔ بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
آئی چمکتی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے ۔۔۔ چلہ کماں سے اُڑ گیا اور پر خدنگ سے

۱۱۶

پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے ۔۔۔ جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
دو تین ہاتھ سیف کے حُر نے نکال کے ۔۔۔ پھل تیغ کا اُڑا دیا اور پھول ڈھال کے
دشمن پہ گر کے رُکتی ہے تیغ اجل کہیں ۔۔۔ قبضہ کہیں تھا تیغ ستمگر کا پھل کہیں

۱۱۷

گرزِ گراں اُٹھا کے پکارا وہ نابکار ۔۔۔ اس ضرب کو تو روک تو اے مرد نامدار
زیبا تھا گرز متصل سر کہ ایک بار ۔۔۔ رو کر کے اس کا وار کیا حُر نے اپنا وار
بیٹھی جو ضرب تیغ دلاور عمود پر ۔۔۔ مثلِ خیار کاٹ کے صاف آئی خود پر

۱۱۸

دو کر کے خود کاسۂ سر تک اُتر گئی ۔۔۔ سر سے گلے کو کاٹ کے بر تک اُتر گئی
ڈوبی مثالِ برق جگر تک اُتر گئی ۔۔۔ لے کر جگر کو صاف کمر تک اُتر گئی
زیں سے رُکی نہ تنگ سے نہ زیر بند سے ۔۔۔ بوسہ دیا زمیں پہ اُتر کر سمند سے

۱۱۹
بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسؑ باوفا
اے مرحبا حسینؑ کے غم خوار مرحب
یعنی یہ جنگ کے ہیں اسے کہتے ہیں دغا
کرتے ہیں آپ قبلۂ عالم تری ثن
لاکھوں کو دے شکست کسی کا جگر یہ ہے
واللہ فاطمہؑ کی دُعا کا اثر یہ ہے

۱۲۰
بولا یہ ہاتھ جوڑ کے وہ صفدرِ جری
کیوں کر نہ آفتاب کرے ذرہ پروری
سردار چاہتے ہیں غلاموں کی برتری
صدقہ حسینؑ کا ہے یہ جرارت یہ صفدری
مختارِ کائنات ہو عالم پناہ ہو
نعلین جس کے سر پہ رکھو بادشاہ ہو

۱۲۱
بس اتنی دیر تھم گئی جو تیغ بر قدم
مارا کسی نے سینے پہ اک نیزۂ ستم
نیزہ تو اس جری نے کیا تیغ سے قلم
لیکن جگر کے درد نے لینے دیا نہ دم
صدمے سے دم اُکھڑ کے جو سینے میں رُک گیا
بس یا حسینؑ کہہ کے وہ مرنے پہ جھک گیا

۱۲۲
جھکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
سر پر تبر کسی نے پہ لگی تیغ آب دا
نیزوں کے ساتھ تیر ہوئے پہلوؤں کے پار
گھوڑے سے گر کے شہ کو پکارا وہ جاں نثا
خنجر کھنچے ہوئے ہیں اجل سر پہ آئی ہے
اے دلبرِ علی دمِ مشکل کشائی ہے

۱۲۳
خادم جہاں سے جاتا ہے شاہا اب آئیے
وقتِ اخیر ہے شہِ والا اب آئیے
دشمن ہیں سب غلام ہے تنہا اب آئیے
مولا اب آئیے مرے مولا اب آئیے
زخمی رگیں جو کھنچتی ہیں صدمہ ہے جان پر
سختی اجل کی سہل کرو میہمان پر

۱۲۴
دوڑے یہ سن کے رن کی طرف شاہِ مشرقین
بھائی نہ مضطرب ہو کہ حاضر ہوا حسینؑ
تیرا یہ حال ہو تو کہاں میرے دل کو چین
آئی صدا علیؑ کی کہ اے میرے نورِ عین
آتے ہیں آج حر کی ملک پیشوائی کو
کہہ دو کہ ہم بھی آتے ہیں مشکل کشائی کو

۱۲۵
آئی صدائے فاطمہؑ اے میرے نونہال
ماتم میں حُر کے میں نے بھی کھولے ہیں سر کے بال
چلائی در سے خیمے کے زینب بصد ملال
ڈیوڑھی پہ لاؤ لاشۂ حُر اے علیؑ کے لال
زہراؑ کی بیٹیاں حُرِ ذی شاں کو روئینگی
سیدانیاں حضور کے مہماں کو روئیں گی

۱۲۶
پہونچے جو میہماں کے سرہانے امام پاک
اک آہ کر کے گر پڑے حضرت بروئے خاک
حُر نے سنی جو شاہ کی آواز دردناک
قدموں پہ آنکھیں مل کے کہا روحنا فداک
دیکھا جو وہ اڑا ہوا چہرہ غبار سے
زانو پہ سر کو رکھ لیا حضرت نے پیار سے

۱۲۷
پیوست تھا جو حلق میں ایک تیر بے ستم
زخمی گلے سے خون اُبلتا تھا دم بہ دم
رومال فاطمہؑ کا لئے تھے شہِ اُمم
مہماں کے حلق پر اُسے باندھا ز بے کرم
ایسا کسی شہید کو رتبہ نہیں ملا
مرنے سے پہلے حُلّۂ خلدِ بریں ملا

۱۲۸
خوں بند ہوگیا تو یہ بولا وہ نامدار
اے نور چشم فاطمہؑ زہرا ترے نثار
رو کر کہا حبیب نے اے حر باوقار
دیکھا جناب قبلہ و کعبہ کا تو نے پیار
پہونچا دماغ عرش پہ اک مشت خاک کا
رومال ہے یہ فاطمہ کے دست پاک کا

۱۲۹
حر نے کہا حبیب سے رو رو کے زار زار
صدقے کرو غلام کو آقا پہ ساختہ بار
منھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہ نامدار
اے ناصر نبیؐ و علیؑ میں ترے نثار
کچھ ہو سکا نہ فاطمہ کے نور عین سے
بھائی تری وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

۱۳۰
ہچکی یہ کیسی آئی ہے اب کیا ہے دل کا حال
حر نے کہا قریب ہے دنیا سے انتقال
محبوب حق اِدھر ہیں اُدھر شیر ذو الجلال
اک بی بی پا ئنتی ہے کھڑی کھولے سر کے بال
یوں رو رہی ہے میرے تن پاش پاش پر
ماں جس طرح بلکتی ہے بیٹے کی لاش پر

۱۳۱
شہ نے کہا وہ بنت پیمبرؐ ہیں نوحہ گر
جعفرؑ ہیں بے قرار تو شبیر ہیں نوحہ گر
اے حر ترے لئے مری مادر ہیں نوحہ گر
خیمے میں اہل بیت کھلے سر ہیں نوحہ گر
الفت ہے جنکو مجھ سے وہ آنسو بہاتے ہیں
بچے بھی نام لے کے ترا بلبلاتے ہیں

۱۳۲
مژدہ یہ سن کے چوم لیے شاہ کے قدم
ہچکی جو آئی پھر تو یہ بولا بہ درد و غم
مولا دعا پڑھو کہ نکلتا ہے تن سے دم
رخصت ہے یا حسینؑ چلے اب جہاں سے ہم
یہ کہہ کے آنکھیں پھیر دیں منکا بھی ڈھل گیا
دیکھا رخ حسین کو اور دم نکل گیا

۱۳۳
زہرا پکاریں مر گیا ہے ہے حر جواں
سر اپنا پیٹ پیٹ کے رونے لگے شہ زماں
عباسؑ نامدار سے پھر یہ کیا بیاں
مہماں کی لاش لے چلو ڈیوڑھی پہ بھائی جان
ماتم کی صف بچھیں گی بہادر کے واسطے
بیٹھیں گے اہل بیت نبی حر کے واسطے

۱۳۴
لاشہ اٹھا کے لے چلے عباسؑ نامور
تھے ساتھ ساتھ سبط پیمبرؐ برہنہ سر
میت لٹا کے خیمے کے در پر بچشم تر
آواز دی کہ اے حرم سید البشر
یارو بس اب ملے گا نہ حر سا حسینؑ کو
دو آکے میہماں کا پرسا حسینؑ کو

۱۳۵
بے کس ہے یہ بہت کہ ہے بے کس کا میہماں
اہل و عیال ہیں نہ بہن اس کی ہے نہ ماں
روئے گا اس کے غم میں جو با نالہ و فغاں
دے گا جزا اُسے خیر اسے رب دو جہاں
سر دے کے حر تیں مرے مہماں نے پائی ہیں
جنت سے فاطمہ اسے رونے کو آئی ہیں

۱۳۶
زاری یہ سن کے سبط رسول انام کی
صف بچھی ماتم حر عالی مقام کی
سر اپنا پیٹنے لگیں بہنیں امام کی
اور بیٹیاں بھی زوجہ شہ تشنہ کام کی
برپا تھا حشر حر کے تن چاک چاک پر
بچے ذرا ذرا سے تڑپتے تھے خاک پر

	۱۳۷	
چلّاتی تھی یہ بانوئے مغموم و دل فگار یہ نوحہ گر تھی زینبِ غمگین و سوگوار		اے شہ کے مہماں میں تری لاش کے نثار ہاں رو لے جیسے بیٹے کے ماتم میں زار زار
بس اے انیس شاہ کا شیدا گذر گیا		شبیرؑ کہتے تھے کہ مرا بھائی مر گیا

سلام

ذکر خوش قامتیٔ شاہ جو چل جائے ابھی
مجرئی رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

اے سخن نور کا سانچہ ہے طبیعت میری
کوئی کا داک جو مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی

خانۂ چشم سے مردم نہ نکلنے دیں اگر
طفلِ اشک غمِ شبیر مچل جائے ابھی

موسمِ مرثیۂ شاہ ہے نخلِ ماتم
آنسوؤں سے اسے دو آب تو پھل جائے ابھی

انھیں شہ کا اشارہ تھا طرارہ جو بھر دل
شیر گردوں مری ٹاپوں سے کچل جائے ابھی

عصر کے وقت کے مشتاق تھے ایسے شبیر
صبح سے تھی یہ دُعا دن کہیں ڈھل جائے ابھی

حکمتِ شیر خدا راہ کہیں تبلادے
آسماں چشمۂ سوزن سے نکل جائے ابھی

روضۂ شاہ پہ اس جسم سے دم نکلے گا
نہیں مرنے کے سرہانے سے اجل جائے ابھی

قطعہ

شب کو حضرت نے کہا ہوئیں گی کل راہیں بند
جس کو جانا ہے وہ لشکر سے نکل جائے ابھی

مرنے والوں نے یہ کی عرض کہ پروا کیا ہے
تیغ کل چلتی ہے گردوں پہ تو چل جائے ابھی

قطعہ

غش سکینہ کو جو آتا تھا تو ماں کہتی تھی
سینۂ شہ کی ملے بُو تو سنبھل جائے ابھی

بیبیاں کہتی تھیں صبر آئے گا رفتہ رفتہ
باپ سے بچھڑی ہے کس طرح بہل جائے ابھی

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیس
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

رُباعی

اے خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر
اے دافعِ ہر رنج و اَلم رحمت کر

سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

مرثیہ

جب حُر کو ملا خلعتِ پرخونِ شہادت
مستوجبِ رحمت تھا وہ مفتونِ شہادت
جنت میں گیا رائضِ گلگونِ شہادت
جاں بیچ کے پایا درِ مکنونِ شہادت
بے سر دیے ہرگز یہ ہم سر نہیں ہوتی
ہاتھ آئی وہ دولت جو میسر نہیں ہوتی

۲

یہ مرتبہ بے شکر گزاری نہیں ہوتا
بے فیض یہ چشمہ کبھی جاری نہیں ہوتا
یہ اوج بجز رحمتِ باری نہیں ہوتا
کم قدر کا پلّہ کبھی بھاری نہیں ہوتا
راحت بھی اُٹھائی ہے جب آزار ملے ہیں
غوّاص کو اکثر درِ شہوار ملے ہیں

۳

غل تھا کہ یہ اچھوں کی رفاقت کا ثمر ہے
ایمان فقط نخلِ ولایت کا ثمر ہے
جنت گلِ زہرا کی محبت کا اثر ہے
سرسبزیٔ حُر باغِ ریاضت کا ثمر ہے
مولا جسے چاہیں وہ گناہوں سے بری ہو
کھیتی یہ ہراول کی ہے کیوں کر نہ ہری ہو

۴

اک جا تھے حُر و شمر یہ عالم میں ہے مشہور
وہ ہوتا ہے جو ہوتا ہے اللہ کو منظور
کیا شانِ خدا ہے کہ یہ مغفور وہ مقہور
انسان رہے حق کی طرف اپنے بہ مقدور
دولت کو نہ حشمت کو نہ آرام کو دیکھے
آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے

۵

اللہ کے محبوب کے دربار میں پہونچا
بے رنج و خلش گلشنِ بے خار میں پہونچا
بسر دے کے یداللہ کی سرکار میں پہونچا
وہ نار میں یہ خلد کے گلزار میں پہونچا
مالک نے لیا اس کو اُسے شاہِ عرب نے
رحمت نے اسے گھیر لیا اس کو غضب نے

۶

رویا اسے زہرا کا پسر واہ ری قسمت
طوبیٰ کے تلے خلد میں گھر واہ ری قسمت
زانو پہ حسین اور وہ سر واہ ری قسمت
دنیا سے یہ راحت کا سفر واہ ری قسمت
کیا جلد گیا سوئے ارم دارِ فنا سے
سوکھا جو پسینہ بھی تو جنت کی ہوا سے

۷

خواہش یہ ہر اک حور کی تھی حُر ادھر آئے
لہراتا تھا کوثر بھی کہ یہ دُر ادھر آئے
یہ صاحبِ اقبال و تہوّر ادھر آئے
فرماتے تھے حیدر کہ یہ بہادر ادھر آئے
مشتاقِ ملاقات کے سب چھوٹے بڑے تھے
محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے کھڑے تھے

۸

فرماتی تھی زہرا مرے غمخوار کو لاؤ
تعظیم سے تکریم سے جرّار کو لاؤ
جلدی مرے پیارے کے مددگار کو لاؤ
لاؤ مرے آگے حسبِ دیں دار کو لاؤ
پایا نہ کفن واں تو یہاں شاد کروں گی
میں حلّۂ جنت اُسے امداد کروں گی

۹

حوروں کا وہ میووں کے طبق سامنے لانا
کوثر ہے وہ منظور ہے گر پیاس بجھانا
دربردہ اشارے کہ ہماری طرف آنا
اس قصرِ جواہر سے کہیں اور نہ جانا
جو کہہ دو کریں فخر ہے خدمت شہدا کی
ہم سب ہیں کنیزیں پسرِ شیرِ خدا کی

۱۰

حقا کہ یہ رتبہ شہِ ذی جاہ نے بخشا
طالب تھا وہ جس کا وہی اللہ نے بخشا
ایماں کا شرف فاطمہؑ کے ماہ نے بخشا
بخشا اُسے خالق نے جسے شاہ نے بخشا
جنت ادھر آئی جدھر آیا قدم اُن کا
کر دیتا ہے انسانوں کو فرشتہ کرم ان کا

۱۱

اے حرِ دلاور تری تقدیر کے صدقے
ہماں کے تصدق شہِ دلگیر کے صدقے
رتبے کے فدا عزت و توقیر کے صدقے
اس صحبتِ ذی قدر کی تاثیر کے صدقے
ناکام کا یوں کام ملاقات میں بن جائے
برسوں کا جو بگڑا ہو وہ اک بات میں بن جائے

۱۲

اب یاں سے رقم کرتا ہے یوں راویِ صادق
پھر تو جو یہ برسانے لگے تیر منافق
جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
اک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

۱۳

یوں جاتے تھے میدان شہادت میں وہ جرار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار
جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
باران کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جاں آگئی جس وقت پیامِ اجل آیا

۱۴

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ
آزار کو لطفِ احدی جانتے تھے وہ
مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس اُن کیلئے آبِ بقا تھی

۱۵

قربان تو لائے حبیب ابن مظاہر
عصیاں سے بری طیّب و پاکیزہ و طاہر
یکساں صفتِ مہر ہیں باطن و ظاہر
جاں باز جہاں دیدہ فنِ جنگ کے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

۱۶

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دستِ نکوکار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار
پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
یہ بڑھ کے اُسے روکتے تھے سینہ پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

۱۷

جب ایسے رفیقوں کا پرا ہو گیا خالی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی
بھرتا تھا دمِ سرد وہ کونین کا والی
لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرورِ عالی
بیتاب تھے اس طرح ہر اک دوست کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

۱۸

لاشوں کے اُٹھانے سے نہ پائی تھی فراغت
مولا کے یگانوں نے کیا عزمِ شہادت
جوتوں کے نیزوں کو بڑھے اہلِ شقاوت
لٹنے لگی زہراؑ و محمدؐ کی بضاعت
سیدانیوں کا دودھ جو پی پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور انکے گلے تھے

۱۹

لاکھوں سے لڑے حضرت عباسؑ کے بھائی
سب شانِ پدر بیٹوں نے جعفرؑ کے دکھائی
حملوں میں دکھائی شہِ مرداں کی لڑائی
سکّم کی جو میراث تھی فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہ دو جواں تھے
دو طفل جلو میں فقط اور تین جواں تھے

۲۰

دو طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے
خود اپنی شہادت کے طلب گار خدا سے
زینبؑ کے پسر شیر الٰہی کے نواسے
بے تاب کہ کیوں رہ گئے پیچھے شہدا سے
جینے کی ہماری جو خبر پائیں گی اماں
لاشے بھی یقیں یہ ہے کہ منگوائیں گی اماں

۲۱

قاسمؑ حسنی سبز قبا کا مہِ تاباں
ہم شکل نبی نورِ نگاہِ شہِ مرداں
عباسؑ علی چشم و چراغ شہِ مرداں
زینبؑ کے پسر جعفرؑ زہراؑ کے دل و جاں
تاباں نظر آتا تھا قریباں قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیرؑ کے گھر کے

۲۲

ایک ایک جری ملکِ شجاعت کا شہنشاہ
ذی قدر سرافراز و خدا کیش دل آگاہ
بچپن میں اولو العزم کہ العظمۃ للہ
شیر اُن کی نظر دیکھ کے بن جاتے تھے روباہ
پیدا یہ تہوّر سے کہ لاکھوں میں تو کیا ہیں
دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہمیں شیر خدا ہیں

۲۳

کھولے ہوئے رایت کوئی تولے ہوئے شمشیر
فاقوں میں زبردست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر
بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
بیٹے میں پلے جو اسد اللہ کے وہ شیر
جز سجدۂ حق سر کبھی ان کے نہ جھکے تھے
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رکے تھے

۲۴

اس وقت عجب غم تھا شہِ جنّ و بشر کو
کھو سکتے تھے بھائی کو نہ اکبرؑ سے پسر کو
نہ روح کو راحت تھی نہ آرام جگر کو
نہ عونؑ و محمدؑ کو نہ شبیرؑ کے قمر کو
میوے تھے سب ایک باغ کے پھول ایک چمن کے
وہ بھائی کا بیٹا تھا یہ بیٹے تھے بہن کے

۲۵

فرماتے تھے موت آئے تو چھٹ جاؤں الم سے
بچھڑیں ہمیں ان سے یہ جدا ہوں نہ ہم سے
یارب مرا گھر ہے انھیں جراروں کے دم سے
کٹ جائے گلا جلد کہیں تیغِ دو دم سے
ہاتھوں سے یہ محبوب گنوائے نہیں جاتے
داغ اب ترے بندے سے اٹھائے نہیں جاتے

۲۶

ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے ہم شکل نبی کا
پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
رایت بھی بڑھا فوجِ رسولِ عربی کا
حیدرؑ کے نواسوں کی بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

۲۷

گھبرا کے پکارے جو اسے سیدِ ابرار
کی عرض بہ صد عجز کہ اے کل کے مددگار
بس پھر کے گرے پاؤں پہ آقا کے وہ جرّار
ہم دونوں غلام اب ہیں اجازت کے طلبگار
بے تاب ہے دل جان لڑائی میں لڑی ہے
اے نورِ خدا ذرہ نوازی کی گھڑی ہے

۲۸

مرنے کو اگر پہلے گئے قاسمؑ و اکبرؑ
شبیرؑ کی وہ تصویر یہ ہم شکل پیمبرؐ
مالک ہیں خداوند ہیں سردار ہیں دونوں
یا شاہ ہمیں دودھ نہ پھر بخشیں گی مادر
توقیر اسی میں ہے کہ ہم صدقہ ہوں ان پر
ہم ان کے بزرگوں کے نمک خوار ہیں دونوں

۲۹

بسمل جو ہوئے مسلمؑ مظلوم کے پیارے
اماں نے کہا ہوگا کہ اب تک نہ سدھارے
قاصر ہیں جو توقیر شہادت نہیں ملتی
ہم خیمے میں جا سکتے نہیں شرم کے مارے
جانوں کو بچاتے ہیں جگر بند ہمارے
کیا جائیں اسے وہ کہ اجازت نہیں ملتی

۳۰

حضرت یہ ہے روش جو ہمارا ہے ارادہ
نانا تو علیؑ جعفر طیار سے دادا
شیروں کی طرح بیشۂ حیدرؑ میں پلے ہیں
سن کم ہیں یہ ہمت ہے جوانوں سے زیادہ
ہم ڈھونڈتے ہیں صبح سے فردوس کا جادہ
تلواروں سے ہم کھیل کے اس گھر میں پلے ہیں

۳۱

وہ تیغ کے مالک ہیں تو مختار ہیں ہم بھی
نانا تھے جو کرار تو جرار ہیں ہم بھی
ہے جوشِ وغا عمر کے پیمانے بھرے ہیں
دادا کی طرح مرنے پہ تیار ہیں ہم بھی
سر دے کے شہادت کے طلبگار ہیں ہم بھی
ہم صبح سے سر نذر کو ہاتھوں پہ دھرے ہیں

۳۲

ہم آپ سے مرنے کے لئے جا نہیں سکتے
بے حکم جو مطلب ہے اُسے پا نہیں سکتے
پیچھے نہ ہوا اوروں سے یہ تقدیر ہماری
زخم تبر و تیر و سناں کھا نہیں سکتے
آداب سے کچھ لب پہ سخن لا نہیں سکتے
ہاتھ آپ کے ہے عزت و توقیر ہماری

۳۳

ہم دونوں غلام اکبرؑ و اصغرؑ کے ہیں یا شاہ
اماں کا تو نازک ہے مزاج آپ ہیں آگاہ
پوچھیں گی خفا ہو کے تو کیا ان سے کہیں گے
الفت کو بس اب دل سے اُٹھا لیجئے للہ
بنتِ اسدِ حضرتِ باری ہیں وہ ذی جاہ
آزردہ ہوئیں وہ تو کہیں کے نہ رہیں گے

۳۴

عورت ہیں پہ خو بوئے مرداں کی ہے ساری
تم یہ نہ سمجھو کہ میں عاشق ہوں تمہاری
کس کام کے پھر سر جو تصدق نہ کرو گے
شب کو بھی یہ فرمایا تھا ہم سے کئی باری
بھائی سے مجھے جان نہ اولاد ہے پیاری
تب دودھ ہیں بخشوں گی جو عزت سے مرو گے

۳۵

یہ کہہ کے جو رونے لگے زینب کے جگر بند
کھوئے ہیں کسی بھائی نے ہمشیر کے فرزند
تنہائی کا دُکھ فاطمہؑ کا لال سہے گا
حضرت نے کہا میں ہوں بہر حال رضا مند
کس منھ سے کہوں آہ کہ ہو خاک کے پیوند
لاشے کے اُٹھانے کو بھی کوئی نہ رہے گا

۳۶

اکبرؑ کو تو ہمشیر نے میں نے تمہیں پالا
اب کون ہے غربت میں مرا تھامنے والا
دس سال بھی پورے نہیں دونو کے سنوں میں
ماموں سے جدا ہوتے ہو جب ہوش سنبھالا
دل کا کوئی ارمان بھی تم نے نہ نکالا
دنیا سے اجل لے چلی شادی کے دنوں میں

۳۷

دونوں سے یہ فرما کے اُدھر روتے تھے شبیر
سرزانو پہ تھا فکر میں اور لب پہ تھی تقریر
میں جانتی تھی پہلے اجازت وہی لیں گے

چپ بیٹھی تھی رانڈوں میں اُدھر شاہ کی ہمشیر
محجوب کیا بیٹوں نے ہے ہے مری تقدیر
اس کی نہ خبر تھی کہ دغا وقت پہ دیں گے

۳۸

آتا ہے دم صبح سے یالاشے پہ لاشا
پائی نہ اجازت یہ سخن خوب تراشا
رکتے ہیں دلاور کہیں روکے سے کسی کے

اُن کے لیئے اوروں کی لڑائی ہے تماشا
باتیں ہیں یہ ساری مجھے باور نہیں حاشا
وہ سب بھی تو پیارے تھے حسینؑ ابن علی کے

۳۹

بانو نے کہا دونوں کی عمریں ہیں ابھی کیا
میداں کی رضا دیتے نہ ہوں گے شہِ والا
سن لیجئے گا رن میں جو کچھ کام کریں گے

نہ گھر سے وہ نکلے نہ کوئی معرکہ دیکھا
آزردہ نہ ہوں آپ یہ غصے کی نہیں جا
حیدر کے نواسے ہیں بڑا نام کریں گے

۴۰

فرمایا کہ ہاں جو مجھے تقدیر دکھائے
کیوں شاہ سے رخصت کا سخن لب پہ نہ لائے
جو چاہیں کریں بیٹوں کے قابل میں کہاں ہوں

جی جاؤں گی مرکر جو وہ میدان سے آئے
کیا جانئے کس فکر میں ہیں وہ مرے جائے
اب وہ مرے فرزند نہیں دونوں کی ماں ہوں

۴۱

یہ ذکر تھا فضہ جو خبر لے کے یہ آئی
لو بیبیو شہزادوں نے رضا جنگ کی پائی
بچے بھی تہِ تیغ شہدا ہوتے ہیں لوگو

فریاد کہ اب لٹتی ہے زینب کی کمائی
اے بنتِ علیؑ رو رہے ہیں آپ کے بھائی
وہ بھانجے ماموں سے جدا ہوتے ہیں لوگو

۴۲

فضہ سے یہ سننا تھا کہ بس رونے لگے سب
فرمایا کہ صد شکر بر آیا مرا مطلب
بہتر ہے جو لڑنے کو وہ پیارے گئے دونوں

اور خاک پہ سجدے کو جھکیں حضرتِ زینب
عزت مرے بچوں کی ترے ہاتھ ہے یارب
یہ خوش خبری آئے کہ مارے گئے دونوں

۴۳

بچے ہیں لڑائی کے نہیں رنگ سے واقف
فوجوں سے نہ آگاہ نہ فنِ جنگ سے واقف
بوٹا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں

نیزے کے نہ تلوار کے ہیں ڈھنگ سے واقف
دونوں میں نہیں ایک بھی جو رنگ سے واقف
گھوڑوں پہ تو وہ پہلے پہل آج چڑھے ہیں

۴۴

وہ سالہ و نو سالہ تھے نکلے جو وطن سے
بچے مرے کمزور ہیں فاقوں کے محن سے
محجوب ہوں فدیوں میں ولی ابن ولی کے

بو دودھ کی آتی ہے ابھی اُن کے دہن سے
دھڑکا ہے کہ گھبرا کے چلے آئیں نہ رن سے
تو ان کی مدد کر کہ نواسے ہیں علیؑ کے

۴۵

بانو نے کہا دیکھ لو بھیجو اُن کو بلا کر
اصرار کیا سب نے تو گردن کو جھکا کر
صدقے گئی کچھ کام ہے یاں آکے سدھارو

فرمایا نہیں آئیں گے خود برچھیاں کھا کر
فرمایا کہ اچھا کوئی کہہ آئے یہ جا کر
جاتے ہو تو شکلیں مجھے دکھلا کے سدھارو

۴۶
فضہ گئی اور خیمے میں لائی انھیں ہمراہ
قدموں پہ گرے ہاتھوں کو جوڑے جو وہ ذی جاہ
آئے صفت ہر لرزتے ہوئے دو ماہ
لپٹا کے گلے کہنے لگی بنت ید اللہ
ماہوں پہ فدا ہوتے ہوئے تم پہ فدا ہوں
لو آؤ کہ میں اب تو نہ تجھے نہ خفا ہوں

۴۷
چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ مادر
جاتا تھا وہاں ایک کے بعد ایک دلاور
ہر دم تھے اسی فکر میں ہم دونوں برادر
ہر دوست سے مل مل کے گلے روتے تھے سرور
کس سے کہیں آقا پہ جو کچھ رنج و تعب تھا
اس وقت میں رخصت طلبی ترک ادب تھا

۴۸
لاشوں کا وہ آنا وہ ہجوم الم و یاس
آزردہ نہ ہوں آپ ہمیں تھا یہی وسواس
جرأت نہ پڑی عرض کی تھی گو جو بہت پیاس
جب بڑھتے تھے ہم روکتے تھے حضرت عباس
جوڑے ہیں کبھی ہاتھ کبھی گر کے پھرے ہیں
راضی ہوئے جب پاؤں پہ اس وقت گرے ہیں

۴۹
خوش ہو کے کہا ماں نے کہ شاباش دلیرو
ہاں چاہیے منہ نیزہ و خنجر سے نہ پھیرو
اب دیر نہیں خوب سدھارو مرے شیرو
دو شیر ہو لڑ کر عمر و شمر کو گھیرو
توقیر تمھاری ہو مری نام وری ہو
سر دونوں کے لاؤ تو میں جانوں کہ جری ہو

۵۰
دادا کو جو پوچھو تو علمدار پیمبر
نانا سا تو عالم میں نہ تھا کوئی دلاور
ہاتھوں کے عوض جن کو خدا نے دیے ذو پر
کرار کی جرأت تو سنی ہوگی مکرر
یوں سب ہیں پہ سرتاج دلیروں کے تھے جو
ماں صدقے گئی شیر تو شیروں کے تمھیں ہو

۵۱
اس گھر کے بزرگوں کا چلن تیغ زنی ہے
کیا شہرۂ خیبر شکنی بت شکنی ہے
جو فقر میں کرتا ہے سخاوت وہ غنی ہے
جو بات پہ سر دے وہ سخاوت کا دھنی ہے
بودے کی کہاں آنکھ کہاں مرد کے تیور
چھپتے نہیں لاکھوں میں جوانمرد کے تیور

۵۲
ہمراہ کوئی واں سے نہیں لاتا ہے رتبہ
سر بیچ کے ذی قدر کو ہاتھ آتا ہے رتبہ
جو نام پہ مرتا ہے وہی پاتا ہے رتبہ
ہٹتا ہے قدم بڑھ کے تو گھٹ جاتا ہے رتبہ
مر کر نہ ہٹے قابل احسنت وہی ہے
جو کھیت میں سرسبز ہو سادات وہی ہے

۵۳
دریا کی طرف پیاس میں تکتے نہیں غازی
تلواروں میں آنکھوں کو جھپکتے نہیں غازی
گر شیر بھی جھپٹے تو سرکتے نہیں غازی
بجلی بھی گرے گر تو جھجکتے نہیں غازی
آفت میں حواس انکے بجا ہوتے ہیں پیارو
جراروں کے تیور بھی جدا ہوتے ہیں پیارو

۵۴
تیروں کی مہم بات میں سر کرتے ہیں صفدر
تلواروں میں سینوں کو سپر کرتے ہیں صفدر
آقا کے دل پاک میں گھر کرتے ہیں صفدر
عزت پہ بزرگوں کی نظر کرتے ہیں صفدر
دم ہونٹوں پہ آئے تو شجاعت نہیں جاتی
مرنے پہ بھی چہرہ کی بشاشت نہیں جاتی

۵۵
نانا نے تمھارے درِ خیبر کو جو توڑا
ہر وار میں یکتا تھا نہ اسوار نہ گھوڑا
مانند سپر ہاتھ سے اس در کو نہ چھوڑا
خالی ہوا جب قلعہ تو منھ جنگ سے موڑا
تھراتے تھے کفار تزلزل میں زمیں تھی
تھا زور تو یہ اور غذا نانِ جویں تھی

۵۶
جب دستِ یداللہ میں تیغِ دو سر آئی
جھپٹے یہ ادھر فوج پہ نصرت ادھر آئی
بس قبضۂ قدرت میں یکا یک ظفر آئی
بعد آپ پھرے فتح کی پہلے خبر آئی
پڑھتے ہیں وہ کلمہ جو مسلماں ہوں عرب کے
اب تک تو سر اٹھتے نہیں کفارِ عرب کے

۵۷
خندق کی دغا عمرِ و سیہ کار کی وہ دھوم
رد کر کے جو حربوں کو بڑھا خاصۂ قیوم
تھرائے ہے تلوار سے جس کی عرب و روم
جھپٹا اسد آہو پہ یہ سب کو ہوا معلوم
اک ضرب میں نہ گرز نہ مغفر تھا نہ سر تھا
خندق کے ادھر لاش سرِ نحس ادھر تھا

۵۸
جس وقت ظفر یاب ہوئے حیدرِ کرار
فرمایا نبیؑ نے یہ بہ اعلان و بہ تکرار
اک ہاتھ میں سر عمر کا اور ایک میں تلوار
افضل ہے دو عالم میں عبادت سے یہ اک وار
سر فتح کا تھا پاؤں پہ خالق کے ولی کے
جبریلِ امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

۵۹
واری یوں ہی تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں
ان چھاتیوں پہ زخمِ سناں کھاؤ تو جانوں
آقا کی اطاعت کو بجا لاؤ تو جانوں
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں
جرار ہو سب حال سے محرم ہیں تمھارے
مجھ کو ابھی دھڑکا ہے کہ سن کم ہیں تمھارے

۶۰
ہاں صدقے گئی گھاٹ پہ دریا کے نہ جانا
ساحل پہ کبھی سرد ہوا پا کے نہ جانا
پانی کی طرف پیاس میں گھبرا کے نہ جانا
صابر ہو تو رہواروں کو گرما کے نہ جانا
ایسے تو نہیں جو مجھے محجوب کرو گے
ہیں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مرو گے

۶۱
جس پانی کو ترسے اسد اللہ کا پیارا
عاقل کے لیے کافی و وافی ہے اشارا
کیوں جاؤ ادھر نہر پہ کیا کام تمھارا
گر آب بقا ہو تو مناسب ہے کنارا
وہ کام ہو جس کام میں کوثر پہ گذر ہو
دم بھر کے لیے کیوں عرقِ شرم میں تر ہو

۶۲
بھائی کسی ہنگام میں بھائی کو نہ چھوڑے
جرأت کو جلالت کو لڑائی کو نہ چھوڑے
دونوں میں کوئی عقدہ کشائی کو نہ چھوڑے
ہمت کو مروت کو بھلائی کو نہ چھوڑے
جو امر کہ مشکل ہے وہ دشوار نہ ہوگا
اک دل ہوئے جب دو تو کوئی لاچار نہ ہوگا

۶۳
اک بھائی لڑے بڑھ کے جو ہاتھ ایک کا تھک جائے
ہاتھوں میں صفائی ہو کہ بسمل بھی پھڑک جائے
بلوہ جو پھر اس پہ ہو تو یہ بھی لپک جائے
گر صف ہو تو پسپا ہو پرا ہو تو سرک جائے
حملوں میں سب انداز ہوں خالق کے ولی کے
پہچان لیں وہ سب کہ نواسے ہیں علیؑ کے

۶۴
نیزوں کی طرف چھاتیاں تانے ہوئے جانا
ہنس ہنس کے میں قربان گئی برچھیاں کھانا
ہاں نیزوں کی بارش میں سپر منھ پہ نہ لانا
لازم ہے وہ ہمت کہ معترف ہو زمانا
اس جنگ کا چرچا سحر و شام رہے گا
دنیا میں اگر تم نہ رہے نام رہے گا

۶۵
دونوں نے کہا ہوگا یہی فضلِ خدا سے
ہم اور نہیں کوئی علیؑ کے ہیں نواسے
کیا بات ہے جیتے ہیں تو مر جائیں گے پیاسے
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی دعا سے
کچھ ہم سے نہ تلوار سے نہ ڈھال سے ہوگا
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

۶۶
ارشاد نہ حضرت کا بجا لائیں تو مجرم
بڑھ جائیں تو بے وقر جو ہٹ جائیں تو مجرم
بھولے سے بھی دریا کی طرف جائیں تو مجرم
بڑھ بڑھ کے نہ شمشیر و سناں کھائیں تو مجرم
مر جائیں گے دنیا میں سدا کون رہا ہے
دودھ آپ کا ہم دونوں غلاموں نے پیا ہے

۶۷
جیتے ہیں تو بے صف شکنی ہم نہ رہیں گے
سر کاٹیے گا پاؤں جو محکم نہ رہیں گے
مجبور ہیں سینوں میں اگر دم نہ رہیں گے
لڑ کے ہیں جوانوں سے مگر کم نہ رہیں گے
جینا کسی صورت ہمیں مطلوب نہیں ہے
اب کیا کہیں خود اپنی ثنا خوب نہیں ہے

۶۸
چھوٹے تو ہیں کیا منھ سے بڑی بات نکالیں
سیدانیاں ایسی جنھیں آغوش میں پالیں
ان سینوں پہ رکھ دے کوئی سو نیزوں کی بھالیں
تلواروں میں روکیں گے وہی سینہ پہ ڈھالیں
ہم جینے پہ مرتے نہیں مرنے کو جئے ہیں
سینے ہمیں کس واسطے خالق نے دیے ہیں

۶۹
مختار ہیں یوں آپ سزا دیں کہ خفا ہوں
وہ نام پہ کیوں کر نہ مریں جو شرفا ہوں
ہوتے ہیں سخنور کہیں دل جن کے صفا ہوں
تب وقت ہے غصے کا جو وعدے نہ وفا ہوں
کیا زیست بھلا ان کی جنھیں ماں باپ نہ بخشیں
تیور [illegible] ہوں تو دودھ آپ نہ بخشیں

۷۰
ایسے تو نہیں ہم جو شجاعت نہ دکھائیں
نانا کی اگر شان و جلالت نہ دکھائیں
سب نام کریں اور ہمیں جرأت نہ دکھائیں
مصحف کی قسم آپ کو صورت نہ دکھائیں
خندق ہو تو لاشوں سے اسے پاٹ کے مر جائیں
تیغیں نہ چلیں گر تو گلا کاٹ کے مر جائیں

۷۱
جب کہہ چکے یہ جوشِ شجاعت میں وہ گل رو
لپٹا کے گلے کہنے لگی زینبِ خوش خو
آنکھوں سے ٹپکنے لگے رخساروں پہ آنسو
اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو
ڈرتا ہے تمھیں فوج سے مطلوب لڑو گے
لو روؤ نہ معلوم ہوا خوب لڑو گے

۷۲
صدقے میں ارادوں کے مرے شیر جوانو
اب غیظ سے تھراؤ نہ کہنا مرا مانو
اے بے وطنو فاقہ کشو تشنہ دہانو
ماں کہتی تھی پر اب مجھے تم خادمہ جانو
یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں
میں اس لیے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں

۷۳

شیر اس کے ہو تم شیر ہے جو نسبت اسد کا
دنیا میں بڑا نام ہے تم دونوں کے جد کا
سر جس نے کیا معرکۂ صفین و احد کا
ہاں صدقے تمھی وقت ہے ماموں کی مدد کا
ایک ایک جری دشت ستم لاشوں سے بھر دے
اللہ تمھیں لشکر اعدا پہ ظفر دے

۷۴

لو بخش دیا دودھ سدھارو مرے پیارو
میلی ہے یہ پوشاک اتارو مرے پیارو
الجھے ہوئے گیسو تو سنوارو مرے پیارو
دولھا تو بنا لوں مرے پیارو مرے پیارو
خوش ہوں گی میں تب گھوڑوں پہ جب آن چڑھو گے
شادی ہے بڑی آج کہ پروان چڑھو گے

۷۵

فرما کے یہ لیں دونوں کے چہروں کی بلائیں
فرمایا کہ رخصت جنھیں ہونا ہو وہ آئیں
اور تھام کے بازو کو پڑھیں آپ دعائیں
لو بیبیو سب آؤ تو بچے مرے جائیں
رن میں یہ برات اپنی دکھانے کو چلے ہیں
دونوں دلھنیں بیاہ کے لانے کو چلے ہیں

۷۶

سب بیبیاں آئیں جو کلیجوں کو سنبھالے
جس وقت چلے خیمے سے وہ گیسوؤں والے
تسلیم کو جھک جھک گئے وہ نازوں کے پالے
در تک گئی ماں خاک عزا فرق پہ ڈالے
ڈیوڑھی سے جو دونوں دُرِ یکتا نکل آئے
نزدیک تھا کہ ماں کا کلیجہ نکل آئے

۷۷

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کے وہ صفدر
دیکھا کہ حسین ابن علی روتے ہیں در پر
منھ کر کے سوئے چرخ پکارے شہ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

۷۸

کہہ کر یہ سخن دونوں کو گھوڑوں پہ چڑھایا
بجلی کا سب انداز سمندوں نے دکھایا
دونوں نے شرف پایۂ معراج کا پایا
دوڑے کہ دکھائی نہ دیا دھوپ میں سایا
ثابت نہ ہوا ایک یہ کیا ہو گئے دونوں
جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گئے دونوں

۷۹

ایک ایک سے چالاک گراں قدر سبک رو
کیلوں کی وہ تابش وہ ہر ایک نعل کا پرتو
وہ جست وہ کاوے وہ طرارے وہ [illegible]
تاروں میں دکھاتے تھے چمک چار مہِ نو
اک چاند تھا وہ جو سُمِ توسن کا نشاں تھا
بالائے زمیں عالمِ بالا کا سماں تھا

۸۰

شکلیں بھی بڑی جرأت و سرعت کے علاوا
قد ایک سی شکل ایک سی اور ایک سا کاوا
دو گام تھا جن کے لئے سو کوس کا دھاوا
یہ گشت میں بجلی وہ روا میں چھلاوا
شوخی میں یہ آہو تھا اگر طیر تھا وہ بھی
یہ باد یہ بہیا تو فلک سیر تھا وہ بھی

۸۱

ہاں کبک تو یہ رنگ یہ انداز دکھائے
جائیں جو پری چال میں یہ ناز دکھائے
قائل ہوں جو طاؤس یہ پرواز دکھائے
آہو یہ طرارے یہ تگ و تاز دکھائے
ہوگا وہی لاریب تصور ہی میں جو ہے
دعویٰ ہے تو آئیں یہی میداں یہی گو ہے

۸۲

تھم تھم کے بھی چلنے میں سب انداز بلا کا
پائے انھیں مقدور یہ کیا پیک صبا کا
فرّانے میں سماں برق کا اُڑنے میں ہوا کا
نے وہم کا واں دخل نہ فہم شعرا کا
یہ عجز ہے تعریف جو کرتا نہیں کوئی
باندھیں کسے مضمون ٹھہرتا نہیں کوئی

۸۳

یوں ذہن میں آتے ہی نکل جاتے ہیں سن سے
جرأت میں فزوں تیر سے سرعت میں ہرن سے
جس طرح نسیم آ کے نکل جائے چمن سے
آگاہ ہیں وہ جرأت و سرعت کے چلن سے
نعل ان کے سروہی سے چلے فوج ستم پر
پڑتے تھے قدم دونوں کے دُلدل کے قدم پر

۸۴

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے پہونچے جو بہادر
اک شور ہوا کون سے دریا کے ہیں یہ دُر
فوج ستم آرا ہوئی سب غرقِ تحیّر
لڑکے ہیں یہ اللہ رے اقبال و تہور
کیا جانیے کیا نام ہیں ان کے ابّ و جد کے
تیور سے یہ پیدا ہے کہ بچے ہیں اسد کے

۸۵

پیشانیاں خورشید جہاں تاب سے بہتر
دانتوں کی صفا گوہر نایاب سے بہتر
رخسارۂ رنگیں گلِ شاداب سے بہتر
چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر
ابرو نہیں پیشانی ذی قدر کے نیچے
ہیں دو مہِ نو ہال سے اک بدر کے نیچے

۸۶

حیراں ہیں عدو حسن پہ اور دونوں کے سن پر
آنکھیں وہ کہ پریوں کی نظر پڑتی ہے جن پر
ابرو وہ کمانیں ہیں کہ قرباں ہیں ان پر
گیسو ہیں کہ سایہ ہے کیا رات نے دن پر
یہ گیسو و رخ خوں میں بھرے رنج کی جا ہے
دو بدر نہیں چار شش و پنج کی جا ہے

۸۷

آنکھوں کی سیاہی پہ فدا نرگسِ شہلا
ہیں جنگی دل کبھی ان کا نہیں دہلا
یہ عین شجاعت ہے کہ ہے معرکہ پہلا
بے تیغوں کے کھیلے کوئی بچہ نہیں کھیلا
تلوار چلی پھر گئی چتون جدھر اُن کی
غصے میں سروہی سے سوا ہے نظر ان کی

۸۸

دلبر ہیں دلیروں کے حسینوں کے حسیں ہیں
شیریں سخن اس طرح کے عالم میں نہیں ہیں
گویا دہن خاتم قدرت کے نگیں ہیں
یہ طرفہ حلاوت ہے کہ باتیں نمکیں ہیں
جملے ہیں وہی صاف وہی شرط و جزا ہے
تقریر میں سب مصحفِ ناطق کا مزا ہے

۸۹

شرمندہ ہے شمشاد بھی قد معتدل ایسے
مختوم ہیں خط خال کے نقطے سجل ایسے
رکھ دیتے ہیں سینوں کو سنانوں پہ دل ایسے
دیکھے ہیں کسی چشم کی پتلی نے تل ایسے
سطریں ہیں یہ سب گیسوؤں کے بال نہیں ہیں
نہریں یہ خطِ حسن پہ ہیں خال نہیں ہیں

۹۰

دو چاند سے سینے کہ وفا کا ہے گھر ان میں
تیروں کا ہے بیشہ کہ دل ان میں جگر ان میں
عدل و کرم و صنعت و علم و ہنر ان میں
اسرار جناب احدی کے گہر ان میں
خود جن میں ہوں دریا یہ سفینے نہیں دیکھے
اس طرح کے سینے تو کسی نے نہیں دیکھے

۹۱
عضوں میں ہیں سر دست یہ ہاتھوں کی تمنا کے
ناخن میں ہیں دونوں کے ہر عقدہ کشا کے
قبضے میں اگر ہاتھ رکھیں غصّے میں آ کے
دم بھر میں ملا دیں طبقے ارض و سما کے
ہے کون سا سرکش جو یہاں پست نہیں ہے
ان سے کوئی دنیا میں زبردست نہیں ہے

۹۲
بت کعبہ سے سب جن نے نکالے یہ وہی ہیں
رکتے نہیں جن لوگوں کے بھالے یہ وہی ہیں
ہے فتح و ظفر جن کے حوالے یہ وہی ہیں
خیبر کے جو ہیں توڑنے والے یہ وہی ہیں
پروانے ہیں شمعِ حرمِ لم یزلی پہ
قبضہ انھیں لوگوں کا ہے شمشیرِ علیؑ پہ

۹۳
فوجیں نہیں ٹھہری ہیں جہاں جم کے لڑے ہیں
ہاتھ ان کے تو فولاد کے پنجے سے کڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں
یہ پاؤں ہٹاتے نہیں ہیں جنگ پہ چڑھ کر
سر کٹنے میں بھی گرتے ہیں تو کھیت سے بڑھ کر

۹۴
ناگاہ یہ بڑھ کر پسرِ سعد پکارا
اے شیر دلو نام و نسب کیا ہے تمھارا
تلواریں پھرا کر یہ پکارے وہ دل آرا
خالق نے ہمارے لیے دنیا کو سنوارا
خورشید زمیں تاج سرِ عرشِ بریں ہیں
بھلا یہ شرف ہے کہ غلام شہِ دیں ہیں

۹۵
اسمِ جدِّ اعلیٰ ہے ابو طالبِ والا
جس شیر نے احمدؐ سے شہنشاہ کو پالا
عزت میں فزوں سب سے شرافت میں دوبالا
جس کا ہے علی سا پسرِ اقدس و اعلا
مصدر سے جو مشتق ہے تو اعلیٰ سے علیؑ ہے
ایماں میں ان کے جسے شک ہو وہ شقی ہے

۹۶
دادا ہے شہنشاہِ دو عالم کا مددگار
سردار جہاں مفخرِ عرب جعفرِ طیّار
وہ شقِ طرازِ علمِ احمدِ مختار
آلودہ رہے خوں میں جس شیر کی تلوار
ہاتھوں کے عوض حق سے سر دست لیے ہیں
اللہ نے پر ان کو زمرّد کے دیے ہیں

۹۷
نانا اسد اللہ مددگار دو عالم
دیں دار نمودار جہاں دار دو عالم
سلطانِ قضا منتظمِ کارِ دو عالم
سرتاجِ فلک زیبِ دستارِ دو عالم
سب امر اہم عقل کی میزاں میں تلے تھے
عقدے وہ ہوئے حل جو کسی سے نہ کھلے تھے

۹۸
بازوئے نبی دستِ خدا نفسِ پیمبر
طیّب و زکی طاہر و پاکیزہ و اطہر
لشکر شکن و بت شکن و فاتحِ خیبر
سرتاجِ عجم میرِ عرب حیدرِ صفدر
اصنام سے کیا خانۂ حق پاک کیا ہے
گہوارے میں اژدر کا دہن چاک کیا ہے

۹۹
وہ رعب کہ شیر دلوں کو بھی عبرت ہوئی جس سے
وہ حکم کہ خورشید کو رجعت ہوئی جس سے
وہ زور کہ ایمان کو قوت ہوئی جس سے
وہ ضرب بِنا کفر کی غارت ہوئی جس سے
دیکھے اسے آگاہ جو حیدر سے نہیں ہے
بہتر کوئی شاہدِ درِ خیبر سے نہیں ہے

۱۰۰

کاٹا کیا روم و عرب اک تیغ دو سر سے
دینداروں کو امن اس نے دیا فتنۂ و شر سے
گذری سر مرحب سے تو عنتر کی کمر سے
ضرب اس کی نہ رد کی گئی جبریل کے پر سے
کیا کیا نہ بدل جائے گا کیا کیا نہ ملے گا
پر حشر تک اس ضرب کا سکہ نہ ملے گا

۱۰۱

اللہ رے اوج و شرف و عزت و مقدار
خالق کا ولی احمد مرسل کا مددگار
دشمن کو بھی تھا فضل میں جس کے نہیں انکار
خاک کف پا سرمۂ چشم اولوالابصار
پاتے ہیں اشارے میں شفا کور و کر اس سے
بینا ہے وہی جس کو ہے چشم نظر اس سے

۱۰۲

ہم دونوں نواسے ہیں اسی فیض رساں کے
دکھلائیں گے جوہر ہمیں تیغ دو زباں کے
فرزند ہیں ہم شیر شہ کون و مکاں کے
بڑھ بڑھ کے الٹ دیں گے پرے فوج گراں کے
تم یہ نہ سمجھنا کہ یداللہ نہیں ہیں
ہم شیر تو ہیں گو اسداللہ نہیں ہیں

۱۰۳

سن کر یہ رجز فوج کے سردار پکارے
تابندہ ہیں افلاک شرافت کے ستارے
اے قوم یہ شبیر کے ہیں بھانجے پیارے
ہاں جان کے دینے سے مگر جی نہیں ہارے
حیدر کی طرح صاحب شمشیر ہیں دونوں
لڑکا انھیں سمجھے نہ کوئی شیر ہیں دونوں

۱۰۴

یہ سن کے کیا سب نے لڑائی کا سرانجام
برچھی کہیں چمکی کہیں جمدھر کہیں صمصام
کھلنے لگے ہر صف میں سمہائے سیہ فام
بدلی کی طرح جھوم کے آئی سپہ شام
یوں آتے تھے سب لوٹ کو فوج آتی ہے جیسے
بچوں پہ صفیں آتی تھیں موج آتی ہے جیسے

۱۰۵

اس شور میں بشاش کھڑے تھے وہ دلاور
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا کہ برادر
پروا تھی نہ مطلق کہ یہ فوج آئی ہے کس پر
دیکھیں تو ذرا آپ قریب آگیا لشکر
وہ کہتا تھا تکیہ ہے عنایات احد پر
آنے دو اجل ان کو لئے آتی ہے زد پر

۱۰۶

آتا ہے شکار آپ سے جس دم طرف شیر
جاتے ہیں کہیں اب تو یہ آئے تہ شمشیر
دانستہ وہ کرتا ہے جھپٹنے میں ذرا دیر
جس جا ہوں صفیں لاشوں کے ہوتے ہیں وہاں ڈھیر
کھل جائیگا جب تیغ کھینچیں گے کمر سے
عرصہ فقط اتنا ہے کہ سبقت ہو ادھر سے

۱۰۷

تھوڑے میں ابل پڑتے ہیں وہ جو ہیں تنک ظرف
سر جائے پہ آئے نہ شجاعت پہ کوئی حرف
جب گرم ہوا ہر دم خشاں تو کہاں برف
اس نخوت سے عمر اپنی بزرگوں کی ہوئی صرف
ہاتھ اپنا چلے گا تو جگہ پا کے چلے گا
ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا

۱۰۸

تقریر ادھر یہ تھی کہ تیر آئے ادھر سے
سب موت کے حلقے میں اسیر آئے ادھر سے
پیغام دغا لے کے صفیر آئے ادھر سے
دو بچوں پہ دو لاکھ شریر آئے ادھر سے
اس بھیڑ پہ بھی بند تھے دہشت سے دم انکے
بڑھ بڑھ کے ہٹے جاتے تھے پیچھے قدم انکے

۱۰۹

برچھی لیے انبوہ سواروں کا جب آیا
اک شور ہوا غیظ رحیموں کا اب آیا
شہزادوں نے رانوں میں سمندوں کو دبایا
وہ کھنچے بجلی سے جو چمکے غضب آیا
آخر وہ جری لخت دل ضیغم دیں تھے
سر تھے صف اول کے کہیں جسم کہیں تھے

۱۱۰

بس پھر تو دھنسے فوج میں وہ شیر درندہ
آہو سے بھی چالاک تھے اسپان دوندہ
تلواروں سے ڈر ڈر کے چھپے مُردوں میں زندہ
مُڑنے میں جو بجلی تھے تو اُڑنے میں پرندہ
مانند براقِ نبوی عرش سما تھے
گھوڑے نہ کہو اوج سعادت کے ہما تھے

۱۱۱

مارا انھیں چن چن کے جو تھے فوج میں چیدہ
باہم تھے کمانداروں سے دونوں وہ کشیدہ
رہواروں سے پامال تھے سر ہائے بریدہ
بدکیش و خطاکار تھے سب زخم بریدہ
کھنچے ہوئے تھے تیر کہ آفت تھی جہاں پر
پیکان نہ سر پر تھا نہ چلہ تھا کماں پر

۱۱۲

خالی تھی جو یہ صف تو پریشاں وہ پڑا تھا
رنگ اُڑ گئے تھے چہروں سے لشکر یہ ڈرا تھا
جنگل ستم ایجادوں کی لاشوں سے بھرا تھا
تھراتا تھا وہ ہاتھ جو قبضہ پہ دھرا تھا
ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
تیغیں بھی نیاموں میں چرائے تھیں دم اپنے

۱۱۳

وہ مر گیا تلوار اٹھا کر جسے ڈانٹا
گھائے جراحت کو عجب حسن سے بانٹا
اس نخل کو تلوار سے کاٹا اسے چھانٹا
نکلی نہ کوئی شاخ نہ اُلجھا کوئی کانٹا
اب تک یہ ہوا باغ جہاں میں نہیں دیکھی
غل تھا کہ بہار ایسی خزاں میں نہیں دیکھی

۱۱۴

تلوار نے چھوٹے کی نیا رنگ دکھایا
حیرت ہوئی وہ زور دمِ جنگ دکھایا
ضرب اسد اللہ کا سب ڈھنگ دکھایا
راکب کو بھی مرکب کو بھی یہ رنگ دکھایا
ایسا کوئی طفلی میں نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا تو جعفر کا بھی تیار نہ ہوگا

۱۱۵

وہ پنجہ اور پھول سی وہ نرم کلائی
وہ اُنگلیاں جن میں گُہرِ عقدہ کشائی
سب جن سے ہویدا ید بیضا کی صفائی
ضیغم کے بھی پنجے نے یہ قوت نہیں پائی
زور ایسا جہاں کو وہ سبک ہاتھ کے بل سے
ضرب ایسی کہ پوچھے کوئی جبریل کے دل سے

۱۱۶

دو شیروں سے بچ کر ستم ایجاد کدھر جائے
خالی جو دے وار تو پھر خون میں بھر جائے
گر منہ پہ چڑھے یہ تو سر نخل اُتر جائے
بس زیست اسی میں ہے کہ تلوار سے مر جائے
بزدل جو ہے کیوں کر وہ دلیروں سے بچے گا
بھاگے گا تو کیا صید یہ شیروں سے بچے گا

۱۱۷

کس میں تھی ضیا تیغوں کی ضو کے برابر
بجلی نہ چمک سکتی تھی پرتو کے برابر
گویا کہ مہِ نو تھا مہِ نو کے برابر
سر خاک پہ گرتے تھے سو سو کے برابر
بچتا تھا نہ وہ نوک بھی جا لگتی تھی جس کو
رہ جاتا تھا وہ جل کے ہوا لگتی تھی جس کو

۱۱۸

کاٹی جو سپر فرق جفا جو پہ نہ ٹھہری
منھ پر نہ رکی ساعد و بازو پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالم بد خو پہ نہ ٹھہری
دشمن کی زرہ کاٹ کے پہلو پہ نہ ٹھہری
کیا زور تھا کیا ضربت شمشیر بکو تھی
گھوڑے کی بھی گردن اسی اک وار میں دو تھی

۱۱۹

بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے
افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ریتی پہ طبال برچھیوں والے نظر آئے
ہر صف کی جگہ خون کے تھالے نظر آئے
غل تھا کہ رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
بچوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

۱۲۰

چار آئے جو لڑنے کو تو اک دل ہوئے دونوں
ٹھہرے نہ ہٹے نہ متامل ہوئے دونوں
گرما کے فرس جنگ پہ مائل ہوئے دونوں
چاروں سے یہ فرما کے مقابل ہوئے دونوں
ششدر نہیں ہوتے جو شجاعت کے دھنی ہیں
تم چار ہو ہم دو ہیں مگر پنجتنی ہیں

۱۲۱

یہ سنتے ہی بچوں پہ جھپٹ کر وہ پل آئے
غصے سے دلیروں کے بھی ابرو پہ بل آئے
لشکر نے یہ جانا کہ وہ بچ کر نکل آئے
آنا تھا کہ چاروں پہ تیغ اجل آئے
احسنت کا برپا ہوا غل چرخ بریں پر
ٹکڑے جو گنے چار کے تھے آٹھ زمیں پر

۱۲۲

کیا ذکر بھلا آٹھ کا یا چار سر دل کا
کشتوں کے جو پشتے تھے تو انبار سر دل کا
گننا ہوا اب تو ہمیں دشوار سر دل کا
اک مینھ سا برس جاتا ہے ہر بار سر دل کا
تھم سکتے نہ تھے پاؤں کسی عربدہ جو کے
گتنی تھی زمیں رن کی دڑڑوں سے لہو کے

۱۲۳

اعدا تھے دم جائزہ ہر بار ندارد
منشی کے قلم ہاتھ علمدار ندارد
بیدل نظری فوج کے اسوار ندارد
دو آئے تو دو چار تھے پھر چار ندارد
یوں فوج کے دفتر کو الٹتے نہیں دیکھا
یوں چہرے پہ چہرہ کبھی کٹتے نہیں دیکھا

۱۲۴

یہ جھک کے جو ٹھہرا تو وہ لشکر میں در آیا
رستے کو تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر آیا
یہ ڈوب گیا جب وہ ادھر سے ادھر آیا
اک چاند تہ خاک چھپا اک نظر آیا
ہٹ جائے گا لشکر تو خبر لے کے پھریں گے
چھوٹے ہیں مگر بھائی سے کچھ بڑھ کے لڑیں گے

۱۲۵

جانبازیاں دکھلاتے تھے میداں میں وہ جانباز
دل تھامے ہوئے دیکھتے تھے شاہ سرافراز
قاسم کا سخن تھا کہ علی کا ہے سب انداز
فرماتے تھے اکبر یہ لڑائی ہے کہ اعجاز
بڑھتے تھے کبھی گاہ سرک جاتے تھے عباس
جب وار وہ کرتے تھے بھڑک جاتے تھے عباس

۱۲۶

ہر بار صدا دیتے تھے اے گیسوؤں والو
کیا کہنا ہے پھر بڑھ کے یہی ہاتھ نکالو
رہوار بڑھے جاتے ہیں باگوں کو سنبھالو
حلقہ ہے کڑی آنکھ زرہ پوشوں پہ ڈالو
اب ہٹنے کی مہلت مری جاں ان کو نہ دینا
منت بھی کریں گر تو اماں ان کو نہ دینا

۱۲۷

ہاں شیروں کے شیروں کا یہی کام ہے شیرو
پنجہ میں تمہارے سپر شام ہے شیرو
بس آج لڑائی میں بڑا نام ہے شیرو
تم دونوں کا جد صاحب صمصام ہے شیرو
اک شمس تو اک برج شرافت کا قمر ہے
ہاں کس کی ہے بیٹی تو پدر کس کا پسر ہے

۱۲۸

شہ کہتے تھے بچے ہیں لڑیں ہائے کہاں تک
دو روز سے پانی نہیں پہونچا ہے دہاں تک
لاکھوں سے لڑے دونوں میں طاقت تھی جہاں تک
اب پھیر کے کوئی انھیں لے آئے یہاں تک
سیراب بھی یہ تشنہ دہاں ہونے نہ پائے
ہے ہے مرے گھر میں یہ جواں ہونے نہ پائے

۱۲۹

سیدانیاں دروازے پہ تھیں کھولے ہوئے سر
فضہ تھی پریشاں کئے مو خیمے کے باہر
اصغر کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

۱۳۰

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اڑتے ہوئے گیسو
ڈھالیں لیے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جفا جو
وہ تیغیں بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو
بہتا ہے لہو چھاتیوں سے چور ہیں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

۱۳۱

زینبؑ نے کہا دونوں ہیں یک جا کہ جدا ہیں
لاکھوں ہیں عدو اور وہ دو ماہ لقا ہیں
کی عرض یہ رو کر کہ نہیں ایک ہی جا ہیں
منھ نہر سے پھیرے ہوئے سرگرم وغا ہیں
دم خوف سے سینے میں سماتا نہیں اب تو
ہے ہے مجھے چھوٹا نظر آتا نہیں اب تو

۱۳۲

یہ سنتے ہی ڈیوڑھی سے ہٹیں حضرت زینبؑ
اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب
فرمایا کہ بچوں کا مرے خاتمہ ہے اب
لو بیبیو مل کر صف ماتم پہ چلو اب
بچے مرے داخل ہوئے خیل شہدا میں
سجدہ تو کروں شکر کا درگاہ خدا میں

۱۳۳

یہ ذکر تھا جو طبل بجا فتح کا ناگاہ
سجدہ کو سوئے قبلہ جھکیں زینب ذی جاہ
چلائے حرم لٹ گئی بنت اسد اللہ
دوڑے طرف دشت وغا روتے ہوئے شاہ
تلواریں علم قاسم و عباس لئے تھے
ہم شکل نبی چاک گریباں کئے تھے

۱۳۴

عباس نے غصے میں لعینوں کو ہٹایا
پسپا ہوئے کفار کوئی تاب نہ لایا
بجلی سے بھی کچھ بڑھ کے گرا تیغ کا سایا
شبیر نے لاشوں کو تڑپتا ہوا پایا
آلودۂ خوں دو مہ کامل نظر آئے
گودی کے پلے خاک پہ بسمل نظر آئے

۱۳۵

سرتا بہ قدم چور تھے زخموں سے تن زار
پیکاں سے چھدے تھے کئی چھاتیوں کے پار
انگڑائیاں لینے سے رگیں کھنچتی تھیں ہر بار
تلواریں تھیں قبضوں میں مگر ہاتھ تھے بیکار
لب پہ یہ سخن تھا شہ والا نہیں آئے
دم ہونٹوں پہ آئے مگر آقا نہیں آئے

۱۳۶

لاشوں کے قریب آ کے پکارے شہِ صفدر
یہ گرم زمیں اور یہ گل سے تنِ انور
اے بھانجو موجود ہے یہ بے کس و بے پر
مٹی سے اٹھا کر مرے زانو پہ رکھو سر
ماموں سے عجب وقت میں منہ موڑ رہے ہو
کن آنکھوں سے دیکھوں میں کہ دم توڑ رہے ہو

۱۳۷

اے عون و محمد یہ جفا تم نے اٹھائی
راحت مرے گھر میں نہ ذرا تم نے اٹھائی
ایذا لے عطش سب سے سوا تم نے اٹھائی
کیا کیا نہ صعوبت بہ خدا تم نے اٹھائی
مانع جو ہوئی ماں سو لیے پھر نہیں دیکھا
اس عمر میں تم سا کوئی صابر نہیں دیکھا

۱۳۸

اے شیر جوانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
اے مرتبہ دانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
اے تیز زبانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
اے تشنہ دہانو! مجھے طاقت تھی تمھیں سے
ساتھ اپنے جہاں سے مجھے لیتے نہ گئے تم
کاندھا مرے تابوت کو دیتے نہ گئے تم

۱۳۹

اکبر نے کہا عون کے بازو کو ہلا کر
ماموں کو پکارے بھی نہ تم برچھیاں کھا کر
بھیا تمھیں چلاتے ہیں شہ اشک بہا کر
باتیں شہِ والا سے کرو ہوش میں آ کر
لو گھر میں چلو بیبیاں سب غش میں پڑی ہیں
سر ننگے پھوپی خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑی ہیں

۱۴۰

خم ہو کے یہ چھوٹے کو علمدار پکارے
کیا منہ میں زباں اینٹھ گئی پیاس کے مارے
اے تشنہ دہن اے مرے جانی مرے پیارے
چونکو کہ عجب حال ہے ماموں کا تمھارے
ہاتھوں کو ذرا جوڑ کے کچھ بات تو کر لو
جیتا شہِ والا سے ملاقات تو کر لو

۱۴۱

سن کر یہ صدا ہوش میں آئے وہ دلاور
اٹکے تھے جو اکھڑے ہوئے دم سینوں کے اندر
سر رکھ دیے گھبرا کے شہِ دیں کے قدم پر
دو ہچکیاں لیں دونوں صغیروں نے برابر
فردوس معلّٰے کے مسافر ہوئے دونوں
کروٹ بھی نہ بدلی تھی کہ آخر ہوئے دونوں

۱۴۲

گودی میں ہوئے وہ جنھیں آغوش میں پالا
بسمل کی طرح گر کے جو تڑپے شہِ والا
آنکھیں تھیں لہو اور جگر تھا تہ و بالا
عباس نے تھاما علی اکبر نے سنبھالا
رقت کا یہ تھا جوش کہ تھراتے تھے شبیر
ہر مرتبہ لاشوں سے لپٹ جاتے تھے شبیر

۱۴۳

عباس نے کی عرض یہ با دیدۂ خوں بار
لے چلیے انھیں خیمے میں اب یا شہِ ابرار
خیمے سے نکل آئیں یہ سیدانیاں یک بار
بہتر ہے کہ ماں دیکھ لے فرزندوں کا دیدار
لاشے جو نہ جائیں گے تو غم کھائیں گی زینب
یہ قبر میں سوئے تو کہاں پائیں گی زینب

۱۴۴

یہ سنتے ہی لاشے شہِ والا نے اٹھائے
غل تھا کوئی جلدی صفِ ماتم کو بچھائے
خیمے کے قریں دونوں کو روتے ہوئے لائے
لو آئے شہنشاہ کی ہمشیر کے جائے
چھوٹے کو علی اکبرِ دلگیر لیے ہیں
اک لاش کو خود گود میں شبیر لیے ہیں

۱۴۵
زینبؑ نے کہا کیوں مجھے وسواس نہ آئے
لوگو مرے پیارے نے بڑے رنج اٹھائے
ہے ہے علیؑ اکبر اُسے کیوں گود میں لائے
صدقے یہ پھوپھی لاش کے لے آنے کے جائے
دو روز سے وہ سرورِ واں تشنہ دہاں ہے
اس بوجھ کی طاقت مرے بچے میں کہاں ہے

۱۴۶
اُن دونوں نے گر جان گنوائی تو گنوائی
میں ماں ہوں نہ صاحب مجھے یہ بات نہ بھائی
بن بیا ہے مرے لال نے کیوں لاش اُٹھائی
اکبرؑ مری اٹھارہ برس کی ہے کمائی
دل سے نہ یہ داغ الم و یاس مٹے گا
صدقہ اب اُتاروں گی تو وسواس مٹے گا

۱۴۷
بانوؑ نے کہا کون سے وسواس کی ہے جا
شق ہوتا ہے مظلوموں کی غربت پہ کلیجا
ہمشکل نبیؐ لاشوں کو لائے تو ہوا کیا
ہے ہے وہ کوئی غیر تھے اے دخترِ زہرا
گھر تک کوئی وا ماندوں کو پہونچا نہیں دیتا
بھائی کوئی کیا بھائی کو کاندھا نہیں دیتا

۱۴۸
اون دونوں کے عاشق تھے علیؑ اکبرؑ گلرو
ایسا یہ نہیں غم کہ تھمیں آنکھ سے آنسو
چھوڑا نہ اونھوں نے بھی کبھی بھائی کا پہلو
بس تلخ ہوئی زندگی اکبرؑ خوشخو
کل تک تھے ہم آج اکیلے ہوئے دونوں
بھائی بھی وہ جو ساتھ کے کھیلے ہوئے دونوں

۱۴۹
دونوں تھے اسی بھائی کے آرام کے طالب
وسواس کا یہ کونسا ہنگام ہے صاحب
جانے وہی جس شخص پہ گذریں یہ مصائب
بیجاں ہوئے ہے ہے علیؑ اکبر کے مصاحب
ساتھ اب نہ کوئی جوڑے ہوئے ہاتھ رہے گا
شہزادۂ کونین اوسے کون کہے گا

۱۵۰
ناگاہ شہ عرش نشیں لاشوں کو لائے
تھم کر صفِ ماتم کے قریں لاشوں کو لائے
غل پڑ گیا لو سرورِ دیں لاشوں کو لائے
ہمشیر تھیں جس صف پہ وہیں لاشونکو لائے
دونوں کا لٹانا تھا کہ غش کر گئی زینبؑ
ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی زینبؑ

۱۵۱
ہوش آیا تو اکبرؑ سے کہا رانڈونکو سمجھاؤ
عباسؑ کی زوجہ سے یہ بولیں کہ ادھر آؤ
ہے ہے نہ کرو صاحبو اک لحظہ ٹھہر جاؤ
کیا روتی ہو کپڑے علیؑ اکبرؑ کے بدلواؤ
بانو ہیں کدھر آہ یہ کیا بے خبری ہے
سب خوں سے مرے لال کی پوشاک بھری ہے

۱۵۲
حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ
کس طرح لڑے دونوں غلامان ہوا خواہ
زینبؑ ہے مجھے یاد آگئی جنگِ اسد اللہ
نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وغا کی
بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

۱۵۳
تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پُرزور کلائی نہیں دیکھی
یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی
اعدا میں یہ ہل چل یہ دہائی نہیں دیکھی
صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے
تم پوچھ لو عباسؑ تو نزدیک کھڑے تھے

۱۵۴

عباسؑ نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے
لڑتے تھے اسی طرح علیؑ فوج گراں سے
جو کر گئے یہ لال وہ باہر ہے بیاں سے
افسوس کہ یوں اُٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
تلواریں جب اِن کی مجھے یاد آتی ہیں بھینا
دو بجلیاں آنکھوں میں لپک جاتی ہیں بھینا

۱۵۵

کیا عرض کروں ہائے محمدؐ کی لڑائی
بس صاف تھی صفین کی سرحد کی لڑائی
گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا جد کی لڑائی
غل تھا کہ یہ ہے بازوئے احمدؐ کی لڑائی
رن پر جو چڑھا ہو وہی جانے کہ یہ کیا تھا
دنیا میں علیؑ آج جو ہوتے تو مزا تھا

۱۵۶

یہ سنتے ہی سُرخی سی رُخِ زرد پہ آئی
کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی
حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
اب شاد ہوئی اِن سے ید اللہ کی جائی
آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ اِن کے
بیکس ہیں خدا رحم کرے حال پہ ان کے

۱۵۷

فرما کے یہ لیں ان کی بلائیں کئی باری
کرتے ہیں امام دو جہاں مدح تمھاری
شانوں کو ہلا کر کے یہ آہستہ پکاری
یہ کیا ہے جو تسلیم کو اٹھتے نہیں واری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسینؑ ابن علیؑ اُٹھ تو کھڑے ہو

۱۵۸

کچھ آج ہے غفلت عجب اے نیند کے ماتو
چونکو مری خاطر سے اب اے نیند کے ماتو
باعث ہے یہ بچپن کا سبب اے نیند کے ماتو
پھر سوئیو آتی ہے شب اے نیند کے ماتو
پھر کیا ہے جو بچپن کے یہ انداز نہیں ہیں
گردن ہے کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں ہیں

۱۵۹

اب ضبط کی طاقت نہیں اماں کو سنبھالو
سینے میں الجھتا ہے دم اے گیسوؤں والو
انگڑائیاں لو بات کرو نیند کو ٹالو
واری مجھے خدمت کے لیے پاس بلا لو
میں ہونگی تو راحت سے تمھیں یاس نہوگی
کیا گذرے گی منزل پہ جو ماں پاس نہ ہوگی

۱۶۰

پہلا تو سفر اور نئے لوگ نئی راہ
صدقے گئی رستے سے بھی تم تو نہیں آگاہ
کس طور سے گذریں گی یہ تاریک شبیں آہ
پہنچائے تمھیں خیر سے فردوس میں اللہ
پر ہول ہے رستہ مجھے تشویش بڑی ہے
قربان ہو ماں قبر کی منزل بھی کڑی ہے

۱۶۱

ٹوکے کوئی رستے میں تو ڈریو نہ مری جان
اقرارِ نبوت میں فصاحت کا رہے دھیان
ہاں کلمہ توحید پڑھے جائیو ہر آن
دلبند ہو تم تین اماموں کے میں قربان
کہنا کہ ملازم ہیں ولی ابن ولی کے
ہم آتے ہیں لشکر سے حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۶۲

اے عون خبردار مرے چھوٹے پسر سے
رستے سے نہ واقف ہے نہ غربت کے سفر سے
شب کو یہ اکیلا کبھی نکلا نہیں گھر سے
محروم رہوں گی میں سدا خیر و خبر سے
وا مندوں پہ ظاہر ہو یہ وہ بھید نہیں ہو
اے وائے خط آنے کی بھی امید نہیں ہے

۱۶۳

بچوں کے یہ سن ہائے غضب اور سفر ایسا
برباد نہ ہو یوں کوئی آباد گھر ایسا
لائے گا خبر کون کہاں نامہ بر ایسا
نظروں سے نہ پوشیدہ ہو شمس و قمر ایسا
کس ناز و نعم سے یہ خوش اقبال پلے تھے
قبروں کے لیے ہائے مرے لال پلے تھے

۱۶۴

اب کون مرے پہلوؤں میں سوئے گا بچو
یہ داغ تو دنیا سے مجھے کھوئے گا بچو
تڑپے گا کلیجہ مرا دل روئے گا بچو
دن جائے گا شب آئے گی تو کیا ہوئے گا بچو
راحت کسی کروٹ کسی پہلو نہ ملے گی
مر جاؤں گی زلفوں کی جو خوشبو نہ ملے گی

۱۶۵

دنیا کو نہ دیکھا تھا کہ موت آ گئی تم کو
ہاں صدقے ہو جنگل کی ہوا بھا گئی تم کو
خیمہ سے نکلتے ہی اجل پا گئی تم کو
اے گنبد نو کس کی نظر کھا گئی تم کو
ہے ہے مجھے پوشاک شہانی نہ دکھائی
صدقے گئی اماں کو جوانی نہ دکھائی

۱۶۶

مرتے ہوئے پانی بھی نہ مانگا مرے ڈر سے
بے آب تھے اس عمر میں چوبیس پہر سے
پیاسے سوئے فردوس سدھارے مرے گھر سے
دیکھا بھی نہ دریا کو توجہ کی نظر سے
ڈرتے تھے کہ اماں نے ہمیں منع کیا ہے
سہوا جو پڑی آنکھ تو منہ موڑ لیا ہے

۱۶۷

غصے ہوئی تھی تم پہ میں واری مجھے بخشو
لب پر سخن عذر ہیں جاری مجھے بخشو
ہاں اب نہیں لونڈی ہوں تمھاری مجھے بخشو
صدمے سے غشی ہوتی ہے طاری مجھے بخشو
میں بھی تو یہ جانوں کہ دل افسردہ نہیں ہیں
لو کہہ دو بس اتنا کہ ہم آزردہ نہیں ہیں

۱۶۸

یہ کہہ کے جو چھاتی پہ دو ہتڑ کئی مارے
ہمشکل نبی پاؤں پہ گر کر یہ پکارے
سینہ ہوا شق ہاتھ بھی نیلے ہوئے سارے
بس والدہ اب روئیو لاشے پہ ہمارے
اب پیاس میں آب دم شمشیر پیئنگے
بھائی نہ رہے خلق میں ہم بھی نہ جیئنگے

۱۶۹

گھبرا کے وہ مخدومۂ عالم یہ پکاری
بن بیاہے ہو تم لاشوں کے پاس آؤ نہ واری
مر جائے یہ ناشاد بلا لے سکے تمھاری
تم رو رو اس ڈر سے میں کرتی نہیں زاری
باتوں میں بھی کچھ بین کے پہلو نہیں نکلے
آنکھوں سے مری دیکھ لو آنسو نہیں نکلے

۱۷۰

فرما کے یہ غش ہو گئیں اور پھر ہوئیں ہشیار
بانو نے کہا شاہ سے با دیدۂ خونبار
پوچھا کہ کدھر ہے علیؑ اکبر مرا دلدار
اب فرق بصارت میں بھی ہے یا شہ ابرار
اب کے جو غش آیا تو گذر جائیں گی زینبؑ
لے جائیے لاشے نہیں مر جائیں گی زینبؑ

۱۷۱

یہ ماتم اولاد ہے کیونکر اسے ٹالیں
اکبر کی سنیں یا جگر و دل کو سنبھالیں
مر جائیں جنھیں دل کی طرح گود میں پالیں
در آئی ہیں اک قلب میں دو تیروں کی بھالیں
بالائے جگر خنجر بیداد پھرے ہیں
دو غم کے پہاڑ ایک ضعیفہ پہ گرے ہیں

۱۷۲

یہ سنتے ہی لاشوں کو اٹھانے لگے سرور
رانڈیں صف ماتم سے اٹھیں کھولے ہوئے سر
بانو نے کھڑے ہو کے ادھر روک لی چادر
چلائی سمجھ کر یہ شہ مظلوم کی خواہر
ٹھہرو ابھی کیوں داغ دیئے جاتے ہو لوگو
ہے ہے مرے بچوں کو لیے جاتے ہو لوگو

۱۷۳

دیکھا نہیں جی بھر کے ابھی بیٹوں کا دیدار
دونوں کی بلائیں بہن مجھے پھر لینے دو اک بار
چھوٹے کو بھی چھاتی سے لگا لے یہ دل افگار
مادر سے مکدر نہ ہوں یہ آئینہ رخسار
گھر میں مرے کاہے کو یہ پھر آئیں گے جا کے
دینے دو کفن دونوں کو زہرا کی ردا کے

۱۷۴

در تک گئیں لاشوں سے لپٹنے کو کھلے سر
پر رانڈوں نے جانے نہ دیا خیمے کے باہر
چلائیں در خیمہ کے پردے کو اٹھا کر
گاڑو گے کہاں بھائیوں کو اے علیؑ اکبر
ڈر ہے کہ خفا مجھ سے مرے لال نہ ہو جائیں
صدقے گئی لاشے کہیں پامال نہ ہو جائیں

۱۷۵

یہ وقت نہیں طول کا خاموش انیسؔ اب
جتنے ہیں سخن فہم وہ عاشق ہیں ترے سب
ہر دم ہے عنایات محمد کرم رب
اب جلد وہ حاصل ہو جو کچھ ہے ترا مطلب
یہ حسن فصاحت ہے یہ شیریں سخنی ہے
پیری میں جواں ہے تو فقیری میں غنی ہے

رباعی

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے
عنقا گوگرد سرخ پارس اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

رباعی

عزت رہے یار و آشنا کے آگے
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

رباعی

گو صورت دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں
کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن کیا
مانند حباب خانہ بر دوش ہوں میں

رباعی

آئینۂ خاطر کی جلا ہے رونا
اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا
پوچھا جو علاج دل مسیحا نے کہا
ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

رباعی

ہر دم غم سبط شہ لولاک کیا
جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن
پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

مرثیہ ۱

جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسمؑ
چڑھ کے تازی پہ بصد شوکت وصولت قاسم
جھک کے مجرا کیا شہ کو ہوئے رخصت قاسمؑ
فوج اعدا پہ چلے شیر کی صورت قاسم
غل پڑا جنگ کو فرزند حسنؑ آتا ہے
لاکھ سے لڑنے کو اک تشنہ دہن آتا ہے

۲

خوف کی جا ہے کہ جانباز و دلاور ہے وہ
نونہال چمن حضرت شبرؑ ہے وہ
نور چشم پسر فاتح خیبر ہے وہ
حرب میں شیر الٰہی کے برابر ہے وہ
اب کوئی آن میں جوں ماہ عیاں ہووے گا
آج زور اسد اللہ عیاں ہووے گا

۳

اوس کے پوتے کی یہ آمد ہے جو ہے ہشیار
ضرب حیدرؑ کی محمدؐ نے ثنا کی سو بار
جس کے دادا کے لیے عرش سے اُتری تلوار
غیر فرار کا دلبند ہے ہوگا کرّار
جیتا بچنے کا نہیں سامنے جو آوے گا
آج اس فوج کا بس خاتمہ ہو جاوے گا

۴

ایک بولا کہ کوئی روبرو جاسکتا ہے
تاب تلوار کی ان کے کوئی لاسکتا ہے
کوئی شیروں سے بھلا آنکھ ملا سکتا ہے
کوئی ضرب اسد اللہ اُٹھا سکتا ہے
سب پہ غالب جو ہوا اوس پہ بھی یہ غالب ہیں
جگر و جان علیؑ ابن ابی طالب ہیں

۵

ابھی دو لڑکوں کے تم دیکھ چکے ہو جوہر
نہ زرہ روک سکی نیچے ان کے نہ سپر
دونوں بچے تھے چڑھا پر نہ کوئی ان کے منہ پر
بھوکے پیاسوں سے یہ تنگ آ گیا تھا سب لشکر
کب شجاعت سے انھیں رنہیں کسی نے مارا
سچ جو پوچھو تو انھیں تشنہ لبی نے مارا

۶

اب تو قاسم سا دلاور پئے جنگ آتا ہے
مستعد مرنے پہ ہے جینے سے تنگ آتا ہے
بحر مواج شہادت کا نہنگ آتا ہے
کچھ نہیں آنے میں اب اُسکے درنگ آتا ہے
وہ نواسے اسد اللہ کے تھے یہ پوتا ہے
دل لرزتا ہے کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

۷

ذکر یہ کرتے تھے اعدا کہ اُٹھی دور سے گرد
چھپے جا کر پس انبوہ سواران نامرد
دشمنوں کے ہوئے نظارے سے جن کے دل سرد
غل یہی تھا کہ وہ آ پہونچا بمیدان نبرد
پھر تو نوشاہ نے سہرے کو اُٹھایا رن میں
جلوہ نور الٰہی نظر آیا رن میں

۸

سب پکارے بخدا قدرت یزداں ہے یہ
زینت لشکر ابن شہ مرداں ہے یہ
فلک عز و شرف کا مہ تاباں ہے یہ
چمن فاطمہؑ کا سرو خراماں ہے یہ
رانڈ اب دختر سلطان زمن ہووے گی
بے چراغ اب لحد پاک حسنؑ ہووے گی

۹

کوئی کہتا تھا عجب رشک چمن ہے واللہ
یہی داماد شہنشاہ زمن ہے واللہ
پائے تا فرق یہ تصویر حسنؑ ہے واللہ
ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں تشنہ دہن ہے واللہ
عمر میں شادی کی حلاوت نہیں جانی اس نے
تین دن گذرے کہ پایا نہیں پانی اس نے

۱۰

ایک کہنے لگا حیرت کی یہ جا ہے واللہ
آج مرنے کو یہ آیا ہے یہاں جنگ گاہ
شب کو سنتے ہیں ہوا تھا اسی مظلوم کا بیاہ
کس طرح ماں نے اجازت اسے دی مرنے کی آہ
ایسے فرزند کو مرنے کو جو بھیجا اوس نے
کیا جگر ہے کہ سنبھالا ہے کلیجہ اُس نے

۱۱

ایسے دلبر کو کوئی جنگ کی دیتا ہے رضا
زن بیوہ کا جگر بند ہے یہ ماہ لقا
ایسے فرزند کو کس طرح کہا مرنے کو جا
جینے دے گا نہ اوسے داغ جواں بیٹے کا
ہے یقیں رن میں وہ سر کھولے چلی آویگی
اسکو اک زخم لگے گا تو وہ مرجاوے گی

۱۲

عمر سعد ستمگر نے جو یہ ذکر سنا
کوئی ایسا نہیں ہووے جو مہیائے وغا
یعنے قاسمؑ کی ہر اک فوج میں کرتا ہے ثنا
بڑھ کے آپ اُس نے یہ دولھے سے بصد عجز کہا
آج ہی شب کو ہوا بیاہ تمھارا قاسمؑ
کرو رحم اپنی جوانی پہ خدارا قاسمؑ

۱۳

اس لیے عرض یہ کرتا ہوں میں اے بندہ نواز
دوست رکھتا تھا بہت مجکو وہ سلطان حجاز
مجکو تھا آپ کے والد کی بھی خدمت میں نیاز
تم پہ کیونکر کروں دست ستم و جور دراز
قتل تم ہو نہ کہیں ہے یہی وسواس مجھے
بخدا روح حسنؑ کا ہے بہت پاس مجھے

۱۴

آؤ مل جاؤ مری فوج میں لو خلعت و زر
شہ کی الفت کے سبب یہ نہ ہو منظور اگر
آپ کے حکم کے تابع رہے سارا لشکر
اپنے عمو ہی کو سمجھاؤ کہ تا دفع ہو شر
ہم خوشی تمکو کریں تم ہمیں خورسند کرو
جاؤ شبیرؑ کو بیعت پہ رضامند کرو

۱۵

پسر سعد کا قاسمؑ نے سنا جب یہ کلام
پڑھ کے لاحول کہا اوس نے کہ اے ابن حرام
مارے غصے کے لگا کانپنے سارا اندام
بیعت فاجر و فاسق کہیں کرتا ہے امام
بہکاتا ہے تو ہمت ہے تجھے واللہ نہیں
حیف شبیرؑ کے رتبے سے تو آگاہ نہیں

۱۶

ہے یہ سرور پسر فاتح صفین و حنین
حامی دین نبی فاطمہؑ کا نور العین
جس کا مرکب تھا صد اکتف رسول الثقلین
کبھی بیدین کی بیعت نہیں کرنے کا حسینؑ
حیف کچھ غور ذرا دل میں نہیں کرتا ہے
شیر بھی بیعت روباہ کہیں کرتا ہے

۱۷

اور تجھے دیتا ہے ناحق طمع زر ظالم
مجھ پہ آتا ہے تجھے رحم بد اختر ظالم
تو ہے کیا اور ہے کیا تیرا یہ لشکر ظالم
اور باندھے ہے کمر شاہ کے خوں پر ظالم
فاطمہؑ روئے گی اس بات کا وسواس نہیں
نور دیدہ ہے محمدؐ کا تجھے پاس نہیں

۱۸

سوچ تو دل میں یہ کس پر تو جفا کرتا ہے
احمدؐ و حیدرؑ و زہراؑ کو خفا کرتا ہے
اب بھی نادم ہو ستمگار یہ کیا کرتا ہے
دیکھ کہتا ہوں میں واللہ برا کرتا ہے
انکو مارا تو شہ عقدہ کشا کو مارا
گر انھیں مارا تو محبوب خدا کو مارا

۱۹

اور بھی ہے کوئی اس شہ کے سوا سبط نبی
تین دن سے اوسے اس دشت میں ہے تشنہ لبی
جسکو کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسول عربی
پانی تو پیتا ہے یہ کونسی ہے بے ادبی
وہ تو ہیں دل کے غنی صبر ہی فرماتے ہیں
ننھے بچوں کو مگر پیاس سے غش آتے ہیں

۲۰

یہ سخن سن کے بن سعد ستمگر نے کہا
کہا قاسم نے کہ بس سامنے سے دفع ہو جا
پانی بے بیعت حاکم تو نہیں ملنے کا
جو بہادر ہیں تری فوج میں اُن سب کو بلا
بھوکے پیاسوں کی ہزاروں سے لڑائی دیکھیں
آج قاسم کے بھی ہاتھوں کی صفائی دیکھیں

۲۱

کہہ کے یہ طیش میں قاسم نے علم کی تلوار
چمکی وہ برق شرربار بفرق کفار
جا ملے فوج سے گھوڑے کو ڈپٹ کر اکبار
سر بے تن تن بے سر کا ہوا اک انبار
دم میں وہ تیغ ہزاروں کو فنا کرتی تھی
رشک ہر وار پہ شمشیر قضا کرتی تھی

۲۲

جا کے جس غول پہ شمشیر علم کرتا تھا
لشکر شام کو ہر حملے میں کم کرتا تھا
شیر نیزوں کے نیستاں کو قلم کرتا تھا
جیتا بچ جاتا تھا جو آگے سے رم کرتا تھا
غرق آہن میں جو تھے وہ بھی نہ پاس آتے تھے
ایک ضربت سے تو دس خوف سے مر جاتے تھے

۲۳

گر سوے میمنہ غازی نے اُٹھایا گھوڑا
باگ کو میسرہ والوں کی طرف جب موڑا
اک نمودار ان میں سے نہ جیتا چھوڑا
کیا انبوہ کو مسمار صفوں کو توڑا
داد ہر وار پہ شاہ دوسرا دیتے تھے
بارک اللہ کی ہر بار صدا دیتے تھے

۲۴

سُن کے نوشاہ صدائے شہ تفتیدہ جگر
اور لب خشک دکھا کہتے تھے با دیدۂ تر
دور سے کرتے تھے تسلیم ادب سے جھک کر
العطش العطش اے مالک حوض کوثر
جنگ سر کر دوں میسر ہو جو تھوڑا پانی
پیاس حضرت کیے دیتی ہے کلیجا پانی

۲۵

شاہ فرماتے تھے ناچار ہوں قاسم کروں کیا
پانی کا قحط ہے اس دشت میں اے ماہ لقا
ابن زہرا ترے سوکھے ہوے ہونٹوں پہ فدا
تین دن سے نہیں اصغر کو ملا اک قطرا
سہ لو جو رنج ہو یاں اے مرے جانی قاسم
جا کے کوثر ہی پہ اب پیجیو پانی قاسم

۲۶

اتنی باتوں میں لعینوں نے جو فرصت پائی
گھر گیا لاکھوں میں شبیر کا وہ شیدائی
پشت قاسم کی طرف فوج سمٹ کر آئی
ستم و ظلم کی اس ماہ پہ بدلی چھائی
حال تغییر ہوا تشنہ دہن دولہا کا
ہو گیا تیروں سے غربال بدن دولہا کا

۲۷

کٹ کے چہرے پہ ہر اک پیچ عمامے کا گرا
جوں کتاں ٹکڑے ہوئی تیغوں سے اس مہ کی قبا
خون میں تر ہو گیا مقیش کا سہرا سارا
تن جدا زخمی ہوا کنگنا بندھا ہاتھ جدا
دیر تک ٹھہرے رہے خانۂ زیں پر قاسم
برچھی کھا کر گرے گھوڑے سے زمیں پر قاسم

۲۸

نوبت فتح بجانے لگے سب بے ایماں
شور تھا قتل ہوا قاسم نوشاہ جواں
بن بھتیجے کے ہوے آج شہ تشنہ دہاں
کریں رنڈ سالے کا بیٹی کے لیے اب ساماں
ہم نے داماد شہ تشنہ جگر کو مارا
برچھیوں سے زن بیوہ کے پسر کو مارا

۲۹

پہونچی جب خیمہ ناموس نبی میں یہ صدا
دفعۃً رنگ رخ اہل حرم زرد ہوا
ماں نے دولہا کی کلیجے کو پکڑ کر یہ کہا
گیا میداں میں مجھ رانڈ کا بیٹا مارا
ڈھول فتح جو میداں میں بجا ہے لوگو
کوس رحلت کے یہ قاسمؑ کے صدا ہے لوگو

۳۰

ماں نے دولہا کی جو سر پیٹ کے یہ بات کہی
دل پہ صدمہ ہوا گھونگھٹ میں دولھن رونے لگی
کہا زینبؑ سے سنبھالو مجھے اس وقت پھوپھی
ضبط کیونکر کروں چلتی ہے کلیجے پہ چھری
اٹھو گھونگھٹ مرا دل سینے میں گھبراتا ہے
اب کوئی آن میں دم تن سے نکل جاتا ہے

۳۱

پڑ گیا خیمہ ناموس نبیؐ میں کہرام
سر برہنہ چلے داماد کے لاشے پہ امام
پہونچے دولہا کے سرہانے جو بحال ناکام
دیکھیں کیا لوٹتا ہے خاک پہ وہ گل اندام
تھام کر دل کو پکارے مرے پیارے قاسمؑ
اٹھو ہم آئے ہیں لاشے پہ تمہارے قاسمؑ

۳۲

عرض کی کھول کے نوشاہ نے چشم پر نور
میں سرافراز ہوا لائے جو تشریف حضور
اٹھے تعظیم کو کس طرح سے بندہ مجبور
گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہے سارا بدن چکنا چور
پہلے تو جسم مرا تیروں سے غربال کیا
گر پڑا خاک پہ گھوڑے سے تو پامال کیا

۳۳

سن کے یہ سید بیکس کا جگر کانپ گیا
خاک پر بیٹھ کے نوشاہ کو گودی میں لیا
عرض کی قاسمؑ نوشاہ نے رو کر کہ چچا
مرے پہلو میں کھڑے ہیں حسنؑ سبز قبا
اور ہے اک بی بی وہ اس درد سے یاں روتی ہے
جس طرح سے کسی فرزند کو ماں روتی ہے

۳۴

گود میں چھوٹی سی ہے لاش کھلا ہے سر پاک
بال بکھرے ہوے ہیں سر کے گریباں ہے چاک
درد پہلو سے ہے محزون و ملول و غمناک
سر پہ ہر مرتبہ کہتی ہے اڑا دشت کی خاک
اب نہیں صبر میں دیتی ہوں دہائی خالق
اہل شر لوٹتے ہیں میری کمائی خالق

۳۵

کبھی منہ چومتی ہیں گود میں لے کر مرا سر
کبھی کہتی ہیں میں قربان ترے سہرے پر
واری اس دشت میں مارے گئے دولہا بن کر
کچھ دولھن کی بھی ہے اے لال ذرا تم کو خبر
ہائے پردیس میں قسمت نے اسے لوٹا ہے
میری بچی پہ مصیبت کا فلک ٹوٹا ہے

۳۶

سن کے قاسمؑ کا بیاں یہ شہ والا نے کہا
اے مری جان وہ ہے دختر محبوب خدا
کس طرح پیٹ کے سر روئیں نہ اماں زہراؑ
رانڈ ہوتی ہوئی مارا گیا پیارا پوتا
جائے رونے کی کہ بیکس کبھی ہو ناشاد کبھی ہو
تم تو ماں کے مری پوتے بھی ہو داماد بھی ہو

۳۷

یہ سخن سنتے ہی لو شاہ نے لی خلد کی راہ
در خیمہ پہ جو ہیں ہو پہنچے باحوال تباہ
لاش کو ڈال کے گھوڑے پہ چلے خیمے کو شاہ
کہا چلا کے یہ زینبؑ سے بصد نالہ و آہ
لاش گھوڑے سے اتروانے کو آؤ بھینا
فاطمہؑ رانڈ کو رنڈسالہ پنھاؤ بھینا

۳۸

سن کے یہ پیٹتی سر خیمے سے زینب دوڑی
بولے شہ لاش میں لایا ہوں بنے قاسم کی
پوچھا کیوں روتی ہو کیا قہر ہوا ہے بھائی
دولھا مارا گیا اک شب کی دلہن رانڈ ہوئی
لاش لے جاؤ تم اب مرنے کو میں جاؤں گا
اپنا منھ فاطمۂ کبرا کو نہ دکھلاؤں گا

۳۹

سُن کے یہ زینب بے کس کا عجب حال ہوا
بولی پھر بھائی سے اے سبط رسول دوسرا
ہائے قاسم کہا اور ہاتھوں سے سر پیٹ لیا
آپ کا خیمے میں اس دم ہے مناسب چلنا
مادر قاسمؑ مقتول کو پُرسا دیجئے
رانڈ بیٹی کو ذرا چل کے دلاسا دیجے

۴۰

گئے روتے ہوئے ناچار شہ جن و بشر
دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر
لاش داماد کی مسند پہ لٹا دی رو کر
خاک پر بانو گری تھام کے ہاتھوں سے جگر
شرم سے منھ بھی نہ رونے کو دلہن ڈھانپتی تھی
بید کی طرح سے سرتا بہ قدم کانپتی تھی

۴۱

آکے تب زینبؑ بے کس نے کہا یہ رو رو
رانڈ ہو خاک تم اس چاند سے چہرے پہ ملو
شرم اب کیسی ہے واری گئی گھونگھٹ اُلٹو
بولی وہ ہائے پھوپھی جان یہ کیا کہتی ہو
یہ مجھے چھوڑ گئے خاک اُڑانے کے لئے
کیا بنایا تھا دُلہن رانڈ بنانے کے لئے

۴۲

بین یوں کرنے لگی لاش پہ پھر وہ دُکھیا
آہ ہستی سے سوئے خلد سدھارے تنہا
ہائے یہ ابن حسن مجھ سے یہ تم کر گئے کیا
اور دُلہن کو بھی نہ خدمت کے لئے ساتھ لیا
وجہ آزردگی کیا تھی کہ جو منھ موڑ گئے
آپ جنت کو گئے مجھ کو یہاں چھوڑ گئے

۴۳

میرے وارث مرے والی میں تمھارے قرباں
چاند سی چھاتی پہ ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشاں
میرے بابا کے لئے خوں میں ہوئے تم غلطاں
کیا کروں ہائے نکلتی نہیں تن سے مری جاں
دیکھتی ہوں میں جو قسمت مجھے دکھلاتی ہے
بدنصیبوں کو بھلا موت کہیں آتی ہے

۴۴

کہہ کے یہ کھول دے گوندھے ہوئے سر کے بال
کہتی تھی رو رو کے اے سید مسموم کے لال
خاک پر ماتھے سے سہرے کو دیا توڑ کے ڈال
تم ہوئے قتل ملا خاک میں میرا اقبال
بدتر از موت ہے مجھ رانڈ کا جینا صاحب
کس طرح کاٹوں کی بچپن کا رنڈاپا صاحب

۴۵

تم نے تو قتل کے میداں میں کٹا لی گردن
باندھیں گے کنگنے کی جا دست حنائی میں رسن
سمجھیں گے اب مجھے بے وارث و بے کس دشمن
کوفہ و شام میں سر ننگے پھرے گی یہ دلہن
سر عریاں پہ ردا لاکے اُڑھائے گا کون؟
قید سے آپ کی بیوہ کو چھڑائے گا کون؟

۴۶

بین یہ ہوتے تھے جو دولھا کی مادر آئی
فضہ ایک کشتی میں رنڈسالے کا جوڑا لائی
ساس نے پیٹ کے سر بات یہ تب فرمائی
ہائے تو لٹ گئی اے میری بہو دکھ پائی
دل کا میرے کوئی ارمان نکلنے نہ دیا
ہائے یہ جوڑا ابھی قسمت نے بدلنے نہ دیا

۴۷

سامنے لا کے جو رنڈسالے کا جوڑا رکھا
پیٹ کر سینہ و سر کہنے لگی تب زہرا
صاحبو اس کے پنھانے سے کہا فائدہ کیا
رو کے تب مادر ناشاد نے بیٹی سے کہا
رسم دنیا کی ہے اے بے کس و غمناک یہی
پہنو صدقے گئی رانڈوں کی ہے پوشاک یہی

۴۸

کھینچ کر آہ حزیں بولی یہ اک شب کی دلہن
دل کی حالت کہوں کس سے میں گرفتار محن
آتشِ غم سے پھنکا جاتا ہے مجھ رانڈ کا تن
پہنوں رنڈسالہ میں ہے ہے نہ ملے ان کو کفن
پیٹنے کو کسی جنگل میں بٹھا دو مجھ کو
ایک کالی کفنی لا کے پنھا دو مجھ کو

۴۹

لاش سے دولھا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو
رات کے جاگے تھے بس سو چکے صاحب اٹھو
بیاہ کا جوڑا جو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو
اب پہنتی ہوں میں رنڈسالے کا جوڑا دیکھو
والی حق ہیں مرے تم کچھ نہیں فرماتے ہو
سادے کپڑے نئی دلہن کو پہنواتے ہو

۵۰

کہہ کے یہ اوڑھنی سر پہ سے اُتاری رو کر
اور اُڑھایا اسے دولھا کے تنِ زخمی پر
کہتی تھی پیٹ کے سر اے مرے بیکس سرور
دے گا کاہے کو کفن تم کو کوئی بداختر
یہ نشانی تھیں اے سوختہ تن دیتی ہوں
اپنے سر کی تھیں چادر کا کفن دیتی ہوں

۵۱

سن کے یہ بین پڑی پیٹنے کی خیمے میں دھوم
چھاتیاں پیٹتی تھیں زینب و اُمِ کلثوم
آئے تب روتے ہوئے خیمے میں شاہِ مظلوم
لے گئے لاشۂ نوشاہ بہ حالِ مغموم
کھول کر بالوں کو ماں دولھا کی چلانے لگی
گریۂ فاطمہ زہرا کی صدا آنے لگی

۵۲

فرس خامہ کی اب تو بھی عناں تھام انیس
رونے سے مجلسِ ماتم میں ہے کہرام انیس
ہوا مداحوں میں سرور کے ترا نام انیس
کر دعا حق سے یہ رو کر سحر و شام انیس
جیتے جی بس اسی غم میں مجھے دن رات کٹے
ابن زہرا ہی کی مداحی میں اوقات کٹے

رباعی

جھک جھک کے تو منھ ابن حسنؑ نے دیکھا
لیکن نہ سکینہؑ کی بہن نے دیکھا
آنسو نکل آئے مگر آنکھیں نہ کھلیں
لاش آئی تو دولھا کو دلہن نے دیکھا

رباعی

احباب کا مجمع ہے بہارِ غم ہے
کیا خوب فضا ہے چمنِ ماتم ہے
سینے میں کھلے ہیں گل داغ غم شاہ
گرمی سے عرق تن یہ نہیں شبنم ہے

مرثیہ

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
سجدوں میں ہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رُخِ اکبر پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

۲

سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے

۳

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹیں گے
اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

۴

بندہ وہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
بہتر ہے اُٹھے جتنا سبک بار مسافر
اک جان ہے موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں
اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

۵

جو اہلِ حرم پردۂ عصمت میں ہیں مشہور
مشکل سے نئی رانڈ نہ نکلے یہ ہے دستور
کھل جائیں گے انبوہ میں اُن کے سرِ پرنور
ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے یہ مقہور
غش ہوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی
زہرا کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

۶

مرتا ہے پدر جس کا اُسے دیتے ہیں پرسا
آزار میں عابد پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی ایذا
لیجائیں گے تا شام اسے کانٹوں پہ اعدا
اک حشر بپا تخت میں اور فوق میں ہوگا
بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہوگا

۷

یہ کہہ کے بڑھے پھر تیمم شہِ صفدرؑ
وہ صوتِ حسنؑ اور وہ خوش الحانیٔ اکبرؑ
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبرِ سرور
ہر شخص کو یاد آ گئی آوازِ پیمبرؐ
ہر نخل کو اک وجد تھا اُس ظلم کے بن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

۸

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
قربان مؤذن کے نمازی کے میں واری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمہاری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرتِ باری
ہر شام یوں ہی طاعتِ معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

۹

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہ حجازی
ابرار جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
تھی اُن پہ خدا کی نظرِ بندہ نوازی
دنیا میں یہ رتبے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۰

وہ چاند سے چہرے وہ پسینہ اُن کی عبائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دُعائیں
مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
اک جوش محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

۱۱

تسبیح و ظائف سے ہوئی جب کہ فراغت
بس ہو گئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت
حضرت نے پڑھی اٹھ کے محمدؐ کی زیارت
فرما کے یہ ان سب سے گئے خیمہ میں حضرت
باہر علم فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

۱۲

یاں لشکرِ اسلام مسلح ہوا سارا
تھا رانڈوں کے حلقے میں ید اللہ کا پیارا
واں کفر کی فوجیں ہوئیں میداں میں صف آرا
چلاتی تھیں سب ہائے مددگار ہمارا
پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

۱۳

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیر بصد یاس
مولا کے جگر بند مسلح تھے جب وراس
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباس
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیر کی بُو باس
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسیں کا
پردہ جو اٹھا کھل گیا در خلد بریں کا

۱۴

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفدر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتّر
تھرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
تھا رعب حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر
اس فوج کا مالک پسرِ شاہِ نجف تھا
کثرت تو ادھر تھی پہ خدا ان کی طرف تھا

۱۵

جلوں سے ملاتے تھے جو ناوک قدر انداز
تھا شوق جگر گوشۂ زہرا پہ انھیں ناز
ہنستے تھے اِدھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
غل تھا کہ زہے فوج زہے شاہ سرافراز
پہلو سے جدا سرورِ نامی کے نہ ہوں گے
باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے

۱۶

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ
شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
آخر ہیں نواسا ہوں تمھارے ہی نبیؐ کا

۱۷

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتا دو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیر بتا دو
سرزد ہوئی ہے کون سی تقصیر بتا دو
شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتا دو
روئے گی اگر بنتِ نبیؐ عرش ہلے گا
بربادیٔ سادات سے کیا تم کو ملے گا

۱۸

بے کس جو ہیں چین اہلِ جہاں دیتے ہیں اُس کو
لب تشنہ جو ہو آب رواں دیتے ہیں اس کو
گھر چھوڑ کے جو آئے مکاں دیتے ہیں اُس کو
طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اُس کو
مہماں سے یوں ترکِ مروت نہیں کرتے
تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے

۱۹

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
یہ اس پہ تعدّی جو بلا میں ہوں گرفتار
کیا وجہ جو تم سب ہو مرے در پئے آزار
حاجی بھی ہوں اور قبر نبی کا بھی ہوں زوّار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

۲۰

بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
دکھ درد میں کیا پاس تمھارا کیا میں نے
اس گرمی میں دریا سے کنارہ کیا میں نے
کچھ اپنے نہ آرام کا چارہ کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانب دریا نہیں کرتا
دو روز کا پیاسا ہوں یہ شکوا نہیں کرتا

۲۱

یہ سن کے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار
بے سود یہ تقریر ہے یا سیّدِ ابرار
بیعت نہیں منظور تو پھر لیجیے تلوار
جلادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

۲۲

حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری
ہاں بے کس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری
کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے

۲۳

اعدا سے یہ کہہ کر جو پھرے سیدِ خوش خو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
تھرا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حُر کے ٹپکنے لگے آنسو
منہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا

۲۴

کانپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حُرِّ جری نے اسے یہ بات سنائی
سید پہ جفا ہوتی ہے مر جانے کی جا ہے
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

۲۵

شہزادۂ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بے کس کے لیے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
بے جرم جفا زادے لگے در پے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچا لوں کوئی بنتی نہیں تدبیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

۲۶

لڑتا ہوں تو بربادیِ عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یزید پہ ستم آرا نہ لڑوں گر
قتلِ پسرِ فاطمہ ہے قتلِ پیمبر
نکلے ہوں مصیبت میں گرفتار لیے گھر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن کی بنی ہے
مر جاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے

۲۷

کیا تھی یہی قسمت کہ ہوئے کس کے نمک خوار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدّار
حق جس کی طرف ہے میں اسی کا ہوں طلبگار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں رہوں گا

۲۸

چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پرواہ مجھے کیا ہے
ہلکا ہوں مگر ابن علیؑ راہ نما ہے
ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
سب جیتے ہی جی تک ہیں سوا آلِ نبیؐ کے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

۲۹

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا
ساتھ اس کا میں دوں گا کہ جو ہے بیکس و تنہا
بولا حُرِ دیں دار کو خوشنودیٔ زہرا
فرزند نبیؐ نورِ خدا سیّد بطحا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وغا میں وہ جری ہے

۳۰

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے شہادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عین عبادت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم

۳۱

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں
سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اُتاریں
دنیا کے لئے بندۂ مقبول کو ماریں
ہمراہیٔ غدار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اس مال پہ لعنت

۳۲

عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر
دنیا میں نہ ہوگا عمر سعد سا بے پیر
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثار سرِ شبیرؑ
کہئے تو کروں اس کے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا زورے تلوار کے چلیے
اس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے

۳۳

حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدرِ جرار
آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گناہ گار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہولیں تو لڑیں گے
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے

۳۴

یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
بولا وہ لعیں دست نجس پھیر کے منھ پر
پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
منظور ہے تاراجیٔ گلزارِ پیمبرؐ
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابن علیؑ کا

۳۵

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبرؐ
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے سرور
یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
پنجے میں ہے شیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر
چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر

۳۶

تھرّا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
باز آ ستم و ظلم و تعدی و جفا سے
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دیں دار لڑے ہیں
سادات ہیں ان کے حق اُمت پہ بڑے ہیں

بند	مصرع	مصرع
۳۷	چھوڑا ہے پیمبرؐ نے امانت انھیں ہم میں	اللہ ترحم میں خوشی ہے کہ ستم میں
	سید کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں	سید کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں
	سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے	چھد جائے گا دل کس کا جو تیر ان پہ چلیں گے
۳۸	بس زرد ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رو	بولا کہ مجھے کہتا ہے مردود خدا تو
	میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو	اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوش خو
	جابر ہے یزید اسکا بھی کچھ خوف نہیں ہے	ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے
۳۹	صاحب ہو کہ طامع ہو کسی سے ہمیں کیا کام	طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
	مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام	بکتے ہیں ہے سن کو تری باتیں سپہِ شام
	فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو	ڈنکا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
۴۰	برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمک خوار	سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
	مانا کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں شہِ ابرار	آپڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرّار
	جنگ اُحد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں	وہ کون تھے آخر جو پیمبرؐ سے لڑے ہیں
۴۱	حُر نے کہا اب مجھ کو کسی کا نہیں کچھ دھیان	سید پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
	زہراؑ کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان	گھر شام میں لٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایمان
	جنت ہے گھر اس کا جو غلام شہِ دیں ہے	لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے
۴۲	شیطاں تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر	بینا ہے وہ سوجھے جسے انجام کی تدبیر
	دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر	کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکمِ بے پیر
	گر سبطِ پیمبرؐ پہ ترا زور چلے گا	تو تا بہ ابد نارِ جہنم میں جلے گا
۴۳	بے لعن نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام	کام آئے گا خلعت یہ نہیں از مرگ نہ انعام
	بربادیٔ عقبیٰ ہے اس آغاز کا انجام	بے کس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
	ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا	دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا
۴۴	بیٹے نے کہا حُر سے کہ اب خلد میں چلیے	ہوتی ہے بس اب دیر جہنم سے نکلیے
	آنکھیں قدمِ قبلۂ کونین پہ ملیے	چل کر چمنِ فاطمہؑ میں پھولیے پھلیے
	سامع سخنِ حق کا یہ مردود نہ ہوگا	جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا
۴۵	بھائی نے کہا قول کے شمشیرِ شرربار	ہاں جہلِ مرکب میں سیہ رو ہے گرفتار
	یہ پند بھی بے جا ہے نصیحت بھی ہے بیکار	عقبیٰ سے غرض کیا سگِ دنیا ہے یہ غدّار
	بدخواہ جگر بندِ رسولِ مدنی ہے	یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہے

۴۶

چلایا قریب آ کے غلامِ حسنِ غازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی
غوغو یوں ہی کرتا ہے یہ سگ چھیڑنے نازی
اِن آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیئے سب کو

۴۷

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیرؑ
سنتا رہا چپکا سخنِ سخت وہ بے پیر
سیدھے کئے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

۴۸

اسلام کی سرحد میں جو پہنچے وہ نکوکار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حُرِ دیندار
رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے

۴۹

مشہور دو عالم ہے تری ہمتِ عالی
سر پہ ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
توبہ کے لئے آیا ہوں اے خلق کے والی
انصار نہیں قوم قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

۵۰

مولا ستمِ لشکرِ اظلم سے بچائے
آقا غضبِ خالقِ عالم سے بچائے
انبوہ جنودِ الم غم سے بچائے
اے مالکِ فردوس جہنم سے بچائے
یہ اہلِ جفا دشمنِ شاہِ مدنی ہیں
ان سب میں ہمیں پانچ جواں جنتی ہیں

۵۱

اے خلق کے سرور ترا احسان ہے مجھ پر
اے سبطِ پیمبر ترا احسان ہے مجھ پر
اے خاصۂ داور ترا احسان ہے مجھ پر
اے مالکِ کوثر ترا احسان ہے مجھ پر
اُس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا

۵۲

حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا اس رات
باقی ہے اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
فرمایا تھا مولا نے بہ صد لطف و مدارات
اے مخبرِ صادق مجھے بھولی نہیں وہ بات
کیا وجہ جو خادم پہ تلطف نہیں ہوتا
وعدے میں کریموں کے تخلف نہیں ہوتا

۵۳

ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
حضرت کی دعاؤں سے یہاں تک مجھے لائی
پھر بعد ملاقات نہ ہوئے گی جدائی
کر دیجے بندھے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی
ہر چند گنہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں

۵۴

حضرت نے سنا حُر کا جو یہ نالۂ جانکاہ
آ اے مرے ہمدرد مددگار ہوا خواہ
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذی جاہ
بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
استادہ ہے کیوں دور تردد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

۵۵
جس حال میں ہو آکہ مرا گھر ترا گھر ہے
کاشانۂ لختِ دلِ حیدر ترا گھر ہے
ماتم کدۂ آلِ پیمبر ترا گھر ہے
جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آلِ نبی ہیں

۵۶
زندہ ہے جو مرتا ہے محبت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہے طینت میں ہماری
سب اجر ہے طاعت کا اطاعت میں ہماری
بگڑا ابھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
دشمن سے دل صاف میں کینہ نہیں رکھتے
کچھ جس میں کدورت ہے وہ سینہ نہیں رکھتے

۵۷
اکبر سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
حیدر کے نواسے ہیں کدھر اُن کو بلاؤ
عباس سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
قاسم سے کہا خلقِ حسن اس کو دکھاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہے پیارو
مہماں کے لئے آنے کا دستور ہے پیارو

۵۸
ارشاد پدر سن کے بڑھے فوج سے اکبرؑ
قاسم بھی چلے اسپِ صبادم سے اُتر کر
ہمراہ ہوئے ماہ نبی ہاشم صفدر
لینے کو پیادہ گئے زینبؑ کے بھی دلبر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گلبدن آئے
سمجھا کہ وہ لینے کو مرے پنجتن آئے

۵۹
پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
چھاتی سے لگا کر اسے بولے علیؑ اکبر
شہزادہ گنہگار ہے یہ بندۂ احقر
گھبرا نہ عطا پوش خطا پوش ہیں سرور
یہ عین عنایت ہے قسم ہم کو خدا کی
آنکھیں تری جانب ہیں امام دوسرا کی

۶۰
عباسؑ نے فرمایا کہ اے حُر وفادار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
تو اُن کے کرم سے ابھی واقف نہیں زنہار
بخشائیں ابھی تجھ سے اگر سَو ہوں گنہگار
ممکن ہے کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کریں گے

۶۱
اکبر نے لیا ہاتھ میں دستِ حُرِ ذی جاہ
قاسم تھے برادر کے برادر صفت ماہ
عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علم شاہ
زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

۶۲
احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
ممتاز ہوا قربِ شہِ دیں کے شرف سے
حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
لپٹا قدمِ لختِ دلِ شاہ نجف سے
زردی جو گئی رنگ سرور آگیا منھ پر
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا منھ پر

۶۳
چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہِ والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
غفار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا
اوج اُس کے لئے ہے جو جھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

۶۴
کھولے جو بندھے بند حُرِ بے سر و پا کے
صدقے ترے اے بندۂ مقبول خدا کے
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کے
سب ہیں ترے ناخن میں سرِ عقدہ کشا کے
عصیاں کی جو دہشت تھی وہ بالکل گئی مولا
صدقے سے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا

۶۵
توبہ سے فراغت حُرِ غازی نے جو پائی
مقبول خدا ہے جو کرے تجھ سے بھلائی
اس وقت صدا ہاتفِ غیبی سے یہ آئی
دی حق نے اسے آتشِ دوزخ سے رہائی
باعث یہ بڑا تھا کہ نہ جلادوں میں لکھا
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا

۶۶
شہ بولے کہ تھا رنج و تردد میں سحر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جن و بشر سے
آرام کر اب کھول کے ہتھیار کمر سے
اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے
ہو جائے گی بند آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے

۶۷
فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہے دستور
فاقہ بھی کئی دن سے ہے پانی سے بھی ہیں دور
شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
خیر اب وہی ہو جائے گا جو ہے ہمیں منظور
محبوبِ الٰہی تری امداد کریں گے
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے

۶۸
دنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گذر ہے
دیکھا جسے اس میں وہ مہیائے سفر ہے
اک دم میں ادھر ہے بشر اک دم میں ادھر ہے
رہنا ہے جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہے
پہلے سے اسے بھیج دے جو تجھ کو ملا ہے
اُس گھر کا چراغ آلِ محمدؐ کی ولا ہے

۶۹
ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلا تجھ کو ملے گا
قربِ اسدِ قلعہ کشا تجھ کو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصہ ہے برادر
حصے میں ہمارے ترا حصہ ہے برادر

۷۰
کی دستِ ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
بھوکا اسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
جلّوں سے ملے نیز علم کھل گئے اک بار
ڈنکے پہ ادھر چوٹ پڑی لشکرِ کیں میں
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں میں

۷۱
عباس نے کھولا علمِ فوجِ پیمبر
کی عرض پدر سے علی اکبر نے یہ بڑھ کر
جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اس فوج سے سرور
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے

۷۲
ہم شکلِ پیمبر جو بڑھے سن کے یہ احکام
کی عرض یہ سنت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام
شہزادے کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش انجام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
حسرت ہے کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں

٧٣
فرمایا یہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا
ساتھ اس کو لئے آئے حضورِ شہِ والا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیّد بطحا
پہلے حُرِ غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بھیجیں اسے گر حکم امامِ مدنی ہو
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو

٧٤
حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
بے کس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے
آیا ہے ابھی اور ابھی کہہ دوں کہ سدھارے
دم بھر نہیں گذرا کہ ملاقات ہوئی ہے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے

٧٥
پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
میں بھی متردد تھا حواس اس کے بھی تھے گم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
دستے جو سپاہِ ستم و جور کے آئے
آئے بھی جو لب پہ سخن اُس طور کے آئے

٧٦
اب تو ہیں بلاشبہ ہم اس کے یہ ہمارا
پیارے جو ہم اِس کو ہیں تو یہ ہے ہمیں پیارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہے کنارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہے گوارا
محجوب ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہے
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہے

٧٧
اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
مشتاق محبت کو ہنساتا ہے رُلانا
بے تابیِ تحصیل سعادت ہے یہ مانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گذرا ہے زمانا
کیوں کر ہو کہ تلواروں سے بیدم اسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں

٧٨
یہ دوست اسی طرح مدینے میں جو آتا
خود اٹھ کے حسینؑ ابن علیؑ ہاتھ دُھلاتا
جس شے کی تمنا اسے ہوتی وہی پاتا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
بے حسنِ طلب دیتے ہیں جو اہلِ سخا ہیں
خیر آج تو ہم آپ گرفتارِ بلا ہیں

٧٩
کس پر ستمِ گردشِ دوراں نہیں ہوتا
دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا
کس کو المِ فرقتِ مہماں نہیں ہوتا
ہے کونسا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا
دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے

٨٠
حُر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی
منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
گر کر قدمِ شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
مرجاؤں گا پہلے جو رضا رن کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

٨١
بے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی
توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی
حُر ہو گیا دوزخ سے وہ حرمت مجھے بخشی
یہ سب تو ملا اذن وغا بھی مجھے دیجے
پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے

۸۲

مجھے کوئی پوچھے تو میں کیا لیکے چلا ہوں
سید کی غلامی کا صلہ لیکے چلا ہوں
مقبول الٰہی کی دعا لیکے چلا ہوں
کافی ہے ابد تک وہ عطا لیکے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے
رخصت نہیں آزادئ دوزخ کی سند ہے

۸۳

مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے
اکسیر غبارِ درِ شبیر ملی ہے
غیظ ہے کہ ملائک کو وہ تقدیر ملی ہے
اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے
ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے
یہ زر کسی خاقان کے خزانے میں نہیں ہے

۸۴

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا
ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
فیاض دو عالم ہے یداللہ کا جایا
کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا

۸۵

ناجی ہے وہی آلِ پیمبر جسے بخشیں
عالم کا ہو سر تاج یہ افسر جسے بخشیں
عالم کا ہو سر تاج یہ افسر جسے بخشیں
سونے کا بنا لے وہ محل زر جسے بخشیں
وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا
اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا

۸۶

گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
کس کشت پہ مینھ فیض کا برسا نہیں دیتے
اس حسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے
کہدے کوئی یہ خیر کبھی اور نے کی ہے
اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

۸۷

شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبیؐ کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبیؐ کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبیؐ کے
ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبیؐ کے
وہ کون سی خوبی ہے جو پیدا نہیں اُن میں
اک مہر نبوت کے سوا کیا نہیں ان میں

۸۸

کی حُر نے فصاحت سے جو مداحئ سرور
اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
موڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مداح کو مہماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مری حُر کو اُڑھا دو

۸۹

اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اُڑھائی
عباسؑ پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
لے خلعتِ رحمت تری اُمید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اِس کو
فردوس کے حُلّے سے نہ کم جانیو اس کو

۹۰

بولے یہ حبیب ابن مظاہر کہ خوشا حال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
کر دیتا ہے قطرے کو گہر فاطمہؑ کا لال
سید سے بھلا کون سا رتبہ نہ ملے گا
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا

۹۱

رخصت ہوا جب سبطِ نبیؐ سے حُرِ جرار
تسلیم جو کی رُک کے کہ تو روئے شہِ ابرار
چوے قدم شاہ پھرا گرد کئی بار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غم خوار
دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

۹۲

خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
غفارِ گنہ ہولِ قیامت سے بچائے
یارب دو جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو

۹۳

رو کر جو دعائیں اسے دیتے تھے شہِ دین
گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصد عزت و تمکیں
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمین
شادی سے ہوا اور شگفتہ رُخِ رنگیں
اللہ ری ضیا اخترِ طالع کی جبیں پر
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر

۹۴

وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اُس کا
منھ دیکھتے تھے جن و بشر دم بہ دم اس کا
بڑھتا تھا سوئے گلشنِ جنت قدم اس کا
غل تھا کہ بڑھاوے جسے چاہے کرم اس کا
تھا صبح تلک ناریوں میں نور ہے اب تو
حُر فوجِ ستمگار میں تھا حور ہے اب تو

۹۵

اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرار پکارا
آقا ہے مرا عرشِ معلّیٰ کا ستارا
آیا ہے غلام اس کا علی کا جو ہے پیارا
ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولِ دوسرا کے
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے

۹۶

یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرار
بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
اک شیر سا نیزوں میں دھنسا عبدِ وفادار
کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر

۹۷

لاشوں کو اُٹھا لے گئے جب قبلۂ عالم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
چھیڑا اُسے جرار نے شبدیزِ صبا دم
یہ صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوجِ گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

۹۸

اللہ رے یہاں بہشتِ دیں کی وہ لڑائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

۹۹

چلّے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
چورنگ کیے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
انبوہ سے شبدیز کو یوں موڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زمیں پر

۱۰۰

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
تلوار کا اِک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سپہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

۱۰۱

ششدر تھے ستمگر کہ دو چار اس سے ہوں کیونکر
سر پر ہوں دغا میں تو سوار اس سے ہوں کیونکر
حلقے میں اجل کے ہوں فرار اس سے ہوں کیونکر
ہے سیل فنا بیچ میں چار اس سے ہوں کیونکر
جو ہے تو جہاں خوں میں نہایا نہیں جاتا
دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا

۱۰۲

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
کِس کِس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
چھل اِس کا نظر بندیٔ اعدا پہ تلا تھا
اُس میں کوئی پردہ نہیں منھ صاف کھلا تھا

۱۰۳

ہر بار تھا حملہ عمر سعد نحس پر
اُڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتی تھی جس پر
رعب اُس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اس پر تو وہ اس پر
سرپاؤں ملے لیتے تھے بیداد گروں کے
ٹکرانے سے بال آگئے کانوں میں سروں کے

۱۰۴

غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اِس کو
تلوار یہ ہے تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ دیے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں پرے پنجتنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے محبوں میں نیا ڈھنگ ہے اسکا
جوڑا کب دم کب ہے وہ جو رنگ ہے اسکا

۱۰۵

بے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر
دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
چمکی تو اُدھر اور اِدھر آ گئی شمشیر
کیا منھ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
پرزے کیا اس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی

۱۰۶

جو دشمن دیں تھا اسے پہچانتی تھی وہ
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
تابین تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

۱۰۷

بے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جب سن سے یہ چلی صاف شرارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
اُس تیغ کا یہ پھل کھا کے عدو خوں میں طپاں تھے
جب سامنے تیغ آگئی سب پھول خزاں تھے

۱۰۸

گہ حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
سر پہ بھی وہ جب تک کہ عدو راہ عدم لے
کیا دخل جو لے دم لیے دم بھر کہیں دم لے

۱۰۹

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منھ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
مارا تھا قدم اس نے شجاعت کے چلن پر
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر

۱۱۰

اڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
رہوار نے کچلا اُسے حسرت نے جسے مارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
ایسا تو سُبک رَو فرس برق شرر ہو
بجلی پہ ہو بجلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

۱۱۱

کھانے لگی گھونگھٹ جو سپاہ ستم آرا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
بڑھ کر عمر سعد جوانوں کو پکارا
گھیرو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے
ہاں نیزے لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

۱۱۲

آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالم و غدار
بتلا انھیں اندازِ وغا کھینچ کے تلوار
غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
کیوں صورت روباہ دکھاتا ہے جفاکار
تو دشمنِ لختِ جگرِ شیر خدا ہے
اُس صف سے نکل کر جو اِدھر آ تو مزا ہے

۱۱۳

بندہ ہوں میں اُن کا وہ جو شیروں سے لڑے ہیں
لوہے کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں
پتھر پہ نشاں دین کے لشکر کے گڑے ہیں
سکے اسد اللہ کی ضربت کے پڑے ہیں
شمشیر شہِ قلعہ شکن ہے اسی گھر میں
اُس ضرب کے سکے کا چلن ہے اسی گھر میں

۱۱۴

وہ قلب ہے جس قلب میں بغض اُن کا بھرا ہے
ہر طرح یہ کھلے گا جسے فہم ذرا ہے
ٹکسال سے باہر ہے شقی دوسرا ہے
کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سنے گا
وہ سامنے مالک کے جہنم میں بھنے گا

۱۱۵

کہہ کر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
رہوار تڑپ کر اِدھر آیا اُدھر آیا
سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
مضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پر

۱۱۶

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس
دم بھر میں لہو ہو گیا جرار کا ملبوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
رخ زرد تھا گلزار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بُنِ مو سے

۱۱۷

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
پے کر دیا گھوڑے کو جفاکاروں نے اک بار
جو آ گیا زد پر اسے بھیجا طرفِ نار
مجروح سے اب بچا ہو فرس ہو گیا بے کار
جب وقت برابر ہوا پھر چل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

۱۱۸

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
نعمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

۱۱۹

روتا تھا وفاداری کی مرکب پہ یہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اڑا کر
جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
نعماں کی خبر لیجئے یا سبطِ پیمبرؐ
خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

۱۲۰

آواز علیؑ آئی کہ اے حسرتِ دلاور
بالیں پہ ترے میں تو ہوں تبیر نہیں گر
تیار ہے فردوس معلیٰ میں ترا گھر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
میں پاس ہوں پھر کس لیے گھبراتا ہے بھائی
روتا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی

۱۲۱

پیاسا ہے تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہو گر ان کا تو حوروں کو بلائیں
بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقدہ کشا ہیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اسکی دوا ہیں

۱۲۲

اعدا نے اِدھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ دور سے حُر کو سخن طنز سنائے
نکلا پسر سعد لعیں چتر لگائے
کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اٹھائے
اِس وقت کوئی آکے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

۱۲۳

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی
اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
تنہائی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی
ہاں مرتبہ اُس وقت شہیدوں میں بڑھے گا
جب نوکِ سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا

۱۲۴

گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار
پاس آ کے سخن کر تو سنوں میں تری گفتار
کیا ہرزہ درائی ہے یہ او ظالم و غدار
زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر
مرتا ہوں پہ مُردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

۱۲۵

رتبہ جو ملا ہے مجھے تو کیا اُسے جانے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِ دوسرا نے
خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
پہلو میں محمدؐ ہیں ید اللہ سرہانے
سر عرش پہ اُنکا ہے جو رتبے میں بڑے ہیں
ہدیے لیے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں

۱۲۶

مجھ سا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا
اِک جَو کے برابر تری دنیا کو نہ مانا
صدقے ہوا اس پر کہ نبیؐ جس کے ہیں نانا
جیتا ہے تو خلقت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

۱۲۷

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے
شدّاد کو اجل کی نہ مہلت دی قضا نے
کیا ہو گئے قارون کے وہ چالیس خزانے
گر گر کسی خود سر کو سنبھلتے نہیں دیکھا
موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

۱۲۸

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تم کو خبر ہے
کیا غم ہے جو لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہے
دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت مرا گھر ہے
زانوئے مبارک پہ علیؑ کے مرا سر ہے
توقیر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

۱۲۹

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُرِ جگر افگار
جلّاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار
سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ ستمگر
بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابن ولی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغ علیؑ کی

۱۳۰

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ
رستی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسد اللہ
ہاں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذی جاہ
ٹکڑے ہیں بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

۱۳۱

کچھ مجھ سے وصیت تو کر اے حُرِ دلاور
رکھ لے مرے زانو پہ سر اے حُرِ دلاور
خوں ہے ترے غم سے جگر اے حُرِ دلاور
نزدیک ہے شاید سفر اے حُرِ دلاور
پھر بعد ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی
جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

۱۳۲

کچھ بات کر اے یارِ وفادار ہمارے
اے صف شکن! اے صفدر و جرار ہمارے
اے عالمِ غربت کے مددگار ہمارے
تا حشر تجھے روئیں گے غمخوار ہمارے
رتبہ ہے ترا سب سے دوبالا شہدا میں
اک دن ترے چہلے کا ہے ایامِ عزا میں

۱۳۳

خم ہو کے پکارے یہ حبیب ابن مظاہر
بے تاب ہے بھائی ترا صاحب تری خاطر
آ ہوش میں اے منزلِ جنت کے مسافر
کر نورِ الٰہی کی زیارت دمِ آخر
دیکھ اپنی نصرت آنکھ کو کیوں بند کیے ہے
فرزندِ نبیؐ سر ترا گودی میں لیے ہے

۱۳۴

سن کر یہ صدا حُر نے جو آنکھوں کو کیا وا
جلدی قدمِ شاہ پہ منہ مل کے یہ بولا
سر حضرتِ شبیر کی آغوش میں دیکھا
صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا
ذرہ تھا پہ اب مہرِ منور ہوا آقا

۱۳۵

غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پُرنم
ارشاد یہ فرماتے تھے جو سیدۂ عالم
صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
لے آئے ہیں اے حُر ترے لینے کے لئے ہم
شبیر کا جو دوست وہ پیارا ہے نبیؐ کا
تو آج سے مہماں ہے رسولِ عربیؐ کا

۱۳۶

مجھ پر حسنؑ و جعفر و حمزہ کا ہے یہ پیار
ارشادِ علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار
جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہے یہ غم خوار
زخمی ہے جدا کیجیو یوں روح بدن سے
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

۱۳۷

غزلوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے
اے شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
وہ جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
شبیر کا مہمان ہے سب پر ترے حق ہیں
یہ حُلّۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں

۱۳۸

اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
چلّاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
دو حوریں ہیں لگی ہوئی چادر کو سنبھالے
ہے ہے پسرِ فاطمہؑ کے چاہنے والے
شبیر یہ غربت میں ستم ہو گیا ہے ہے
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہے ہے

۱۳۹

ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہے ترا غم
آتی ہے جو رونے کی صدا خیمے سے اس دم
یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہے ترا ماتم
احوال یہ ہے زینبؑ آوارہ وطن کا
جو بھائی کے مرجانے میں عالم ہو بہن کا

۱۴۰

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکارا حُرِ دیندار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
صدقہ ہے یہ سب آپ کا یا سیدِ ابرار
جس کے لئے روئیں حرمِ احمدؐ مختار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا
میں ثانیِ سلمان و ابا ذر ہوا آقا

۱۴۱

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے جو موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خونبار
تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
مڑ کر سوئے شبیر کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدار امامِ ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

۱۴۲

لاش اس کی اٹھا کر شہِ دیں ڈیوڑھی پہ لائے
حُر کے لئے سیدانیوں نے اشک بہائے
پردے ادھر اہلِ حرم پیٹتے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
عقبیٰ بھی سنور جاتی ہے جب کام ہو ایسا
یوں عشق میں مرجائے تو انجام ہو ایسا

۱۴۳

خاموش انیسؔ آ گئے ہیں طاقتِ گفتار
آقا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
جاں کاہ ہے افسانۂ حُرِ جگر افگار
اب روضۂ اقدس پہ بلا ہیں شہِ ابرار
بندہ درِ مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے
محرومِ زیارت سے یہ مہجور نہ رہ جائے

رباعی

حُر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا
اک غلغلۂ جزاک اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح ہو پہنچا وہ جری
شبیر سا رہبر خضرِ راہ ہوا

مرثیہ

جب آفتاب تاجِ سرِ آسماں ہوا
دامانِ شب میں لشکرِ انجم نہاں ہوا
اور جلوۂ خطوطِ شعاعی عیاں ہوا
مصروف ذکرِ حق شہِ کون و مکاں ہوا
واں طبلِ جنگ بجنے لگا رزم گاہ میں
تکبیر ہاں بلند تھی ناموس شاہ میں

۲

وہ صبح قتلِ شہ تھی عجب صبح ہولناک
بے چین تھی لحد میں محمدؐ کی روح پاک
زہراؑ کی بیٹیوں نے گریباں کئے تھے چاک
زہراؑ پکارتی تھی یہ سر پر اُڑا کے خاک
ہوتا ہے گھر تباہ شہِ مشرقین کا
دنیا سے آج کوچ ہے میرے حسینؑ کا

۳

تھا بس کہ روزِ قتلِ امامِ فلک جناب
کہتا تھا منھ پہ رکھ کے فلک دامنِ سحاب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
سوئے گا آج خاک پہ فرزندِ بوتراب
قدسی تمام مضطرب و اشکبار تھے
خوابیدگانِ کنجِ لحد بے قرار تھے

۴

تھا نوحہ خواں چمن میں ہر اک مرغِ خوشنوا
کہتی تھی سر پہ خاک اُڑا کر یہی صبا
ماتم میں تھا گلوں کا گریباں پھٹا ہوا
اب خاک میں ملے گا یہ گلزارِ فاطمہؑ
کچھ باغیوں کو ڈر نہیں زہراؑ کی آہ کا
لٹتا ہے آج باغِ رسالتؐ پناہ کا

۵

بھرتی تھی آہ سرد ہر اک باغ میں نسیم
کہتی تھی عندلیب کہ فریاد ہے کریم
غنچوں کے دل دھڑکتے تھے تھا خوف روزِ بیم
آئی ریاضِ دیں پہ عجب آفتِ عظیم
پانی نہیں ملا ہے کسی گل عذار کو
لوٹے گی اب خزانِ ستم اس بہار کو

۶

ہر ذی حیات پر تھا غم و یاس کا ہجوم
دریا کے بند و بست میں تھا ابنِ سعد بوم
میدانِ کارزار میں تھی صف کشی کی دھوم
تھا حکم قتلِ سبطِ پیمبرؐ علی العموم
منظور تھا یہی عمرِ بد خصال کو
پانی ملے نہ ساقیِ کوثر کے لال کو

۷

پھر شمرِ بے حیا سے یہ بولا وہ نابکار
رہ قلبِ فوج میں کہ تو ہے آزمودہ کار
ہیں سوئے میمنہ تو جواں آٹھ نو ہزار
تیروں کی فوج شہ پہ رہے ہر طرف سے مار
زخمی کریں یہ سب تنِ اطہر حسینؑ کا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹیو تو سر حسینؑ کا

۸

سن کر سخن عمر کا یہ بولا وہ کینہ جو
تو دیکھیو آج کہ زینبؑ کے روبرو
اس بات کی تو ہے مجھے مدت سے آرزو
کاٹوں گا تیغ سے شہِ لب تشنہ کا گلو
تڑپاؤں گا لحد میں جنابِ بتولؑ کو
پیاسا کروں گا ذبح میں سبطِ رسولؐ کو

۹

ہوتا تھا اس طرف تو یہ سامانِ جنگ کا
اتنے میں آئی ہاتفِ غیبی کی یہ ندا
بیٹھے تھے جانماز پہ یاں شاہِ کربلا
ہاں مستعد ہو جنگ پہ اے لشکرِ خدا
باندھو کمر یہ حکمِ خدائے جلیل ہے
ہنگام کارزار ہے وقتِ رحیل ہے

۱۰

جب یہ صدا سنی شہِ با احتشام نے
پوشاک پہنی سبطِ رسولِ انام نے
تسبیح جانماز پر رکھ دی امام نے
مرنے پہ باندھی چست کمر تشنہ کام نے
آراستہ زرہ کو تنِ پاک پر کیا
حیدر کی ذوالفقار کو زیبِ کمر کیا

۱۱

آنکھوں میں اشک بھر کے پھر اک بی بی سے کہا
یہ سن کے بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا
لو الوداع اے حرمِ پاکِ مصطفیٰ
بے تابی میں گری سرِ کلثوم سے ردا
حالت تباہ ہوگئی بانوئے شاہ کی
ہاتھوں سے دل کو تھام کے زینب نے آہ کی

۱۲

دے پٹکا چوبِ خیمہ پہ فریاد کر کے سر
لٹتا ہے بے گناہ شہِ بے وطن کا گھر
چلائی یا رسولِ خدا آج ہو کدھر
زہرا کے یادگار کی لیتے نہیں خبر
مظلوم پر سپاہِ لعیں کی چڑھائی ہے
بھائی بہن سے چھٹتا ہے نانا دہائی ہے

۱۳

حالت بہن کی دیکھی جو شبیر نے تباہ
اماں کی بے کسی پہ کرو اے بہن نگاہ
زینب سے رو کے کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
ہو امتِ رسول کی تم بھی تو خیر خواہ
بہنا گناہگاروں کی حاجت روا کرو
امت پہ نانا جان کی مجھکو فدا کرو

۱۴

لگ لو گلے سے آج گلا ہم کٹائیں گے
تم پاؤ گی نہ ہم کو نہ ہم تم کو پائیں گے
اب جیتے قتل گاہ سے پھر کر نہ آئیں گے
گردن کٹا کے نانا کی خدمت میں جائیں گے
سب ساتھ ہیں پسر کا نہ بھائی کا داغ ہے
زینب مگر تمہاری جدائی کا داغ ہے

۱۵

تب بنتِ فاطمہؑ نے یہ سر پیٹ کے کہا
تھے جس گلے کو چومتے دن رات مصطفیٰ
بھیا بہن نثار ہو فرماتے ہو یہ کیا
خنجر سے ہے غضب اُسے کاٹیں گے اشقیا
اعدا ستونِ دینِ نبی کو گرائیں گے
زہرا کے کیا کلیجے پہ خنجر پھرائیں گے

۱۶

شہ نے کہا بہن ہے یہی مرضئ خدا
امرِ خدا میں بندے کا ہے اختیار کیا
آگے تمہارے آج کٹے گا مرا گلا
دنیا میں اے بہن کوئی جیتا نہیں سدا
ہر شخص یاں مسافرِ پا در رکاب ہے
بحرِ جہاں میں زیست کا عالم حباب ہے

۱۷

ہر ذی حیات کے لئے ہے تلخئ اجل
انساں نہ اپنے مرگ سے غافل ہو ایک پل
دنیا سے کوئی آج اُٹھا اور کوئی کل
لاانتہا ہے رحمتِ معبودِ لم یزل
آج اس کی راہ میں نہ اگر سر کٹاؤں گا
تو رتبۂ عظیم شہادت نہ پاؤں گا

۱۸

بھینا جہاں میں اشرفِ آدم تو تھے نبیؐ
رحلت جہاں سے فاطمہؑ نے صغر سن میں کی
اللہ نے انھیں بھی نہ دی زیستِ سرمدی
کس ظلم سے شہید ہوئے مرتضیٰ علیؑ
سارے بزرگ تابعِ امرِ خدا رہے
نہ میں رہوں گا نہ حسنِ مجتبا رہے

جس طرح دل پہ تم نے اٹھائے ہیں داغ چار زینب نے تب کہا سر و سینہ پہ ہاتھ مار	۱۹	یہ پانچواں بھی داغ سہو امرِ کردگار مر جائیں پنجتن نہ مروں میں جگر فگار
گھر فاطمہؑ کا سامنے آنکھوں کے خاک ہو		سب ہوں ہلاک اور نہ زینب ہلاک ہو
بعد از نبی و فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ رخصت کا آپ مجھ سے جو فرماتے ہیں سخن	۲۰	حضرت کے سایہ میں ہے رہی آج تک بہن وارث بہن کا کون ہے اے سرورِ زمن
نانا نہیں، علیؑ نہیں، ماں دل جلی نہیں		اب آپ کے سوا تو بہن کا کوئی نہیں
جب آپ بھی نہ ہوئیں گے۔ اے شاہ بحر و بر اُس وقت وارثی کرے گا کون آن کر	۲۱	اعدا پھرائیں گے مجھے بلوے میں ننگے سر فرمایا شہ نے رو کے بہن دھیان ہے کدھر
سر پہ تمہارے خالقِ ارض و سما تو ہے		بھائی اگر نہیں تو نہ ہوئے خدا تو ہے
کچھ بن پڑا نہ زینبِ بے کس کو اس گھڑی اُس شور و غل میں آئی صدا یا رسول کی	۲۲	غش آگیا زمیں پہ گری کہہ کے یا علیؑ اب صبر کر حسینؑ کو اے میری لاڈلی
بیٹوں کا کر خیال نہ بھائی کا نام لے		بیڑے کو عاصیوں کے تباہی سے تھام لے
فرزندِ فاطمہؑ ہے مرا پارۂ جگر ماتم میں اس کے نکلا ہوں جنت سے نوحہ گر	۲۳	میں نے اسی نواسے پہ صدقے کیا پسر زینب عزیز رکھتا ہوں امت کو بھی مگر
داغِ حسینؑ اپنے جگر پر اُٹھاؤں گا		دوزخ سے عاصیوں کو تو میں بخشواؤں گا
حضرت سے رو کے زینبِ بے کس نے تب کہا خیمے سے نکلے روتے ہوئے شاہِ کربلا	۲۴	بھیا سدھارو میں نے سہا داغ آپ کا مُجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
تیار دیکھ کر شہِ گردوں جناب کو		روح الامیں نے آن کے تھاما رکاب کو
جس دم سوارِ دوشِ پیمبرؐ ہوا سوار فوجِ ملائکہ میں یہ اُس دم ہوئی پکار	۲۵	آگے بڑھا پرے سے علمدار باوقار کس شان سے چلا ہے محمدؐ کا یادگار
دیکھو سواری بادشہِ مشرقین کی		ہے آج آخری یہ زیارت حسینؑ کی
کیا شوکتِ سواریِ سرور کروں بیاں غرقِ سلاح گھوڑوں پہ تھے ہاشمی جواں	۲۶	آگے علم تھا لشکرِ اسلام کا نشاں سر عمامہ نورِ خدا چہروں سے عیاں
سوکھی ہوئی زبانوں پہ ذکرِ اللہ تھا		ایک ایک ملکِ صبر و قناعت کا شاہ تھا
تھی اک طرف تو کثرتِ ازواجِ انبیا دامن تلک پھٹا تھا گریبانِ مرتضٰی	۲۷	اور ایک سمت فوجِ ملائک کا تھا پرا گھوڑوں کے آگے آگے تھے سر ننگے مصطفٰی
کیا شان لشکرِ شہِ والا صفات تھی		روحِ جنابِ فاطمہؑ بھی ساتھ ساتھ تھی

۲۸
اللہ ری شان واہ رے لشکر زہے حشم
کیا اُن کے میں ثبات کو اس جا کروں رقم
مشتاق ان دلیروں کا تھا کوثر و ارم
سرکٹ گئے مگر نہ ہٹے کاٹ سے قدم
پروانۂ سراجِ نبیؐ وہ سعید تھے
زاہد تھے متقی تھے جری تھے شہید تھے

۲۹
وہ فوج تھی کہ تختۂ گلزار تھا کھلا
پیشِ نگاہ باغِ شہادت کی تھی فضا
تھا غیرتِ بہشت وہ صحرائے کربلا
خنداں بہ رنگِ گل تھے جوانانِ مہ لقا
اُس دن اجل گلوں کا جوان سب کے ہار تھی
باغِ جنابِ فاطمہؑ پر کیا بہار تھی

۳۰
سائے میں تھے علم کے شجاعانِ ارجمند
مانندِ برق کوندتے تھے زیرِ راں سمند
روشن تھے آفتاب سے چہرے ہزار چند
ہردم نقیب فوج کی تھی یہ صدا بلند
ہے سامنے بہشت دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

۳۱
پہونچے جو اُس شکوہ سے رن میں شہِ اُمم
کھولا جنابِ حضرتِ عباسؑ نے علم
فتح و ظفر نے چوم لیے آن کر قدم
یہ رعب تھا کہ کانپ گیا لشکرِ ستم
اک غل ہوا کہ شبلِ علیؑ کیا جوان ہے
یہ مرتضیٰ علیؑ ولی کا نشان ہے

۳۲
سب جانتے ہیں شوکتِ لختِ دلِ حسنؑ
جنگ آزما نہنگِ وغا شیرِ صف شکن
عمامہ سر پہ خلعتِ شاہاں زیبِ تن
ناشاد نامراد اسیرِ غم و محن
حُسنِ حسنؑ کے چہرے پہ کیا خوب شان تھی
قالب تھا رزم گہ میں دلہن پاس جان تھی

۳۳
کیا اکبرِ جری کے کہوں رُخ کی آب و تاب
وہ دل میں شوقِ جنگ کا وہ عالمِ شباب
ذرّہ تھا جس کے حسن سے پرتوِ آفتاب
گویا کھڑے تھے رن میں رسولِ فلک جناب
ہر ایک کو گماں تھا تجلّیِ طور کا
جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا

۳۴
حضرت کے پاس زینبِ بے کس کے تھے پسر
آنکھیں تو نرگسی تھیں پہ تھی شیر کی نظر
دونوں صغیر، برجِ شرافت کے تھے قمر
انصارِ شاہ کہتے تھے منہ اُن کے دیکھ کر
ہیں چھوٹے چھوٹے سن پہ قیامت دلیر ہیں
کیوں کر نہ ہوں کہ شیرِ الٰہی کے شیر ہیں

۳۵
کہتے تھے پیار کر کے انھیں شاہِ کربلا
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے وہ دونوں مہ لقا
مادر کو جا کے خیمے میں دیکھ آؤ پھر ذرا
کرتے تھے عرض آپ سے کس طرح ہوں جدا
حضرت پہ اپنی جانیں فدا کر کے جائیں گے
اب جائیں گے جو گھر میں تو ہم مر کے جائیں گے

۳۶
یہ ذکر تھا کہ رن میں بجے طبل ہائے جنگ
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئے غازیوں کے رنگ
چلّوں میں جوڑنے لگے اہلِ ستم خدنگ
شہ نے کہا ابھی ہے مناسب تمھیں درنگ
سبقت مری طرف سے نہ زنہار کیجیو!
جب ان کے وار ہو لیں تو تم وار کیجیو!

۳۷

ہم نے یہ اپنے باپ سے ہے بارہا سنا
دشمن سے حرب میں نہیں کرتے ہیں ابتدا
میں نائب رسول ہوں اور حجت خدا
میں ان پہ ہاتھ اٹھاؤں یہ ہے کب مجھے روا
گو میرے دشمنوں کو نہیں کچھ تمیز ہے
لیکن مجھے تو نانا کی امت عزیز ہے

۳۸

یہ کہہ کے اپنی فوج سے آگے بڑھے امام
اعدا سے اس طرح بہ فصاحت کیے کلام
مہماں کو یوں ستاتے ہو اے ساکنان شام
واللہ جنگ آل محمدؐ سے ہے حرام
سید ہوں بے گناہ ہوں تشنہ جگر ہوں میں
تم جس کے کلمہ گو ہو اسی کا پسر ہوں میں

۳۹

مجھ کو ستاؤ گے تو نبیؐ کو ستاؤ گے
وہ زخمی ہوں گے گر مجھے نیزے لگاؤ گے
زہراؑ کا باغ لوٹ کے پھل کچھ نہ پاؤ گے
واللہ سیدھے قعر جہنم میں جاؤ گے
دو گے جواب حشر کے دن کیا بتولؑ کو
کیوں بے چراغ کرتے ہو قبر رسولؐ کو

۴۰

نامنصفو خیال کرو تم پہ کیا ہے قہر
پی جاتے ہیں چرند پرند آ کے آب نہر
اس بات سے ہر ایک ہے واقف میان دہر
روئے زمیں کا آب ہے سب میری ماں کا مہر
تو تین دن سے گھر میں مرے قحط آب ہے
بچوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے

۴۱

اس کے سوا کسی کا کوئی ہو جو میہماں
اس سے دریغ کرتے ہیں دنیا میں آب و ناں
لکھ لکھ کے تم نے نامے بلایا مجھے یہاں
کھانا تو کیا پانی سے بھی تر نہ کی زباں
بیکس مسافروں پہ بھی رحم کھاتے ہیں
جو اپنے گھر میں آئے اسے یوں ستاتے ہیں

۴۲

مجھ کو نہ رنج دو کہ غریب الوطن ہوں میں
ہادی ہوں پیشوا ہوں امام زمن ہوں میں
ہر چند مبتلائے بلائے الم ہوں میں
شیر خدا کا لال ہوں اور صف شکن ہوں میں
کھینچوں کمر سے تیغ تم تو سب ہلاک ہو
گر بد دعا کروں تو ابھی جل کے خاک ہو

۴۳

اس وعظ و پند نے نہ انھیں کچھ کیا اثر
دینے لگے جواب درشتانہ اہل شر
حجت تمام کر کے پھرے شاہ بحر و بر
اپنے پرے میں کانپ گیا حر نامور
آنسو بھر آئے آنکھوں میں بیتاب ہو گیا
حضرت کی بے کسی پہ جگر آب ہو گیا

۴۴

کہتا تھا اپنے دل میں ہی کانپ کر
بے جرم قتل کرتے ہیں سید کو اہل شر
افسوس شہ کو گھیر کے کیوں لایا میں ادھر
ہے میرے سر پہ خون شہنشاہ بحر و بر
یہ جرم آہ کس سے میں اب بخشواؤں گا
کیوں کر نبیؐ کو حشر میں صورت دکھاؤں گا

۴۵

گھبرا کے حر سے بھائی نے اس وقت یہ کہا
سنتا ہوں تیرے دل کے دھڑکنے کی میں صدا
تو ہے اکیلا معرکوں میں بارہا لڑا
تھرا رہا ہے خوف سے یہ ماجرا ہے کیا
تو رستم عراق ہے مرد نبرد ہے
یہ بے حواس ہے کہ ترا رنگ زرد ہے

۴۶

بھائی سے تب یہ کہنے لگا حُرِّ ارجمند
تھرّا رہا ہے خوفِ الٰہی سے بند بند
ہے طالبِ بہشتِ بریں جانِ مستمند
بیمِ عذابِ نار سے ہے روح پر گزند
صدمہ یہ ہے کہ نرغے میں ہے رہنما مرا
محسن مرا امام مرا پیشوا مرا

۴۷

اس دم عجب طرح کا مجھے اضطراب ہے
لڑنا ہے جس سے وہ شہِ عالی وقار ہے
سیدِ عیال دار غریب الدیار ہے
جانِ نبیؐ ہے فاطمہؑ کا یادگار ہے
رتبے میں یہ بھی حیدرِ صفدر سے کم نہیں
قتلِ حسینؑ قتلِ پیمبرؐ سے کم نہیں

۴۸

منصف ہوں تو شہید کروں تشنہ کام کو
نیزے لگاؤں جا کے میں اپنے امام کو
بے سر کروں حسینؑ علیہ السّلام کو
منہ کس طرح دکھاؤں گا خیرالانام کو
حربے میں کس طرح سے کروں جسمِ پاک پر
کیوں کر گراؤں عرش کے تارے کو خاک پر

۴۹

پروردہ ہے دوش پہ جسے احمد چڑھاتے ہیں
جبریل اس کے جھولے کی ڈوری ہلاتے ہیں
میوے اسی کے واسطے جنت سے آتے ہیں
آنکھوں سے اس کے پاؤں ملائک لگاتے ہیں
عزت اسی کے فیض سے فطرس نے پائی ہے
ہرنی اسی کے صدقے سے بچے کو لائی ہے

۵۰

بھائی نے حُر کے رو کے کہا تب کہ مرحبا
قدموں پہ ابنِ فاطمہؑ کے ہونگے ہم فدا
لے کس کا ساتھ دیجئے کہ نام اس میں ہے بڑا
شہ کی طرف چلو کہ مددگار ہے خدا
وہ بات ہو کہ خلد میں رہنے کی جا ملے
اس سے ملیں کہ ملنے میں جس سے خدا ملے

۵۱

حُر نے کہا کہ میں تو نہایت ہوں شرمسار
آنکھیں مری حسینؑ سے مطلق نہوں گی چار
تلوار اپنی کھینچ کے تو سر مرا اُتار
اور لے کے جا حضورِ شہنشاہِ نامدار
کچھ دغدغہ نہ کر کہ مجھے اس میں چین ہے
قدموں پہ ڈال دے کہ یہ نذرِ حسینؑ ہے

۵۲

کہیو کہ ہاتھ جوڑ کے تھا حُر نے یہ کہا
مولا کے پاس میں نہ خجالت سے آ سکا
اب اس کو بخش دیجئے جو کچھ ہوئی خطا
اور میری مغفرت کے لئے کیجئے دُعا
راضی حضور ہوئیں تو میں رستگار ہوں
مجرم تو ہوں یہ عفو کا اُمیدوار ہوں

۵۳

اور اک وصیت اور ہے سُن لے مرا سخن
ہرگز نہ میری لاش کو تو دیجیو کفن
پاؤں میں میرے بہرِ خدا باندھ کر رسن
لے جانا کھینچ کر طرفِ سیدِ زمن
مُر کر کروں گا عذر میں اپنے گناہ کا
تو ہاتھ باندھ دیجیو مجھ روسیاہ کا

۵۴

قسمت نے جیتے جی تو نہ ہونے دیا نثار
حضرت پہ صدقے کر تو مری لاش سات بار
قدموں پہ ذوالجناح کے رکھ کر یہ جسمِ زار
کہیو کہ ہے حضور میں حاضر گنہگار
نیکی نہیں ہے نامۂ اعمالِ زشت میں
دوزخ میں چاہو ڈال دو چاہو بہشت میں

۵۵
سمجھیں گے سب یہ شخص طرفدار شاہ ہے
بھائی کریم سبطِ رسالت پناہ ہے
سر اپنا کاٹ ڈالا ہے اور عذر خواہ ہے
واں بغض کو ہے دخل نہ کینے کو راہ ہے
آنسو نکل پڑیں گے شہِ تشنہ کام کے
وہ جرم بخش دیویں گے اپنے غلام کے

۵۶
ناگاہ آئی عالمِ بالا سے یہ صدا
تجھکو تو مل چکا ہے شہادت کا مرتبا
اے میہمان اپنا تو مت کاٹو گلا
بابِ بہشت صبح سے تیرے لیے ہے وا
تو جلد جا کہ سبطِ نبی بے قرار ہے
جنت میں مصطفےٰ کو ترا انتظار ہے

۵۷
اے عاشقِ حسینؑ نہ کر یاس کے سخن
تیرے کفیل کار ہیں واللہ پنجتن
اپنے ردا کا دیں گی تجھے فاطمہؑ کفن
آئے ہیں تیرے لینے کو یاں خلد سے حسن
آراستہ ہے گلشنِ رحمت ترے لیے
لائے ہیں حوریں خلعتِ جنت ترے لیے

۵۸
سایہ کیے ہیں پر کا ترے سر پہ جبرئیل
جنت میں آج ہے یہ ترا رتبۂ جلیل
جعفر ادھر ہیں اور اُدھر مسلم و عقیل
حاضر ہیں جام کوثر و تسنیم سلسبیل
تیری رکاب میں شہِ دلدل سوار ہے
روحِ جناب فاطمہ تجھ پر نثار ہے

۵۹
آئی صدائے حضرت زہرا یہ ایک بار
خیبر شکن پکارے کہ اے حرّ نامدار
میں صدقے تیرے اے مرے بچے کے جاں نثار
تو کس لیے حسین سے اتنا ہے شرمسار
میں اپنے ساتھ تجھے لے کے جاؤں گا
تیری خطا حسین سے میں بخشواؤں گا

۶۰
حر نے کہا یہ دیکھ کے صورت کو بھائی کی
حاجت روائے خلق نے حاجت روائی کی
شکر خدا کہ بخت نے میرے رسائی کی
مولا نے آن کر مری مشکل کشائی کی
توفیض دیکھ ساقیِ کوثر کی ذات کا
کیا خوب مل گیا ہے وسیلہ نجات کا

۶۱
کہہ کر سخن یہ حر نے کیا نعرۂ امام
سر کو چلے جھکائے ہوئے چاروں نیک نام
فرزند ایک ساتھ تھا اک بھائی اک غلام
الفت سے بے قرار ہوئے یاں شہِ انام
ہمراہ لے کے بیٹے کو اور اپنے بھائی کو
وہ پیشوائے خلق چلا پیشوائی کو

۶۲
مابینِ راہ پہونچا جوں ہی حرِ خوش صفات
رومال سے تو اپنے مرے باندھ دونوں ہاتھ
ہو کر پیادہ بھائی سے اپنے کہی یہ بات
تشریف آپ لاتے ہیں یاں شاہ کائنات
دیکھو تو کیا رحیم یہ سبطِ رسولؐ ہے
اب اپنی سمت رحمتِ حق کا نزول ہے

۶۳
پہونچے قریب جب کہ شہنشاہِ باکرم
حر نے کہا یہ قدموں پہ گر کر بہ چشم نم
تسلیم کے لئے ہوئے چاروں سوار خم
روحی فداک اے پسرِ سیدِ امم
کیجے کرم غلام پہ حیدر کے واسطے
تقصیر بخش دیجے پیمبر کے واسطے

۶۴

توبہ ہوئی قبول تو مژدہ سنائیے
سر کاٹ لیجے آگ میں مجکو جلائیے
تعزیر کا محل ہے تو دُرّے لگائیے
مولا عذابِ نار سے مجکو بچائیے
یاں ہو قصاص اے مرے سرور تو خوب ہے
دنیا سے پاک ہو کے اٹھوں گر تو خوب ہے

۶۵

اللہ رے رحم رونے لگے شاہِ کربلا
قدموں سے سر اٹھا کے گلے سے لگا لیا
عقدہ کشا نے ہاتھ کیے دونوں اس کے وا
چہرے پہ ہاتھ پھیر کے شفقت سے یہ کہا
دنیا میں تو نے دولتِ عقبیٰ حصول کی
بھائی کریم نے تری توبہ قبول کی

۶۶

تقصیر تو نے ایسی بھلا میری کی ہے کیا
نادم ہوں میں نے ماں کا تری نام ہے لیا
روکا جو تھا مجھے تو کچھ ایسی نہیں خطا
تو نے ادب سے صبر کیا اور نہ کچھ کہا
کی عرض حُر نے ذکر یہ کیسا امام ہے
وہ آپ کی کنیز ہے خادم غلام ہے

۶۷

شہ نے کہا کہ تو مجھے بھائی سے ہے سوا
واللہ تیری پشت پہ ہے دستِ مصطفیٰ
جو تیرا مرتبہ ہے اسے میں ہوں جانتا
تیری بلائیں لیتی ہے رو رو کے فاطمہؑ
کوثر کا جام ساقیٔ کوثر سے پائے گا
تو پہلے مجھ سے گلشنِ جنت میں جائے گا

۶۸

ادنیٰ تو تھا پر اب ترا اعلیٰ مقام ہے
آزاد ہو چکا ہے کہ حُر تیرا نام ہے
اب تو ہے اور گلشنِ دار السّلام ہے
دوزخ کی آگ دوست پہ میرے حرام ہے
واللہ تو محب ہے محمدؐ کی آل کا
حوروں کو اشتیاق ہے تیرے جمال کا

۶۹

تب حُر نے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا
آئی تھی آسماں سے صدا یہ کہ مرحبا
واں سے غلام آپ کے جانب تھا جب بلا
اور تھا کسی نے مژدۂ جنت مجھے دیا
کیا جانیے وہ کون بزرگ اے امام تھے
شہ نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے

۷۰

حُر کو عجب سرور ہوا سُن کے یہ کلام
بتلائے سب عزیزوں رفیقوں کے اپنے نام
لے آئے ساتھ فوج میں اپنی اسے امام
حُر سے ہوئے بہ شوق بغل گیر تشنہ کام
انصار شاہ کا تھا ہجوم اس جوان پر
احسنت و مرحبا تھا ہر اک کی زبان پر

۷۱

قدموں پہ گر کے شاہ کے بولا وہ نیک نام
حضرت پہ پہلے سب سے فدا ہوگا یہ غلام
میں نے ہی پہلے آپ کو روکا تھا یا امام
کہنے لگا یہ رو کے وہ مولا سے خاص عام
قصدِ نبردگاہ ابھی اے جواں نہ کر
شرمندہ تو حسینؑ کو اے میہماں نہ کر

۷۲

بھائی ابھی تو آتا ہے جلدی ہے ایسی کیا
شرمندہ تیرے منھ سے ہوں اے مردِ باوفا
پہلے مرے رفیقوں کو ہو لینے دے فدا
کچھ تیری میہمانی کا ساماں نہ ہو سکا
بچہ ہر ایک پیاس کے مارے نڈھال ہے
فاقے سے تین دن کے محمدؐ کی آل ہے

۷۳

حُر نے کہا کہ اے مرے مولا ترے نثار
میداں میں زخم کھانے کا ہوں میں امیدوار
اس کمتریں غلام سے ہیں آپ شرمسار
اس پیاس میں ہے خواہش شمشیر آبدار
صدقے سے آپ کے مجھے عزت نصیب ہو
دعوت یہی ہے بس کہ شہادت نصیب ہو

۷۴

مہماں کے اس کلام پہ حضرت نے رو دیا
حُر کو اُڑھا کے بولا یہ وہ منبع سخا
اس کو اُتار دوش پہ ڈالے تھے جو عبا
دعوت نہ کر سکا تجھے خلعت نہ دے سکا
کاندھے پہ اس کو ڈال دے ہرچند کیا ہے یہ
اے حُر مگر تبرکِ آلِ عبا ہے یہ

۷۵

تسلیم کہہ کے کہنے لگا حُرِّ ارجمند
کونین میں غلام کی عزت ہوئی دوچند
اس وقت عرش سے مرا رتبہ ہوا بلند
فیاض خلق نے کیا خادم کو بہرہ مند
ملبوس خاص اپنا دیا ہے حضور نے
ذرّے کو آفتاب کیا ہے حضور نے

۷۶

فرمایا شہ نے قصد جو مرنے کا ہے اگر
ماں باپ کا ہے نام جو دنیا میں ہے پسر
بیٹے کو اپنے سوئے وطن تو روانہ کر
برباد کر نہ میرے لیے اپنا سارا گھر
ہے مجھ کو رنج اسکی جوانی کے واسطے
ہو اک پسر تو فاتحہ خوانی کے واسطے

۷۷

میداں میں آج قتل ہو اگر یہ نونہال
داغ پسر کسی کو دکھائے نہ ذوالجلال
مادر کو اس کی ہوئے گا رنج و قلق کمال
سر اپنا پیٹ کر یہ کہے گی وہ خوش خصال
بیٹا بھی قتل ہو گیا وارث بھی چھٹ گیا
زہراؑ کے لال کے لئے گھر میرا لٹ گیا

۷۸

رو کر کہا یہ حُر نے کہ اے شاہ بحر و بر
ماں اس کی شہربانو سے کیا ہے زیادہ تر
اکبر سے بھی عزیز ہے کیا یہ مرا پسر
زہراؑ کا گھر مٹے نہ ہو برباد میرا گھر
برچھی کی نوک سینۂ اکبرؑ کے پار ہو
شہزادے پر غلام نہ رن میں نثار ہو

۷۹

شہ نے کہا کہ ہے یہی مرضی تو لے سدھار
کوڑا کیا سمند کو غازی نے ایک بار
تسلیم کر کے گھوڑے پہ تب حُر ہوا سوار
چاروں جواں چلے سوئے میدان کارزار
یہ رعب تھا حسینؑ کے اس میہمان کا
فوج ستم سے شور اُٹھا الامان کا

۸۰

چہرے پہ حسن دین نبی کا تھا یہ ظہور
رکھے تھا خود فرق ہمایوں پہ ذی شعور
پھیلا ہوا تھا چار طرف فوج کیں میں نور
ہر اک کو تھا گماں کہ ہے قندیل شمع طور
یوں جلوہ گر زرہ میں تن سرخ فام تھا
گویا بجھا ہوا چمنستاں میں دام تھا

۸۱

لٹکا ہوا تھا شانے پہ وہ حلقۂ کماں
مختار باب فتح تھی تیغ اس کی بے گماں
قرباں ہوئے جس کے چم و خم پہ کہکشاں
کیا گردۂ سپر کی میں خوبی کروں بیاں
جوہر سے اس کے جوہر تابندہ ماند تھے
وہ ایک تو ہلال تھا اور چار چاند تھے

۸۲

دریائے آہنی میں تھا وہ شہسوار غرق
راکب گر اس کو غرب سے دوڑائے سوئے شرق
صرصر میں اور گھوڑے میں تھا مطلقاً نہ فرق
اور آسماں پہ چمکے نکل کر سمند برق
گردوں پہ واں نہ برق کی چشمک تمام ہو
اور فرق میں یہاں فرسِ تیز گام ہو

۸۳

بس شان اور شکوہ سے آیا جو حُرؔ نظر
نیزے کو تول کے وہ ہوا حُر پہ حملہ ور
نکلا تب اس سے لڑنے کو صفوان بدگہر
روکر کے وار حُر نے دکھایا عجب ہنر
نیزے پہ بس اٹھا کے اسے صدرِ زین سے
دے مارا یوں کہ گرد نہ اٹھی زمین سے

۸۴

صفواں کے تین بھائی بھی تھے اور نامدار
بھائی نے حُر کے ان کو بھی بھیجا بہ سوئے نار
تلواریں کھینچ آ لڑے بہ میدانِ کارزار
بیٹے نے ایک کو کیا دو صورتِ خیار
جب تیسرے کو دوڑ کے مارا غلام نے
احسنت کی صدا دی ہر اک خاص و عام نے

۸۵

فوجِ عدو میں پھر تو در آئے وہ چار شیر
جو رنگ کرتے تھے وہ جوانوں کو گھیر گھیر
انبار بس سروں کے ہوئے اور تنوں کے ڈھیر
قہرِ خدا تھی ضربتِ تیغِ حُرِ دلیر
سر پہ پڑی تو صاف گئی تاشش زین پر
زیں سے کھنچی تو آن کے ٹھہری زمین پر

۸۶

ایسے لڑے کہ لشکرِ کیں دنگ ہو گیا
جو منھ پہ آیا تیغ کے چو رنگ ہو گیا
دشتِ نبرد خون سے گل رنگ ہو گیا
عرصہ ہر اک پہ زندگی کا تنگ ہو گیا
تینوں سوار گر گئے پر حُر لڑا کیا
تنہا ہے فوج سے وہ بہادر لڑا کیا

۸۷

دیکھا جو حُر نے خاک کے اوپر گرا پسر
بیٹے کی سمت دیکھا ذرا منھ کو پھیر کر
بے تاب الفتِ پدری سے ہوا جگر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤسر
غازی قریب لاشِ پسر جا کے گر پڑا
مہمان شاہ گھوڑے سے تیورا کے گر پڑا

۸۸

زینبؑ نے دیکھا خیمے کے در سے جو یہ حال
گھوڑے سے زخمی ہو کے گرا حُر خوش خصال
سر پیٹ کر پکاری کہ اے فاطمہ کے لال
لاش اس کی تو نہ ڈالیں ستمگار پائمال
میں بیٹے کو لاشۂ مہماں پہ آؤں گی
میں اسکے واسطے صفِ ماتم بچھاؤں گی

۸۹

آئی صدا اے فاطمہؑ اے زینبِ حزیں
میرے حسینؑ پر ہوا صدقے یہ نازنیں
موجود میں تو ہوں جو یہاں اس کی ماں نہیں
بیٹا ہی جانتی ہوں اسے یہ سمجھ یقیں
اب چین سے مزار میں ہرگز نہ سوؤں گی
چالیس روز لاش پہ مہماں کے روؤں گی

۹۰

ماں کی صدا یہ سن کے چلے شاہ پیادہ پا
مہماں کو پایا شاہ نے بسمل سا لوٹتا
روکر سر اس کا شاہ نے آغوش میں لیا
منھ مل کے شہ کے قدموں سے تب حُر نے یہ کہا
کیا رتبے میں نے آپ کے صدقے سے پائے ہیں
محبوبِ کبریا مرے لینے کو آئے ہیں

۹۱

اور ایک بی بی پہلو میں کرتی ہے یہ بیاں
ہیں پونچھتی ردا سے مزار دُرے خوں چکاں
اپنے پسر کے واسطے روتی ہے جیسے ماں
کچھ میری ماں سے بھی وہ زیادہ ہیں مہرباں
شہ نے کہا یہ جو ترے غم میں ملول ہے
مادر مری وہ فاطمہؑ بنتِ رسولؐ ہے

۹۲

یہ مژدہ سن کے حُر تو گیا جانبِ ارم
بس اے انیسؔ اب یہ دعا کر بہ چشمِ نم
لاشے پہ روئے اس کے بہت شاہ باکرم
بلواؤ کربلا میں مجھے یا شہِ اُمم
بھیجے مدد کو رنج و الم بے شمار ہیں
میں اک نحیف و زار ہوں دشمن ہزار ہیں

سلام

ہے تخت پر جلوس جنابِ امیر کا
ڈنکا ہے اب جہاں میں نبیؐ کے وزیر کا

کیفیتیں اُٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا
نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا

واقف خمارِ غم سے نہیں دل فقیر کا
پیمانہ کش ہوں بادۂ خُمِ غدیر کا

شہرہ ہے شش جہت میں حدیثِ غدیر کا
بیعت کو ہاتھ اُٹھا تھا صغیر و کبیر کا

چھد جائے دل چمن میں نہ کیوں ہم صفیر کا
میری ہر اک زفیر میں عالم ہے تیر کا

ہو جائے پست اوج نہ کیوں ہم صفیر کا
طوبیٰ کے سر پہ شور ہے میری زفیر کا

گل سن کے عندلیبِ قلم کی زفیر کا
رنگ اُڑ گیا ہے صاف مرے ہم صفیر کا

جاری کیا ہے فیض جنابِ امیر کا
دامن دُروں سے بھرتے ہیں ابنِ مطیر کا

دیکھا ہے منہ جو تیغِ جنابِ امیر کا
بجلی بنا ہے آئینہ مہرِ منیر کا

جلوہ ہے اس طرف بھی جنابِ امیر کا
منہ ہے جدھر پھرا ہوا مہرِ منیر کا

بعد از نبی ہے تخت جنابِ امیر کا
سلطاں کی مملکت میں عمل ہے فقیر کا

اللہ رے فقر حیدرِ گردوں سریر کا
رہتا تھا خوابگاہ میں بستر حصیر کا

دیکھو کرم رسولؐ خدا کے وزیر کا
قاتل کو بھی سخی نے دیا جام شیر کا

کرتے تھے فکر پھانک کے آردِ شعیر کا
کیا حوصلہ تھا دیکھو جنابِ امیر کا

اثنا عشر کے گھر کا گدا ہو بتا یہ ہے
بارہ دری میں رہتا ہے بستر فقیر کا

یاں ان دنوں سے شہد مضامیں زباں پہ ہے — چکھا تھا جب مزا بھی نہ مادر کے شیر کا
اک پل میں پل صراط سے گذریں گے مومنیں — جس وقت لیں گے نام جناب امیر کا
اے باغباں میں بلبلِ گلزارِ قدس ہوں — سدرہ پر آشیاں ہے مرے ہم صفیر کا
اصحاب سے یہ صاحبِ معراج کہتے تھے — کیا مرتبہ ہے بادشہِ قلعہ گیر کا
پائی کسی نبیؐ نے رسالت نہ اس قدر — دیکھا خدا سے قرب جو اپنے وزیر کا
پہونچا جہاں جہاں میں نظر کی جدھر جدھر — تھا ہر جگہ ظہور جنابِ امیر کا
دو انگلیوں سے کلۂ اژدر کیا ہے دو — حیدر نہ کیوں لقب ہو مرے دستگیر کا
کعبے میں دوش پاک نبی پر رکھے قدم — اے چرخ دیکھ اوج مرے دستگیر کا
مختار عرش و فرش تھے ہر چند بوتراب — لیکن پسند طبع تھا بستر حصیر کا
اس زور سے لگائی تھی قاتل نے ضرب تیغ — شق ہو گیا تھا فرق جنابِ امیر کا
تھرا رہے تھے مسجدِ کوفہ کے بام و در — پُرخوں تھا رخ رسول کے مہرِ منیر کا
سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے — زخمی پڑا تھا شیر خدائے قدیر کا
آئی مہِ صیام کی اکیسویں جو رات — بے جاں ہوا امام صغیر و کبیر کا
زہرا کی دونوں بیٹیاں سر پیٹنے لگیں — منہ ڈھانپ کر ردا سے شہِ بے نظیر کا
فرزند غسل دے چکے جس دم تو جبرئیل — لائے کفن جناں سے شہِ قلعہ گیر کا
پوچھا حسینؑ نے یہ حسنؑ سے کہ بھائی جان — کیوں رُخ ہے سبز خسرو گردوں سریر کا
منھ پیٹ کر وہ بولے کہ اس کی وجہ ہے کیا — تھا زہر میں بجھا ہوا تیغا شریر کا
آہ و بکا سے حشر تھا کوفہ کی راہ میں — تابوت لے چلے جو نبیؐ کے وزیر کا
قیدی دہائی دیتے تھے روتے تھے سب فقیر — لے لے کے نام پاک جناب امیر کا
رانڈیں پکارتی تھیں کہ ہے ہے غضب ہوا — وارث اٹھا جہاں سے یتیم و اسیر کا

پوچھے کوئی پتا تو یہ کہہ دیجیو انیسؔ
دارالسلام میں ہے بستر فقیر کا

مرثیہ

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
روشن چراغ مہر سے بزم جہاں ہوئی
اعدا میں فکر قتل امام زماں ہوئی
نیزے سنبھال کے تیغ و سپر باندھنے لگے
آل نبی کے خوں پہ کمر باندھنے لگے

۲

رکھا کسی نے خود کو سر پر بہ عزم جنگ
خنجر سجا کمر میں کسی نے قبائے تنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
بولا زہ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
چٹکی سے میری تیر یہ جس دم روانہ ہو
پیشانیٔ حسینؑ الٰہی نشانہ ہو

۳

نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
اس پر علم کروں گا سر شاہ نیک خو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
ہے آب اس کی اور شہ لب تشنہ کا گلو
چن چن کے آج آل پیمبرؐ کو ماریے
برچھی سے لاکھ میں علیؑ اکبر کو ماریے

۴

گرز گراں لیے کوئی کرتا تھا یہ سخن
ہے اس کی ضرب اور سر نوباوۂ حسن
تھا اس طرح کمند لیے کوئی لاف زن
باندھوں گا اس سے گردن عباس صف شکن
ہرگز نہ دوں گا مہلت جنگ اس دلیر کو
جیتا پکڑ کے لاؤں گا نیروں کے شیر کو

۵

دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
بھرتے ہیں خون آل محمدؐ میں آج ہات
اور سج کے چار آئینہ کوئی زبوں صفات
کہتا تھا جب لڑیں گے شہنشاہ کائنات
مجروح ہوں گے پہلے ہی وہ میرے وار سے
اس پر نہ خط پڑے گا کبھی ذوالفقار سے

۶

چمکا کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
سنتا ہوں ہے قلیل بہت لشکر امام
کیوں اس قدر ہیں خوف زدہ ساکنان شام
واللہ راہواروں کی جب وقت لیں لگام
اک دم میں جا پڑیں گے یہ بجلی سے کوند کر
پیاسوں کو مار ڈالیں گے ٹاپوں سے روند کر

۷

کہتا تھا کوئی اس سے کہ اپنی زباں کو بند
اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
مقدور پر بھی عجز ہی کرتے ہیں ہوشمند
لرزاں ہے مارے خوف کے اپنا تو بند بند
جنگ اس سے ہے جو سبط رسالت پناہ ہے
سید ہے ابن فاطمہ ہے بے گناہ ہے

۸

ہم تم ہیں جس طرف ہے ادھر فوج لاتعد
چاروں طرف سے اس پہ چلی آتی ہے مدد
حیدر ہے جس کا باپ محمدؐ ہے جس کا جد
اس کو جواں ملے ہیں بہتر بہ جد و کد
ناحق ہے اسپر ظلم جدھر حق ثبوت ہے
غیرت کی یہ جگہ ہے مقام سکوت ہے

۹

کچھ مرضیٔ خدا میں نہیں جائے دم زدن
نانا ہو جس امام کا محبوبؐ ذوالمنن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن
خاصان حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
شاید خدا کو بے کسی اس کی پسند ہے
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے

۱۰

بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
ہیں بیعت یزید سے حضرت کنارہ کش
دو دن سے اہل بیت میں ہے شور العطش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانان ماہ وش
راکب جوان کے تیر الم کے نشانہ ہیں
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں

۱۱

اعجاز ہے فقط جو کرو منصفی سے غور
ہے کس قدر تعدی و ظلم و جفا و جور
ہرگز قدم نہ ٹھہرتے ہوتا جو کوئی اور
پر ہیں وہی جو اس بزرگوں کا تھا جو طور
پیاسے نہ سمجھو حکم کی آقا کے دیر ہے
شہ کی قلیل فوج میں ایک ایک شیر ہے

۱۲

ان سب کی ضرب تیغ سے دشوار ہے اماں
غازی ہیں سرفروش ہیں کیا خرد کیا کلاں
مکی و ہاشمی و قریشی ہیں یہ جواں
وہ حملہ ور ہوئے تو یہ انبوہ پھر کہاں
دیکھو ہی گے جو خوف کے مارے نہ مر گئے
لاکھوں سوار کیا ہوئے پیدل کدھر گئے

۱۳

یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بہ یک خبر
سرکردہائے فوج نے صف اپنی باندھ کر
خیمے سے بہر جنگ بر آمد ہوا عمر
مجرا کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
میداں میں سرکشی جو ہر اک نے پسند کی
ایک ایک پر لعین نے نوازش دو چند کی

۱۴

نیزہ دیا کسی کو تو برچھی کسی کو دی
تیر و کماں منگا کے کسی کے حوالے کی
بخشی کسی جوان کو شمشیر قیمتی
بخشا کسی کو دستہ و خنجر بصد خوشی
جو نام ور تھے فوج میں ان کو علم دیے
پیدل جو تھے انھیں فرس خوش قدم دیے

۱۵

سمجھا کے ایک ایک کو کیا د نے کہا
حاکم کا چاہیئے کرو حق نمک ادا
تم غازیوں کو آج ہے شیروں کا سامنا
پیچھے ہٹے نہ پاؤں کسی کا دم وغا
جو سب کو مارے حکم یہ بے اختلاف ہے
اس کا سلاح و اسپ اسی کو معاف ہے

۱۶

اور دوسرے کرو گے جو تم اس مہم کو سر
واللہ یزدجرد کی بیٹی کا ہے وہ گھر
لوٹیں گے چل کے خیمۂ سلطان بحر و بر
بے حد و بے حساب ملے گا متاع و زر
لینے کا اسکے کچھ نہیں ہم کو خیال ہے
سب بانٹ لیجیو وہ تمھارا ہی مال ہے

۱۷

زہرا کی بیٹیاں ہیں غریب و شکستہ حال
ان کا وہی ہے حال جو تھا فاطمہ کا حال
دنیا کا ان کے پاس نہیں کچھ متاع و مال
پر تم کچھ ان کے پردے کا مت کیجیو خیال
حیدر کی دیں دہائی کہ روئیں پکار کے
لے آنا انکے سر سے ردائیں اتار کے

۱۸

یہ کہہ کے فوج کا وہ لگا کرنے بند و بست
ہموار ہو گئی جو زمیں تھی بلند و پست
منظور اس کو فوج حسینی کی تھی شکست
آگے بڑھائے جنگ کے جوانان تیز دست
چاؤش دل بڑھانے لگے نوجوانوں کے
اڑنے لگے ہوا سے پھریرے نشانوں کے

۱۹
تیغیں کھنچیں میان سے نیزے ہوئے علم
کوس و دف و جلاجل و قرنا بجے بہم
طبل وغا پہ چوب لگی چوب دم بدم
تا گنبد فلک گئی آواز زیر و بم
سن کر یہ شور شہ نے کہا کردگار شکر
نوبت ہمارے قتل کی ہو چکی ہزار شکر

۲۰
ناموس مصطفےٰ نے سنی جب کہ یہ صدا
زینبؑ نے پوچھا اے پسر شاہ لافتا
رعشہ ہوا کسی کو کسی کو غش آگیا
یہ کیا بجا کہ ہوش ہمارے نہیں بجا
اک چوٹ سی لگی ہے مرے دل میں درد ہے
کیا تم سے اہل شام کو قصد نبرد ہے

۲۱
کیا روح مصطفےٰ کا نہیں ظالموں کو ڈر
کیا فاطمہؑ کے رتبے کی ان کو نہیں خبر
کیا تم پہ دست ظلم اٹھا دیں گے اہل شر
فریادی ہوں گے عرش کے نیچے وہ ننگے سر
پانی تو بند کر چکے احمدؐ کی آل پر
سمجھیں تو جانے رحم پیاسوں کے حال پر

۲۲
شہ نے کہا کہ تشنۂ خوں ہیں مرے عدو
جز شکر حق کروں گا نہ کچھ اور گفتگو
راضی ہوں اہل ظلم بہا دیں مرا لہو
سینہ ہے اور تیر ہے خنجر ہے اور گلو
مسلم کو جب سنا تھا لعیں قتل کر چکے
سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اسی روز مر چکے

۲۳
یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہ تشنہ کام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
باہر سے آئے اتنے میں عباس نیک نام
میداں میں ہو چکی ہے صف آرا سپاہ شام
اب رخصت حرم میں نہ تاخیر کیجیے
میداں میں چل کے جنگ کی تدبیر کیجیے

۲۴
پوشاک پہنی شہ نے یہ سن کر بہ صد شتاب
اس دم عجب ہوا دل زینب کو اضطراب
تیغ علیؑ کمر سے لگائی بہ آب و تاب
عباسؑ سے یہ آنسو بہا کر کیا خطاب
بھیا تمھیں تو ہو گی خبر جتنی فوج ہے
کتنے جواں اُدھر ہیں ادھر کتنی فوج ہے

۲۵
عباس نے کہا کہ نہ پوچھو کچھ اے بہن
دو لاکھ نیزہ دار ہیں دو لاکھ تیغ زن
کتنی بتاؤں فوج اُدھر ہیں چھ لاکھ تن
اور ہوں گے دو ہی لاکھ کماندار صف شکن
سب آزمودہ کار قوی تر جوان ہیں
اور کلھم ادھر تو بہتر جوان ہیں

۲۶
واللہ اس طرف کے بہتر بھی تھے نہ کم
پانی کسی طرح جو ہو بخشا انھیں بہم
پر تین دن کی پیاس سے ان میں نہیں ہے دم
لاتا نہ ان کی تاب کبھی لشکر ستم
یہ سن کے بنت فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ شہ کے گلے سے لپٹ گئی

۲۷
لگ کر گلے سے بھائی بہن روئے زار زار
فرما کے الوداع چلے شاہ باوقار
واغربتا کی اہل حرم میں ہوئی پکار
بنت علیؑ نے کھول کے تب سر کو ایک بار
کی یہ دعا کریم مجھے شاد کیجیو
اس لشکر قلیل کی امداد کیجیو

۲۸

ہر ایک کی ہے معین و مددگار تیری ذات
اک آن میں خلیل کو آتش سے دی نجات
لاریب و بے گماں ہے تو حلّالِ مشکلات
مشہور ہاجرہ کے ہے بیٹے کی واردات
گھیرا ہے سرکشوں نے شہِ باکمال کو
یارب بچالے فاطمہ زہراؑ کے لال کو

۲۹

حق سے دعا یہ کرتی تھی زینبِ جگر کباب
ہونے لگا سوار جو وہ مالکُ الرّقاب
خیمہ سے آئے ڈیوڑھی پہ حضرت بصد شتاب
تھامی بہ عجز حضرتِ عباسؑ نے رکاب
آئی صدا بتول کی کیوں بے قرار ہو
اس شاہ کم سپاہ پہ مادر نثار ہو

۳۰

گھوڑے پہ دیکھ کر شہِ مظلوم کو سوار
رن کی طرف قدم جو اُٹھاتا تھا راہوار
بوسے قدم پہ دینے لگے آ کے جاں نثار
ملتے تھے واں کی خاک کو آنکھوں سے بار بار
پیاسے تھے پر دلوں میں شجاعت کے جوش تھے
کیا حسنِ اعتقاد تھے کیا سرفروش تھے

۳۱

ثابت قدم تھے راہِ خدا میں وہ خوش نہاد
ایک ایک تھا نویدِ شہادت سے شاد شاد
آقا پہ ہوں نثار یہی ان کی تھی مُراد
کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
کیوں کر بہکتے بادۂ عرفاں سے مست تھے
واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

۳۲

جب وادیٔ نبرد میں ان کا ہوا وُرود
اُن گھوڑوں سے سواروں کی اللہ رے نمود
پڑھنے لگے ملائکۂ آسماں درود
مانندِ بید خوف سے لرزاں ہوئے جنود
ہیبت سے خاکِ کرب و بلا زرد ہو گئی
شان و شکوہ فوجِ ستم گرد ہو گئی

۳۳

باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور
پیشانیوں سے ان کے عیاں تھا خدا کا نور
حاضر تھے سر کٹانے کو سب شاہ کے حضور
شہ کے مدام عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے
واقف تھے شغلِ سبحہ مطیعِ امام تھے

۳۴

شہ کے عزیز حسن میں یوسفؑ سے تھے دوچند
ہوتی تھی چشمِ نرجس بھی دیکھے سے جن کے بند
انجم کو جن کے چہروں پہ گردوں کرے سپند
اک اک جواں کو پیرِ فلک نے کیا پسند
یوسف کا ان کے سامنے بازار سرد تھا
اک اک جواں جریدۂ عالم میں فرد تھا

۳۵

کمسن کئی جو اُن کے تھے ان سب کا تھا یہ حال
ابرو کشیدہ چھوٹے ہوئے گیسوؤں کے بال
چہرے خوشی سے جنگ کی جوں گل تھے لال لال
رخسارے ماہ چار دہم کہیئے بے زوال
مطلب یہ انکا تھا کہ ابھی سب کنارے ہوں
میدان جنگ میں ہمیں پہلے اُتارے ہوں

۳۶

عباس نامور کی کہوں کیا شکوہ و شان
بالا قد و سمند فلک سیر زیر ران
ہاتھوں میں اس کے فوجِ حسینی کا تھا نشان
یکتائے روزگار تھا وہ ہاشمی جوان
غازی تھا صف شکن تھا شجاعت شعار تھا
چہرے سے رعبِ مرتضوی آشکار تھا

۳۷
گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو
دادا کا زور خلق چچا کا پدر کی خو
تصویر تھا رسولؐ خدا کی وہ ہو بہو
گل سا جمال عطر فشاں زلفِ مشک بو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں
روشن تھی شمع نورِ خدا رزم گاہ میں

۳۸
قاسم بہ طرفہ باغِ جوانی کی تھی بہار
آنکھیں وہ جن پہ کیجئے نرگس کو بھی نثار
سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سے عذار
نازک لب اس قدر رگِ گل جن کے آگے خار
بے وجہ منھ نہ سُرخ تھا اس جانِ فرد کا
لختِ جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

۳۹
تھے کس شکوہ سے پسرِ زینبِ حزیں
اک جانبِ یسار تھا ایک جانبِ یمیں
شدت سے پیار کرتے تھے ان کو امامِ دیں
حضرت کے منھ کو تکتے تھے دونوں مہ جبیں
انصار کہتے تھے شہِ گردوں جناب کے
دو چاند پہلوؤں میں ہے اک آفتاب کے

۴۰
اس آفتابِ دیں کی ہو توصیف کیا رقم
مقبولِ حق امامِ زماں شافعِ اُمم
کانِ سخا و بحرِ عطا مخزنِ کرم
بے کس غریب حاملِ رنج و غم و اَلم
لب خشک شکرِ حق سے مگر تر زبان تھی
زینبؑ کا تھا خیال سکینہ میں جان تھی

۴۱
اس وقت شہ سے حضرتِ عباس نے کہا
ہر ایک چاہتا ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
ترتیب فوج کے لئے ہوتا ہے حکم کیا
یہ سن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کربلا
فرمایا حق جلّ و علیٰ بس کفیل ہے
کیا صف کشی کروں مرا لشکر قلیل ہے

۴۲
تم اُن کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا
لیکن مجھے تو آج ہے مرنے سے مدّعا
یاں سو جواں نہیں ہیں اُدھر ہیں ہزارہا
جس طرح چاہو باندھ لو میدان ہیں پڑا
پیچھے رہیں گے یا قدم آگے بڑھائیں گے
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے

۴۳
یہ سن کے باندھی فوجِ حسینی نے اپنی صف
اعدا نے جوڑے تیر کمانوں میں اس طرف
استادہ بیچ میں ہوا ابنِ شہِ نجف
سینوں کو نمازیوں نے اُدھر کر دیا ہدف
یہ ماجرا جو دیکھا تو حُر کو قلق ہوا
سینے میں دل اُچھلنے لگا رنگ فق ہوا

۴۴
مَل مَل کے ہاتھ کہتا تھا نادم ہوں میں کمال
کیوں روکا میں نے آہ کدھر تھا مرا خیال
تدبیر کیا کروں کہ بچے فاطمہ کا لال
شہ کو ستمگروں سے رہائی ہے اب محال
روکے سے میرے جا نہ سکا سبطِ مصطفیٰ
میرے سبب بلا میں پھنسا سبطِ مصطفیٰ

۴۵
یہ دل میں اپنے کہتا گیا وہ عمر کے پاس
حُر نے دیا جواب ذرا دل میں کر قیاس
اس سے کہا کہ کس لیے آتا ہے بے حواس
ہے کچھ بھی مصطفیٰ و بتولؑ و علیؑ کا پاس
وہ کون ہے رسولؐ کا جس سے لڑائی ہے
جی میں ذرا سمجھ کہ یہ کس سے لڑائی ہے

۴۶

کھینچیں ہیں کیوں کمانیں کس پر چلیں گے تیر ؏ زخمی محمدِ عربی ہوگا اے امیر
فرزند مرتضیٰ ہے دو عالم کا دست گیر ؏ بنتِ رسولِ پاک کا اس نے پیا ہے شیر
اس پر ستم نہ ہوگا گوارا رسول کو ؏ مارا اسے تو جان کہ مارا رسول کو

۴۷

تب اس لعین نے چیں بہ جبیں ہو کے یہ کہا ؏ حاکم سے جو بنی ہو تجھے اس سے کام کیا
اے حرؔ ہمارا دوست ہے تو یا حسینؑ کا ؏ اس نے کہا جو کلمۂ حق تھا سو کہہ دیا
کیوں روکتا جو ہوتا نہ دشمن امام کا ؏ احسان مند ہوں مگر اس تشنہ کام کا

۴۸

روکا تھا میں نے اس شہِ عالی اُمم کو جب ؏ اس دن تھا میں بھی اور مرا لشکر بھی تشنہ لب
پانی کا کوسوں نام نہ تھا مضطرب تھے سب ؏ اونٹوں سے چھاگلوں کو اُتارا سخی نے تب
دریائے فیضِ ساقیٔ کوثر دکھا دیا ؏ گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا

۴۹

ہرگز نہ قحطِ آب کا گذرا اسے خیال ؏ سوچا نہ یہ کہ ساتھ ہیں اطفالِ خرد سال
واللہ بحرِ جود و سخا ہے نبی کی آل ؏ ایسے سخی سے ہو مجھے کیوں کر نہ انفعال
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اس حق شناس کے ؏ بچے تڑپتے خیمے میں کیوں مارے پیاس کے

۵۰

احسان یہ نہ بھولوں گا جب تک ہے دم میں دم ؏ بے جرم و بے گناہ ہے وہ صاحبِ کرم
واں حرؔ کا یہ کلام تھا اور یاں بہ چشمِ نم ؏ اکبرؑ یہ شہ سے کہتے تھے اے شافعِ اُمم
حرؔ مانگتا ہے اذن عمر سے لڑائی کا ؏ بندے کو اس سے حکم ہو تیغ آزمائی کا

۵۱

شہ مسکرا کے کہنے لگے اے پدر کی جان ؏ حرؔ کی طرف سے کیجیو ہرگز نہ یہ گمان
ان دشمنوں میں دوست مرا ہے یہی جوان ؏ کرتا ہے وہ عمر سے فضائل مرے بیان
گمراہ آگے تھا وہ پر اب رو بہ راہ ہے ؏ حرؔ سے بدی نہ ہوگی مرا خیر خواہ ہے

۵۲

پر ابنِ سعد اس کی نہیں ماننے کا بات ؏ آوے گا میرے پاس اُدھر سے وہ خوش صفات
مت روکنا ہے خاطرِ مہمان واجبات ؏ دشمن سمجھ کے کوئی اُٹھائے نہ اُس پہ ہات
کھیتی تھی بس اسی کی ہماری پناہ میں ؏ پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ میں

۵۳

فرماتے تھے یہ شاہ کہ اُٹھی زمیں سے گرد ؏ دہشت سے ہوگیا رُخِ مہرِ سپہر زرد
سمجھے رفیقِ شہ کوئی آیا پئے نبرد ؏ ہر ستیز ہوگیا آمادہ فرد فرد
دیکھا تو کہتا آتا ہے کوئی پناہ دو ؏ سبطِ رسولؐ تک مجھے جانے کی راہ دو

۵۴

اکبرؑ نے دی صدا کوئی ہونا نہ سدِ راہ ؏ پاسِ ادب سے رہ گئے ششدر رفیقِ شہ
حرؔ اترا اپنے گھوڑے سے مابینِ رزم گاہ ؏ سر کو جھکائے ہاتھوں کو باندھے بہ اشک و آہ
دل اس جری کا دولتِ دنیا سے ہٹ گیا ؏ قدموں سے ذوالجناح کے آکر لپٹ گیا

۵۵
آنکھیں سموں سے ملتا تھا رو رو کے بار بار
تقصیر وار ہے یہ غلام سیاہ کار
کہتا تھا اے شفیع دو عالم کے یادگار!
تعزیر میں ہے بندے کی آقا کو اختیار
جو دیجئے سزا وہ مرے حق میں بد نہیں
ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جس کی حد نہیں

۵۶
پر ہیں کریم ابن کریم آپ بے گماں
اے شاہ جرم پوش و خطا بخش عاصیاں
ہادی و بندہ پرور و آقائے دو جہاں
بخشا نہ آپ نے تو ٹھکانا مرا کہاں
اس آستاں بغیر نہیں جا پناہ کی
توبہ قبول کیجئے اس روسیاہ کی

۵۷
حُر سے یہ سن کے رونے لگے شاہ کربلا
مادر ترے نثار ہو اے ابن مرتضا
آئی جناب فاطمۃ زہرا کی یہ صدا
حُر ہے تمھارے گھوڑے کے قدموں پہ لوٹتا
یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اس سے صاف ہو
صدقے گئی قصور اب اسکا معاف ہو

۵۸
ماں کی صدا یہ سن کے ہوئے شاہ بے قرار
حُر کو اُٹھایا خاک سے اللہ رے افتخار
گھوڑے سے جلد کود پڑے روئے زار زار
چھاتی لگا لگا کے کیا خوب اس کو پیار
فرمایا اب خوشی ہو عبث تو ملول ہے
واللہ بیش حق تری توبہ قبول ہے

۵۹
اے حُر خدائے عز و جل کی مجھے قسم
گنتی میں میری فوج کے تھا ایک تو ہی کم
تیرا ہی انتظار میں کرتا ہوں دم بہ دم
پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
یوں شاد ہو کے تجھ سے ہم اے باوفا ملے
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آ ملے

۶۰
یہ مرتبہ جو حُر کا ہر اک کو عیاں ہوا
رتبہ یہ اپنا دیکھ کے حُر شادماں ہوا
نعمان شہ سے ہم بغل اک اک جواں ہوا
تحسیں کا غل زمیں سے تا آسماں ہوا
سب کہتے تھے یہ شخص عجب خوش نصیب ہے
دوزخ اب اس سے دور ہے جنت قریب ہے

۶۱
قسمت نے اس کو راہ ضلالت سے دی نجات
اب دامنِ حسینؑ ہے اور اس جواں کا ہات
بے فضل حق کسی کو نہیں سوجھتی یہ بات
مارا ابھی اب گیا تو ابد تک ملی حیات
عزت دوچند کیوں نہ ہو اس خیر خواہ کی
اس نے تو دل میں فاطمہ زہرا کے راہ کی

۶۲
اللہ رے اس جواں کے نصیبے کی یاوری
دینداری اختیار کی چھوڑی ستمگری
اصحاب مصطفےٰ سے ہوئی اس کو ہمسری
آ کر ہوا شریک جوانوں کے حیدری
عصیاں سے پاک خط عمل یک قلم ہوا
نام اس کا دفتر شہدا میں رقم ہوا

۶۳
یوں اس طرف سے آیا ادھر وہ نکو سرشت
دوزخ سے جس طرح کوئی جاوے سوئے بہشت
جتنے کئے تھے آج تلک اس نے فعل زشت
وہ سب ثواب ہو گئے اللہ ری سرنوشت
پرسش نہ ہوگی حشر کے دن بے حساب ہے
ذرے سے کم تھا کل مگر آج آفتاب ہے

۶۴
کیوں کر نہ ایسے شخص کا عالی ہو مرتبا
عاشق ہوا یہ اس کا جو ہے عاشقِ خدا
قسمت سے مل گیا اسے آقا حسینؑ سا
ورنہ کجا یہ اور پسرِ فاطمہؑ کجا
واللہ اس کو خوبیِ اعمال کہتے ہیں
بخت اس کو کہتے ہیں اسے اقبال کہتے ہیں

۶۵
کل تک تو تھا یہ داخلِ افواجِ روسیاہ
توفیقِ نیک آج ہوئی اس کے خضرِ راہ
یوں نکلا یہ خسوف سے جس طرح نکلے ماہ
خورشیدِ دیں کے سایۂ دامن میں لی پناہ
ذی ہوش تھا سمجھ کے خطا و ثواب کو
تھاما سوار دوشِ نبیؐ کی رکاب کو

۶۶
طالع نے خوابِ زشت سے اس کو جگا دیا
دل نے نفاق کفر کا پردہ اُٹھا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا
آنکھوں نے جلوہ نورِ خدا کا دکھا دیا
جو راہِ راست تھی قدم اس راہ پر گئے
کام اسکے جتنے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے

۶۷
یہ ہے وہی ہوا تھا جو حضرت کا سدِّ راہ
مظلومیِ امام پہ کی تھی نہ کچھ نگاہ
سرزد ہوا تھا اس سے عجب طرح کا گناہ
آیا ہے بہرِ معذرت اب یہ حضورِ شاہ
لطف و کرم ہے بات نہیں کچھ ملال کی
دیکھو رحیمی فاطمہ زہرا کے لال کی

۶۸
کچھ دل میں اس کے رد و بدل کا نہیں خیال
مانندِ گل شگفتہ ہے زہرا کا نونہال
قلبِ امام صاف ہے آئینہ کی مثال
محتاج تھا مدد کا نہ یہ شاہ خوش خصال
دیں پروری تو دیکھو تم اس باوقار کی
ہے یہ خوشی کہ راہِ خدا اختیار کی

۶۹
یہ ذکر تھا فرشتوں میں بالائے آسماں
حُر ہاتھ جوڑے شاہ سے کرتا تھا یہ بیاں
مطلب بر آئے سب مرے اے سرورِ زماں
اب دو رضا لڑے حرب تو میداں کو ہوں رواں
کوئی ابھی نہ مستعدِ کارزار ہو
ان قدموں پر غلام ہی پہلے نثار ہو

۷۰
شہ نے کہا کہ حُر ابھی رخصت کا لے نہ نام
مہماں ہے کہ غریبوں کے گھر کوئی دن مقام
پر ہم تو تین دن سے ہیں بے آب بے طعام
کی عرض حُر نے پاؤں پہ گر گر کے یا امام
ہرگز تسلی جینے سے میری نہ ہووے گی
بے زخم کھائے اب مجھے سیری نہ ہووے گی

۷۱
منت جو حُر نے کی بہت آنسو بہا بہا
رونے لگے گلے لگا کے اسے شاہِ کربلا!
فضہ نے آکے اتنے میں حضرت سے یہ کہا
در پہ کھڑی ہیں حضرتِ زینبؑ برہنہ پا
پوچھا ہے یہ کہ بھائی جدا کس سے ہوتے ہو
یہ کون ہے کہ جسکے گلے لگ کے روتے ہو

۷۲
یہ سن کے حُر کو خیمہ کی ڈیوڑھی پہ لائے شاہ
زینبؑ سے جا کے کہنے لگے یوں بہ اشک و آہ
بھیا وہ حُر ہوا تھا ہمارا جو سدِّ راہ
آیا ہے وہ مدد کے لیے ہو کے عذر خواہ
غازی ہے حق پرست ہے اور باتمیز ہے
وہ مجھ کو بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے

۷۳
ڈیوڑھی پہ ہاتھ جوڑے کھڑا ہے وہ جنتی
بنتِ نبی نے اس کی سفارش ہے مجھ سے کی
امید وار عفو جرائم ہے تم سے بھی
تب شاد ہو کے کہنے لگی دخترِ علی
دونوں جہاں میں مرتبہ اس کا زیادہ ہو
میں اس سے شاد ہوں مرا اللہ شاد ہو

۷۴
جو ہے تمھارا دوست، وہ ہے مجتبیٰ کا دوست
جو مرتضیٰ کا دوست ہے وہ مصطفےٰ کا دوست
جو مصطفےٰ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
جو مصطفےٰ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
راضی ہوئے علی شہِ لولاک خوش ہوئے
حر سے خدائے پنجتن پاک خوش ہوئے

۷۵
حر نے سنا یہ حضرتِ زینب کا جب کلام
فضہ سے تب یہ کہنے لگی خواہرِ امام
یوں عرض کی کہ بندگی کرتا ہے یہ غلام
تو حر سے جا کے بعد دعا کہہ مرا پیام
بھائی شریک تو جو ہوا میرے بھائی کا
دل تجھ سے شاد ہو گیا زہرا کی جائی کا

۷۶
آنے سے تیرے شاد تو ہوں پر ہے ایک غم
بچوں کے مارے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم
بھائی کیا کریں کہ ہیں محجوب تجھ سے ہم
پانی بھی تین روز سے پہونچا نہیں بہم
یہ بیکسوں پہ ظلم خدا کا بھی ڈر نہیں
مہماں ہیں جن کے ان کو ہماری خبر نہیں

۷۷
یہ سن کے حر کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں
اصغر کو لا کے گود میں تب سرورِ زماں
ہم سب تو اک طرف یہ جو بچہ ہے نیم جاں
اسکی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے

۷۸
اصغر کا حال حر سے یہ کہتے تھے شاہِ دیں
بابا مرا بھی حال کہا حر سے یا نہیں
جو دی صدا سکینہ نے یہ بادلِ حزیں
پوچھا جو اس نے بولا یہ زہرا کا نازنیں
عاشق ہوں اسکا میں یہ بہت تشنہ کام ہے
اے حر سکینہ اس مری بیٹی کا نام ہے

۷۹
حر نے کہا کہ اب نہیں میرے جگر میں تاب
رن کی بس اب غلام کو رخصت ملے شتاب
اس صبر کے نثار میں اے ابن بوتراب
ناچار ہو کے شاہ نے اس کو دیا جواب
مقبول حق ہے کون تری عرض رد کرے
جا بھائی تیری خالقِ عالم مدد کرے

۸۰
یہ مژدہ سن کے شاد ہوا حرِ نامدار
روئے امام بیبیاں بھی روئیں زار زار
حضرت کے گرد پھر کے ہوا گھوڑے پر سوار
پہونچا وہ مثلِ شیر یہ میدانِ کارزار
لاکھوں تھے پر بجا نہ کسی کے حواس تھے
آمد کو اس کی دیکھ کے سب بے ہراس تھے

۸۱
اللہ رے اس دلیر کی فرِ شکوہ و شان
کہتا تھا کوئی حر سے مشابہ ہے یہ جوان
ہیبت سے جس کی فوج میں تھا شور الاماں
بولا کوئی یہ شخص کہاں اور حر کہاں
کیا اس قدر فروغ تھا اس کے جمال کا
یہ تو کوئی عزیز ہے زہرا کی آل کا

۸۲
یہ شور سن کے فوج سے حُر نے کیا کلام / مت سمجھو تم عزیز میں ہوں شاہ کا غلام
آقا مرا حسینؑ ہے اور حُر ہے میرا نام / صورت پہ میری کیوں تمھیں حیرت کا ہے مقام
بے وجہ حسن کا نہیں رُخ پر ظہور ہے / اے ساکنانِ شام یہ ایماں کا نور ہے

۸۳
اور دوسرا سبب یہ ہے اے قوم بے وفا / منھ اپنا میں نے شاہ کے قدموں پہ ہے رکھا
واللہ ابن فاطمہؑ ہے نور کبریا / برتر ہو کیوں نہ اس کے غلاموں کا مرتبا
معمور نور حق سے مرا سینہ ہو گیا / تاثیر خاک پا سے دل آئینہ ہو گیا

۸۴
یہ سن کے ابن سعد پکارا بصد ہراس / دشمن سے مل گیا نہ کیا کچھ نمک کا پاس
حُر نے دیا جواب کہ اے مرد بے حواس / رکھتے ہیں پاس دین کو مقدم خدا شناس
کرتا ہے دشمنی تو جنابِ بتول سے / فاسق کے بدلے لڑتا ہے سبطِ رسول سے

۸۵
واللہ گوشوارۂ عرشِ خدا ہے وہ / لاریب پارۂ جگرِ مصطفا ہے وہ
ریحانۂ ریاضِ شہِ لافتا ہے وہ / نورِ دو چشم حضرتِ خیر النسا ہے وہ
مختار ہے جو روضۂ دار السّلام کا / پاس یزید کرتا کہ پاس اس امام کا

۸۶
ہے تجھ کو کر دیا طمع دنیوی نے کور / کھل جائے گا غرور و تکبر میانِ گور
ہوئے گا پاس غیر ندامت نہ زر نہ زور / پاس نمک نہ کرنے کا میرے عبث ہے شور
اب کیا بروزِ پرسشِ اعمال دیکھیو / میرا بھی رتبہ اپنا بھی تو حال دیکھیو

۸۷
یہ سنتے ہی عمر نے کیا فوج سے خطاب / ہاں پہلے مار ڈالو اسے گھیر کر شتاب
چمکا کے حُر نے گھوڑے کو اپنے دیا جواب / تو ہی نکل کے مجھ سے لڑ اے خانماں خراب
تا دیکھیں یہ بھی تیغیں جو مجھ پر بگڑتے ہیں / شبیر کے غلام بھی کس طرح لڑتے ہیں

۸۸
یہ کہہ کے حملہ ور ہوا جوں شیر خشمناک / کتنوں کو مارا خوف سے کتنے ہوئے ہلاک
زخمی ہو لوٹنے لگے کتنے ہوئے بہ خاک / کتنے جو تیر مارتے تھے ان کو تاک تاک
وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے / دہشت سے کھینچ نہ سکتے تھے چلّے کمانوں کے

۸۹
تلوار کھینچے تیر سا جاتا ہے جس طرف / ہو جاتی تھی ادھر کی پراگندہ صف کی صف
نعرہ ہر ایک وار پہ تھا یا شہِ نجف / فرماتا تھا یہ حیدرِ کرّار کا خلف
تحسین کا آسمان و زمیں پر خروش ہے / ایماں کو میرے آج شجاعت کا جوش ہے

۹۰
یاں تو بیاں یہ کرتے تھے حضرت بہ چشم نم / واں اس جری پہ ٹوٹ پڑا لشکرِ ستم
اس نے بھی سر بدن سے کیے سیکڑوں قلم / پر آپ بھی وہ زخمی ہوا سر سے تا قدم
بارانِ تیرِ ظلم سے سب جسم چھن گیا / جانباز کا سمند بھی طاؤس بن گیا

۹۱

رگ رگ سے حُر کی چھٹنے لگی جب لہو کی دھار
غش میں جھکا وہ گھوڑے کی گردن پہ ایک بار
نیزہ کسی نے آکے جو مارا قضا سے کار
تب یا حسینؑ کہہ کے گرا جنت نام دار
یہ سن کے ابرِ غم دلِ سرور پہ چھا گیا
اک آہ کی کہ عرشِ خدا تھرتھرا گیا

۹۲

رہوار سے اُتر کے چلے مضطر و حزیں
رکھا زمیں پہ پاؤں کہیں اور پڑا کہیں
اکبرؑ نے دوڑ کر یہ کہا یا امامِ دیں
جانا مناسب آپ کا اس فوج میں نہیں
تنہا حضور جائیں نہ حُر کی تلاش کو
ہو حکم تو غلام اُٹھا لائے لاش کو

۹۳

شہ نے کہا کہ تم مجھے روکو نہ میری جاں
میرے لئے شہید ہوا میرا میہماں
ملتا ہے دوست خلق میں اس طرح کا کہاں
میرے بغیر اور نہیں کوئی اُس کا یاں
رخصت کو اس غریب کی جانا ضرور ہے
مہماں کو گلے سے لگانا ضرور ہے

۹۴

بیٹا میں کیا بیان کروں حُر کا مرتبا
لاشے پہ اُس کے آئے ہیں پیغمبرِ خدا
رو رو گلے لگاتے ہیں شفقت سے مرتضیٰ
ہمت کی اُس کے کرتے ہیں تعریف مجتبیٰ
عزت یہ کس شہید کی دنیا میں ہوتی ہے
ماں میری حُر کے واسطے مقتل میں روتی ہے

۹۵

یہ کہہ کے لاش پر گئے حُر کی بہ چشمِ تر
وہ زخمی لوٹتا تھا پڑا ریگِ گرم پر
اُس سے لپٹ کے رونے لگے شاہِ بحر و بر
زانوں پہ اپنے رکھ لیا شفقت سے اُس کا سر
تہ جم گئی تھی چہرے پہ اُسکے جو خاک کی
حضرت نے آستینِ مبارک سے پاک کی

۹۶

منہ اُس کا دیکھ دیکھ کے اس طرح روتے تھے
روتا ہے جس طرح کوئی فرزند کے لئے
اشکِ امام حُر کے جو رخسار پر گرے
تب اس نے آنکھیں کھول کے کی عرض شاہ سے
آغوش میں لیے ہوئے حضرت جو روتے ہیں
واللہ ٹکڑے میرے کلیجے کے ہوتے ہیں

۹۷

اس بندہ پروری پہ ہوں سو جان سے فدا
شفقت وہ مجھ پہ کی کہ نہیں جس کی انتہا
تشریف لائے آپ خوشا میرا مرتبا
ممتاز اس غلام کو کونین میں کیا
لغزش میں تھا قدم مرا لیکن سنبھل گیا
بیڑا مرا تباہی سے باہر نکل گیا

۹۸

زخمی ہوں تیغ و تیر سے میں سر سے تا قدم
کس طرح اُٹھ کے گرد پھروں یا شہِ اُمم
کہنے لگے یہ تب شہِ بے کس بہ چشمِ نم
واللہ تو تو زخمی ہے اور ہے مجھے اَلم
کوئی نہ بچ رہے گا حسینی سپاہ میں
ہم سب شریکِ درد ہیں خالق کی راہ میں

۹۹

مجروح جس طرح سے ہوا ہے ترا بدن
تلواریں یوں ہی کھائے گا لختِ دلِ حسنؑ
جس طرح ہاتھ کٹ گئے ہیں تیرے تیغ زن
بے دست یوں ہی ہوئے گا عباسؑ صف شکن
زخمِ سناں ہے تیرے دلِ دردناک پہ
زخمی ہو یوں ہی تڑپے گا اکبرؑ بھی خاک پر

۱۰۰

جس طرح تیر ظلم ہے تیرے گلے کے پار
مجروح یوں ہی ہوگا مرا طفل شیر خوار
بعد اُس کے مجھ کو زخمی کریں گے ستم شعار
جس دم گروں گا گھوڑے سے با چشم زخم دار
مارے گا کوئی برچھی کوئی تلوار مارے گا
چھاتی پہ چڑھ کے شمر مرا سر اُتارے گا

۱۰۱

زخمی جو تو ہوا تو میں آیا ترے قریں
آغوش میں لیا تجھے با خاطرِ حزیں
زانوں پہ تیرا سر رکھا اے حرؔ بایقیں
لیکن چلے گی جب مری گردن پہ تیغ کیں
حرؔ پاس دبے کسی نہ کوئی پاس ہوئے گا
زانوں پہ رکھ سر کو مرے کون روئے گا

۱۰۲

ہوئے گا سوئے خلد رواں جب تو نیک نام
لے جاؤں گا میں لاش تری تا درِ خیام
پر اپنی بے کسی کو کہوں کیا میں تشنہ کام
روندیں گے میری لاش کو گھوڑوں سے اہل شام
بعد فنا بھی ہوئیں گے رنج و محن مجھے
چالیس دن تلک نہ ملے گا کفن مجھے

۱۰۳

شہ نے جو حُر سے اپنی مصیبت یہ کی بیاں
اُس باوفا کی آنکھ سے آنسو ہوئے رواں
قدموں سے شہ کے ملنے لگا چشم خوں فشاں
ہچکی جو آئی موت کی غازی کو ناگہاں
آنکھیں پھرائیں زیست کا نقشہ بدل گیا
حسرت سے دیکھا شاہ کو اور دم نکل گیا

۱۰۴

جس بے کسی سے روتے تھے حر کو شہِ اُمم
کس دل میں تاب ہے جو بیاں کر سکے وہ غم
دریا اگر مداد اور اشجار ہوں قلم
یہ غم وہ ہے انیسؔ کہ ہرگز نہ ہو رقم
کیا کچھ نہ کہتے جائیں گے کیا کچھ کہا نہیں
سچ ہے غم حسین کی کچھ انتہا نہیں

رباعی

جبریل امیں کو فخر دربانی ہے
حضرت کا غبار قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

رباعی

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوش بو ہو جائے
عطر عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیم زلف ہم شکل رسولؐ
آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

رباعی

مظلوم نہ شاہ بحر و بر سا ہوگا
سینہ تیروں کا یوں کسی پر برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں کر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

رباعی

میزان کرم میں جرم تل جاتے ہیں
فردوس میں مثل بوئے گل جاتے ہیں
انگشت علیؑ سے باب خیبر کی طرح
عقدے جو ہزار دل ہوں تو کھل جاتے ہیں

مرثیہ

۱

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
گلزار شب خزاں ہوئی آئی بہارِ صبح
سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

۲

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم
وہ آب و تاب نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۳

وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۴

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

۵

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

۶

وہ پھولنا شفق کا وہ مینا لئے لاجورد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۷

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

۸

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفان آب تیغ اٹھا تھا فرات پر

۹

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
وہ بوریاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر
لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ بے شیر کے لئے

۱۰

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دم لیں گے جسم شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خون بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

۱۱

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
حلقے میں اہلِ بیتؑ کے روتے تھے یاں امام
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ امام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہؑ کے ہاتھ تھے

۱۲

زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

۱۳

زینبؑ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
یاد آ گیا حسینؑ کو اُس وقت ماں کا پیار
فرمایا اے بہن تری الفت کے میں نثار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھینا حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے

۱۴

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم
حلق اپنی زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم
اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

۱۵

یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ تر
زینبؑ خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

۱۶

فرما کے یہ سکینہؑ کے منہ پر نگاہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسار شاہ کی
گودی میں لے لیا اسے اور دل سے آہ کی
سمجھی ہیں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

۱۷

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آیئے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ پھر پایئے گا آپ
چھاتی پہ سونے والے کو تڑپایئے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جایئے گا آپ
فرقت میں مجھکو جی سے گذرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

۱۸

منہ چوم کر یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال
صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
کیوں کر نہ روؤں میں کہ قلق ہے تجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

۱۹

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ
سوکھی زباں دکھا کے یہ شبیر کو رلاؤ
ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اُٹھاؤ
حق سے کہو قبول کے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

۲۰

ناچار شہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ حور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

۲۱

حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس و جاں
فاقوں میں باحواس لڑائی میں مطمئن
کوئی جواں کوئی متوسط کوئی مسن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسینؑ پہ رن میں تو عید ہو

۲۲

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو اُلٹ دیں زمین کو

۲۳

تھے اِک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
جاں باز سرفروش بہادر وفا شعار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسفؑ بھی بے قرار
ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہرچند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

۲۴

خُلق و مروّت حسنیؑ اُن پہ ختم تھی
زور اِن پہ ختم تیغ زنی ان پہ ختم تھی
حسن اُن پہ ختم گل بدنی اُن پہ ختم تھی
ہر معرکے میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشہ کے شیر تھے

۲۵

اُن سب گلوں میں اک علیؑ اکبر سا گل بدن
رخسار سے بہم تھے جو گیسو لٹے پُرشکن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
حیراں تھے سب کہ مل گئے کیوں کر حلب ختن
سرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

۲۶

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بہ دم
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
عرصہ ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

۲۷

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
جی بھر کے دیکھ لوں علیؑ اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیر دل کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

۲۸

قربان احتشام علمدار حق پژوہ
لرزاں تھا جس جری کے تور سے دشت کوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ
حمزہ کا دبدبہ اسداللہ کا شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے

۲۹

اک سو چراغ محفل تیغ تھا جلوہ گر
روشن تھے جن کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
تن تن کے جھومتا تھا مگر نخلِ شبیر ز
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

۳۰

تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اِس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
اختر کی ضَو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

۳۱

تھے پہلوئے حسینؑ میں زینبؑ کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ پیچے نظر آتے تھے دو ہلال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

۳۲

دونوں یتیم حضرتِ مسلمؑ تھے کیا عقیل
حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اِسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

۳۳

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
یہ ظلم اِک غریب پہ بے کس پہ یہ جفا
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جُدا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش ابھی تک گڑی نہیں

۳۴

اِس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ روسیاہ
ہمارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منت پہ اُن غریبوں کے مطلق نہ کی نگاہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگ دل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دودَم کریں
ہم نیچوں سے ہاتھوں کو اس کے قلم کریں

۳۵

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
آگے بڑھے علم لیے عباسؑ نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ امم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

۳۶

اللہ رے فیض جلوۂ ابنِ شہِ نجف
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف
بس یک بیک بجا دُہلِ جنگ اس طرف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے
تیرِ ستم کمانوں کے چلّوں سے ہل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
بے جان ہو گئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقاء کا ہوا بہ خیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے

راہی سوئے عدم ہوئے جب دم وہ بے پدر
مانندِ شیرِ حق کئے حملے اِدھر اُدھر
الٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباسِ نامور
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے

دوڑے حسین جانبِ مقتل بہ اشک و آہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال
جاری ہیں اشک خوں مرے چشم پُر آب سے

گھر لُٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے

۳۷
چلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا

۳۸
یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سریر
ہاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

۳۹
تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اس میں کوئی غیر
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پوتے عقیل کے

۴۰
نکلے وغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
کٹ کٹ کے پنجوں سے گرے سرکشوں کے سر
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

۴۱
لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہ بحر و بر
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

۴۲
آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
سر پیٹے اہلِ بیتِ رسولِ فلک پناہ
چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۴۳
غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
ہم شکلِ مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

۴۴
قاسم کو اپنے پاس بلایا بہ صد ملال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

۴۵
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
منہ دیکھتے ہو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

۴۶

سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
باقی ہے کون اکبرؑ و عباسؑ کے سوا
سر ان کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

۴۷

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
جلدی دلہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمھیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

۴۸

مادر کے منھ کو دیکھ کے بولا وہ گل عذار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کارزار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

۴۹

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
اماں مزارِ کشتۂ سم کی ہمیں قسم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
رن پر قدم ہے اب کوئی دم میں سوئے عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عباس ہوں کہ اکبر عالی وقار ہوں

۵۰

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دلھن کے پاس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اُداس
سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزا خانہ ہو گیا

۵۱

کس سے کہیں جو حال دل دردناک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبیؐ کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امام حجاز پر

۵۲

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؑ سے ہم بتولؑ سے تم سرخرو رہو

۵۳

واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور
اکبر خدانخواستہ مارے گئے اگر
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا چلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے

۵۴

سونچو تمھیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
رخصت کرو تو فوج ستم سے وغا کریں
فریادِ فاطمہؑ کی صدائیں سنا کریں
کھولو جو لعل لب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

۵۵

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے دفور
نرگس کے پھول ہاتھ سے ملنا یہ کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

۵۶

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حیات
ایسی رواروی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پُرخطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو

۵۷

اک دم کی بھی نہیں تو جدائی ہے تم سے شاق
کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل بگڑ کے گریباں سوئے عراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوں ہی رہو گی تنِ پاش پاش پر
کیا بین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر

۵۸

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منھ پر دُلھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

۵۹

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسینؑ سے تم
سوؤ گے منھ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلہن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیئے
اے شمع بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیئے

۶۰

فرمایا کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
نہ باپ کی نہ بھائی کی اور نہ چچا کی آس
مہماں ہیں جہاں میں کوئی دم کے حق شناس
سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو نصیب ہمارے اُلٹ گئے

۶۱

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
بنھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

۶۲

باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بہ حالِ زار
ہل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گل عذار
موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

۶۳

فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسن
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دُلہن
اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیبیو زنِ بیوہ کے لال کی

۶۴
جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
تو میں نے دودھ بخش دیا سب رہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیٔ الٰہ
پُچھے نہ اب کوئی کہ دُلہن کی عزیز ہوں
کل تک کی ساس آج سے اسکی کنیز ہوں

۶۵
جب خیمۂ حسین سے نکلا حسن کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوشخصال
دیجیے رضائے حرب مجھے بہر ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ روکیو
شبر نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

۶۶
لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے تمھارا داغ بھی دلبر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہردم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

۶۷
یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے شاہ اور شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
تسلیم کرکے قاسمِ گل رُو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

۶۸
پہونچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رخِ پُرآب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

۶۹
کیوں وصفِ لعل لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قند مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چھپائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیئے آبِ عقیق سے

۷۰
دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب
بتیس موتیوں کی یہ قرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر

۷۱
ناگاہ رجز پڑھنے لگے قاسمِ جری
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری
ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب میں تیغہ خاص و عام کا
سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

۷۲
جد ہے مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف
فخرِ تمام دیں معینِ رسولاں با سلف
دادی جناب فاطمۂ زہرا سی ذی شرف
عمو حسین صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنؑ خوش خصال ہوں
زہر سے جو شہید ہوا اسکا لال ہوں

٧٣

اس کا پسر ہوں اے سپہ مغرورِ روم و شام
واللہ اس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
گلزارِ فاطمہؑ کا کا ہے جو سرو سبزہ فام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اُسکی ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی

٧٤

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دو دم چلے
تیر و سناں و نیزۂ و خنجر بہم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

٧٥

ڈھالیں اٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اتر گئے

٧٦

تھا ابنِ سعدِ شوم کو اس دم بہت ہراس
اس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
غرقِ سلاح ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اسکو اُٹھا لے سمند سے

٧٧

کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف
تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یاں تب لڑوں اگر علی آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

٧٨

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگِ جدال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خرد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کے چار دل دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

٧٩

لکھا ہے چار تھے پسرِ ازرقِ پلید
بولا یہ ان کو دیکھ کے وہ پیروِ یزید
دشمن تو آلِ پاک کے شیطان کے مرید
ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
رلواؤ قبر میں حسنِ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسولؐ کو

٨٠

یہ چاند مجتبیٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ
تلواریں یارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جب دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجو تمھیں میرِ شام کو

٨١

نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک یل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
ہاں اے حسنؑ کے لال خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نامِ شہِ ذوالفقار لے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

۸۲

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظ کردگار
امداد وقت جنگ ہے شیروں کو ناگوار
او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

۸۳

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
تھا بس کہ تیز دستِ حسن کا مہ منیر
چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

۸۴

اک ہاتھ میں گرے جو کٹے دستِ نابکار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑا خطا شعار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
بڑھ کر کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چھپ گئی تودوں میں خاک کے

۸۵

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں
بچتی ہے کب خدنگ اجل سے کسی کی جاں
قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا و ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

۸۶

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور خشمگیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اس کے تیغ بکف تین سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

۸۷

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سن کے اس نے ڈھال کو چہرے پہ کر لیا
پتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا

۸۸

بے کار ہو کے کور ہوا جب وہ خیرہ سر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر
پنجے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
جا تو بھی ہے برادرِ لعیں ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

۸۹

چھٹا برادرِ سوم اس کا بہ کرّ و فر
یاں بہرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تانے ہوئے وہ گرز گراں سر کہ الحذر
تیغِ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اڑا دے چنار کو

۹۰

مرتے ہی اس کی فوج کے جو تھا پسر بڑھا
سنتے ہی یہ وہ تیغ دو دم کھینچ کر بڑھا
قاسم پکارے او دلِ خود سر کدھر بڑھا
جھنجھلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نشانہ تھا

۹۱
بے جان ہو گئے نبرد میں بیٹے جو اس کے چار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
شکلِ تنور منھ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو شکلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

۹۲
شانے پہ تھی شقی کے وہ دو مُنا تنگ کی کماں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
لپٹی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
جکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال میں

۹۳
آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام
عباس نام ور سے یہ رو کر کیا کلام
آیا سوئے یتیم حسن موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اُتار کے

۹۴
یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ کائنات
درگاہِ کبریا میں دُعا کی اُٹھا کے ہات
ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

۹۵
فضہ پکاری خیمے میں آکر بچشمِ تر
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعون و خیرہ سر
لوگو تمھیں یتیم حسن کی بھی ہے خبر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں

۹۶
نکلا یہ سب کے منھ سے کہ ہے ہے حسن کا لال
سینے سے ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
زینب نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
چلّائی ماں گزر گیا کیا میرا نونہال
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منھ زرد ہو گیا

۹۷
چلّائی رو کے زوجۂ عباسِ نوجواں
سن کر یہ غل دلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں
یارب ہے تو یتیم حسنؑ کا نگاہباں
لے کر بلائیں ساس پکاری کی میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولھا پہ آ بنی ہے میں صدقے دعا کرو

۹۸
اس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِّ ذوالمنن
زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رو دُلہن
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

۹۹
یارب دُلہن بنے مجھے گزری ہے ایک شب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھکو اُٹھا لے تو خوب ہے

بعد ان کے ہوگا خلق میں کیونکر نباہ

۱۰۰

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یا کہ بیاہ
جو آگیا پیام رنڈاپے کا یا اللہ
بعد ان کے خلق میں ہوگا کیوں کر نباہ
اٹھوں جہاں سے دلبر شبیر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

۱۰۱

فوجیں ادھر دغا کی چلیں سوئے آسماں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
بل کھا کے اس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں
ہے اسکی نوک ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سر پہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

۱۰۲

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سر بلند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

۱۰۳

کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل
جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوئے جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

۱۰۴

یہ گرز شل راہ سقر ہے ترے لئے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے
دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لئے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغ دو دم تجھے

۱۰۵

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقت دار و گیر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آ ہوش میں کہ تجکو سیاہی دبائے ہے

۱۰۶

گو اسلحہ ہے زیور مردان سپہ گذار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغ آب دار
سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر و دار
لادے ہوئے ہے تن یہ عبث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے

۱۰۷

بیٹوں کے غم نے کر دیئے مختل ترے حواس
فاقہ ہے ہم یہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
کم ہیں جو نور عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا خجلت سے کہ منھ کو چھپائے ہے

۱۰۸

آگے ہمارے دعوئ جرأت خدا کی شان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں
گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
لے دیکھ کہ اسکا ابھی ہو جائے امتحاں
ہیں خیر شیر خوار جناب امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

۱۰۹

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار
مرحب سا پہلوان نہ بچا وقت کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش اور زبوں شعار
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

۱۱۰

قایل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
تر کر دیا اسے عرقِ انفعال نے
برچھا اٹھایا ہاتھ میں اس بد خصال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباس نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

۱۱۱

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
رہیے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا صدقے ہیں تری ہمت کے اے غیور
دشمن کے پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

۱۱۲

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار
ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بدمزاج ہو پٹری جمی رہے

۱۱۳

فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری
دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدل کی بگدھری
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہیں چوٹیں کڑی رہیں

۱۱۴

بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے علی کا زور
گو پیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور
دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور شور
چلتے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

۱۱۵

سنکر صدا یہ شیر پکارا وہ بزدلا
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ دغا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباسؑ نے کہا
بس ہے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

۱۱۶

نیزہ جما کے جانب قاسم بڑھا وہ پیل
دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بچے اسد ذوالجلال کے
پھینکو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷

یہ کہہ کے اپنے نیزے پہ چھوٹی سی دی ٹکان
آئی چمک کے برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

۱۱۸
قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آ بنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس کمان سے
گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

۱۱۹
جھلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰
نکلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب
چلّے میں لی کمانِ کیانی بہ صد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اتر گیا

۱۲۱
بولے یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن
رخ پھیر لو نہ او ستم ایجاد پیل تن
چلّائے بڑھ کے حضرتِ عباس صف شکن
کیا تجھکو خوب یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو

۱۲۲
کند و گذار تیر نظر پر بھی کی نظر
ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
شیروں کے کاٹ ڈالے ہیں، رو میں تنوں کے سر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

۱۲۳
دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر
چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسن کے لال بدخشاں بدہ بگیر
نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

۱۲۴
مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
آنکھیں ابل پڑیں صفتِ آہوئے ختن
مارے زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
چلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
سینچیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

۱۲۵
فرفر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے زف زف یہ باد پا
دشمن کو گھورتا ہے دہانا چبا چبا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑتے بخاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶
چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھما اڑا
صورت بنائی جست کی سمٹا جما اڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اڑا
شل سمند بادِ شمال، اللّٰہ اڑا
جن تھا پری تھا، تیر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۷

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
بجنے لگے فلک کے دریچوں سے سب تنک
اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تا سمک
چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

۱۲۸

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلا کے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیٔ حسد
کہتا تھا بازوئے شہ دیں یا علیؑ مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

۱۲۹

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بد خصال
جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بہ صد جلال
اتنے بڑھے کہ اڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ گئی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

۱۳۰

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا ابھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا اگر یہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

۱۳۱

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا رذیل کو
بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
لوگو ہنسو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے پہ کیا ہوا

۱۳۲

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

۱۳۳

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد
ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر وان یکاد
چلائی دور سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسین پر
اسپند کوئی کر دے مرے نور عین پر

۱۳۴

عباس نامدار تو سنتے چلے ادھر
یعنی خوشی کی جا کے شہ دیں کو دوں خبر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر
یاں اس پہ یہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہل شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

۱۳۵

کیونکر تمام فوج سے یہ تشنہ لب لڑے
اک اک لڑا نہ آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثل امیر عرب لڑے
جانبازیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زور جوانی دکھا دیا

۱۳۶
للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
بجلی گری اُدھر یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے
صف کو بھگا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

۱۳۷
کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
پھر دست جیب میں تیغ و سپر کو بہم لیا
دست یمیں سے جنگ امامِ اُمم لیا
تیورا کے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

۱۳۸
آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد روسیاہ
روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو

۱۳۹
تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
پڑتی تھیں وہ قریب سے سب ناتوان پر
حملہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

۱۴۰
غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسین بچاؤ غلام کو

۱۴۱
سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسِ باوفا
دوڑے حسین جانبِ مقتل برہنہ پا
تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلائی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی

۱۴۲
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
اس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوئے یسار
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
بھاگے بھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

۱۴۳
دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
بے جاں ہوا حسین کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخواں تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشاں تھے

۱۴۴
ڈیوڑھی پہ لاش لائے جو سلطانِ بحر و بر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر
پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
چادر کمر کی تھامے تھے عباس نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئی
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی

۱۴۵

لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہ کربلا
فضہ بھی آگئے آگے کھلے سر برہنہ پا
دوڑے ادھر سے بیٹی ناموس مصطفا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو!
دولہا دلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

۱۴۶

بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل نبی پہ آئیں
رخصت ہوں جلد تاکہ براتی بھی چین پائیں
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دلہن کو لائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو دلہن کے نکالے جہیز کو

۱۴۷

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
پہنچے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
دولہا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو
سند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

۱۴۸

یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

۱۴۹

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
آکر قریب صحن پکاری بہ چشم تر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
اے بیبیو کسی کو دلہن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپھی جہان سے بجرا گذر گئیں

۱۵۰

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بیٹی لٹے گی اس کی ہمیں تھی نہ کچھ خبر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

۱۵۱

حضرت یہ سن کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
چادر سپید اڑھا کے دلہن کو بہ حال زار
پہنچی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
گودی میں لائے زینب غمگین و سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو دلہن آئی ہے لاش پر

۱۵۲

صدقے گئی بچی کو نہ ہوئے کہیں ملال
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال
کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

۱۵۳

جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
میرا قصور عفو ہے اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

۱۵۴

اے پارۂ دلِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب کو جہاں سے چین
بیوہ کو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑو دلہن کی لاش پہ رونے کے واسطے
دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

۱۵۵

صاحب بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں
بے کس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں
دولھا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

۱۵۶

کیوں رونے والو سنتے ہو آواز شور و شین
اس بزمِ پاک میں ہیں نہاں نوحہ گر حسینؑ
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبیرؑ کو بھی قلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
پُرسا دو تم حسینؑ کو بھی اور حسنؑ کو بھی

۱۵۷

لکھے انیسؔ میں نے بہ سرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
اس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو یہ سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

سلام

خیال چہرۂ شہ، وقتِ خواب رہتا ہے
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے

خدا کا قہر نبی کا عتاب رہتا ہے
عدوِ علیؑ کا ہمیشہ خراب رہتا ہے

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ اے زاہد!
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے

جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم
مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے

زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی
خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے

کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
سیاق داں سے حساب و کتاب رہتا ہے

لگا کے آتشِ قلب و جگر کو اشک نکل
دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بھری ہو کون سی یارب دلِ انیسؔ میں حب
کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہے

رباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمر آخر ہے انیسؔ
اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدرؑ فرات پر
صدمہ عجب ہے بادشہ کائنات پر
طاری ہے مرگ خوف ہر اک ذی حیات پر
آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے وہ جو قبر علیؑ کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

۲

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہے ضبط آہ
کیا مرحلہ ہے صعب یہ کیوں کر کٹے گی راہ
فرماتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا اللہ
بھائی مرا یہی ہے یہی لشکر یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغ علی کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

۳

دوری کا غم ہے کیوں نہ ہیں اشک متصل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ درد جاں گسل
پالا ہے بر میں آہ تجھے کس طرح سے دل
اے موت آکہ روح علی تو نہ ہو خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اُٹھایا نہ جائے گا

۴

یہ نوجواں بضاعت حیدرؑ ہے یا کریم
پیارا پسر بھی یہ برادر ہے یا کریم
حمزہ مرا یہی یہی جعفر ہے یا کریم
یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یا کریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جانتا ہوں شیر خدا میرے ساتھ ہیں

۵

زینب کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا
سہرا دکھا کے قاسمؑ بے پر بچھڑ گیا
پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکہ میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبط نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو

۶

حضرت ادھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہ بہ چشم تر
عباسؑ بیبیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
فرماتے ہیں بھتیجی کا منھ چوم چوم کر
پہلے تھا ذکر آب لشکر کے واسطے
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

۷

کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ فام
اصغر کو لے کے ہاتھوں پہ بانو لے نیک نام
اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقت کلام
فرماتی ہیں کہ مرتا ہے ہے ہے یہ تشنہ کام
دکھلاؤ اس کا حال شہ نامدار کو
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیر خوار کو

۸

کرتے ہیں عرض حضرت عباسؑ نامدار
پر کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہ ذی وقار
بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
جائے پسر کو لے کے وہاں پھر کا رزار
رخصت میں سعی کیجیے کہ ہو نام آپ کا
وہ کام ہے غلام کا یہ کام آپ کا

۹

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ حال
جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساءؑ کا لال
کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہ خوش خصال
بانو نے مرتضیٰ کی کمائی کو کھو دیا
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا

۱۰

زینبؑ یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا
کیوں کر دلادے بھائی سے ان کو کوئی رضا
تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
موقع نہ سعی کا ہے یہ مشکلکشائی کا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

۱۱

کہنے لگی یہ زوجۂ عباس خوش صفات
مشکیزہ لے کے اب یہ نہ جائیں سوئے فرات
بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
پھر ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گار خیر ہوں
آگے جو کچھ سبھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

۱۲

جس جا حسینؑ بیٹھے تھے عریاں سر گئے
کی عرض تا کجا کوئی خونِ جگر پیے
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لئے
پانی نہر سے آئے تو یہ جاں بہ لب جیے
ہچکی لگی ہے اصغرِ ناشاد کام کو
مولا بس اب نہ رد کئے اپنے غلام کو

۱۳

فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
اچھا سکینہ جس میں خوشی تم ہمیں رلاؤ
مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھو دو گی
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو رو دو گی

۱۴

انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے
خیر اب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے
یہ اودے اودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
دولت ولیِ حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو رکھے
دریا کا معرکہ ہے خدا آبرو رکھے

۱۵

گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
اصغر کو لائیں گود میں جب بانوئے حزیں
پوچھیں حضور میں نے کچھ ان سے کہا نہیں
ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امامِ دیں
مجرم جو لب پہ حرفِ شکایت بھی آتے ہوں
لیجے قسم زباں کے جو کانٹے دکھاتے ہوں

۱۶

یہ سن کے گود میں لیا اُس تشنہ کام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
عباس خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہراؑ کے جائے کی
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

۱۷

بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیرِ ژیاں چلا
چلّائے اہلِ بیت کہ راحت رساں چلا
غل پڑ گیا کہ یاورِ شاہِ زماں چلا
لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
ہے ہے حسینؑ بے کس و بے یار ہو گئے

۱۸

اللہ رے رعب آمدِ عباسؑ عرش قدر
غل ہے قریب تر ہے سپہرِ وغا کا بدر
سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں میں صدر
زہرا ہے آب گھات سے بھاگے ہیں اہلِ غدر
آتا ہے ابنِ ضیغمِ یزداں لڑائی کو
شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

۱۹

لشکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس
وہ دور دور سب ہیں صفیں تھیں جو پاس پاس
ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے نہیں حواس
آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں
گھوڑے بھگاؤ حضرت عباس آتے ہیں

۲۰

وہ عازمِ وغا ہے جو شیر دِل کا شیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے
روتا ہے مِل کے بھائی سے بھائی یہ دیر ہے
جرّار ہے شجاعِ جہاں ہے دلیر ہے
لرزہ ہے ان کے تن میں جو مردِ نبرد ہیں
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

۲۱

رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میانِ فوج
مانند پیر کانپ رہے ہیں جوانِ فوج
دامن لپیٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج
رایت تمام خوف سے تھرائے جاتے ہیں
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں

۲۲

نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم
نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
پنجے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بہ دم
ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے
صحرا زمردی ہے پھریرے کے رنگ سے

۲۳

وہ ضو علم کی وہ رخِ عباس نام ور
پنجہ ادھر علم کا رُخِ پر ضیا ادھر
رکھے تھا ہاتھ چہرے پہ خورشید خیرہ سر
دو نور سرمدی تہ و بالا تھے جلوہ گر
یکتا وہ زرق برق میں یہ آب و تاب میں
تھا فرق ایک نیزے کا دو آفتاب میں

۲۴

پنجے سے نورِ پنجتنی آشکار ہے
دامن بھی ابرِ رحمتِ پروردگار ہے
پرچم پہ طرّۂ سرِ حوراں نثار ہے
پہونچا جو اس کے سایے میں وہ رستگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے
طوبیٰ نہال ہو اگر اس کی ہوا لگے

۲۵

ناگاہ غل ہوا فرسِ تیز گام لاؤ
ہاں رخشِ تیز رو کو بہ صد اہتمام لاؤ
آیا علیؑ کا سروِ رواں خوش خرام لاؤ
اسپِ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
ہے انتظار ابرشِ آہو شکار کا
جلدی سوار ہوئے گا دلدل سوار کا

۲۶

آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے
سرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر
سُم تھے زمین پر تو دماغ آسمان پر

۲۷

وہ تھوتھنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
کیلیں نجوم نعل ہلال اور سُم قمر
وہ انکھڑیاں خجل ہو ہرن جن کو دیکھ کر
باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
کھائی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
غصہ تھا یہ کہ تنگ ہے وسعت جہان کی

۲۸

دلدل نژاد برق تجلی براق سیر
دریا میں موج دشت میں آہو ہوا میں طیر
اسوار دم دلا سے ہے گر پھیر لے تو خیر
گر سانس لی تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
سرعت غضب ہے گو کہ وہ بے آب و دانہ ہے
اس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

۲۹

سائے کا اُس کے دھوپ میں سرعت سے تھا یہ حال
وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گہ بر میں گاہ بحر میں گاہے سوئے خیال
گم کردہ آشیاں تھا عقاب کشادہ بال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا

۳۰

وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ
سو حسن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
جب جا ہو سیر عالم امکان کی کر آؤ
تازی ہو روح پاؤ قدم میں وہ لطف پاؤ
رفتن میں لیست حوصلہ کبک دری کا تھا
چھل بل ہرن کی تھی تو جھمکڑا پری کا تھا

۳۱

لو اب سوار ہوتے ہیں عباسؑ نامور
لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو ہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا عیال پر
لو آفتاب خانۂ زیں پر ہے جلوہ گر
برچھا لیا سمند کو رانوں میں داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

۳۲

بڑھنے میں حرف ہاں جو دہن سے نکل گیا
وحشی غزال دشت ختن سے نکل گیا
لشکر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
طاؤس کیا برق بھی تھرا کے رہ گئی
پچھلے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

۳۳

گھوڑا اُڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد
بوئے چمن تھی یا قدم باد پا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرق ثریا تری کی گرد
اڑ کر سپہر فلک پہ گئی کربلا کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر

۳۴

شوکت وہ اس فرس کی وہ عباسؑ کی نمود
پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود
کیا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے
یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

۳۵

پیدا تھا شکل حیدر کرار رعب حق
چمکا جو نور عرش بنا خاک کا طبق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق
ازبر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
موتی کی آگے دانتوں کے کچھ آبرو نہ تھی
سورہ تھا نور کا وہ بیاض گلو نہ تھی

۳۶

وہ کار خیر شغل رہا جن سے روز و شب
ساعد تھے صاف ساعد پُر نور شیر رب
بازو وہ جن میں قوت دست خدا تھی سب
شانے وہ جن میں شان نشان شہ عرب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھرا رہا
سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

۳۷

شان و شکوہ و صولت و عدل و نہیب و داد
اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد
اشفاق و رحم و دوستی و خلق و جود و داد
خوف و رجا و آرزو و مطلب و مراد
اندوہ و درد و رنج و مطیعان نویں تھے
سب غاشیہ بدوش فرس کی جلو میں تھے

۳۸

شوکت کا قول تھا کہ مطیع جناب ہوں
کشتی تھی فتح خاک در بوتراب ہوں
نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں
دعویٰ تھا قہر کو کہ علی کا عتاب ہوں
فاقے سے تھے پہ صبر بھی منہ موڑتا نہ تھا
ہر گام پر ثبات قدم چھوڑتا نہ تھا

۳۹

تلوار وہ ہلال کہ جس کو دیکھ کر
تھی کہکشاں کمند عدو بند شیر نر
مہتاب آسمان ظفر آہنی ظفر
خود آفتاب تھا تو جبین مبین بدر
رخ پر عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے
حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

۴۰

نیزے کی نوک سے جگر آفتاب خون
سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں
ابروئے حور فتح و ظفر تھا کماں کا نون
تھا ماہ نو بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں
دہشت سے گوشہ گیر پریشان شام تھے
ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

۴۱

نیزہ زمیں پہ گاڑ کے گونجا جو شیر نر
چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعر تر
جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبان ناطقہ الحق ہی لال ہے
لاریب فیہ مصحف ناطق کا لال ہے

۴۲

نعرہ یہ تھا کہ گوہر برج شرف ہوں میں
فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
فخر سلف جو شاہ ہے اس کا خلف ہوں میں
اللہ و پنجتن ہیں جدھر اس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا
پیرو ہوں بادشاہ ہدایت پناہ کا

۴۳

حیدر کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے
جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جبرئیل کے بھی تین پر کٹے
پر یوں کٹے کہ تیغ سے جیسے سپر کٹے
ضربت کا حال عمرو دلاور سے پوچھیے
حیدر کا زور مرحب و عنتر سے پوچھیے

۴۴

بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں
سقائے اہل بیت رسول انام ہوں
شمشیر کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں شہ دیں کا غلام ہوں
سینہ پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا
یہ مشک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

۴۵

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و دانہ سب
لیکن قریب مرگ ہیں دو طفل تشنہ لب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب
کچھ مصطفیٰ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گذر گئے
کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

۴۶

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو
بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو
تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہے ظالمو
آثار مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمھارے زعم میں تقصیر وار ہیں
پر ان کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

۴۷

یہ دھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن
مرجھا گیا ہے احمد مختار کا چمن
پانی بغیر اب نہ جئیں گے وہ گل بدن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
نیلے ہیں ہونٹ بھوک سے رخسار زرد ہیں

۴۸

چلّایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
دیں گے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب
پھر کس لئے ہے بیعتِ حاکم سے اجتناب
خیمے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا
جز آبِ تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

۴۹

ایسا سخن کبھی جو سُنا تھا نہ کان سے
جھوما فرس پہ جب شہِ مرداں کی شان سے
برچھی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
بس خود بخود اُگلنے لگی تیغ میان سے
نعرہ کیا کہ او سگِ ناپاک دور ہو
یہ کیا سخن ہے منھ میں ترے خاک دور ہو

۵۰

حجت تمام کرنے کے خاطر تھے یہ کلام
سوکھی زبان کو جو ہلا دے وہ تشنہ کام
ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
حاضر ابھی ہوں چشمۂ کوثر کے لاکھ جام
قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو

۵۱

کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہؑ کا تو
سردار بردبار نکوکار نیک خو
عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
ان کا عدو خدا و پیمبر کا ہے عدو
جاری ہے فیض فاطمہؑ کے نورِعین کا
غاصب ہے تو یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا

۵۲

یہ کہہ کے لی نیام سے تیغ شرر فشاں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظِ جہاں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخِ آسماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
غل تھا کہ فوجِ شام کا دفتر اُلٹ گیا

۵۳

بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار
زیرِ زمیں تو گاؤ زمیں کو نہ تھا قرار
پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
تھرا رہا تھا ثورِ فلک وقتِ گیر و دار
غل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
جبریلؑ کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے

۵۴

اقبال تندرستی و آسائش و قرار
حلم و سکون راحت و آرام و اختیار
امن و امان صبر و توانائی و وقار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
آتا ہے قہرِ حق انھیں معلوم ہو گئے
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

۵۵

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغِ اجل چلو
دب کر صدا غرور نے دی سر کے بھل چلو
ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دریا بہے گا خوں کا کنارے فرات کے
دم بھر میں بند ہوویں گے کوچے نجات کے

۵۶

ڈھالوں سے شامیوں کے ادھر چھا گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ سر ما گئی گھٹا
دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
باران تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوج عدو روندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

۵۷

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی وار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اس کا گھاٹ کنارہ تھا گور کا

۵۸

ہر دم تھی معرکہ میں اجل اس کے دم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح و خم کے ساتھ
گرتا تھا خود کٹ کے برابر جھلم کے ساتھ
جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکہ درم کے ساتھ
ہر دل پہ اس کی شان و جلالت کا نقش تھا
تمغہ نہ کہیے آیۂ نصرت کا نقش تھا

۵۹

بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی تاب
جوہر میں آبرو میں اصالت میں لاجواب
مانند ذوالفقار گراں قدر لاجواب
وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب
اترے جگر سے جس کے اسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

۶۰

پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دم جدل
شاخیں کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل
ڈھالوں سے پھول اڑ گئے تھے برچھیوں سے پھل
گرتے تھے سہم کر قدر انداز منہ کے بھل
گوشوں کو ڈھونڈتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
ریتی پہ نخل تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

۶۱

گوپال و تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر
دم میں یہ صف تمام ادھر کا پرا تغیر
دو دو تھے پیش آئینۂ تیغ بے نظیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اڑ کر بھی مرغِ روح کا بچنا محال تھا
جوہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

۶۲

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغ شعلہ رنگ
کمروں سے کھینچ نہ سکتے تھے خنجر میان جنگ
لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینہ تھے دنگ
تلواریں منہ چھپائے تھیں ضرب درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئی تھیں سواروں کی پشت سے

۶۳

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغ شرارہ ریز
چلنے میں تیغ تیز فرس تیز ہاتھ تیز
دوزخ کھلا تھا بند تھے سب کوچہ گریز
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامہ ستیز
کشتہ ہوں ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں

۶۴
کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی
برّے مثالِ برق جگر تک پہونچ گئی
سر پر پڑی تو پیر کے بز تک پہونچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
بڑھ کر گرے زمیں پہ آئی ترنگ کے
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے تھی تنگ کے

۶۵
ان کے قدم بھی اٹھ گئے جو سرگذار تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے
ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سروہی کے وار تھے
جاتا تھا یوں غضب میں غنیِ اہلِ کید پر
شیرِ ژیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر

۶۶
تیغ دودم سروں سے گذرتی تھی دم بدم
بڑھتی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بہ دم
دوزخ میں فوج شام کی بھرتی تھی دمبدم
ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دمبدم
ڈرتے گلے بھی آب تھے زہر بھی آب تھے
موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

۶۷
نکلا اُدھر سے وہ جو اِدھر جس کا کار تھا
کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا
پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
سروں پر برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے

۶۸
رہوار نے وغا میں کمال رستمی نہ کی
مانا کہ سب بنے کسی نے کمال ہمدمی نہ کی
شمشیر جاں ستاں نے کہاں برہمی نہ کی
سو مرتبہ چلی پہ روش نے کمی نہ کی
دم سے تھا بحرِ خوں کا کنارہ لگا ہوا
جانوں کا گھاٹ پر تھا اُتارا لگا ہوا

۶۹
جس سمت لگ کے تیغ کا سایہ گذر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
پہونچوں سے دونوں ہاتھ اُڑے تن سے سر گیا
گھوڑے سمیت گر کے یہ تڑپا کہ مر گیا
گرتا تھا خود جری یہ جری ماجرا یہ تھا
بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا

۷۰
فتح و ظفر تھی غاشیہ بر دوش کا بدار
جوہر تھے یا کہ سلسلۂ زلفِ تابدار
دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغ آبدار
تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آبدار
اک شور تھا کہ زیست کا عرصہ قلیل ہے
پیاسا ہو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

۷۱
دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
سر اُڑ گئے تنوں سے جدا تھے عناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

۷۲
سر بر قدم یہ تھے تنِ کفّار سے جدا
چلّے تھے سر بہ سر لبِ سوفار سے جدا
قبضہ کماں کا دستِ کماندار سے جدا
ڈورے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا
رہ گیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو
چلّاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

۷۳
یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں　　چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشاں کے پاؤں　　رن میں جمے رہے تو اسی نوجواں کے پاؤں
ہٹتا کبھی ہے جہاد میں حق کا ولی نہیں　　عباس بھی نہیں جو ہٹے ہوں علی کہیں

۷۴
جب شیر سے ترائی کی جانب جھپٹ گئے　　صف آئی صف پہ گھوڑے الٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے　　جن کے قدم جمے رہے سر ان کے کٹ گئے
حملوں کے بعد تنتے تھے یوں نعرے مار کے　　انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار کے

۷۵
ہر شے تھی خوفِ ضربتِ شمشیر سے جدا　　ناوک کماں سے دور کماں تیر سے جدا
پیر حزیں جواں سے جواں پیر سے جدا　　چلے سمٹ کے ہوتے تھے رہگیر سے جدا
سایے عقاب تیرِ غم بے پری میں تھے　　پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے

۷۶
نیزے کو تولتا ہوا گر کوئی ایل بڑھا　　دریا سے قہرِ حق کی طرف پر دغل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسامِ دو دستی کا پھل بڑھا　　تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اجل بڑھا
دو ٹکڑے طول میں جو دمِ امتحاں ہوئے　　غل تھا کہ معنی ید طولیٰ عیاں ہوئے

۷۷
ڈھنتی تھی خود پر نہ جھلم پر نہ ڈھال پر　　حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر　　جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چشمک یہ دمبدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں　　چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں

۷۸
گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں جو گرد　　مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد
جتنے جواں تھے دفترِ مردانگی میں فرد　　چہرے کئے ہوئے تھے انھیں کے دمِ نبرد
تصحیح کیا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا　　زخمی تھے منہ کہیں اثر خال و خط نہ تھا

۷۹
ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا روبکار　　آتی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
اسوار ہر طرف تمندار و رسالہ دار　　طبق لیے تھے منشئِ فوجِ ستم شعار
کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے　　غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے

۸۰
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے با ادب نشاں　　لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
اٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں　　نوبت یہ ہے تو فوج کا مٹتا ہے اب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں تھمے کیا سپاہ کا　　سکہ پڑا ہے ضربِ علمدار شاہ کا

۸۱
جب اٹھ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گری　　گویا کہ برق سطوتِ شاہِ نجف گری
آیا ادھر خدا کا غضب جس طرف گری　　کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صفِ کارزار پر　　گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

۸۲

آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے — بھاگے کمان تیر عدو جوڑ جوڑ کے
تلواریں پھینکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے — بھاگے وغا میں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
وہ برچھیاں نہ بھیڑ نہ وہ شور مصاف تھا — جس مورچے پہ تیغ اٹھائی وہ صاف تھا

۸۳

وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے — جو تھے قریب نہر وہ سب دور دور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے — دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں — بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۸۴

رُکتا کنار نہر جو پہنچا وہ شہسوار — خوں پونچھ کر رکھی تہِ ران تیغ آبدار
آئی صدا اے حضرت الیاس باوقار — اے نور عین ساقی کوثر ترے نثار
سیراب ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو لڑے — دھو ہاتھ منہ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

۸۵

سقائے اہلِ بیت پکارا بہ چشم تر — میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
پیاسا ہے تین روز سے مختار خشک و تر — بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
طوفاں کا دھیان صاحب کشتی کو چاہیے — بچوں کی پہلے نہر بہشتی کو چاہیے

۸۶

ڈالا میانِ نہر جو اسپ صبا شتاب — آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
موجیں بڑھیں برائے قدم بوسی جناب — اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیان آب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں — کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

۸۷

پانی سے منہ اٹھائے جو تھا اسپ سربلند — ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
بولا ہلا کے سر کو سمندِ وفا پسند — پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہ ارجمند
حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں — میں بھی تو ابن فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں

۸۸

فرمایا آپ نے مرے غمخوار مرحبا — رکتا نہیں کبھی قدم صاحب وفا
تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا — بیشک خدا بزرگ ہے صاحب کا مرتبا
پانی سے اے فرس تجھے جب اجتناب ہو — سیراب کس طرح پسر بوتراب ہو

۸۹

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام — پھر گھاٹ پر گھٹا کی طرح چھائی فوج شام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھر ہجوم عام — پھر ہر طرف سے چلنے لگے تیر اور حسام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو — کشتہ کرو ترائی میں حیدر کے شیر کو

۹۰

گھوڑا کہیں گھرا کہیں اڑ کر نکل گیا — جو ڈر کے گر پڑا وہ سموں سے کچل گیا
نعروں سے مر گیا کوئی کوئی دہل گیا — صف بچھ گئی ادھر کی جدھر وہ اچھل گیا
مشکیزہ لے کے لاکھوں سے کب تک وغا کریں — کیوں اے بہادرو کہو عباس کیا کریں

۹۱

برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیر کین
غربال ہو گیا تنِ عباس مہ جبیں
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعین
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
مڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا

۹۲

ٹھنڈا جو ہو گیا علمِ شاہِ دیں پناہ
عباس نامور نے بھری دل سے ایک آہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ
مشکیزے پر بھی تیر لگا وا مصیبتاہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بہ صد یاس گر پڑے
پانی کے ساتھ حضرت عباس گر پڑے

۹۳

اُٹھ بیٹھے گر کے حضرت عباس ذی حشم
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم
گرزِ گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے ستم
ٹکڑے ہوا جگر اسدِ ذو الجلال کا
سر پاش پاش ہو گیا حیدرؑ کے لال کا

۹۴

مڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیرِ نر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

۹۵

شانوں سے سارے جسم کا جب بہ گیا لہو
ریتی پہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
آواز دی کہ آئیے یا شاہ نیک خو
سر تن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غمخوار رہ نہ جائے
صدمہ یہ ہے کہ حسرتِ دیدار رہ نہ جائے

۹۶

نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر
گورے گلے میں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
چہرے کا رنگ اُڑا ہوا کرتا عرق میں تر
کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو
آقا پدر پکار رہے ہیں حضور کو

۹۷

ڈیوڑھی سے بلبلا کے سکینہؑ نے یہ کہا
ہاں ہاں سنی تھی میں نے بھی عباس کی صدا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہِ کربلا
اب گھر سے میں نکلتی ہوں یا شاہِ نینوا
مر جاؤں گی اگر انھیں جیتا نہ پاؤں گی
کیوں کر چچی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی

۹۸

حضرت سنے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں
ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارا کوئی لعیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امامِ دیں
کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباسؑ مہ جبیں
پہنچنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو

۹۹

تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم
افتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
آئے ہیں یاں پھریرے کے پرزے اڑا کے ہم
پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دم
دنیا سے آج اٹھ گیا حاملِ نشان کا
کٹتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا

۱۰۰

سنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر — تڑپے اٹھے گرے نہ سنبھالا گیا جگر
کانپے جو پاؤں تھام لیا زانوئے پسر — چلاتے تھے کہو علیؑ اکبر چلیں کدھر
خورشید کیوں چھپا ہے یہ کیا واردات ہے — کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے

۱۰۱

عباسؑ کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے — دیکھو حرم سرا سے سکینہ نکل نہ آئے
فضہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سنائے — اکبر اجڑ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
پرسا تو دوں نجف کی طرف مجکو موڑ دو — سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو

۱۰۲

یہ روز قتل حمزہؑ و جعفرؑ ہے اے پسر — یوم وفات حضرت شبر ہے اے پسر
یہ ماتم شہادت حیدر ہے اے پسر — صبر اب کہاں یہ داغ برادر ہے اے پسر
پیر الم بتول کے جائے سے پوچھیے — صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

۱۰۳

غربت میں لٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے — سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغ پدر ہائے ہائے ہائے — کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے ہائے
عباس کیا جہاں سے گئے ہم گذر گئے — محسن ہوا شہید حسن آج مر گئے

۱۰۴

کرتا تھا عرض باپ کو تھامے ہوئے پسر — دل کو ذرا سنبھالیے یا شاہ بحر و بر
زندہ ابھی ہیں حضرت عباس نامور — گھبرائیے نہ اب ہے ترائی قریب تر
خادم اٹھائے گا جسد پاش پاش کو — چلیے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

۱۰۵

جس دم قریب لاش کے لائے حسینؑ کو — عباس جاں بلب نظر آئے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیر سنؑ کے صدائے حسینؑ کو — اکبر نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے — پہلو میں لاش کے شہ ابرار گر پڑے

۱۰۶

بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر — امڈا یہ دل کہ منھ کے قریب آگیا جگر
بولے یہ آنکھ کھول کے عباس نامور — اکبر سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے ہزار جان امام غیور کے — مجکو اٹھا کے گرد پھراؤ حضور کے

۱۰۷

سنبھل کے منھ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال — عباس تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال — صفدر نے مسکرا کے کہا شکر ذوالجلال
آرام آگیا تپش روح و دل گئی — آپ آئے کیا کہ دولت کونین مل گئی

۱۰۸

مولا نزول رحمت پروردگار ہے — اب آمد آمد شہ دلدل سوار ہے
شبر کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے — شاید جناب فاطمہؑ کا انتظار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے — آتے ہیں باغ خلد سے نانا حضور کے

۱۰۹

کیا بندہ پروری ہے زہے عز و افتخار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی تھی جان زار
لاکھوں برس کی زیست ہے اس موت کے نثار
دشوار ہے مفارقت شاہ نام دار
کیوں کر نہ ایسے مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگام نزع جس کے سرہانے امام ہو

۱۱۰

رونے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ ذی وقار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جان زار
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہ نام دار
تلوار کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

۱۱۱

کیا بے بسی ہے موت سے اے قبلۂ انام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام
باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقت کلام
کچھ ایسی آ بنی ہے کہ مجبور ہے غلام
پاؤں گا اب کہاں میں امام غیور کو
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو

۱۱۲

گھبرا گئے نزع میں علیؑ اکبر سے یہ کہا
میرا تو کوچ ہے طرف گلشن بقا
اے شاہزادۂ دو جہاں میں ترے فدا
فرزند فاطمہؑ سے خبردار اب ذرا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
تمو نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو

۱۱۳

یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر
ٹپکے فرہ سے خون کے قطرے ادھر ادھر
کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

۱۱۴

چلائے سر کو پیٹ کے سلطان بحر و بر
بے کس ہوا حسینؑ گئی دولت پدر
فریاد ہے کہ مر گئے عباسؑ نام ور
آئی صدا علیؑ کی کہ شبیرؑ صبر کر!
فرزند تھا مرا یہ تمہارا غلام تھا
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا

۱۱۵

یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر
جعفر بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر
زہرا سرہانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
نانا تمہارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
پرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
یہ سب تمہارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں

۱۱۶

اٹھ کر پکارے حضرت شبیرؑ نامدار
ہے ہے مرا شفیق مرا یار و غمگسار
میں لٹ گیا دہائی ہے یا ستیر کردگار
خدمت گزار عاشق صادق وفا شعار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
بچے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا

۱۱۷

بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی کمر مری
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا خبر مری
آنکھیں ادھر تھیں اس کی جدھر تھی نظر مری
واحسرتا زرہ مری ہے ہے سپر مری
کیوں مجھ سے منہ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی
سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی

۱۱۸
یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک
بیٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک
تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبائے پاک
کرڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
اٹھو جو آئے گر کے شہِ مشرقین کو
چلائی فاطمہ کہ سنبھالو حسینؑ کو

۱۱۹
جلدی عبا اڑھا کے دلاور کی لاش پر
خیمے سے نکلی آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر
اکبرؑ نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
آمادہ گر تو ساتھ سکینہ بھی آئے گی
دیکھی چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی

۱۲۰
فرمایا شہ نے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا
مجھ سے ابھی تو بچھڑے ہیں عباسِ باوفا
رو لے نہ پیارے بھائی کو مظلوم کربلا
راحت ہو شمر آ کے جو کاٹے مرا گلا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ الفت کو توڑ دوں
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

۱۲۱
آواز پھر علیؑ کی یہ آئی کہ اے پسر
ڈیوڑھی پہ غش ہے زوجۂ عباسؑ نام ور
تو جا کہ میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
دونوں غلام زادے تمھارے ہیں نوحہ گر
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں

۱۲۲
ناچار لاش چھوڑ کے اٹھے امامِ دیں
کوتل تھا ساتھ اسپِ علمدارِ مہ جبیں
بے مشک علم کو لے کے چلے اکبرِ حزیں
باگیں کٹی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
لٹکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلیر تھا
پرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر تھا

۱۲۳
ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا تھوتھنی فگار
گردن پھرا کے تکتا تھا دریا کو بار بار
سینہ بھی سب چھنا ہوا گردن بھی زخمدار
یعنی پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
خادم برہنہ سر لئے آتا ہے اس طرح
دُلدُل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

۱۲۴
صدمے سے تھی علم کے بھی ٹوٹی ہوئی کمر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر
چھینٹیں تھی خوں کی سبز پھریرے پہ سر بسر
جس طرح بیٹھتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم کی علامت نشان سے
پیٹو کہ اٹھ گیا مرا حامی جہان سے

۱۲۵
پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں
دوڑا تڑپ کے دلبرِ عباسؑ مہ جبیں
آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرِ حزیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امامِ دیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے

۱۲۶
یہ سن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
مادر پکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار
آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار
چلایا چاک کر کے گریباں وہ سوگوار
بابا کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے
اماں اڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

۱۲۷
پردہ الٹ کے خیمہ کا فضہ نے دی صدا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہ کربلا
اے پردہ والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
مارے گئے جہاد میں عباسؑ باوفا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی
ہے ہے علیؑ کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

۱۲۸
خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر
ماتم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی نوحہ گر
رانڈوں کے دل الٹ گئے تھرا گئے جگر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر
ہے ہے کہ غل ہوا کہ سکینہ اچھل پڑی
چلّے سے بال کھولے دلہن بھی نکل پڑی

۱۲۹
اکبر نے آ کے گاڑ دیا صحن میں علم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بہ درد و غم
کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم
لو زینب اپنے بھائی کو رو آئے رن میں ہم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے
رنڈ سالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لئے

۱۳۰
برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
پیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
بکھرا دئے حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفال خستہ حال
فق ہو گیا سکینہ کا منہ سانس الٹ گئی
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

۱۳۱
منہ دامنِ علم سے چھپا کے بصد بکا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گذر گئی
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

۱۳۲
اللہ رے دل خراش علیؑ کی بہو کے بین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ
سکانِ آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
تھامے تھے ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
ٹکڑے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے
حکم حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

۱۳۳
کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امامِ دیں
اٹھ کر کے سوئے نہر پکارے وہ دل حزیں
اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
صاحب حسینؑ روتے ہیں تم کو خبر نہیں
جنگل بسا دیا شہِ والا کو چھوڑ کے
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

۱۳۴
صاحب سکینہ جان بلکتی ہے آئیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے
کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
الفت کے دل دہی کے منافی نہ چاہیئے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہیئے

۱۳۵
کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں
جانِ علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں
بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑ دیئے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

۱۳۶

والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے
اس کربلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
سر پیٹتی ہوئی لب دریا کنیز آئے
کیا اسکی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

۱۳۷

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا
خضر ان کو مل گئے علم سبز کیا بلا
تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی ملا
صدقے سے شہ کے جعفر طیار ہم ہوئے
صاحب تمھیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

۱۳۸

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا
سردار فیض بخش علمدار باوفا
آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امام غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

۱۳۹

کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد دم بدم
تو سر خدا جو دے تو نثار شہ امم
تم ہم کو چاہتی ہو تمھیں چاہتے ہیں ہم
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

۱۴۰

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیر حق کے لال
بھائی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی غضب یہ راتیں فراق کی

۱۴۱

صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی جو نہ جا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا
دریا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
بستر کو خالی دیکھ کے گذرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق میں یہ پہلی رات ہے

۱۴۲

ہے ہے مرے نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی
کن راحتوں میں تھی کہ مصیبت یہ پڑ گئی
غم ہے کہ کیوں نہ میں دم رخصت بگڑ گئی
والی مجھے بلاؤ کہ دنیا اجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زشت میں
لونڈی تو قید خانہ میں صاحب بہشت میں

۱۴۳

کیوں کر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی
میری ہی خاک قابل خاک شفا نہ تھی
کیا پائنتی بھی اک مرے تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منھ موڑتے نہیں
ساتھی برا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

۱۴۴

یوں منھ کو موڑنا تو طریق وفا نہیں
کیوں کر تمھیں بتاؤں موافق ہوا نہیں
صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
منجدھار میں تو ناؤ ہے اور نا خدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں شہ مشرقین کا
والی مجھے نباہیے صدقہ حسینؑ کا

۱۴۵

صاحب تمہیں سکینۂ ناشاد کی قسم
صاحب تمہیں مصیبت سجاد کی قسم
تم کو حسینؑ کشتۂ بیداد کی قسم
تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیا لئے زشت میں
مجکو بھی اپنے پاس بلالو بہشت میں

۱۴۶

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سر وہ سوگوار
ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے شاہ نامدار
بھاوج کے ہاتھ تھام کے بولے بہ حال زار
بس بس خدا کو یاد کر اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لئے مرگ و گور ہے
بی بی خدا سے کیا کسی بندہ کا زور ہے

۱۴۷

بس اے انیسؔ طول کی آگے نہیں ہے تاب
طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب جواب
بلواؤ خاکسار کو یا ابن بو تراب
ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا
خاک شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

سلام

صبر کرتے تھے سلامی شہ والا کیا کیا
اہل کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا
بانو کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا افسوس
تھی مجھے بیاہ کی اکبرؑ کے تمنا کیا کیا
تیر کھاتے ہی گلے میں جو دم اصغرؑ کا رکا
شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچہ کیا کیا
دیکھتا جو سر قاسمؑ کو وہ کہتا رو رو
حسرتیں لے گیا دنیا سے یہ دولھا کیا کیا
لاش عباسؑ پہ آنے جو نہ دیتے اعدا
تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لب دریا کیا کیا
منع جو رونے کو کرتا تو یہ کہتے سجادؑ
کیوں نہ روؤں تم ان آنکھوں سے دیکھا کیا کیا

قطعہ

شاہ دیں کے حرم آئے تھے وطن سے جب دم
خاک پر پیٹ کے سر روتی ہے صغرا کیا کیا
اور ایک ایک سے کہتی تھی بتاؤ لوگو
کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے بابا کیا کیا
سینۂ شہ سے نہ بن ذبح کئے شمر اترا
گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہراؑ کیا کیا
بانو کہتی تھی تصور میں علی اصغرؑ کے
دودھ بن تڑپا ہے ہے مرا بچا کیا کیا
پانی دو دن نہ ملا تیر گلے پر کھایا
اتنی سی زندگی میں سہہ گئے ایذا کیا کیا
دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابدؑ نے کہا
بعد مرنے کے بھی صدمہ تمہیں ہو بچا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہیں ملتا لیکن — سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا
دشتِ پُر خار سے جاتے تھے جو پیدل سجادؑ — پھوٹ کر روتا تھا ہر آبلۂ پا کیا کیا
دیکھ کر شہ کے عزیزوں کو عدو کہتے تھے — صاحبِ حسن خدا نے کئے پیدا کیا کیا
لاشِ اصغرؑ پہ کہا باپ نے اماں صدقے — ننھی سی جان پہ گذری کہو بیٹا کیا کیا

قطعہ

سرِ شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رُو رُو سجادؑ — رنج دیتے ہیں مجھے راہ میں اعدا کیا کیا
طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہارِ اونٹوں کی — کام اتنے ہیں کروں میں تنِ تنہا کیا کیا
دھوپ میں لاش جلی ہاتھ کٹے پہونچوں سے — بعدِ مُردن بھی ہوئی لاش کو ایذا کیا کیا
شاہ کہتے تھے سکینہ مرے مرنے کے بعد — کیا کہوں تم پہ ستم ہوئیں گے بیٹا کیا کیا
دفن کا لاشۂ شبیرؑ کا جب وقت آیا — دفعتاً ہو گئے اسباب مہیا کیا کیا
باغ میں دیکھتے جب سرو کو عابدؑ کہتے — کٹ گئے تیغِ ستم سے قدِ رعنا کیا کیا
سر جھکا لیتی تھی صغرا کوئی کہتا تھا اگر — کہو کوفے سے پدر نے تمھیں بھیجا کیا کیا
قید خانہ میں سکینہ کو جو یاد آئے پدر — رات بھر سینے میں دل ننھا سا تڑپا کیا کیا
دیکھا مرنے پہ کمر باندھتے جب بابا کو — سر اُٹھا تکیہ پہ سجادؑ نے پٹکا کیا کیا
بانو کہتی تھی اب اکبر مجھے سمجھاتے نہیں — یاد مادر تری باتیں کرے بیٹا کیا کیا
رو رو یہ کہتی تھی صغرا کہ کہے جا قاصد — تو نے کیا کیا کہا اور بابا نے پوچھا کیا کیا
کہتے عابدؑ خبرِ قتلِ عزیزاں سُن کر — اپنی بیماری کا ہوتا ہے مداوا کیا کیا
خط لیے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام — دیکھو بیٹا تمھیں صغرا نے ہے لکھا کیا کیا
دیکھ کر فوجِ حسینی کو عدو کہتے تھے — ساتھ لائے ہیں جواں سیدِ والا کیا کیا
ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیسؔ — اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دُنیا کیا کیا

رُباعی

خون بھائی کا شہ کے رو برو بہتا تھا — پیاسے کا لہو کنار جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ — دریا یہ اِدھر اُدھر لہو بہتا تھا

مرثیہ

جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲

وہ شان اُس علم کی وہ عباسؑ کا جلال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کی اوج سے

۳

تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے آبِ زر
اعدا کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تخت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

۴

قربان احتشامِ علمدارِ نامور
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
رخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سربسر
قبضے میں تیغ، بر پہ زرہ، دوش پر سپر
چھایا تھا شور لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

۵

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیٔ علم
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
گرتی تھی برقِ فوجِ مخالف پہ دم بہ دم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۶

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
ہشتِ جنت اُنھیں کے قدم سے ہے برقرار
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے بار بار
کیوں منحرفِ دوست ہوئے ہو اے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السّلام سے

۷

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور
یارب رہے نگاہِ بد اس کے ضیا سے دور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
پنجہ ہے اک جگہ کہ ہے پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اس جوان کے نثار اس نشان کے

۸

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دولھوں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

۹

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے حسین کھلے ہیں کہ دنیا بہشت ہے

۱۰
ہم شکل مصطفیٰؐ کا ہے کیا حسن کیا جمال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رُخ یہ خال
صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بے مثال
یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے قدرت پروردگار ہے

۱۱
لخت دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسین
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ جبیں
جس کے چراغ حسن سے روشن ہے سب زمیں
سرمایۂ خطا و ختن کائنات چیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

۱۲
نام خدا ہیں عونؑ و محمدؑ بھی کیا شکیل
افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
اک مہر بے نظیر ہے ایک بدر بے عدیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثل علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے پیچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۱۳
عباسؑ نام ور ہے عجب سج کا ہے جوان
حمزہ کا رعب صولت جعفر علی کی شان
نازاں ہے جس کے دوش منور پہ خود نشان
ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسن کی جان
کیوں کر نہ عشق ہو شہ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

۱۴
اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب
ابر کرم خدیو عجم خسرو عرب
سرتاج آسمان و زمیں نور عرش رب
عالی ہمم امام اُمم شاہ تشنہ لب
جن کی زبان خشک ہے ذکر الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختم رسلؐ رزمگاہ میں

۱۵
کیا فوج تھی حسینؑ کی اس فوج کے نثار
جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار
ایک ایک آبروئے عرب فخر روزگار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گل عذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیر الٰہ میں

۱۶
ایک ایک ملک تھا جرأت و ہمت کا بادشاہ
آنکھیں غزال رشک جگر شیر کی نگاہ
کیوان خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو بل گئے تلوار چل گئی

۱۷
وہ اشتیاق جنگ میں لڑنے کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
بے تاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۸
اکبرؑ سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
یہ تیغ نہ لیویں گے دم بے لہو پیے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا

۱۹

بچپن پہ خادمان اولوالعزم کے فدا جائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر اٹھیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

۲۰

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینبؑ کے دونوں لال
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دم جدال
فوجیں ابھی کریں تو ملے عرصۂ قتال
اتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

۲۱

یہ چھیڑ جو کرتے تھے باہم وہ گل عذار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسؑ نامدار
شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ سمجھے رکیں گے بھلا فوج شام سے

۲۲

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
یہ بھولے بھولے منہ یہ جواں مردیاں یہ شان
چلتی ہے ذوالفقار علیؑ کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳

زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
رخ پر جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور
مثل عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
پرتو نگوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

۲۴

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اس طرف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

۲۵

غصے سے آفتاب ہوئے مہ وشوں کے رنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کی ہوئی امنگ
بے چین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
ایڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

۲۶

تھمتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
ٹکڑے اڑیں گے آج عمرؔ و شمرؔ شوم کے
نامرد ہیں جو آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

۲۷

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

۲۸
بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
ایک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

۲۹
سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نام ور
کہتے تھے تیغیں لیے وہ غیرتِ قمر
بڑھ کے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
سرکے نہ پھر دغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
جاکر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰
عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لئے ہے دیر
مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاس ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱
کس کو ہٹائیے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذن کارزار
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

۳۲
جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر
باندھے ہیں سرکشی پہ کمر لشکر شریر
کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳
اک اک جری کو تشنۂ جرأت کا جوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے
عالم ہے بے خودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴
حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
اچھا جہاد کو بڑھے ایک ایک نام ور
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
دربار مصطفےٰ میں وہی پہلے جائے گا

۳۵
مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیر خشمگیں
اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوج کیں
تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شور حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

۳۶
اللہ رے جہاد حبیب و زہیر قیں
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطان مشرقین
گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین
یوں جا کے روئے ان کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

۳۷
خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
گر روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بہ یک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے

۳۸
تھی قہر حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار
شمشیر حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر بھی مثل علیؑ اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹
نکلے برادران علمدار صف شکن
بے سر تھے مورچوں میں جوانان پیل تن
دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پٹتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰
تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب جو دل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمہیں بحل
گوشے کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
شہ رو کیے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آ رہا ہے بس اب جدّ و کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

۴۱
الٹو پروں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ
جب بانگ اٹھاؤ فوج کے اس پار جا کے آؤ
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

۴۲
رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳
بے جان ہوئے جو راہِ خدا میں وہ شیر نر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسن کا گھر
حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے
ہفتاد و دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

۴۴
آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو
اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زباں سے
قاسمؑ کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہاں سے

۴۵
بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶
شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے اَلم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم
خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
مرمر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباسؑ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷
بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات
خالی نہ پائی ہر مروت سے کوئی بات
بےکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
سجادؑ ہیں تو ان کو کٹی جاگتے ہیں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸
ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

۴۹
قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا زور
بچھڑا جو ایک دو میں تو پھر ہیں کنارِ گور
جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰
بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
گذرے بہارِ عمر کے دن آگئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱
ان سے نشاں علیؑ کا ہے تم سے ہمارا نام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے انتظام
گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو

۵۲
چھیڑو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
بہرِ پدر کرو کفن و گور کی تلاش
وہ شخص چاہئے کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند یا بھتیجا ہو برادر سرہانے ہو

۵۳
اکبرؑ نے سن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
عباسؑ بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لیے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے

۵۴
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسمؑ کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمھیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبرؑ اٹھائیں گے

۵۵

اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
بچھڑے میں بھول جاتے ہو بھیّا ہمارا پیار
بے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالتمآب سے
پہلے مروں گا اکبرِؑ عالی جناب سے

۵۶

صدقہ علیؑ کی روح کا اکبرؑ کو روکیے
نورِ نگاہِ بانوئے بے پر کو روکیے
دے کر قسم شبیہِ پیمبرؐ کو روکیے
اے آفتابِ دیں مہِ انور کو روکیے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

۵۷

شہ نے کہا کہ سر کو قدم سے اُٹھائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں، خیر جائیے
لیجے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
اپنی سکینہؑ جان سے جا کر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

۵۸

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
بولا یہ پیک شاطرِ فوجِ ستم شعار
بھائی کو گھر میں لے چلے جب شاہِ ذی وقار
وہ اذنِ جنگ پا چکے عباسؑ نامدار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے

۵۹

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
نعرہ یہ دم بدم تھا کہ اب ہوئے تمام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

۶۰

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
ہلچل میں اس طرف کے پرے ہو گئے ادھر
کانپے شمالِ بید جوانانِ پُرجگر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

۶۱

لوٹے وہ سورمے جو بندھے تھے پئے جدال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

۶۲

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے زورِ انقلاب
اس خیبری پہ نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
لوٹے گا اس زمیں پہ ورقِ ابنِ بوتراب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

۶۳

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کونے کے نامرد اک طرف
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے تیرباز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

۶۴
تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
تو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

۶۵
سرگروہائے فوج مخالف تھے بے حواس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
ضربِ علیؑ ہے ضرب علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

۶۶
اس فوج میں ہے گو یہ تزلزل یہ انتشار
مضطر ہیں بیبیاں شہ والا ہیں بے قرار
ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباس نامدار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

۶۷
منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشم تر
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہؑ نہیں خبر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطان بحر و بر
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا منھ سے ہاتھوں سے تھام لو

۶۸
بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال
عباسؑ سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہؑ سے منھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

۶۹
دیکھو تو حال سبطِ رسولِ فلک اساس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبر اسد ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہراؑ کے لال کے

۷۰
عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
کیوں کر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
یہ سر ہے اس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہے فیض سید خوش خو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

۷۱
رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام
للہ رد کیجے نہ اب اے خواہر امام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
وہ امر کیجے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ماں نہیں مرے سر پر پدر نہیں
ہیں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

۷۲
باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینبؑ جھکائے سر
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
ٹھہرا رہی ہے زوجۂ عباسؑ نامور
مانع ہے شرم روتی ہے منھ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نے بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

۷۳

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسؑ نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کیجیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

۷۴

اکبرؑ کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے
امداد بہر حضرتِ شبیرؑ کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

۷۵

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبر زہراؑ کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

۷۶

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
پیٹو سروں کو روتا ہے فخر زمنہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحبِ ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمھارا بھی نام ہے

۷۷

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمھیں

۷۸

صدقے میں ابن فاطمہؑ پر مجھ سے سو غلام
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

۷۹

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کب ایسے تفرقے ہوئے ایک ایک ان میں ہیں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

۸۰

قاسمؑ کو دیکھو جانب اکبرؑ کرو نگاہ
گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبیرؑ واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں خار رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

۸۱

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
اُف کیجیے نہ منھ سے جو ہو نکلے لبوں پہ جاں
بجا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا نام کر گئی؟

۸۲

شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر
ہتیار سج کے حضرت عباسؑ نام ور
چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
آئے قریب لختِ دلِ سید البشر
صدمے سے رنگ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

۸۳

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نام ور
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر ادھر
بے تاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
بے زیست تلخ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینبؑ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

۸۴

سب گھر کی بیبیوں کو کہو میرے پاس آئیں
گودی میں تشنہ کام سکینہؑ کو جلد لائیں
بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؑ سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

۸۵

یہ سن کے ساری بیبیاں آئیں بہ حالِ زار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسؑ نامدار
ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

۸۶

لڑکوں نے معرکہ میں کیے اپنے اپنے نام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام
کیا میں غلام خاص نہیں یا شہِ امام
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی سے شیر کا

۸۷

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
زہراؑ سے بھی حجاب ہے شبیرؑ سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے مجھے پھر منھ دکھاؤں گا

۸۸

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہ تل کفا
مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہوں گے یا خفا
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

۸۹

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دل گیر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے توقیر آپ نے
بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیے

۹۰

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جاں کاہ کیا کروں
مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی بھی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

۹۱
غازی نے رکھ دیا قدم شاہِ دیں پہ سر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے

۹۲
روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
اک آہ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری
سب روئے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ گئے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۳
نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغ دو دم لیے
مجرے کو آئی فتح سپاہ حشم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

۹۴
آیا سجا ہوا وہ براق سمند سیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
تھا خود وہ اڑنے کے لئے تیار مثل طیر
الحق سپاہ شر اُسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۵
وہ زیب و زین فرس کی وہ زینت تھی وہ پھبن
چشم سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

۹۶
رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے
نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
دم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
اس ناز سے وہ رشک غزال ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

۹۷
خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی
گرد اُڑ کے غازۂ رخ لیلیٰ وشاں بنی
ذرے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقش سم فرس سے ہزاروں ہلال تھے

۹۸
وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب
وہ رعب تھا کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
صولت میں فرد دفتر جرأت میں انتخاب
قدرت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

۹۹
پہونچے جو دشت کیں میں اڑاتے ہوئے فرس
دیکھیں صفیں جو چپ و راس و پیش و پس
گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

۱۰۰
بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلواں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۱۰۱
سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہو گے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

۱۰۲
روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علی کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

۱۰۳
تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے ہیں جو ہیں نگہبان گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۱۰۴
سرکش ہیں سب جہاں کے زبردستوں سے زیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
دادا شجاع باپ جواں مرد ہم دلیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیرالعلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۱۰۵
جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
سر کاٹتے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

۱۰۶
بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
اصغر کی گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لائے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۷
غیرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور نہرِ آب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

۱۰۸
یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے
نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اڑا پرے کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ ضیغم بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

۱۰۹

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا
یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اس غول پر بھی تھی کبھی اس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

۱۱۰

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
شوکت سوار میں شہ دلدل سوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
حملوں میں شان رب اسد کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

۱۱۱

توڑا یہ مورچہ یہ صف الٹی ادھر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

۱۱۲

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اسے لیا
اللہ رے دم لہو یہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی کو نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اسکے بھری ہوئی

۱۱۳

بے ننگ تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ
آئی اجل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
پہونچا وغا میں تو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۴

چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ ان کے ہزار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
کاٹے تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
آواز شش جہت میں تکبیر دوزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

۱۱۵

نعرہ جدا صدائے تبیرہ و بدہ جدا
بکتر جدا زمیں پہ ٹکڑے زرہ جدا
گوشہ کماں سے دور تھے گوشوں سے رہ جدا
نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱۶

جس کی طرف نظر دم جنگ و جدل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی
یوں پھر کے صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

۱۱۷

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
سر پہ لگی تو ہو گئے بے کار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اٹھ کے پنجوں کے بل چلو

۱۱۸

نیزے ادھر قلم تو ادھر برچھیاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب تن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم جل گئی پھولوں سے ڈھال کے

۱۱۹

کی جس نے سرکشی وہی فتنہ فرو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
تھا خانہ سیاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۲۰

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
تھا اس کے ہاتھ سے دل چار آئینہ فگار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

۱۲۱

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھے نہ چلّے کمان پر

۱۲۲

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
سب چھاؤنی اجاڑ محلّے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالق اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

۱۲۳

بولی سپر سے تیغ کہ مجھ میں پناہ ہے
ہر جا پہ تیغ شعلہ نشاں سدِّ راہ ہے
اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھ سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۲۴

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیٔ گردوں پہ چڑھ گیا

۱۲۵

اللہ ری جنگ شیر سلیمانِ کربلا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
چونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قوم اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

۱۲۶

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بند و بست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

۱۲۷

دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علی دکھائے
خاتوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منھ کی کھائے
اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

۱۲۸

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
پر زہر ہے بغیر شہِ آسماں اساس
جا ہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے ان کے آبِ خضر بھی ہو وے تو خاک ہے

۱۲۹

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

۱۳۰

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
کہتا تھا منھ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباس آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

۱۳۱

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
آندھی سیہ گھٹا کی طرح سب سیاہ شام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پرواہ رے جواں کہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۳۲

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغِ برق دم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم
کاندھے میں مشک آب تھی پنجہ میں تھا علم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپِ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں در آتے تھے ریت میں

۱۳۳

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
چلّا رہا تھا لشکرِ جفا پیشہ و شریر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
رخ اس جری کا خیمہ کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینہ کو توڑ دو

۱۳۴

سن کر زباں درازیٔ لشکرِ ستم شعار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
عباس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
توڑی اگر یہ صف تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا دغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

۱۳۵

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
کھائے اِدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
در پے تھے اک جواں کے لیے لاکھ اہلِ شر
کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینہ پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

۱۳۶

سینہ سپر تھے مشک پہ رو کے ہوئے تھے ڈھال — لڑنے میں بھی حسین کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال — فرزند کو سنبھالیے یا شبّرِ ذوالجلال
جا بہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو — ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۳۷

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ شریر — بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر — تیورا گیا علی ولی کا مہِ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے — پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

۱۳۸

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال — ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال — یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر گر اٹھے تڑپ کے ادھر سے ادھر گئے — جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۳۹

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی — پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی — روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے — رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۰

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار — شانے دباؤ اے علی اکبر پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار — بازو کا زور لے گئے عباس نامدار
واحسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے — سرکس سے پائیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۱

چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ — بہونچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیّا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ — عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے — لو تم کو ڈھونڈنے کو سکینہ نکلتی ہے

۱۴۲

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال — خیمے میں غش ہے زوجۂ عباس خوشخصال
ڈیوڑھی میں اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال — پردے سے منہ نکالے ہیں اطفالِ خورد سال
لب انکے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں — آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۴۳

تکتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر — اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بہ چشمِ تر — میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئینگے — بہلاتے ہیں حسین کہ بی بی اب آئینگے

۱۴۴

گھیرے ہیں لاکھ ان کو ستمگار ہائے ہائے — مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے ہے میں پانی سے گذری نہ مشک آئے — ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علی کی نشانی کو — میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

۱۴۵

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نام ور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۱۴۶

افشاں ہیں سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشان
عباس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان
کیوں اے حسین کون اُٹھائے گا اب نشان
لاش انکی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

۱۴۷

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
آقا تمام ہوتا ہے یہ جسد جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

۱۴۸

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
گھر لٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائیجان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیا ہمیں تو اکبر مہ رو سنبھالے ہیں

۱۴۹

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علی کے لال
فر کر کہا حسینؑ نے عباس خوش خصال
دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۰

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
حیدرؑ کا نور عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
زینب ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

۱۵۱

اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غم گسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۱۵۲

اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے
غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۵۳

اکبر نے شہ کے ہاتھوں کو پکڑا بصد بکا
رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
نیچے یہی ہے لاشِ علمدار باوفا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطان کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

۱۵۴

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
لوٹا ہمیں رسول کی اُمت نے بے سبب
رہتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مرجائیں گے جلا دو ہمیں منھ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۵۵

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

۱۵۶

غش میں سُنی جو گریۂ شبیر کی صدا
آہستہ کی یہ عرض کے اے سبطِ مصطفا
چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ باوفا
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو

۱۵۷

یہ کہہ کے رو دیے شہ کی طرف کی نظر بغور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشم اشک فشاں بند ہوگئی
تھرائے دونوں ہونٹھ زبان بند ہوگئی

۱۵۸

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
گودی میں پاؤں لے کے دبانے لگے امام
تھرائی لاش مر گئے عباس تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۱۵۹

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السّلام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۱۶۰

آگے تمھارے مرتے جو عباسِ باوفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
پرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
زہرا بھی پیٹتی سر ہیں قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے نوجوان بھائی کا پُرسا حسین کو

۱۶۱

پیٹو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
رخصت طلب ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
خاموش ہیں حسین نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب رن میں فاطمہ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۶۲

بس اے انیس روک لے اب خامہ کی عناں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں
یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئے گا بیاں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

مرثیہ

عباسؑ علیؑ شیرِ نیستانِ نجف ہے
تابندہ دُرِ تاجِ سلیمانِ نجف ہے
سروِ چمنِ خضر بیابانِ نجف ہے
آئینۂ روئے مہِ کنعانِ نجف ہے
طفلی سے اسے عشقِ امامِ دوسرا تھا
شہ اس پہ فدا تھے وہ شہِ دیں پہ فدا تھا

۲

کیا دبدبہ کیا شان تھی کیا صولت و شوکت
کیا حسن تھا کیا خلق تھا کیا چشمِ مروّت
کیا حلم تھا کیا رعب تھا کیا قوت و قدرت
کیا رحم تھا کیا عدل تھا کیا بخشش و ہمّت
جب تک مہ و خورشید میں یہ نور رہیگا
عالم میں علمدار کا مذکور رہے گا

۳

اللہ رے نصیب واہ ری توقیر ہے جاہ
دادا تو ابو طالب غازی سا شہنشاہ
عم جعفرِ طیار ہزبرِ صفِ جنگ گاہ
اور والدِ ماجد کو جو پوچھو اسد اللہ
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابن علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی

۴

ہرچند نہ تھا بطن سے زہراؑ کے وہ مہ رو
لیکن کسے ہاتھ آتا ہے اس طرح کا بازو
بچپن میں جو چھوڑا نہ تھا شبیرؑ کا پہلو
تھی طبع میں ساری گلِ زہرا ہی کی خو بو
خلق اسمیں جوانمردئ شاہِ نجف اس میں
تھے علمِ امامت کے سوا سب شرف اسمیں

۵

پیدائش عباسؑ کا یہ حال ہے تحریر
جب خلد کو دنیا سے ہوئیں فاطمہ رہ گیر
یاور تھی زبس مادرِ عباس کی تقدیر
ہم بسترِ حیدرؑ ہوئی وہ صاحبِ توقیر
جس روز سے آئی تھی یداللہ کے گھر میں
رہتی تھی شب و روز تمنائے پسر میں

۶

دعوائے کنیزی تھا اسے بنتِ نبیؐ سے
تھا انس بہت آلِ رسولِ عربیؐ سے
مطلب نہ تھا اپنی اسے حاجت طلبی سے
آگاہ تھی شبیرؑ کی عالی نسبی سے
مصروف وہ فضہ سے بھی خدمت میں سوا تھی
تو جان سے فرزندِ دلِ زہراؑ کے فدا تھی

۷

حیدرؑ سے کبھی پوچھتی تھی یا شہِ صفدر
دونوں میں بہت چاہتے تھے کس کو پیمبرؐ
اس بی بی سے فرماتے تھے یہ فاتحِ خیبر
الفت تھی محمدؐ کو نواسوں سے برابر
یہ دونوں دل و جانِ رسولِ دوسرا تھے
صدقے کبھی اس پر تھے کبھی اس پہ فدا تھے

۸

جب مصحفِ ناطق سے سنی اس نے یہ تقریر
کی حق سے مناجات کہ اے مالکِ تقدیر
گر دے تو مجھے ایک پسر صاحبِ توقیر
میں اس کو خوشی ہو کے کروں فدیۂ شبیرؑ
ممتاز غلاموں میں جو ضرغام ہو میرا
زہراؑ کی کنیزوں میں بڑا نام ہو میرا

۹

شبیرؑ کا تھا نام مناجات میں داخل
کس طرح نہ مقبول کرے خالقِ عادل
جلد اس کو ثمر نخلِ دعا کا ہوا حاصل
اللہ نے بخشا پسرِ نیک شمائل
دکھلائی جو تصویرِ پسر بختِ رسا نے
عباسؑ علیؑ نام رکھا شیرِ خدا نے

۱۰
شبیرؑ کو عباسؑ کی مادر نے بلایا
اور گود میں فرزند کو دے کر یہ سنایا
لو واری وفادار غلام آپ نے پایا
نعلین اٹھائے گا تمہاری مرا جایا
آقا ہو شہنشاہ ہو سردار ہو اس کے
مالک ہو تمہیں اور تمہیں مختار ہو اس کے

۱۱
چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ خوش خو
یہ تقویت روح ہے اور قوت بازو
اس گل سے وفاداری کی آتی ہے مجھے بو
کتنا مرے بابا سے مشابہ ہے یہ گل رو
یہ شیر مددگاری شبیرؑ کرے گا
اللہ اسے صاحب توقیر کرے گا

۱۲
جب سات برس کا ہوا وہ گیسوؤں والا
ماں نے کہا تم نے مری جاں ہوش سنبھالا
مانی تھی یہ نذر اور تھا اسی واسطے پالا
اب تم کو کروں گی نثار شہ والا
حق الفت زہراؑ کا ادا کرتی ہوں بیٹا
جو عہد کیا اس کو وفا کرتی ہوں بیٹا

۱۳
خوش ہو کے یہ کی حضرت عباسؑ نے تقریر
یہ عین تمنا ہے کہ ہوں فدیۂ شبیرؑ
حاضر ہیں کرو جلد فدا ہونے کی تدبیر
لازم نہیں اماں عمل خیر میں تاخیر
گو عمر میں چھوٹا ہے گل اندام تمہارا
پر خلق میں ہوئے گا بڑا نام تمہارا

۱۴
مادر کو یہ فرزند کی تقریر خوش آئی
لے لے کے بلائیں اسے پوشاک پنہائی
پکڑے ہوئے ہاتھ آگے ید اللہ کے لائی
کی عرض کہ لونڈی نے جو دولت ہے یہ پائی
تھا دین ادا کرنے کا اس کے مرے سر پر
اب اس کو فدا کیجئے زہراؑ کے پسر پر

۱۵
کچھ سوچ کے فرزند سے حیدرؑ نے یہ پوچھا
شبیرؑ پہ ماں تجھ کو فدا کرتی ہے بیٹا
عباسؑ بتا دے مجھے مرضی ہے تری کیا
وہ اہل وفا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا
میں عاشق فرزند رسولِ دوسرا ہوں
سو بار جو زندہ ہوں تو سو بار فدا ہوں

۱۶
رو کر اسد اللہ نے دیکھا رخ شبیرؑ
جنگ گاہ کی آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر
پیاسوں کا خیال آگیا حالت ہوئی تغییر
یاد آئی بھری مشک کلیجے پہ لگا تیر
طاقت نہ رہی ضبط کی احمدؐ کے وصی کو
نزدیک تھا صدمہ سے غش آجائے علیؑ کو

۱۷
عباسؑ کو لپٹا کے گلے کرنے لگے پیار
چومے کبھی عباسؑ کے بازو کبھی رخسار
فرماتے تھے تجھ سا نہیں دنیا میں وفادار
صدقہ ترے اے دلبر زہراؑ کے مددگار
ماتم ترا ہر قصر پہ خانے میں رہے گا
شہرہ تری الفت کا زمانے میں رہے گا

۱۸
مجمل جو کہے مخبر صادق نے یہ اخبار
کچھ پوچھ سکے آگے نہ عباسِ علمدار
گردش یہ جب آیا فلک شعبدہ کردار
مہمان ہوئے کوفیوں کے سبطِ ابرار
باقی جو ہوا بند دل و جان نبیؐ پر
اس روز کھلا حالِ دل عباس علیؑ پر

۱۹

صبحِ شبِ عاشور ہوئی جبکہ نمودار
روتے تھے جو ہر لاش پہ جا کر شہِ ابرار
سر دینے لگے جنسِ شہادت کے طلبگار
غم کی دلِ عباسؑ پہ چل جاتی تھی تلوار
کہتے تھے کہ رخصت کا بہانہ نہیں ملتا
سب جاتے ہیں مرنے ہمیں جانا نہیں ملتا

۲۰

جب قتل ہوا سیدِ مسموم کا دلبر
شبیرؑ چلے لاش کے ٹکڑوں کو جو لے کر
لکھا ہے نکل آئے حرم خیمے کے باہر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نیوڑائے ہوئے سر
تھا سوچ کہ بے جاں ہوا فرزند حسنؑ کا
سر پیٹنا دیکھا نہیں جائے گا دُلہن کا

۲۱

روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
لاشوں میں لٹا آئے اسے جب شہِ ذی جاہ
خیمے میں رہا دیر تلک ماتمِ نوشاہ
سب سے کہا اب بھائی کا پرسا دو مجھے آہ
بولا جو تشریف لیے جاتے ہیں عباسؑ
بے تیغ ہمیں ذبح کئے جاتے ہیں عباسؑ

۲۲

کہہ کر یہ سخن روئے جو شاہنشہِ عالم
گھبرا کے لگی پیٹنے سر زینبِ پُرغم
نوشاہ کے ماتم میں ہوا اور بھی ماتم
نزدیک یہ تھا زوجۂ عباسؑ ہو بے دم
دل ہل گیا سینے میں رنڈاپے کی خبر سے
گھبرا کے جو اٹھی تو ردا گر گئی سر سے

۲۳

عباسؑ سے کچھ کہنے کا موقع جو نہ پایا
کہنے لگی صدقے گئی اُٹھو غضب آیا
روتی گئی اور غش سے سکینہ کو جگایا
اٹھا ہے مرے سر سے علمدار کا سایا
برباد میں ہوتی ہوں سنبھالو مجھے بی بی
للہ رنڈاپے سے بچالو مجھے بی بی

۲۴

تھے صحن میں خیمے کے تو یہ حشر کے آثار
سر کھولے ہوئے زوجۂ عباسؑ علمدار
ڈیوڑھی پہ کھڑے رو رہے تھے سیدِ ابرار
عباسؑ کے قدموں پہ گری آن کے اک بار
چلاتی تھی منہ لونڈی سے موڑا مرے صاحب
ان قدموں کے صدقے مجھے چھوڑا مرے صاحب

۲۵

ہے ہے مرے والی مرے وارث مرے آقا
بچے مرے کم سن ہیں میں ہوں بیکس و تنہا
ہے ہے مرے ہمدم مرے مونس مرے شیدا
صاحب میں کہاں بیٹھ کے کاٹوں گی رنڈاپا
شمشیر گلے پر مرے دھرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بے سر مجھے کرتے ہوئے جاؤ

۲۶

عباسؑ نے جھک کر اسے قدموں سے اٹھایا
جلتا ہوں ابھی سے ہے یہ کیا حال بنایا
اور پونچھ کے رومال سے آنسو یہ سنایا
بندے کے لئے کافی ہے اللہ کا سایا
کرتا ہوں ادا حق میں شہِ تشنہ گلو کا
دو ساتھ تم اس وقت میں زہراؑ کی بہو کا

۲۷

وہ قید اگر ہوئیں تو تم قید میں جانا
رکھیں وہ جہاں پاؤں وہاں آنکھیں بچھانا
شہزادی کی خدمت سے کبھی منہ نہ پھرانا
حیدرؑ کی بہو ہوں یہ کبھی دھیان نہ لانا
گو سمجھیں وہ شفقت سے عزیزوں کے برابر
تم جانیو قدر اپنی کنیزوں کے برابر

۲۸
جاؤ جو وطن دیجیو اماں کو یہ پیغام
کاندھے پہ اُٹھایا علمِ لشکرِ اسلام
جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا کام
سقائے حرم آپ کے بیٹے کا ہوا نام
مشہور ہیں غم خوارِ شہنشاہِ زمن ہوں
پر دودھ تو بخشو کہ ابھی تشنہ دہن ہوں

۲۹
یہ کہہ کے گئے خیمے سے با دیدۂ خونبار
اے قوتِ دل راحتِ جاں یارِ وفادار
مانگی جو سواری تو پکارے شہِ ابرار
بھائی کے کلیجے سے لپٹ جاؤ پھر اک بار
قسمت تمھیں ہاتھوں سے مرے کھوتی ہے بھائی
تم جاتے نہیں روح جدا ہوتی ہے بھائی

۳۰
دی فوج عدو کو یہ خبر پیک نے جا کر
سر تا بہ قدم غرق ہے آہن میں وہ صفدر
ہاں لشکریو آتے ہیں عباس دلاور
بے طور نظر آتے ہیں اس شیر کے تیور
حیدر کی طرح ہاتھ میں شمشیر دودم ہے
نیزے پہ تو مشکیزہ ہے کاندھے پہ علم ہے

۳۱
تب شمر نے پوچھا کہ ہے کیا آنے میں تاخیر
ہیں عاشقِ عباس علیؑ حضرتِ شبیرؑ
وہ بولا کہ اس حال میں میں کیا کروں تقریر
سو بار ہوئے رو رو کے بھائی سے بغل گیر
کہتے تھے ابھی میری تشفی نہیں ہوتی
پھر چھاتی سے لگ جاؤ کہ سیری نہیں ہوتی

۳۲
جب آخری تسلیم کو جھکتا ہے علمدار
جس وقت سنبھلتے ہیں تو کرتے ہیں یہ گفتار
گرتے ہیں کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
ناچار ہوں قابو مرا دل پر نہیں زنہار
رقت کا ہے یہ جوش کہ تھراتے ہیں عباسؑ
ہر مرتبہ قدموں سے لپٹ جاتے ہیں عباسؑ

۳۳
چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یہ اک دخترِ ناداں
غش ہو گئی ہیں صحن میں خیمے کے چچی جاں
عباسؑ چچا پھر کے چلے آؤ میں قرباں
پانی کے لیے اب نہ سدھارو سوئے میداں
جو ہے مری قسمت میں مصیبت وہ سہوں گی
بابا کو رلاؤ نہ میں پیاسی ہی رہوں گی

۳۴
یہ حال سنا جب پسرِ سعد نے سارا
آتا ہے سوئے نہر یداللہ کا پیارا
گھبرا کے کہا جلد ہو سب فوج صف آرا
ہاں غازیو روکے رہو دریا کا کنارا
گر قتل کیا بازوئے فرزندِ نبی کو
جیتا ہی پکڑ لیں گے حسین ابن علیؑ کو

۳۵
یہ سنتے ہی صف بستہ ہوا لشکرِ اظلم
تھا تیغوں کی تابندگی میں برق کا عالم
ہر صف میں نشانوں کے چمکنے لگے پرچم
پیغام قضا تیر لیے جاتے تھے پیہم
دریا پہ عجب معرکہ آرائی ہوئی تھی
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی تھی

۳۶
دیتے تھے جو نیزوں کو ستمگار تکانیں
گویا کہ نکالے ہوئے تھے مار زبانیں
جوں برق ہر اک صف میں چمکتی تھیں سنانیں
کھینچے تھے جو چلے تو کڑکتی تھیں کمانیں
ترکش کے جو منھ تیر فگن کھولے ہوئے ہیں
اژدر تھے کہ ڈسنے کو دہن کھولے ہوئے ہیں

۳۷

اک سمت زرہ پوش سواروں کے رسالے
تولے کوئی شمشیر کوئی گرز سنبھالے
تحت الحنکیں باندھے لیے ہاتھوں میں بھالے
اور تیس ہزار ایک طرف برچھیوں والے
کوسوں ہی وفورِ سپہِ شام ہوا تھا
اک پیاسے کی خاطر یہ سرانجام ہوا تھا

۳۸

زیبِ چمنِ حسن تھا وہ سروِ قباپوش
حسن ایسا کہ نظارے سے یوسف کے اڑیں ہوش
عمامہ جو سر پر تھا تو شملہ بہ سرِ دوش
موسیٰ اسے دیکھے تو تجلی ہو فراموش
خود ان کے منھ حسن نے قدموں سے ملا تھا
ہر عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلا تھا

۳۹

تھی غیرتِ آئینہ وہ پیشانیٔ انور
تھی رتبے میں سرِ لوح سے قرآں کی وہ ہمسر
ہو ماہ دو ہفتہ بھی جسے دیکھ کے ششدر
اور جلوہ گری میں کفِ موسیٰ کے برابر
بچپن سے جو سرگرمِ عبادت وہ جواں تھا
سجدے کا نشاں صاف ستارا سا عیاں تھا

۴۰

ابرو کی کمانوں میں عجب طرح کا خم تھا
آنکھ ایسی کہ حیرت زدہ آہوئے حرم تھا
پیوستہ تھی یہ رابطہ گوشوں میں بہم تھا
ہر موئے مژہ ناوکِ دل کش سے نہ کم تھا
دل سہم گیا سینے میں ہر دشمنِ جاں کا
تحریر نہ تھی سرمے کی چلہ تھا کماں کا

۴۱

نعرہ تھا کہ ہاں اے سپہِ شام خبردار
ہے قہرِ الٰہی مری صمصام خبردار
عباسؑ دلاور ہے مرا نام خبردار
نیزہ ہے مرا موت کا پیغام خبردار
میں لختِ جگر صاحبِ شمشیر دوسر ہوں
ہشیار کہ میں شیرِ الٰہی کا پسر ہوں

۴۲

فرما کے یہ لی تیغ بہادر نے میاں سے
ہر وار میں سر گرنے لگے برگِ خزاں سے
گھوڑے کو جو چھیڑا نہ رکا لاکھ جواں سے
چلنے میں زیادہ تھی رواں آبِ رواں سے
جس پر پڑی نازل ہوا قہر اس پہ خدا کا
تھی تیغ کی ضربت کہ طمانچہ تھا قضا کا

۴۳

ہر ضرب میں نعرہ تھا کہ یا حیدرِ صفدر
جب چمکی وہ بجلی تو جدا ہو گئے یک سر
مقتل کی زمیں ہو گئی تھی عرصۂ محشر
گردن سے سر اور جسم سے جاں روح سے پیکر
وہ قابضِ روحِ جسدِ اہلِ جفا تھی
عباسؑ کی شمشیر کے قبضہ میں قضا تھی

۴۴

لڑتا ہوا پہنچا سرِ ساحل جو وہ ذی ہوش
دریا جو نظر آیا تو رقت کا ہوا جوش
تھی تیغ علم ہاتھ میں اور مشک سبز دوش
یاد آئی سکینہؑ کی ہوئی جنگ فراموش
تھی خشک زباں پیاس کی گرمی سے دہن میں
آئی جو ہوا سرد تو جاں آ گئی تن میں

۴۵

چمکار کے رہوار کو اس نہر میں ڈالا
پیاسے تھے جو دو روز سے گھر میں شہِ والا
لہرایا جو پانی تو ہوا دل تہ و بالا
مشکیزہ کو بھر کر بہ سرِ دوش سنبھالا
اسوار جو بے پیاس بجھائے ہوئے نکلا
منھ پانی سے گھوڑا بھی اٹھائے ہوئے نکلا

۴۶
رہوار سے فرمایا کہ یہ سخت گھڑی ہے
رستے میں پرا باندھے ہوئے فوج کھڑی ہے
مشکیزے سے ایک ایک کی آنکھ اب تو لڑی ہے
پانی نہ تلف ہو یہ مجھے فکر بڑی ہے
دل سینے میں بیتاب ہے پیاسوں کے الم سے
مشکیزہ سنبھالیں کہ لڑیں فوج ستم سے

۴۷
گھوڑے نے کہا ہے ابھی در پیش ترائی
خیمہ تلک اس فوج سے مشکل ہے رہائی
حضرت نے تو یاں پیاس بھی آ کر نہ بجھائی
اور اس پہ بھری مشک ہے کاندھے پہ اٹھائی
بے پانی پیے ضعف سوا ہوئے گا آقا
طاقت ہی نہ ہوئے گی تو کیا ہوئے گا آقا

۴۸
عباسؑ نے فرمایا کہ اے اسپ وفادار
سیراب علمدار ہو پیاسا رہے سردار
مرجانا تو ہے سہل یہ امر ہے دشوار
فرزند ہیں اس کا ہوں جو کوثر کا ہے مختار
تو پی لے اگر شدت تشنہ دہنی ہے
اب ہم ہیں یہ انبوہ ہے اور تیغ زنی ہے

۴۹
گھوڑے نے کہا اے اسد اللہ کے جانی
ہر چند ہے دو دن سے مجھے تشنہ دہانی
پر جب نہ پئیں آپ تو کیوں کر پیوں پانی
ہرگز مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی
تا خیمہ گیا بچ کے اگر فوج ستم سے
بیار آنکھیں نہ ہوں گی فرس شاہ امم سے

۵۰
عباسؑ چلے کہہ کے توکلت علی اللہ
تنہا پہ پرے ٹوٹ پڑے فوج کے ناگاہ
دنکی ہوئی جب شام تو بدلی میں گھرا ماہ
انبوہ میں پیاسے کو نہ خیمہ کی ملی راہ
جوں شیر ادھر اور ادھر جاتے تھے عباسؑ
تلواریں ہی پڑتی تھیں جدھر جاتے تھے عباسؑ

۵۱
اُمڈا ہوا تھا فوج کا دریا لب ساحل
گھیرے ہوئے غازی کو چلے آتے تھے قاتل
رہوار بھی مجروح تھا اور آپ بھی گھائل
تا خیمہ پہنچنا تھا علمدار کا مشکل
تلوار تو اس کی صف اعدا کی طرف تھی
اور آنکھ خیام شہ والا کی طرف تھی

۵۲
تھا رخ سے ٹپکتا کبھی جوں اشک پسینہ
غم تھا کہیں لب تشنہ نہ رہ جائے سکینہ
لڑنے میں یہ تھا مشک بچانے کا قرینہ
سینے پہ کبھی مشک کبھی مشک پہ سینہ
سب صورت غربال بدن چھن گیا اس کا
چار آئینہ تیروں سے زرہ بن گیا اس کا

۵۳
اللہ نے دی تھی جو اسے ہمت عالی
دیتا تھا کبھی وار کو تلوار سے خالی
یوں آفت تیر ستم اس غازی نے ٹالی
سینہ کو سپر کر دیا اور مشک بچا لی
ہر حملے میں لشکر کو بھگا دیتے تھے عباسؑ
پانی کے لئے جان لڑا دیتے تھے عباسؑ

۵۴
ناگاہ سناں ابن انس بڑھ کے پکارا
لو غازیو یاور ہوا اقبال تمہارا
تھا فوج کے زغے میں ید اللہ کا پیارا
تلوار چلی واں علیؑ اکبر گیا مارا
بھائی کو مدد کے لئے چلاتے ہیں شبیرؑ
لاشہ علیؑ اکبر کا لئے آتے ہیں شبیرؑ

۵۵
سب بیبیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر — وہ روتی ہیں کلثومؑ وہ زینب ہیں کھلے سر
چلاتی ہے عباسؑ کو اک چھوٹی سی دختر — لب خشک ہیں بہتے ہیں پڑے کان کے گوہر
کہتی ہے کمک کرنے کو آتا نہیں کوئی — ہے ہے مرے بابا کو بچاتا نہیں کوئی

۵۶
یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباس علمدار — اور رو کے کہا ہائے مرے بھائی کے غمخوار
خیمے کی طرف جلد چلے پھیر کے رہوار — واحسرتا وہ کٹ گئی شانے پہ تلوار
مڑ کر طرف راست نظر کی کہ یہ کیا تھا — تلوار سے یاں دوسرا بازو بھی جدا تھا

۵۷
تھا ہاتھوں کا کٹنا کہ لگا مشک پہ بھی تیر — چلا کے کہا ہائے سکینہؑ تری تقدیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ جس وقت وہ دلگیر — آ پہنچے گریبان کو پھاڑے ہوئے شبیرؑ
منہ پاؤں پہ مَل مَل کے فدا ہوتے تھے عباسؑ — شہ رو کے لپٹ جاتے تھے جب روتے تھے عباسؑ

۵۸
تھے نزع میں عباسؑ یہ بھائی سے یہ پوچھا — اکبر کی تو ہے خیر یہ فرمایئے آقا
شہ بولے حفاظت کو ہے گھر کی اسے چھوڑا — یہ سن کے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
سجدے ہی میں دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ — مشکیزہ لئے چھاتی تلے مر گئے عباسؑ

۵۹
خامہ کو بس اب روک انیس جگر افگار — ہر بیت ہے اس مرثیے کی مطلع انوار
برگشتہ زمانہ ہے تو کچھ غم نہیں زنہار — حامی ہیں ترے حضرت عباس علمدار
فیاض دو عالم ہیں انیس غربا ہیں — سب مشکلیں آساں ہیں کہ وہ عقدہ کشا ہیں

سلام

غبار رہ کربلا ہو گئی — مری خاک بھی کیمیا ہو گئی
صبا لے کے آئی جو بوئے نجف — گرہ غنچۂ دل کی وا ہو گئی
ردائیں بھی سر پر نہیں اے فلک — یہ توقیر آل عبا ہو گئی
الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا — کہ دنیا ہی سب بے دغا ہو گئی
یہ عقدہ نہ کھلتا کبھی حشر تک — عنایات مشکل کشا ہو گئی
خوشا سرمۂ کربلا کا اثر — گرہ دال کھلی یاں شفا ہو گئی

قطعہ

نجف میں شراب آ کے سرکہ بنی — وہ کیفیت نشہ کیا ہو گئی
رہے سلطنت عدل سے تیر خدا — کہ بنت العنب پارسا ہو گئی
کہا شہ نے زخمی سے اکبرؑ کے بعد — بہن روح تن سے جدا ہو گئی

قطعہ

کلیجوں پہ چلنے لگی تیغ ہجر — بنی جب بنے سے جدا ہو گئی
یہ دولہا نے دستِ تأسف ملے — کہ ہاتھوں کی سرخی حنا ہو گئی
نہ گل میں محبت نہ بلبل میں اُنس — الٰہی یہ کیسی ہوا ہو گئی
یہ صدمہ ہوا وقت جنگ و جدل — کہ غش بنتِ مشکل کشا ہو گئی
خزاں کا جو گلشن میں جھونکا چلا — تو بس جانِ بلبل ہوا ہو گئی
وہ تعریف ہے جس میں سازش نہ ہو — وہ رقت ہے جو بے ریا ہو گئی

قطعہ

تلاطم سے نکلا ہمارا جہاز — مناسب موافق ہوا ہو گئی
بہت ڈر سمندر کی لہروں کا تھا — طبیعت مگر آشنا ہو گئی
کیا ابرِ رحمت نے ایسا کرم — کہ پانی رہِ کربلا ہو گئی
نگہبانِ کشتی جو تھا فخرِ نوح — ہر اک موج خود ناخدا ہو گئی
مجھی پر نہیں کچھ علیؑ کا کرم — ہزاروں کی حاجت روا ہو گئی
کہا شہ نے نکلا جو اصغرؑ کا دم — مرے پھول سے بو جدا ہو گئی
فلک کیوں نہ پھٹ کر زمیں پہ گرا — علیؑ کی بہو بے ردا ہو گئی

قطعہ

دمِ نزع کس کس کا شکوہ کریں — نہ اک تاب و طاقت جدا ہو گئی
رہا مدتوں ساتھ جس روح کا — وہ دم بھر میں ناآشنا ہو گئی
گھلا یہ غمِ شہ میں عابدؑ کا جسم — قبا تھی جو تن میں عبا ہو گئی

قطعہ

سکینہؑ یہ کہتی تھی زنداں میں — محبت عنایت وہ کیا ہو گئی
گلا میرا باندھا نہ پوچھی خبر — چچا بس میں تم سے خفا ہو گئی
کئی دن نہ پانی کا قطرہ ملا — مسافر پہ کیا کیا جفا ہو گئی
کسی نے نہ پوچھا لعینوں سے آہ — کہ معصوم سے کیا خطا ہو گئی
انیسؔ آ چکے تھے تہِ تیغ مرگ — سپر مومنوں کی دعا ہو گئی

مرثیہ

عباس علیؑ قبلۂ ارباب وفا ہے
ثابت قدم جادۂ تسلیم و رضا ہے
خورشید سپہر کرم و لطف و عطا ہے
شمشیر خدا ہے خلف شیر خدا ہے
کس شوق سے صدقہ ہوا فرزند نبیؐ کے
قربان علمدار حسین ابن علیؑ کے

۲

سقائے حرم نام ہے اس شیر ژیاں کا
یہ جاہ تھی کوثر کی یہ شائق تھا جناں کا
دل غم سے بھر آئے نہ کیوں ہر پیر و جواں کا
قطرہ نہ بہشتی نے پیا آب رواں کا
تھے پیاس سے لب خشک پہ دریائے سخا تھا
وہ کر گیا دنیا میں جو کچھ حق وفا تھا

۳

اللہ رے اقبال زہے عزت و توقیر
سرتا بہ قدم حیدر کرارؑ کی تصویر
ارشاد کریں قوت بازو جسے شبیرؑ
ضرغام وفا حامی دیں صاحب شمشیر
پیدا ہے شجاعت رخ گلفام سے اسکے
شیروں کے جگر کانپتے ہیں نام سے اسکے

۴

کیا حسن ہے کیا رعب ہے کیا شیر جواں ہے
صناعی حق اس کے سراپا سے عیاں ہے
کیا زور ہے کیا دبدبہ کیا شوکت و شاں ہے
ہر عضو کی خوبی پہ لطافت نگراں ہے
شیون ہے بپا تعزیہ داروں کے مکاں میں
ذکر قد و قامت سے قیامت ہے جہاں میں

۵

اللہ نے بخشی ہے عجب نام کو تاثیر
وہ مشکل لاحل جو نہ حل ہو کسی تدبیر
شیعوں کی پناہ اور عدو کے لئے شمشیر
یا حضرت عباسؑ کہا پھر نہیں تاخیر
اعجاز و کرامت اسے کہیئے تو بجا ہے
بے دست ہے اور مثل علیؑ عقدہ کشا ہے

۶

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اسکا ہوا عام
با سے برکت اور الف اول اسلام
یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
ہے سین سعادت یہ اسی نام کا انجام
یہ اسم مقدس تو سعید ازلی ہے
اعلیٰ نہ ہو کیوں کر کہ شریک اسکے علی ہے

۷

شیران جہاں اس کے تہور سے ہیں روباہ
زور ایسا ہے کہ کوہ گراں مثل پر کاہ
رتبہ ہے بلند ایسا کہ افلاک ہیں کوتاہ
رعب ایسا کہ ہوتا ہے یقین اسداللہ
حسن ایسا کہ خورشید کا منہ زرد ہوا ہے
یوسفؑ کا بھی بازار یہاں سرد ہوا ہے

۸

سادات ہے اور شیر الٰہی کا پسر ہے
تیغ اس کی کلید در اقبال و ظفر ہے
جرار ہے ہنگام وغا لاکھ پہ در ہے
اور آپ شہ دیں کی حفاظت کی سپر ہے
یاور ہو تو ایسا ہو جو صفدر ہو تو ایسا
عاشق ہو تو ایسا ہو برادر ہو تو ایسا

۹

جس طرح محمدؐ پہ فدا ہوتے تھے حیدرؑ
حضرت کو بھی پیارے تھے یہ بیٹوں کے برابر
ان کو بھی اسی طرح سے ہے عشق برادر
جوں سایہ نہ قدموں سے جدا ہوتے تھے دم بھر
فرماتے تھے جان و تن شبیرؑ ہے عباسؑ
قوت ہے مری اور مری شمشیر ہے عباسؑ

۱۰

فرماتے تھے حضرت تو انھیں قوتِ بازو
حیدر سے شباہت تھا سراپا جو وہ گلرو
اور کہتے تھے یہ ہوں میں غلام شہِ خوش خو
جب دیکھتے تھے شاہ تو بھر لاتے تھے آنسو
کہتے تھے نشانی ہے یہ احمد کے وصی کی
یہ میرے مرقع میں ہے تصویر علیؑ کی

۱۱

کرتے تھے شہِ دیں پہ فدا جان گرامی
سروِ چمنِ دیں کے ہوئے عشق میں نامی
اللہ رے کی ان پہ محبت کی تمامی
گردن میں تھا قمری کی طرح طوقِ غلامی
پروانۂ شمعِ رخِ شاہِ شہدا تھا
بلبل کی طرح وہ گلِ زہرا پہ فدا تھا

۱۲

جس دن سے مدینے سے چلے سیدِ ابرار
راتوں کو بھی مانندِ قمر رہتے تھے بیدار
عباسؑ نے کھولے نہ کمر سے کبھی ہتھیار
اور خیمے کے جو گرد پھرا کرتے تھے ہشیار
عاشق تھے زبس دوشِ محمدؐ کے مکیں کے
اس پردے میں ہوتے تھے تصدق شہِ دیں کے

۱۳

فرماتے تھے یہ بارگہِ شاہِ اُمم ہے
اس گھر کا ادب فرض ہے جبتک مرا دم ہے
کیا رتبہ میں کچھ خانۂ کعبہ سے یہ کم ہے
گرد اوری خیمہ نہیں طوف سے کم ہے
یہ احمدِ مختارؐ کے پیاروں کا مکاں ہے
یہ عرشِ معلے کے ستاروں کا مکاں ہے

۱۴

جب متصلِ ماریہ پہونچے شہِ ابرار
باگ اس نے جو پکڑی تھی تو پیدل تھا علمدار
اور حرِّ دلاور سے ہوئی راہ میں تکرار
اک ہاتھ میں تھی شہ کی رکاب ایک میں تلوار
تھراتے تھے یہ غیظ تھا عباس علیؑ کو
حضرت کے قریب آنے نہ دیتے تھے کسی کو

۱۵

شہ کہتے تھے شفقت سے چڑھو گھوڑے پہ بھائی
کہتے تھے گوارا انہیں حضرت کی جدائی
پیدل ہوئے کس واسطے کیا جی میں ہے آئی
ان قدموں سے ملتا چلے آنکھوں کو فدائی
آقا مرا جب راکبِ دوشِ نبویؐ ہو
کیوں کر نہ جلو میں مجھے چلنے کی خوشی ہو

۱۶

میدانِ شہادت میں جو وارد ہوئے سرور
برپا ہوا ریتی پہ خیامِ شہِ صفدر
واں گھاٹ پہ اُترا ہوا تھا شام کا لشکر
پانی نہ کئی دن ہوا پیاسوں کو میسر
عباسؑ کو پانی کے نہ ملنے کا اَلم تھا
بھائی کی بھی تھی فکر سکینہؑ کا بھی غم تھا

۱۷

جب روزِ دہم رن میں صف آرا ہوئے اعدا
پیغام یہ شہ نے پسرِ سعد کو بھیجا
عباس علیؑ نے بھی پرا فوج کا باندھا
لشکر سے جدا ہو کے ادھر چند قدم آ
ہمراہ کسی کو نہ وہاں لاؤں گا میں بھی
کچھ کہنا ہے تنہا ترے پاس آؤں گا میں بھی

۱۸

سن کر یہ سخن شاہ کا وہ فوج سے نکلا
تنہا چلے پاس اس کے ادھر سے شہِ والا
ساتھ اس کے غلام ایک تھا اور ایک تھا بیٹا
فرمایا مرے ساتھ کوئی آوے نہ اصلا
پر بھائی کی تنہائی سے گھبراتے تھے عباسؑ
سایہ کی طرح پیچھے چلے جاتے تھے عباسؑ

۱۹

اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ شہنشاہِ خوش اوقات
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اکبرؑ نے کہی بات
مڑ کر کہا حضرت نے کہ کیوں آتی ہو تم سات
اس کا بھی پسر ساتھ ہے اے قبلۂ حاجات
ہم ساتھ نہ کیونکر ہوں کہ حضرت کے خلف ہیں
باطل کی طرف وہ ہے تو ہم حق کی طرف ہیں

۲۰

عباسؑ سے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
کی عرض علمدار نے تب قدموں پہ گر کر
تم ٹھہرو یہیں میں ابھی آتا ہوں برادر
اس کا بھی تو ہے ساتھ غلام اے شہِ صفدر
کس طرح جلو میں یہ ہوا خواہ نہ ہوئے
حضرت کا غلام آپ کے ہمراہ نہ ہوئے

۲۱

الفت پہ علمدار کی روئے شہِ ابرار
اس وقت کہاں ہوئے گا تو اے مرے غمخوار
فرمایا کہ تنہائی مری تجھ پہ ہے دشوار
جب ذبح کرے گا مجھے خنجر سے جفاکار
یہ جسم مرا ظلم کے تیروں سے چھنے گا
تلواریں چلیں گی تو سپر کون بنے گا

۲۲

فرما کے یہ پیشِ عمرِ سعد گئے شاہ
حجت ہوئی اتمام پھرے سیدِ ذی جاہ
سمجھایا بہت اس کو یہ سمجھا نہ وہ گمراہ
تیر آنے لگے لشکرِ کفار سے ناگاہ
روکیں سپریں چہروں پہ انصار جری نے
اور سینہ سپر کر دیا عباس علیؑ نے

۲۳

بازارِ اجل گرم تھی چلنے لگی تلوار
ہر شہ کے یگانے ہوئے سر دینے پہ تیار
مارے گئے مولا کے رفیقانِ وفادار
چھٹنے لگا تلواروں سے زہرا کا وہ گلزار
بے جاں ہوا دولھا بھی جو میدانِ ستم میں
اک حشر تھا کبریٰؑ کے رنڈاپے کا حرم میں

۲۴

روتے تھے کھڑے خیمہ کے در پہ شہِ ابرار
تھی عرض یہی اے خلفِ احمدِ مختارؐ
اور لپٹا تھا شبیرؑ کے قدموں سے علمدار
ہے اب تو غلام آپ سے رخصت کا طلبگار
سب فوج گئی جانبِ کوثر مرے مولا
اب دیکھیے خادم کے بھی جوہر مرے مولا

۲۵

شہ کہتے تھے مجھ پر ہے عیاں تیری شجاعت
اللہ رے سردار و علمدار کی الفت
لیکن یہ نہ ہوگا یہ نہ ہوگا کسی صورت
وہ رو کہتے تھے اور یہ کرتے تھے سماجت
تھا شہ کا یہ مطلب کہ نہ بھائی سے جدا ہوں
اور ان کو تمنا تھی کہ آقا پہ فدا ہوں

۲۶

لپٹاتے تھے چھاتی سے انھیں سبطِ پیمبرؐ
فرماتے تھے شہ ہم کو رلاؤ نہ برادر
یہ جوڑے ہوئے ہاتھوں کو جھکتے تھے قدم پر
لو جاؤ نہ روکیں گے جو مرضی ہے سو بہتر
قاسمؑ کی طرح داغ تمہارا بھی سہیں گے
اب منھ سے بہ جز شکرِ خدا کچھ نہ کہیں گے

۲۷

کہنے کو کہا یہ پہ ہوا صدمۂ جاں کاہ
ڈیوڑھی پہ لگے پیٹنے آ کر حرمِ شاہ
فرمایا تڑپ کر کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
غل سن کے یہ بولے پسرِ سعد کے ہمراہ
منگوا تو خبر خیمۂ شاہِ شہدا کی
یہ غل ہے کہ ہلتی ہے زمیں کرب و بلا کی

۲۸
دو بھانجے اور ایک بھتیجا ہوا بے سر
کچھ درد ہے اس وقت کہ بیتاب ہیں سرور
اس طرح مگر روئے نہیں سبطِ پیمبر
آہوں کی صدایاں چلی آتی ہے مکرر
روتے ہیں کئی بار دمِ سرد بھرا ہے
تو سن تو کہ فریاد میں کیا درد بھرا ہے

۲۹
ہنس کر پسرِ سعد ستمگار یہ بولا
سب بچوں میں شبیرؑ سکینہؑ کے ہیں شیدا
فاقہ کئی دن سے ہے کوئی مر گیا ہوگا
سنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اسکا
دنیا سے وہ مظلومہ سفر کر گئی ہوگی
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

۳۰
تب کہنے لگا شمرِ لعیں یہ نہیں زنہار
آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار
ہے صابر و شاکر پسرِ احمدِ مختار
ہوتا ہے جدا سبطِ پیمبر سے علمدار
بے وجہ نہیں خیمے میں رونے کا یہ غل ہے
معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

۳۱
اک لڑکی جو کہتی ہے بصد نالہ و افغاں
بھر لا دو مری مشک کو دریا سے میں قرباں
فریاد ہے میں پیاس سے مرتی ہوں چچا جاں
بیٹی شہِ بےکس کی سکینہؑ ہے وہ ناداں
عباس اگر کوہِ ستم آج کرے گا
بے مشک بھرے نہر سے خالی نہ پھرے گا

۳۲
یہ ذکر تھا جو فوج میں غل ہو گیا اک بار
کاندھے پہ تو ہے مشک و علم ہاتھ میں تلوار
گھوڑے کو اڑاتا ہوا آتا ہے علمدار
آمد میں ہے اک دبدبۂ حیدرِ کرار
جب تیغ کھنچی تہلکہ لشکر میں پڑے گا
کس کا یہ کلیجہ ہے کہ جو اس سے لڑے گا

۳۳
نورِ رخِ عباسؑ سے صحرا ہوا روشن
میدانِ بلا خطہ ہوا وادیٔ ایمن
خورشید نظر آیا چراغِ تہِ دامن
ہیبت بھی پر ایسی تھی کہ تھرا گئے دشمن
اللہ نے بخشا تھا عجب رعب نظر کو
تھا آنکھ ملانے کا نہ مقدور بشر کو

۳۴
بولا کوئی کیا صاحبِ حشمت ہے یہ غازی
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہے یہ غازی
سردفترِ اربابِ شجاعت ہے یہ غازی
فوجِ شہِ ابرار کی زینت ہے یہ غازی
آفاق میں یہ جاہ و حشم کس کے لئے ہے
لائق یہ علم کے ہے علم اسکے لئے ہے

۳۵
جعفرؑ کی طرح ولولۂ تیغ زنی ہے
جوں شیرِ خدا قوتِ خیبر شکنی ہے
ہم شوکتِ حمزہؑ یہ شجاعت کا دھنی ہے
مظلومیٔ شبیرؑ ہے خلقِ حسنی ہے
اجلالِ محمدؐ رخِ زیبا سے عیاں ہے
سب شان بزرگوں کی سراپا سے عیاں ہے

۳۶
اس کے قد و قامت کا نہیں دہر میں ثانی
شاداب ہے کس حسن سے گلزارِ جوانی
پائی یہ کہاں سروِ گلستاں نے روانی
شیریں سخنی گل بدنی غنچہ دہانی
شوق اسکی قدم بوسی کا ہے چرخِ بریں کو
کیا دیکھتا ہے رشک سے جھک جھک کے زمیں کو

۳۷

کیا دوشِ مبارک پہ ہے اوجِ علمِ شاہ
پنجے سے تجلی پنجۂ خورشید و رُخِ ماہ
جنت کی ہوا اس کے پھریرے کی ہوا خواہ
اللہ کا لفظ اس سے عیاں ہوتا ہے واللہ
دیکھو تو حشم بازوئے شاہِ شہدا کا
سایہ سپرِ نور پہ ہے دستِ خدا کا

۳۸

نور سپرِ نور سے اب خود ہے منوّر
کیا ہاتھوں میں زیبندہ ہیں دستانۂ حیدر
چار آئینہ کو دیکھ کے حیرت میں ہے لشکر
کڑیاں ہیں زرہ کی کہ ہیں شمشیر کے جوہر
قبضے میں قضا جس کے کماں دوش پہ ایسی
شمشیر کا دم بند ہو جس سے سپر ایسی

۳۹

نیزہ وہ کہ چار آئینۂ فولاد کا توڑے
وہ تیغ کہ دشمن سے کبھی منہ کو نہ موڑے
مرجائے عدو تیر کماں میں جو یہ جوڑے
پکڑے اجل اس کو یہ سمکتا جسے چھوڑے
گھوڑا وہ کہ بجلی کی تڑپ گرد ہوئی ہے
یہ گرمِ روش ہے کہ ہوا سرد ہوئی ہے

۴۰

تب شمر سے بولا عمرِ سعدِ بد اختر
نزدیک ہے اٹھ جائیں قدم فوج کے یکسر
عباسؑ کے تو رعب سے تھراتا ہے لشکر
اس غازی سے گر صلح تو ہے جنگ سے بہتر
تلوار چلی گر تو خدا جانیے کیا ہو
کچھ فکر کر ایسی کہ یہ بھائی سے جدا ہو

۴۱

اس نحس نے کی سعد کے بیٹے سے یہ تکرار
ظاہر ہے وفاداریِ عباسِ علمدارؑ
حاکم ہے ترے حکم سے مجکو نہیں انکار
یہ بات نہ مانے گا نہ مانے گا وہ زنہار
خوں اس کا پسینے پہ شہِ دیں کے گرے گا
ہو جائے گا ٹکڑے پہ نہ بھائی سے پھرے گا

۴۲

ہیں اہلِ وفا لختِ دلِ حیدرِ صفدرؑ
ان کے نہ ڈگیں پاؤں اگر تن سے کٹے سر
دنیا کا نہ لالچ ہے انھیں نے طمعِ زر
یہ سیفِ الٰہی ہیں وفا ان کا ہے جوہر
سادات ہیں نورِ نظرِ شاہِ نجف ہیں
یہ جس کے طرفدار ہیں بس اُسکی طرف ہیں

۴۳

یہ کہہ کے وہ مکار چلا سوئے علمدار
غصے سے کھڑے ہو گئے سب موئے علمدار
اور غیظ سے یاں سُرخ ہوا روئے علمدار
بل کھانے لگے گیسوئے خوشبوئے علمدار
ابرو پہ تو بل آ گیا شمشیر کی صورت
دیکھا طرفِ شمرِ لعیں شیر کی صورت

۴۴

شعلے کی طرح کانپ گیا ڈر سے وہ ناری
دہشت جب یہ تقریر زباں سے ہوئی جاری
پیچھے بھی ہٹا اور بڑھا بھی کئی باری
حاکم نے مجھے بھیجا ہے اے عاشقِ باری
غصہ کی نہ باتیں نہ لڑائی کے سخن ہیں
سن لیجیے کہ حضرت کی بھلائی کے سخن ہیں

۴۵

فرمایا علمدار نے کہہ کیا ہے وہ پیغام
کرتے ہیں عبث آپ لڑائی کا سر انجام
تب دستِ ادب جوڑ کے بولا یہ وہ خودکام
حضرت کے تو ہے نام کی عاشق سپہِ شام
مشتاقِ ملاقات کے سب چھوٹے بڑے ہیں
واں ہاتھوں میں تلواریں لئے سردار کھڑے ہیں

۴۶
چلیے مرے ہمراہ ادھر کو تو ہے بہتر
سالاری ہے واں لاکھ جوانوں کی مقرر
یاں آپ کی خاطر ہے علمداریٔ لشکر
نکلا ہوا ہے کشتیوں میں خلعتِ پُر زر
جاگیر بھی ہاتھ آئے گی راحت بھی ملے گی
دولت بھی مدینے کی حکومت بھی ملے گی

۴۷
کیوں آپ اٹھاتے ہیں ادھر پیاس کی ایذا
واں پانی بھی موجود ہے کھانا بھی مہیا
افسوس کرے ایسا جواں فاقے یہ فاقہ
حاکم تھیں لشکر کے تھیں مالکِ دریا
زنہار نہیں بغض و حسد اور کسی سے
ہم کو تو عداوت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ سے

۴۸
فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی
شبیرؑ کی منظور نہیں پیاس بجھانی
لے آئیے ان کو وہ پئیں شوق سے پانی
حلق ان کا ہے اور خنجرِ براں کی روانی
احمدؐ سے نہ حیدرؑ سے نہ زہراؑ سے ڈریں گے
پیاسا پسرِ فاطمہؑ کو ذبح کریں گے

۴۹
اور دل ہے سکینہ کی اگر پیاس پہ بے تاب
زینبؑ کی ردا چھینیں گے اور لیویں گے اسباب
شبیرؑ کے بعد اس کو بھی کر دیویں گے سیراب
پر آپ کی زوجہ کا بھلا دیویں گے نہ آداب
رسّی سے بندھا عابدؑ بیمار چلے گا
حضرت کا پسر گھوڑے پہ اسوار چلے گا

۵۰
عباسؑ نے جس دم یہ سنی شمر کی تقریر
سرتا بہ قدم کانپ گیا عاشقِ شبیرؑ
معلوم ہوا یہ کہ کلیجے پہ لگا تیر
فرمایا زباں بند کر او ظالم بے پیر
میں عاشقِ شبیرؑ ہوں میں اہلِ وفا ہوں
سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جدا ہوں

۵۱
اس تفرقہ سازی کا مزا تجھ کو چکھا دوں
جوں حرفِ غلط دفترِ عالم سے مٹا دوں
ہے شرط کہ شمشیر کے شعلے سے جلا دوں
اک حملہ میں کیوں شام کے لشکر کو بھگا دوں
واقف نہیں کیا رتبہ سے اولادِ علیؑ کے
ظالم مرے منہ پر یہ سخن بے ادبی کے

۵۲
وہ کیا ہے جفاکار تری فوج ہے کیا مال
اک جان دو قالب ہوں میں اور فاطمہؑ کا لال
لوں باگ جو گھوڑے کی تو کر دوں ابھی پامال
آقا سے جدائی پس مردن بھی ہے اشکال
مر کر بھی شہِ دیں پہ مری جان رہے گی
بھائی پہ مری روح بھی قربان رہے گی

۵۳
روشن ہو مرا نام تجھے شمع امامت
ہو بادشہِ یثرب و بطحیٰ کی شہادت
بے سر ہوں وہ اور پہنوں میں سرکار کا خلعت
تب مجھ کو ملے شہر مدینہ کی حکومت
تحقیر ہے یہ منصب و جاگیر نہیں ہے
پھر خاک ہے دنیا میں جو شبیرؑ نہیں ہے

۵۴
خلعت ترا کیا چیز ہے او ظالم بے پیر
مختار ہیں کوثر کے ہماری ہے یہ توقیر
یاں حلۂ فردوس ہے اور دامنِ شبیرؑ
منصب ہے غلامی شہ اور خلد ہے جاگیر
کچھ حشمتِ ظاہر کی ہمیں چاہ نہیں ہے
واں دولتِ دنیا ہے تو یاں دولتِ دیں ہے

۵۵
مجھ کو تو نہ ہے بھوک نہ ہے تشنہ دہانی
آب دم شمشیر کی جب ہوگی روانی
غم یہ ہے کہ پیاسا ہے یداللہ کا جانی
پی لیویں گے ہم بازوؤں کے زور سے پانی
دریا کی طرف تیغ بڑھا کر جو جھکیں گے
جوں سیل ہزاروں کے نہ روکے سے رکیں گے

۵۶
شہزادۂ عالم تو پیادہ چلے دم بھر
زہرا کی بہو بیٹیاں بلوے میں کھلے سر
بیٹا مرا اسوار چلے گھوڑے کے اوپر
زوجہ مری پردہ میں ہو اوڑھے ہوئے چادر
آقا کا نہ ہو دل ساتھ میں ایسا تو نہیں ہوں
زینبؑ کی وہ لونڈی میں غلام شہ دیں ہوں

۵۷
فرزند گرامی مرا اکبر پہ تصدق
زوجہ مری شبیر کی خواہر پہ تصدق
چھوٹا مرا بیٹا علی اصغرؑ پہ تصدق
سارا مرا گھر فاطمہؑ کے گھر پہ تصدق
سو جان گرامی سر شبیرؑ کے صدقے
عباس علیؑ دختر شبیر کے صدقے

۵۸
واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر
یاں خیمہ کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
چلّایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوئے شبیرؑ
اس فوج میں فرزند امیر نجف آیا
عباس علمدار ہماری طرف آیا

۵۹
اکبرؑ سے یہ بولا پسر مخبر صادق
یہ بات نہیں رتبۂ عباسؑ کے لائق
کاذب ہیں جفاکار ہیں مفسد ہیں یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق
بھائی سے کنارہ کبھی بھائی نہ کرے گا
عباس علیؑ مجھ سے برائی نہ کرے گا

۶۰
ناموس نبیؐ میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانوں گی میں زنہار
کیا ماجرا ہے بیبیو مجھ سے کرو اظہار
ہے دیر سے ایک شور بپا لشکر کیں میں
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کیں میں

۶۱
بولی یہ سکینہؑ کہ چچی تم سے کہوں کیا
اور کہتے ہیں آپس میں خوشی ہو کے یہ اعدا
روتے ہیں کمر پکڑے ہوئے ہاتھوں سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہ دیں ہوئے تنہا
اس صدمہ سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
میں پیاس بھی بھولی ہوں یہ عموں کا قلق ہے

۶۲
چپکے سے سکینہ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
غرق عرق شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بے جا ہے یہ وسواس
قوت شہ والا کی انھیں سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے نہ مانوں گی غلط ہے

۶۳
میں روتی تھی شب کو تو یہ سمجھاتے تھے ہر بار
سردار پہ کل ہوگا تصدق یہ علمدار
تم لونڈی ہو اور میں ہوں غلام شہ ابرار
کچھ اپنے رنڈاپے کا نہ غم کیجیو زنہار
فدیہ ہوں میں اسکا جو محمدؐ کا خلف ہے
میری بھی سعادت ہے تمھارا بھی شرف ہے

۶۴
بھائی کو وہ پیارے ہیں انھیں بھائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قسمت ہی الٹ جائے تو اس کا نہیں چارا
لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
بھائی کو کسی بھائی سے پھرتے نہیں دیکھا

۶۵
اس سوچ میں پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر
اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
دھڑکا تھا کہ اب کیا کہیں گے آن کے سرور
یارب نہ سنوں میں کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

۶۶
بھیجوں کسے رن میں جو مفصل خبر آئے
شمرِ ستم آرا کی نہ امید بر آئے
کیا وجہ جو گھر میں نہ شہِ بحر و بر آئے
آپ آئیں و یا مشک و علم خوں میں تر آئے
کھل جائے کہ عاشق تھا شہِ ہر دوسرا کا
شہرہ ہو جہاں میں مرے والی کی وفا کا

۶۷
آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان میں جاؤ
باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
بیتاب ہوں اے لال خبر باپ کی لاؤ
تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہیں کہ مارے گئے عباسؑ

۶۸
غیرت سے ہوئی جاتی ہوں میں بے کس و ناچار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے بہ تکرار
کہتے ہیں عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
کیا قہر ہے تم شمر سے کیوں کرتے ہو گفتار
وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھیں کیا ہے

۶۹
کچھ پانی کے لانے کی کرو نہر سے تدبیر
گہوارے میں دم توڑتا ہے اصغرؑ بے شیر
حالت ہے سکینہؑ کی بہت پیاس سے تغییر
کیا مشورہ ہے جنگ میں کیوں کرتے ہو تاخیر
تم صاحبِ شمشیر ہو فرزند علیؑ ہو
وہ کام کرو فاطمہؑ کی جس میں خوشی ہو

۷۰
یہ سنتے ہی تو بادۂ عباسؑ دلاور
ماں کہتی چلی پیچھے کہ جلد آئیو دلبر
خیمے سے چلا ہنسلیاں پہنے ہوئے باہر
گھبرا کے یہ کہتی چلی شبیرؑ کی خواہر
عباسؑ کی ہے خیر عبث روتی ہو بی بی
بچے کو بھلا ہاتھ سے کیوں کھوتی ہو بی بی

۷۱
تھا در پہ بجرم حرمِ احمدِ مختارؐ
کہتا تھا وہ معصوم لیے ہاتھ میں تلوار
کھولے تھی سر زوجۂ عباسؑ علمدار
کیوں روکا ہے جانے دو سوئے لشکرِ کفار
بابا تو مرے ہوئیں گے سرور پہ تصدق
ہو جاؤں گا میں بھی علی اصغرؑ پہ تصدق

۷۲
کرتے ہیں مرے باپ پہ تہمت یہ ستمگر
دکھلاؤں گا ان کو میں وفاداری کا جوہر
اس جھوٹ کی دیتا ہوں سزا میں انھیں جا کر
بیٹے ہیں علیؑ کے ہمیں مرنے کا نہیں ڈر
ہم اہلِ مروت ہیں وفا ختم ہے ہم پر
سر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں آقا کے قدم پر

۷۳

آنکھوں میں بھرے اشک وہ کرتا تھا یہ تقریر
منہ چوم کے فرماتی تھی یہ بانوئے دل گیر
لیتی تھی بلائیں شہِ مظلوم کی ہمشیر
صدقے تری جرأت کے میں اے صاحبِ شمشیر
گھر میں چلے کیوں غصہ سے تھراتے ہو پیارے
رکتے نہیں جب غیظ میں تم آتے ہو پیارے

۷۴

تہمت کوئی کر سکتا ہے بابا پہ تمھارے
پھر جائے گا وہ بھائی پہ جو جان کو وارے
یہ مکر و فریب اہلِ شقاوت کے ہیں سارے
اس غصہ کو جانے دو کدھر دھیان ہے پیارے
عباسؑ کا رتبہ شہِ دل گیر سے پوچھو
قدر ان کی وفاداری کی شبیرؑ سے پوچھو

۷۵

کیا ہوتا ہے کہنے دو اگر کہتے ہیں گمراہ
یاں ذکر یہ تھا اور اُدھر رو رہے تھے شاہ
تم بچے ہو واری ابھی میداں کی نہ لو راہ
ناگاہ ہوا شور میانِ صفِ جنگ گاہ
لو غیظ میں فرزند امیرِ عرب آیا
تلوار علمدار نے کھینچی غضب آیا

۷۶

یہ غل جو سنا زوجۂ عباسؑ نے اک بار
پردے سے لگی دیکھنے رن کو وہ دل افگار
سرخی سی ہوئی چاند سے چہرہ پہ نمودار
دیکھا کہ علمدار سے ہے چل رہی تلوار
سب سے کہا دیکھو یہ دغا ہے کہ وفا ہے
بھائی کو علمدار نے چھوڑا تو یہ کیا ہے

۷۷

میداں میں چمکتی ہے یہ کس شیر کی شمشیر
اس وقت نہیں کرتے خوشی ظالمِ بے پیر
کس کا ہے یہ نعرہ کہ نثارِ سرِ شبیرؑ
بخشا کسے منصب کسے دی خلعت و جاگیر
چھوڑی ہے علمداری تو وہ اوج کہاں ہے
سردار گیا فوج کا پھر فوج کہاں ہے

۷۸

یہ کہتی تھی اور اشک تھے رخسار پہ جاری
پھر سبطِ پیمبرؐ کو یہ ڈیوڑھی سے پکاری
ساتھ اس کے حرم کرتے تھے سب گریۂ و زاری
کس شان سے لڑتا ہے غلام آپ کا واری
عباسؑ کے ہاتھوں کی صفائی کو تو دیکھو
لاکھوں سے اکیلے کی لڑائی کو تو دیکھو

۷۹

تھا محوِ تردد کہ ہوئی جنگ میں کیوں دیر
دشمن سے ملی آنکھ تو رکتے نہیں پھر شیر
حضرت نے کیا منع کہ اعدا نے لیا گھیر
کیا وجہ کہ عباسؑ نے کھینچی نہیں شمشیر
اب مٹ گئے دھڑکے کہ دغا کرتے ہیں عباسؑ
جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباسؑ

۸۰

کیا آپ کی الفت ہے اس الفت کے میں قربان
لڑنے میں بھی جاری ہے زباں سے یہی ہر آن
بیٹے کا خیال ان کو نہ اس دم ہے مرا دھیان
نقشِ قدمِ شہ پہ تصدق ہے مری جان
لاکھوں میں وہ تنہا ہیں یہ لونڈی ہے قلق میں
صدقے گئی کچھ کیجے دعا بھائی کے حق میں

۸۱

شہ بولے دعا کرتا ہے سینہ میں مرا دل
صادق ہے محبت میں وفاداری میں کامل
آساں کرے اللہ مرے بھائی کی مشکل
کس شوق سے طے کرتا ہے یہ عشق کی منزل
بھائی کا مرے ذکر دعا کرتی ہیں زہراؑ
سر کھولے ہوئے اسکو دعا کرتی ہیں زہراؑ

۸۲

محبوبِ خدا ہیں ترے شوہر کے ثنا خواں
فرماتے ہیں رو رو کے میں عباسؑ کے قرباں
ہیں اس کی شجاعت کے معترف شیرِ مرداں
اور جعفرؑ و حمزہؑ بھی ہیں شرمندۂ احساں
عباسؑ سے سب ساکنِ افلاک خوش ہیں
راضی ہے خدا پنجتنِ پاک خوش ہیں

۸۳

کس سے کہوں اس دم ہے جو صدمہ مرے دلبر
وہ چلتا ہے چلتے ہیں جگر پر مرے خنجر
افسوس بچھڑتا ہے برادر سے برادر
بھائی کی محبت پہ فدا سبطِ پیمبر
دو روز کی اس بھوک کے اور پیاس کے صدقے
شبیرؑ وفاداریٔ عباسؑ کے صدقے

۸۴

اس نے کہا یہ منھ سے نہ فرمائیے شاہا
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں واللہ
عباسؑ غلام آپ کا آپ اس کے ہیں آقا
بانوؑ کو سہاگن رکھے حق ہے یہ تمنا
دنیا میں رہیں آپ سلامت یہ دعا ہے
عباس سے سو ہوویں تصدق تو بجا ہے

۸۵

یاں ذکر یہ تھا اور اُدھر فوج سے لڑتا
جو گرد سے سب فوجِ ستمگر ہوئی اک جا
پہونچا پسرِ شیرِ الٰہی لبِ دریا
سقائے سکینہؑ کے لئے گھاٹ کو روکا
تلواریں کھنچی تھیں علم سرخ کھلے تھے
دو لاکھ جواں ایک سے لڑنے کو تلے تھے

۸۶

جس وقت کہ شبدیز کو غازی نے اڑایا
جس جس پہ پڑا تیغِ علمدار کا سایا
بجلی سا تڑپ کر صفِ اعدا میں در آیا
آکر ملک الموت نے بے سر اُسے پایا
وہ فرق پہ چمکی کہ اجل سر پہ کھڑی تھی
دریا کا کسے ہوش تھا جانوں کی پڑی تھی

۸۷

اعدا کے تو رُخ مڑ گئے تیغوں کی دھاریں
کہتے ہیں ستمگر کسے روکیں کسے ماریں
سب ٹوٹ گئیں برچھیوں والوں کی قطاریں
قابو میں چڑھے اپنے تو سر تن سے اُتاریں
ہنگام وغا شیر کو ٹوکا ہے کسی نے
گرتی ہوئی بجلی کو بھی روکا ہے کسی نے

۸۸

تانے ہوئے نیزوں کو سوارانِ جفاکار
تلواریں اُنہی ہاتھوں میں کھینچے ہوئے خونخوار
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں کماندار
صف برچھیوں والوں کی بھی خونریزی کو تیار
غل تھا کہ علمدار حسینؑ آنے نہ پائے
سقائے حرم نہر تلک جانے نہ پائے

۸۹

عباسؑ پکارے کہ ہم آتے ہیں خبردار
جنگِ اسد اللہ دکھاتے ہیں خبردار
رہوار کی اب باگ اٹھاتے ہیں خبردار
پانی کے لئے نہر پہ جاتے ہیں خبردار
ہاں دیکھیں ذرا تیغِ شرر دم کو تو روکیں
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکیں

۹۰

پانی تھی عجب ہاتھ نے غازی کی صفائی
اعدا کو نظر ضربتِ شاہِ نجفؑ آئی
بس صاف تھی وہ جو کہ تہِ تیغ صف آئی
جوں سیلِ فنا پھر نہ رکی جس طرف آئی
شعلہ تھی شرارہ تھی قیامت تھی بلا تھی
شمشیر تھی یا برق تھی یا قہرِ خدا تھی

۹۱

جوں موج گریزاں ہوئی فوجِ ستم آرا
اعدا نے لیا گھاٹ سے دریا کا کنارا
وہ ڈوب مرے جن کو نہ تھا جنگ کا یارا
سرداروں کو چن چن کے علمدار نے مارا
اک دم میں نہ پیدل نہ سواروں کا پتہ تھا
خالی تھیں صفیں دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

۹۲

سقائے سکینہؑ کو جو دریا نظر آیا
جوں شیر ترائی سے وہ پانی میں در آیا
سمجھی یہ ہر اک ماہی کہ دریا پہ قمر آیا
یا شمس فلک بامِ فلک سے اُتر آیا
ہوتی تھی چکاچوند یہ لہروں میں جھلک تھی
دریا کے حبابوں میں ستاروں کی چمک تھی

۹۳

اللہ رے عکسِ رُخِ عباسؑ کا جلوہ
دریا میں ملا آن کے اک حسن کا دریا
حیرانی سے پانی ہوا آئینہ کا تختا
قطرہ ہر اک اس بحر کا تھا گوہر یکتا
پر تشنگیِ شاہ سے مغموم تھے عباسؑ
تھے نہر میں اور پانی سے محروم تھے عباسؑ

۹۴

چھوڑ آئے تھے بن پانی سکینہؑ کو جو بے تاب
خود پیاسے رہے اور کیا مشک کو سیراب
دریا سے چلا جس گھڑی وہ گوہرِ نایاب
گرد آگئی پھر فوجِ ستم صورتِ گرداب
نے تیر نہ شمشیر کے پھل نے اُسے روکا
اعدا سے نہ رکتا یہ اجل نے اسے روکا

۹۵

کیا کیا نہ لڑے مشک کو کیا کیا نہ بچایا
گہ چھاتی تلے زیرِ سپر گاہ چھپایا
جھک کر کبھی دامانِ سپر اس پہ اُڑھایا
وہ تیر لیا سینے پہ جو مشک پہ آیا
پانی کے لئے خون میں تر ہو گئے عباسؑ
تلوار جب آئی تو سپر ہو گئے عباسؑ

۹۶

حفظِ علمِ شاہ بھی مشکیزہ کا بھی دھیان
دونوں کو بچانا بھی لڑائی کا بھی سامان
یہ ایک ادھر لاکھ اُدھر دشمنِ ایمان
تشنہ بھی گرسنہ بھی کئی دن سے وہ ذی شان
مجروح تھا سر نیزوں سے چھاتی بھی چھنی تھی
اُس پر بھی وہی زور وہی صف شکنی تھی

۹۷

مشکیزہ کو لے نکلا تھا لڑ بھڑ کے وہ مہ رو
پر گھاٹ میں لپٹے چلے آتے تھے جفا جو
تلوار کے وار اس پہ کئے پا کے جو قابو
ہیہات کہ شانوں سے قلم ہو گئے بازو
ہمت کے سبب سنبھلے رہے خانۂ زیں پر
جب مشک چھدی گر پڑے عباسؑ زمیں پر

۹۸

پانی جو بہا مشک سے آنسو ہوئے جاری
چلا کے کہا ہائے سکینہؑ کی باری
رن میں دُہلِ فتح بجانے لگے ناری
سن کر کہا حضرت نے کمر ٹوٹی ہماری
بھائی کا جو صدمہ دلِ مضطر نے اٹھایا
غش کھا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے اٹھایا

۹۹

چلائی یہ زینبؑ کہ غضب ہو گیا لوگو
بھائی کے الم میں نہ جئیں گے شہ خوش خو
عباسؑ کی زوجہ نے کہا پیٹ کے سر کو
بیوہ ہوئی پُرسا مرے وارث کا مجھے دو
اب سچ ہے کہ حضرت سے جدا ہو گیا بھائی
لو صاحبو بھائی پہ فدا ہو گیا بھائی

۱۰۰

دریا کی طرف پیٹتے روتے چلے سرور
جاتے تھے کمر باپ کی تھامے ہوئے اکبرؑ
ہر گام پہ گر پڑتے تھے یہ زور گھٹا تھا
تھا وردِ زباں ہائے اخی ہائے برادر
رستے میں عجب حال سے پہونچے شہِ صفدر
عمامہ نہ تھا سر پہ گریبان پھٹا تھا

۱۰۱

ناگاہ علمدار کا لاشا نظر آیا
آلودۂ خوں چہرۂ زیبا نظر آیا
عاشق مرا تو ہو گیا شبیرؑ کے صدقے
اک بھائی کو اک بھائی تڑپتا نظر آیا
چلائے کہ ہے ہے مجھے یہ کیا نظر آیا
شبیرؑ تری خوں بھری تصویر کے صدقے

۱۰۲

یہ کہہ کے گرے لاش پہ اور روئے لپٹ کر
عباسؑ نے کھولے نہ مگر دیدۂ انور
کیا شرم ہے کیوں آنکھیں نہیں کھولتے بھائی
چومے کبھی شانے کبھی منھ رکھ دیا منھ پر
سر زانو پہ تب لے کے یہ کہنے لگے سرور
ہم روتے ہیں تم منھ سے نہیں بولتے بھائی

۱۰۳

آہستہ یہ کہنے لگا وہ شہ کا فدائی
اور دوسرے نے اس شرم سے ہے آنکھ چرائی
شہ بولے کہ کھولو میں ان آنکھوں پہ فدا ہوں
ہمراہ سکینہؑ تو نہیں آپ کے آئی
کچھ شمر کی باتوں سے مکدر نہ ہوں بھائی
نہ ساتھ سکینہؑ ہے نہ میں تم سے خفا ہوں

۱۰۴

یہ سنتے ہی عباسؑ نے آنکھوں کو کیا وا
پھر شہ سے کہا سوئے علم کر کے اشارا
رخصت ہے ہماری کہ کوئی دم میں مریں گے
سوئے پسر فاطمہؑ بس پیار سے دیکھا
اس اپنی امانت کو اٹھا لیجئے آقا
اب حشر کے دن پھر اسے کاندھے پہ دھریں گے

۱۰۵

اکبرؑ کے حوالے اسے کیجے تو ہے بہتر
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شبیرؑ یہ رو کر
سر کٹ کے سرِ نیزہ علم ہوئیں گے بھائی
لائق ہے علمداری کے ہم شکل پیمبر
اب مجھ کو علم چاہیئے دنیا میں نہ لشکر
دنیا میں علم ہو گا نہ ہم ہوئیں گے بھائی

۱۰۶

رونے لگے یہ کہہ کے شہِ یثرب و بطحا
کیا دیکھتے ہیں پھیر کے منھ کو شہِ والا
لب خشک ہیں رخ گردِ یتیمی سے اٹا ہے
جو آئی یہ آواز کہ ہے ہے مرے بابا
سر ننگے چلا آتا ہے عباسؑ کا بیٹا
دُرہتا ہے کُرتے کا گریبان پھٹا ہے

۱۰۷

اس بچے کو گھبرا کے یہ شبیرؑ پکارے
پھر دیکھ لیں آنے دو اسے پاس ہمارے
روتا تھا یہ جب گود میں مادر کی دیا تھا
عباسؑ نے کی عرض کہ صدقے میں تمھارے
کیوں چھوڑ کے مادر کو چلے آتے ہو پیارے
چلتے ہوئے میں نے اسے کم پیار کیا تھا

۱۰۸

سر پیٹتا ہاتھوں سے وہ معصوم جو پہونچا
ہر چند چھڑاتے تھے اسے سبطؑ والا
بھائی کا مرے ذکر وفا کرتی ہیں زہرا
عباس علیؑ کے تنِ مجروح سے لپٹا
لیکن نہ جدا ہوتا تھا بابا سے وہ بچا
سر کھولے ہوئے اسکو دعا کرتی ہیں زہرا

ہاتھوں میں اُٹھا لیتا ہوں میں دونوں کٹے ہاتھ
رتی سے ذرا اُٹھیے تو اے قبلۂ حاجات
اور آپ کو تھامے چلیں گے شاہ خوش اوقات
عباسؑ نے تب بیٹے سے رو کر یہ کہی بات
پانی نہ ملا گھر میں نہیں جاؤں گا بیٹا
منھ اپنا سکینہ کو نہ دکھلاؤں گا بیٹا

۱۰۹

تم رو رو کے ہم کو نہ رُلاؤ مرے دلبر
سمجھا یو سر پیٹ کے روئے گی جو مادر
گو میں نہیں شبیر سا آقا تو ہے سر پر
اور حال مرا پوچھے جو شبیرؑ کی دُختر
جو گذرے ہے مجھ پر وہ سنا دیجیو بیٹا
تیروں سے چھدی مشک دکھا دیجیو بیٹا

۱۱۰

یہ کہہ کے عجب درد سے عباسؑ نے کی آہ
بیٹا تو لگا پیٹنے اور رونے لگے شاہ
جاں ہو گئی تن سے سفری آہ کے ہمراہ
ہم شکل پیمبر نے کیا نالۂ جاں کاہ
مصروف بکا روح شہِ عقدہ کشا تھی
لاشہ کے قریب گریۂ زہراؑ کی صدا تھی

۱۱۱

خاموش انیس اب کہ نہیں طاقت گفتار
آقا تو مرا آپ سا ہو کل کا مددگار
کر عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ علمدارؑ
اور ہوئے غلام ایسی مصیبت میں گرفتار
خادم کا جو مطلب ہو وہ اب جلد روا ہو
تم عقدہ کشا ہو پسرِ عقدہ کشا ہو

۱۱۲

سلام

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے
سلامی یہ محفل علیؑ کا چمن ہے

نہیں اُنگلیاں پانچ مصرعہ ہیں گویا
مرے ہاتھ میں خمسۂ پنجتن ہے

سلامی یہ آلِ نبیؐ پر محن ہے
کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک رسن ہے

کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور ذو رنگِ حسنؑ ہے

گریباں مرا چھوڑ اے حرصِ دُنیا
مرے ہاتھ میں دامنِ پنجتن ہے

یہ مٹی سے بیزار اے جسم کب تک
کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے

کہا ماں نے اصغرؑ سے جاتے کہاں ہو
اشارا کیا قصد نہرِ لبن ہے

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنت میں پر تو فگن ہے

محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

کہا سُرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں
دل اس وقت کچھ خود بہ خود نغمہ زن ہے

کہا حاملِ وحی عرشِ خدا نے
یوں ہی مرضیٔ حضرتِ ذوالمنن ہے

کروں مختصر عرض بے طول اس میں
یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

صفیں توڑ کر رن میں کہتے تھے اکبر
مرا جد مرحوم خیبر شکن ہے

کہا حسن نے تیغیں نہ حضرت پہ کھینچو
لعینو! یہ سید غریب الوطن ہے

گلے میں رسن جب بندھی بولے عابد
کہ ہم میں بھی مشکل کشا کا چلن ہے

اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا
یہ کنبہ علیؑ کا اسیر محن ہے

سرا جس کے بازو میں ہے ریسماں کا
یہ زہرا کی بیٹی ہے شہ کی بہن ہے

منہ اپنا جو ہے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے
یہی نامراد ایک شب کی دلہن ہے

کہا شہ نے قاتل سے زانو اٹھا لے
کہ تیروں سے غربال سارا بدن ہے

نظر آیا مقتل تو عابدؑ پکارے
یہ نعش امام غریب الوطن ہے

نہیں جسم پر ایک چادر کا سایہ
نئی گردش اے آسمان کہن ہے

ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ رو رو
رہ حق میں راحت یہ رنج محن ہے

یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا
یہ دامان صحرا ہمارا کفن ہے

نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا
یہ غم ہے کہ زینبؑ اسیر محن ہے

انیسؔ اس قدر شوربختی کا شکوا
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

رباعی

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو
اے ابن علیؑ کے صدقے ہونے والو
اس اجر عظیم کو نہ کھو ہاتھوں سے
اب دو ہی شبیں اور ہیں رونے والو

رباعی

مارے گئے جو سب وہ لعیں دفن ہوئے
زہرا کے نہ ہائے نازنیں دفن ہوئے
عاشور محرم کو ہوئے قتل حسینؑ
پر تیسرے میں بعد اربعیں دفن ہوئے

رباعی

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوف الٰہی دل میں
نالے کی طرح خطا میں گذری سب عمر
بالوں میں سپیدی ہے سیاہی دل میں

رباعی

ایوان فلک جناب دیکھا ہم نے
فردوس بریں کا باب دیکھا ہم نے
جا پہونچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر
دربار ابو تراب دیکھا ہم نے

مرثیہ ۱

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
دل کو فگار کرتا ہے لخت جگر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نور بصر کا داغ
مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھیے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے

۲

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال
فرزند فاطمہؑ کا کہوں کس زباں سے حال
لرزہ تھا جسم پاک میں خورشید کی مثال
چلاتے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

۳

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
مثل کماں خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

۴

ہر دم پکارتے تھے کہ اکبر کدھر گئے
اے نور چشم بانوئے بے پر کدھر گئے
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر گئے
آواز دو شبیہ پیمبر کدھر گئے
اے میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
اے میرے چاند کون سے بادل میں چھپ رہے

۵

اکبر تمہاری آنکھوں میں اب تیور آتے ہیں
ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کو نہیں تم کو پاتے ہیں
کیا جانیں اضطراب میں کس سمت جاتے ہیں
اکبر سنبھال لو کہ نہایت ضعیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو تم ہم نحیف ہیں

۶

اے میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار
اے باپ کے ضعیفی کے پالے ترے نثار
کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار
بابا کو پاس اپنے بلا لے ترے نثار
فرزند فاطمہؑ کی نحیفی پہ رحم کر
اے نوجوان پدر کی ضعیفی پہ رحم کر

۷

بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں
بے کس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
اہل ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دو چار ہوں
بولو پدر سے تشنہ دہانی کا واسطہ
صورت دکھاؤ اپنی جوانی کا واسطہ

۸

صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
باغ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
ناشاد و نامراد ہی اس دہر سے چلے
رو رو کے کیوں نہ دست تاسف پدر ملے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

۹

بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے
اے نور عین باپ کی حالت تباہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالق عالم گواہ ہے
جائیں کدھر کہ لشکر کیں سد راہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے

۱۰

جی چاہتا ہے پھر تمھیں اک بار دیکھ لیں
منھ پر لٹکتے گیسوئے خم دار دیکھ لیں
محبوب حق کا آخری دیدار دیکھ لیں
ڈوبے لہو میں چاند سے رخسار دیکھ لیں
اکبرؑ گلے سے لپٹو تو بابا کو کل پڑے
اب ہے یقیں کہ منھ سے کلیجہ نکل پڑے

۱۱

آئی کسی طرف سے نہ اکبرؑ کی جب صدا
سبطِ نبیؑ کے حال پہ اب رحم کی ہے جا
اعدا کو تب پکارے شہنشاہ کربلا
بتلاؤ کس طرف ہے مرا لال مہ لقا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
اے فوج شام چاند ہمارا کدھر گیا

۱۲

اے ظالمو! کہاں ہے مرا نوجواں پسر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر
اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کدھر کدھر
یوسف مرا مجھے کہیں آتا نہیں نظر
کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
کیا زیر خاک میرے قمر کو چھپا دیا

۱۳

ہم تم میں کوئی صاحب اولاد یا نہیں
اس وقت ہوش سبطِ نبیؑ کے بجا نہیں
دردِ دل حسینؑ سے آگاہ کیا نہیں
یہ حال ہے کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں
اکبرؑ جو مل گئے تو ٹھہر جائے گا حسینؑ
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائے گا حسینؑ

۱۴

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سیدِ اُمم
اک نوجواں تو آیا تھا با شوکت و حشم
حضرت کے نور چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزۂ ستم
دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اسے لے کر نکل گیا

۱۵

سچ ہے عجب حسین تھا وہ غیرتِ چمن
شیریں زبان شگفتہ مزاج اور کم سخن
سنبل سے گیسو پھول سا منھ چاند سا بدن
کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن
چرچے اسی کے حسن کے لشکر میں ہوتے ہیں
یاں کے بھی لوگ اسکی جوانی پہ روتے ہیں

۱۶

آغاز تھیں نہیں ابھی تھا عالمِ شباب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
گویا زمینِ چرخ پہ اُترا تھا آفتاب
غیرت یہ تھی کہ بیٹے کو ہم سے نہ مانگا آب
سوکھے تھے ہونٹ پیاس کی کچھ انتہا نہ تھی
لیکن طلب سے اسکی زباں آشنا نہ تھی

۱۷

برچھی ستم کی ہو گئی سینے کے وار پار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی تو نیزہ دار
رہوار سے جدا نہ ہوا پر وہ شہسوار
برسا رہے تھے تیر کماندار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا قاشِ زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

۱۸

برچھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگر
تلوار ایک ہاتھ میں اک ہاتھ میں سپر
مانند گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بہ تر
گہ فوج پہ نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اس کا رک گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے گھوڑے پہ جھک گیا

۱۹

چلائے شاہ دیں کہ وہی میرا لال تھا
آیا زوال اس پہ جو بدر کمال تھا
وہ یوسف حسین عدیم المثال تھا
باغ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دل حسین کو پہلے پہل ملا
برچھی سے اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

۲۰

ناسور اس الم سے کلیجے میں پڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا
میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر اجڑ گیا
سبط نبی کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کرو پدر کو تو اس نور عین پر
تلوار لا کے پھیر دو حلق حسینؑ پر

۲۱

جنگل سے آئی اتنے میں اکبرؑ کی یہ صدا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشن بقا
اب جاں بہ لب ہوں آئیے یا شاہ کربلا
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خوں بھرا ہوا چہرہ ہے گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

۲۲

سن کر صدا پکارے شہنشاہ نامدار
دوڑے گئے جو لاش پہ نالاں و بے قرار
ہم شکل مصطفےٰ تری آواز کے نثار
دیکھا کہ غش پڑا ہے زمیں پر وہ گل عذار
دیکھا لہو پسر کا تو دل تھرتھرا گیا
آنکھوں کے نیچے شہ کے اندھیرا سا آ گیا

۲۳

لاشِ پسر سے دوڑ کے لپٹے امام پاک
چلاتے تھے کہ غم سے کلیجہ ہے چاک چاک
کانپی زمیں تڑپ کے جو کی آہ دردناک
اے لال تیرے بعد ہے اس زندگی پہ خاک
میں دیکھتا ہوں پاؤں زمیں پر رگڑتے ہو
اٹھارہویں برس میں پدر سے بچھڑتے ہو

۲۴

تقدیر جب کہ تجھ سے جواں کو جدا کرے
دکھ میں کسی کو یوں نہ فلک مبتلا کرے
پھر یہ ضعیف باپ بھلا جی کے کیا کرے
اب جلد موت آئے ہماری خدا کرے
بدلے عصا کے ہاتھ میں بیٹے کا ہاتھ ہو
ہے آرزو جہاں سے سفر ہو تو ساتھ ہو

۲۵

اکبرؑ نے جب کہ غش میں سنی زاری پدر
زخم جگر دکھا کے کہا یوں بہ چشم تر
دیکھا لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
اب کوئی دم میں گلشن ہستی سے ہے سفر
اب والدہ سے تابہ قیامت فراق ہے
مادر کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے

۲۶

شہ نے کہا کھڑی ہے وہ ڈیوڑھی پہ کھولے بال
فرزند کو جو لے کے چلا فاطمہؑ کا لال
آؤ میں لے چلوں تمہیں اے میرے نونہال
رستے ہی میں ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
چلائے شاہ دیں کہ جہاں سے گزر گئے
مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے

۲۷

ڈیوڑھی پہ لاش لائے پسر کی جو شاہ دیں
زینبؑ کو یوں پکارا وہ زہراؑ کا نازنیں
باہر نکل کے بیبیاں سر پیٹنے لگیں
دوڑو بہن کہ قتل ہوا اکبرؑ حزیں
دولہا بنے ہیں خون کی مہندی لگائے ہیں
سہرا انھیں دکھانے کو مقتل سے آئے ہیں

۲۸
خیمہ میں ہائے ہائے کا اک غل ہوا بپا
ہاتھوں سے کوکھ پیٹتے ہوئے ماں بصد بکا
نکلی درِ خیام سے زینبؑ برہنہ پا
چلاتی تھی ارے مرے بچے کو کیا ہوا
کس کا جوان پسر تھا جو بابا سے چھٹ گیا
یہ کس کی کوکھ اُجڑ گئی گھر کس کا لٹ گیا

۲۹
خیمے میں لا کے شہ نے لٹائی پسر کی لاش
اس نوجواں پسر کی جو بانو نے پائی لاش
غل پڑ گیا کہ اکبرؑ غازی کی آئی لاش
پھیلا کے ہاتھ چھاتی سے جلدی لگائی لاش
اٹھتی تھی ماں نثار ہو آنکھیں تو وا کرو
ان خوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو

۳۰
اماں نثار کس کی نظر تجھ کو کھا گئی
جنت کے بوستاں کی فضا تجھ کو بھا گئی
اٹھارہویں برس میں تجھے موت آ گئی
یاں سے سواری جانبِ ملکِ بقا گئی
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنت میں جا بسے مری بستی اُجاڑ کے

۳۱
میری اُمید کچھ نہ بر آئی ہزار حیف
چھاتی پہ برچھی ظلم کی کھائی ہزار حیف
تم نے دُلہن نہ مجھ کو دکھائی ہزار حیف
پانی کی ایک بوند نہ پائی ہزار حیف
بابا پہ صدقے ہو گئی ایذا قبول کی
اب تک لئے ہو منھ میں انگوٹھی رسول کی

۳۲
بابا کے سامنے تمھیں مرنے کی تھی ہوس
دی جان تم نے پانی کی خاطر ترس ترس
کچھ پھوپھی کا نہ زور چلا اور نہ میرا بس
ہے ہے یہ کیسا آیا تھا اٹھارواں برس
بے جان کس نے کر دیا بانوؑ کی جان کو
کس کی نظر لگی مرے کڑیل جوان کو

۳۳
اے لال تجھ پہ کیسی مصیبت گذر گئی
اُڑ اُڑ کے ریت نرگسی آنکھوں میں بھر گئی
وہ حسن کیا ہوا وہ جوانی کدھر گئی
اکبرؑ تمھاری پالنے والی نہ مر گئی
چین آئے گا نہ دن کو نہ راتوں کو سوؤں گی
جب تک جیوں گی تیری جوانی کو روؤں گی

۳۴
ہے ہے نہ تیرا بیاہ رچانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب
ہے ہے دُلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
شادی کے بدلے خاک اُڑانا ہوا نصیب
ندی لہو کی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

۳۵
باتیں تمھارے بیاہ کی جب لوگ لاتے تھے
سن کر دُلہن کا ذکر نہ آنکھیں اٹھاتے تھے
بہنیں بلاتی تھیں تو نہ تم پاس آتے تھے
کیا مسکرا کے شرم سے گردن جھکاتے تھے
بن بیاہے اٹھ گئے مرے پیارے جہان سے
ناشاد و نامراد سدھارے جہان سے

۳۶
ہنس ہنس کے ماں یہ اب کسے دولھا بنائے گی
اب سانچق کس کے ہاتھ میں مہندی لگائے گی
واری جواب دو دُلہن اب کس کی آئے گی
ہاں بیاہنے کو دھوم سے اب کس کی جائے گی
بستی مری اُجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کہاں کی گھر تو عزا خانہ ہو گیا

۳۷

یہ بین کر کے غش ہوئی بانوئے نیک نام
اٹھ اٹھ کے پیٹنے لگیں سب بیبیاں تمام
لاشِ پسر کو لے گئے مقتل میں پھر امام
بس اے انیس آگے نہیں طاقتِ کلام
کس کو جوانیِ علی اکبر کا غم نہیں
گو بند مختصر ہیں یہ رونے کو کم نہیں

سلام

شبیہِ امامِ زماں کھینچتے ہیں — تصوّر میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں
جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر — زمیں پر شہِ دیں نشاں کھینچتے ہیں
بہت ہم کو پیسا ہے اک دن تجھے بھی — شکنجہ میں اے آسماں کھینچتے ہیں
قریں سر کے ہے آفتابِ قیامت — لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں
محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک — مجھے کس لئے قدرداں کھینچتے ہیں
دکھادوں زمینِ نجف کی بلندی — بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

قطعہ

تپِ غم کی شدت سے کہتے تھے عابدؑ — عجب سختیاں استخواں کھینچتے ہیں
سبکباریِ اُمتِ جد کی خاطر — ضعیفی میں بارِ گراں کھینچتے ہیں
زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن — وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں
فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیے ہیں — عبث ہاتھ اہلِ جہاں کھینچتے ہیں
جھکاتے ہیں سر آستانِ علیؑ پر — سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں
نکلیو نہ بدلی سے اے برقِ خاطف — حسینؑ آہ آتش فشاں کھینچتے ہیں
عبث ہے عدو در پئے قتلِ اصغرؑ — یہ ایذا کہیں بے زباں کھینچتے ہیں
وہ ہیں پہلواں ہم جو قوت دکھائیں — فلک پر سپر کہکشاں کھینچتے ہیں
چڑھے ہیں جوانوں کے زوروں پہ بازو — یہ کم زور اُتری کماں کھینچتے ہیں
تعجب کیا جو حاسد کا دل ہو نشانہ — کہ ہم رستمانہ کماں کھینچتے ہیں
غمِ شہ میں سرگرم ہیں اربعیں تک — یہ چلّا ہمیں اے کماں کھینچتے ہیں
سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی — تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

قطعہ

زمیں دار سیراب ہیں کربلا کے — اذیت امامِ زماں کھنچتے ہیں
ادھر خشک ہے فاطمہ کی زراعت — وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھنچتے ہیں
ہوا لگنے دیتی نہ تھی جن کو بلبل — وہی گل جفائے خزاں کھنچتے ہیں

قطعہ

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابد — یہ لنگر کہیں ناتواں کھنچتے ہیں
پیادہ گئے شام تک اس روش سے — شتر جس طرح ساربان کھنچتے ہیں
پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت — گلاب گلِ ارغواں کھنچتے ہیں
نہ ہوگی صفت خالِ رخسارِ شہ کی — یہ خفت عبث نکتہ داں کھنچتے ہیں
کہا حُرؑ سے شہ نے گناہوں پہ تیرے — خطِ عفو ئے مہماں کھنچتے ہیں
انھیں کے لئے ہے زمانے کی تلخی — بڑے رنج شیریں زباں کھنچتے ہیں
عجب حال ہے دخترِ فاطمۂ کا — ردا سر سے ایذا رساں کھنچتے ہیں
پکاری سکینۂ دُہائی ہے بابا — ستمگر مری بالیاں کھنچتے ہیں
کٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی — رسن کو جو ایذا رساں کھنچتے ہیں
یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی زہرؑا — کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھنچتے ہیں
کہا شہ نے ہشیار اے قومِ ناری — ہم اب تیغِ آتش فشاں کھنچتے ہیں
بہت باغِ دنیا کے کانٹوں سے اُلجھے — بس اب رخت سوئے جناں کھنچتے ہیں
قدم بیڑیوں میں ہیں رسّی میں بازو — یہ دکھ عابدِؑ ناتواں کھنچتے ہیں
جسے دیکھ کر ہوئے بانی کو حیرت — وہ تصویرِ رنگیں بیاں کھنچتے ہیں
نکھیں کس طرح ناتوانیِ عابدؑ — جو بیتیں پئے امتحاں کھنچتے ہیں
قلم یوں ہے کاغذ پہ تھم تھم کے چلتا — قدم جس طرح ناتواں کھنچتے ہیں
کہا رو کے اکبرؑ نے اے دردِ تھم جا — کلیجے سے بابا سناں کھنچتے ہیں
انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت — کمیتِ قلم کی عناں کھنچتے ہیں

مرثیہ

جب لشکرِ خدا کا علم سرنگوں ہوا
سقائے اہلِ بیتِ نبیؐ غرقِ خوں ہوا
اک شور تھا کہ خانۂ دیں بے ستوں ہوا
سیدانیوں میں اور تلاطم فزوں ہوا
ڈوبا لہو میں چاند شہِ مشرقین کا
خالی کیا اجل نے بھرا گھر حسینؑ کا

۲

یارب کوئی جہاں میں اسیرِ محن نہ ہو
ماں باپ سے جدا کوئی گل پیرہن نہ ہو
جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بے وطن نہ ہو
پھولا پھلا اُجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین سے
اب نوجواں پسر کی ہے رخصت حسینؑ سے

۳

طاقت تھی جس سے شہ کو سفر کر گیا وہ شیر
پیاسا جہان سے لبِ کوثر گیا وہ شیر
جس سے مزاجِ حیات کا تھا مر گیا وہ شیر
سقائی کر کے خون میں خود بھر گیا وہ شیر
خم آ گیا کمر میں شہِ خوش خصال کی
تصویر مٹ گئی اسدِ ذوالجلال کی

۴

لشکر میں شادیاں تھیں ادھر غم تھا اس طرف
اُمید ادھر تھی یاس کا عالم تھا اس طرف
ساماں وہاں تھا جشن کا ماتم تھا اس طرف
اعدا میں عید تھی تو محرم تھا اس طرف
کمریں کسے ہوئے تھا زمانہ جداں پر
کیا وقت پڑ گیا تھا محمدؐ کی آل پر

۵

مرنا جوان بھائی کا اور اس پہ یہ ستم
اعدا صفیں جمائے ہوئے جنگ پہ بہم
پُرسا نہ دلدہی نہ تشفی نہ دردِ غم
ہنستے تھے سوگواروں کے رونے پہ دم بہ دم
نرغے میں ان کے سبطِ رسالت پناہ تھا
مشرب میں جن کے پانی کا دینا گناہ تھا

۶

نہ پاس انھیں نبیؐ کا نہ مطلق خدا کا ڈر
باتوں میں زور دل میں بدی طینتوں میں شر
قرآں سے بے وقوف حدیثوں سے بے خبر
بدکار و بدخصال و بدافعال و بدگہر
پیدا انھا کفر شرم و حیا ناپدید تھی
سادات ذبح ہوتے تھے اور انکو عید تھی

۷

کہیے وہ کلمہ گو تھے تعجب کا ہے مقام
اسلام گر یہی ہے تو اسلام کو سلام
کافر بھی لیتے ہیں تو کراہت سے ان کا نام
کھل جائے گی کھنچے گی جو کل تیغ انتقام
کس جا چھپیں گے روزِ عدالت ضرور ہے
ہم دور ہیں نہ وہ نہ قیامت ہی دور ہے

۸

یا منتقم ظہورِ امانِ زماں دکھا
آنکھیں ہیں منتظر رخِ آرامِ جاں دکھا
اب دم لبوں پہ ہے درِ امن و اماں دکھا
پھر برقِ ذوالفقار کو آتش فشاں دکھا
دشمن رہے نہ ایک شہِ مشرقین کا
اس دن غلام سوگ اُتاریں حسینؑ کا

۹

اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال
بیٹا وہ نوجواں جسے اٹھارہواں ہو سال
ہوتی ہے کیسی الفتِ فرزندِ خوش خصال
کیا ہوگا نورِ چشمِ رسولِ خدا کا حال
ماں باپ [illegible] تو اجل کا پیام ہے
[illegible] ہیں یہ وہ مقام ہے

١٠
بھائی وہ مرچکا ہے کہ تھا جس کے دم سے گھر
اب طاقت رضائے دغا ہے جواں پسر
سیدھی نہیں ہوئی کبھی ٹوٹی ہوئی کمر
نوکوں میں برچھیوں کی ہے شبیرؑ کا جگر
پیری میں اس جواں کو بھی کھوؤں تو کیا کروں
کیوں مصطفو کہو جو نہ روؤں تو کیا کروں

١١
قابو نہ ہے جگر پہ نہ ہے دل پہ اختیار
ماں باپ سے پسر کو چھڑائے نہ کردگار
یہ مرحلہ وہ ہے کہ ہیں صابر بھی بے قرار
زخم دسناں و تیغ گوارا یہ ناگوار
راحت ہے گر گلوئے پدر پر چھری چلے
جو ہو سو ہو مگر نہ جگر پر چھری چلے

١٢
ڑہتا ہے ہاتھ جوڑ کے جب شہ کا نور عین
فرماتے ہیں کہ سنتے ہو سیدانیوں کے بین
خیمے کو تکنے لگتے ہیں منھ پھیر کر حسینؑ
عباسؑ کے الم میں یہ برپا ہے شور و شین
بھائی جہاں سے جانب خلدِ بریں گئے
ڈرے کو بھی چچی کے تم اب تک نہیں گئے

١٣
بے کس پھوپھی کو گھر میں تمہارا ہے انتظار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تم کو بار بار
دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں ایک دم قرار
دیکھ آؤ اپنے چاہنے والوں کو ہیں نثار
ہم کوئی دم میں آب دم تیغ پیتے ہیں
یہ چند دم تمہارے بھروسے پہ جیتے ہیں

١٤
اصغر کو دیکھو عابدِ بے کس کی لو خبر
رانڈوں کے تم پسر ہو یتیموں کے تم پدر
سمجھاؤ بیبیوں کو کہ پیٹیں نہ اپنا سر
گھر تھامتے ہیں باپ کا ذی مرتبہ پسر
کس کو یہ داغ پیر فلک نے دیا نہیں
سر پر کسی کے باپ ہمیشہ جیا نہیں

١٥
تم سے بھی کم تھے عمر میں جب ہم ہوئے یتیم
ہم دونوں بھائیوں کے جگر غم سے تھے دونیم
ماں بھی نہ تھی یہ اور تھی اک آفتِ عظیم
پر ہر بلا میں حافظ و حامی رہا کریم
رانڈوں کو یہ الم ہے کہ منھ موڑے جاتے ہیں
ہم تو جہاں میں تم سا پسر چھوڑے جاتے ہیں

١٦
کنبے کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
جرار بردبار دلاور سخی غیور
یوسفؑ جمال صاحبِ توقیر ذی شعور
آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خرد و کلاں کو اجرِ زیارت حصول ہو
تم ہو تو اہلِ بیت میں گویا رسولؐ ہو

١٧
نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی
تھی سب کو آرزو رخِ روشن کی دید کی
پیدا ہے نور رخ سے ضیا صبح عید کی
تصویر ہو رسولؐ خدائے مجید کی
کیوں کر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمھیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمھیں

١٨
راحت کے دن ہیں آمدِ فصلِ شباب ہے
اٹھارہویں برس کا بھلا کیا حساب ہے
پہلا ابھی کتاب جوانی کا باب ہے
بے حاشیہ ابھی ورقِ آفتاب ہے
نقطے ہیں خال کے خطِ عنبر فشاں نہیں
بابا نثار ہو ابھی پورے جواں نہیں

۱۹

اکبر تمھاری قدر نہیں ہے کسی کو آہ
ہوتے جو لوگ احمدِ مرسل کے خیر خواہ
اس حسن کا بشر نہیں کوئی خدا گواہ
تم کو سمجھتے ثانیِ پیغمبرِ الٰہ
آنکھوں پہ رکھتے فخر سے نعلین پاک کو
اکسیر جانتے انھیں قدموں کی خاک کو

۲۰

جینے کی اب خوشی ہے نہ دنیا کی ہے ہوس
بچھڑیں گے تم سے گر ہے تو صدمہ یہی ہے بس
ہے دل کو شوق آب دمِ تیغ ہر نفس
جیتے تو کرتے بیاہ تمھارا اسی برس
دولھا بنا کے شانِ شہانی بھی دیکھتے
طفلی تو دیکھی حسن جوانی بھی دیکھتے

۲۱

پھولو پھلو کہ زینتِ باغِ جہاں ہو تم
شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم
آخر ہے عمر پیر ہیں ہم نوجواں ہو تم
مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
گر ہم نہیں تو خانۂ زہرا میں تم رہو
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو

۲۲

اکبر کا رنگ اُڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
فرزند ارجمند ہیں سجاد نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
اس امر سے فزوں کوئی شرمندگی نہیں
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں

۲۳

بندے ہزار ہم سے نثارِ سرِ حضور
روشن ہے جو جہاں اسی دم کا ہے سب ظہور
دنیا ہو اور آپ ہوں اے کبریا کے نور
ذرہ ہر اک ہے نورِ قدم سے چراغ طور
ظلمت ربائے خلق شہِ دیں کی ذات ہے
دنیا میں آفتاب نہ جب ہو تو رات ہے

۲۴

رونق زمیں کی ہے کہ امامِ زماں ہیں آپ
بحر جہاں میں باعثِ امن و اماں ہیں آپ
سایہ ہے جس کا عرش پہ وہ آسماں ہیں آپ
شیرازۂ صحیفۂ کون و مکاں ہیں آپ
فردوں کی ابتری ہے جو دفتر کشا نہ ہو
کیوں کر بچے جہاز اگر ناخدا نہ ہو

۲۵

افضل ہے کون سبطِ رسالت مآب سے
سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے
دنیا میں ہے تو یہ برکت ہے جناب سے
ذروں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے
چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہاں رہیں
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں رہیں

۲۶

دم سے حضور کے ہے غلاموں کی ہست و بود
اے چشمۂ عطا و کرم بحرِ فیض و جود
مولا ہیں اس جہاں میں درِ رحمتِ ودود
دریا اگر نہ ہو تو حبابوں کی کیا نمود
سب خلق شاہِ دیں سے طلبگارِ عون ہے
جب نوح غرقِ خوں ہو تو کشتی کا کون ہے

۲۷

پھر زیست کیا مرے وہ جو بعد آپ کے جیے
غیروں نے آج پائے مبارک پہ سر دیے
کھائے غم اور خونِ جگر عمر بھر پیے
بچپن سے ہم نے باندھی ہے تلوار کس لیے
اب پنجتن کا خاتمہ ہے کوئی آن میں
پھر بھی یہ معرکہ کبھی ہوگا جہان میں

۲۸
سب بھائی بند قتل ہوئے رن میں تشنہ لب
خادم کو بھی سعادتِ عقبیٰ کی ہو طلب
حضرت مجھے بچاتے ہیں کیوں اس کا کیا سبب
دیجے رضا جہاد کی بہرِ رسولِ رب
کہئیے نہ یہ کہ ساتھ نہ دو تشنہ کام کا
منھ سے نکل پڑے گا کلیجہ غلام کا

۲۹
سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
سیراب ہونے دیجیے شہادت کے جام سے
زندہ وہی ہے پہلے مرے جو امام سے
آقا یہ بوجھ اٹھ نہ سکے گا غلام سے
دیکھے گا کون لوٹنے فوجیں جو آئیں گی
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائیں گی

۳۰
عابد خدا کے فضل سے ہیں صابروں میں فرد
سہہ لیں گے وہ یتیمیٔ غربت میں گرم و سرد
مظلوم و بردبار غم انگیز اہلِ درد
ہم اور کام کے نہیں لائق بجز نبرد
وہ آلِ مصطفےٰ کا مدار المہام ہو
جو ہو پسر امام کا خود بھی امام ہو

۳۱
خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سرخ رو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگ جو
پھر کس کو منھ دکھاؤں گا یا شاہ نیک خو
غصے سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

۳۲
طے ہو یہ مرحلہ جو کریں پرورش حضور
کوشش میں اس طرف سے تو مطلق نہیں قصور
خلدِ بریں بعید نہ باغِ ارم ہے دور
اے آفتاب ذرہ نوازی ہے اب ضرور
نے زندگی نہ جاہ و حشم چاہتا ہوں میں
آقا کی اک نگاہِ کرم چاہتا ہوں میں

۳۳
ماں کا پھوپھی کا پیار ہے اب حق میں بے دہر
آبِ فرات کی نہیں اب تشنگی میں لہر
امداد کا مقام ہے اب یا امامِ دہر
جنت میں شہد و شیر کی خالق دکھائے نہر
مٹی ملے تو سبطِ پیمبر کے ہاتھ سے
پانی پیوں تو ساقیٔ کوثر کے ہاتھ سے

۳۴
دیجے رضائے حرب کہ مرتا ہے اب غلام
چپ ہو رہیں گی سن کے پھوپھی آپ کے کلام
خیمے میں چلیے لے کے مجھے یا شہِ امام
بن جائے گا زباں کے ہلاتے ہی میرا کام
مانے گا وہ ادب سے کہ صابر ہے اہل ہے
مشکل کشا کے لال کو ہر امر سہل ہے

۳۵
بولے بہا کے اشک شہنشاہ نام ور
سچ ہے بھلا تمھیں مرے دل کی ہے کیا خبر
مرنے کی تم کو ماں سے دلا دے رضا پدر
پوچھو یہ اس سے جس کا جواں ہو کوئی پسر
اس سوز سے جو نہیں واقف وہ آپ ہیں
بیٹا ہمارے حق بطرف ہے کہ باپ ہیں

۳۶
کھوتا ہے اس کو کوئی بڑھاپے کی ہو جو آس
صابر وہ ہیں بلا میں جو ہیں خدا شناس
ہم ہیں تو بات کرنے کی مطلق نہیں حواس
اچھا یہی خوشی ہے تو جاؤ پھوپھی کے پاس
مشہور خلق بیٹے کا اور ماں کا پیار ہے
طے ہو یہ مرحلہ بھی تو پھر اختیار ہے

۳۷

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے فرزند نیک نام
تنہا یہاں نہ چھوڑے گا حضرت کو یہ غلام
خیمے میں چلیے ساتھ مرے یا شہِ انام
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
ڈرتے ہو تم حال پہ مظلوم باپ کے
پھر کون ساتھ دے گا مرا بعد آپ کے

۳۸

فرما کے یہ چلے طرفِ خیمۂ شاہ دیں
پہونچا قریب در جو محمد کا نازنیں
گردن جھکائے ساتھ تھا فرزندِ مہ جبیں
تھم کر سنا تو کہتی ہیں یہ زینبِ حزیں
لوگو بلاؤ اکبرِ یوسف جمال کو
کیوں رن میں اتنی دیر لگی میرے لال کو

۳۹

بنتِ علی کے پاس ہے بانو بھی بے حواس
زینب سے عرض کرتی ہے رو کر وہ حق شناس
بیٹے میں جان پیاس سے لب خشک جی اداس
کڑھتے نہ ہوں گے اکبرِ مہ رو پدر کے پاس
کہتی ہیں چین اب مجھے دم بھر نہ آئے گا
نکلوں گی خود اگر علیؑ اکبر نہ آئے گا

۴۰

فضہ نکل کے خیمے سے باہر خبر تو لا
سنتی ہوں میں کہ شاہ سے ہیں طالبِ رضا
آنے میں دیر کیوں ہوئی یہ ماجرا ہے کیا
پوچھیں تو کہیو نزع میں ہے بنتِ مرتضا
چلیے نہیں پھوپھی کو نہ پھر پایئے گا آپ
جب دم نکل چکے تو چلے آیئے گا آپ

۴۱

بیٹے سے ڈر کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
نازک ہے عورتوں کا دل اے غیرتِ قمر
کیوں گفتگو پھوپھی کی سنی تم نے اے پسر
مانگی ابھی رضا نہیں اور پیٹتی ہیں سر
ان کو ہے اور فکر تمھیں کچھ خیال ہے
رخصت نہ دیں گی مرنے کی جن کا یہ حال ہے

۴۲

آساں اسے سمجھتے ہو تم اے پدر کی جان
تلوائیے گا گر جو یہ غم کا ہو آسمان
اظہار ماں سے مرنے کی رخصت کا الاماں
کیوں کر جیے گی زینبؑ ناشاد و ناتواں
تم زندگی ہو دخترِ شیرِ اللہ کی
کیسی رضا وہاں تو دعائیں ہیں بیاہ کی

۴۳

ہم کو نہ ساتھ لے کے چلو بہرِ کردگار
پردہ اٹھا کے شہ سے یہ بولا وہ ذی وقار
اچھا ہمیں نظر نہیں آتا مآل کار
چلیے تو آپ خیمے میں یا شاہ نامدار
دامانِ ابنِ فاطمہؑ پر ہاتھ چاہیے
مشکل ہو جب تو عقدہ کشا ساتھ چاہیے

۴۴

زینبؑ جو بے حواس کھڑی تھیں قریبِ در
جلدی بلائیں لے کے پکاری وہ نوحہ گر
اکبر کا روئے پاک انھیں آ گیا نظر
صدقے پھوپھی اس آنے کے اے غیرتِ قمر
خوشبو مہک رہی ہے رسالت مآب کی
ڈیوڑھی میں روشنی ہے مرے آفتاب کی

۴۵

اکبر نے یہ کی عرض کہ حاضر ہوا غلام
مژدہ سنا جو یہ تو پکاری وہ تشنہ کام
حضرت کو لے کے آیا ہوں اے آسماں مقام
آنکھوں پہ فرق پر قدمِ قبلۂ انام
رونا مرا سنا تھا تو گھبرا کے آئے ہو
صدقے تو ہوں کہ تم مرے بھائی کو لائے ہو

۴۶

ڈیوڑھی میں آ گئے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
شوقِ بقائے شہ میں بڑھی زینبِ حزیں
تھامے تھا ہاتھ باپ کا فرزندِ مہ جبیں
بھائی کے گرد پھر کے پسر کی بلائیں لیں
سوزش نہ وہ رہی جگر و دل کے داغ میں
گویا بہار آ گئی پژمردہ باغ میں

۴۷

بیت الشرف میں آئے جو شبیرِ خوش خصال
بڑھ کر پھوپھی سے بولے یہ اکبر بصد کمال
رانڈوں کو روتے دیکھ کے صدمہ ہوا کمال
چلئے ذرا الگ تو کہوں کچھ پدر کا حال
سب گھر نثار حضرتِ شبیر کیجئے
لٹنے کا طور ہے کوئی تدبیر کیجئے

۴۸

بڑھ کر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جان
آہستہ ان سے رو کے یہ بولا وہ نوجوان
گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے منھ کو ماں
رن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہِ زماں
میں پاؤں پر گرا ہوں جو تشریف لائے ہیں
گھر میں حسین آخری رخصت کو آئے ہیں

۴۹

غربت میں جو مریں گے شہنشاہِ بحر و بر
اس وقت کس سے میں کہوں دردِ دل و جگر
پھر کون سرپرست ہے کس سے بسے گا گھر
مانگو دعا کہ باپ سے پہلے مرے پسر
اٹھ جاؤں میں جہان سے بابا کے سامنے
میرا گلا کٹے شہِ والا کے سامنے

۵۰

اماں قیامت آتی ہے جاتی ہے آبرو
ہل من مبارز کا ادھر غل ہے چار سو
اک جان بابا جان کی اور سیکڑوں عدد
دیکھو نہ اب رکیں گے شہنشاہِ نیک خو
کفار لوٹ لیں گے محمد کی آل کو
رو کو خدا کے واسطے زہرا کے لال کو

۵۱

دیتے نہیں رضا جو مجھے شاہِ حق شناس
کہئے امید کس سے رکھیں اور کس سے آس
کہتا ہوں صاف میں کہ فقط آپ کا ہے پاس
ہم کو تو اب حصول سعادت کا بھی ہے یاس
حق بھی ادا ہوئے نہ شہِ خوش خصال کے
خوب آبرو حضور نے دی ہم کو پال کے

۵۲

حضرت کے پیار کی ہے بدولت یہ رنج و غم
ہے اب نفس کی آمد و شد خنجرِ دو دم
گھر بھی چھٹا پدر سے کہیں کے رہے نہ ہم
مر جاؤں گا ابھی قدمِ پاک کی قسم
کیا لطفِ زیست وقت جو رخصت کا ٹل گیا
بابا ادھر گئے کہ ادھر دم نکل گیا

۵۳

مرتے جو سر کٹا کے تو ہوتا ہمارا نام
جو دونوں صاحبوں کی رضا کیا کرے غلام
خیر اب تڑپ کے خاک پہ ہو جائیں گے تمام
لیکن جگہ ہے صبر کی ہمت کا ہے مقام
آساں ہے جبرِ دل پہ اگر اختیار ہو
وہ کیجئے کہ فاطمہؑ سے آنکھ چار ہو

۵۴

مہماں ہیں کوئی دم کے شہنشاہِ بحر و بر
صدقے کئے پھوپھی نے تو حضرت پہ دو پسر
رخصت کو گھر میں آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
اماں جگہ حجاب کی ہے سوچئے اگر
بیٹوں میں کس کو سبطِ نبی پر فدا کیا
بتلائیے کہ آپ نے زہراؑ سے کیا کیا

۵۵

ہوتا ہے معرکہ میں محبت کا امتحان
اب گھر میں کس کے پاس ہے فرزند نوجوان
بے جاں ہوئے جو دشمنِ سردارِ انس و جان
چرچا یہی کریں گی دغا دار بیبیان
گھر اپنا فاطمہ کی بہو نے ڈبو دیا
فرزند کو بچا لیا وارث کو کھو دیا

۵۶

چھاتی پہ رکھیے صبر کی سِل بہرِ کردگار
لے چلیے مجھ کو پیشِ شہنشاہِ نامدار
کہیے کہ آپ کرتے ہیں کیوں اب یہ کارِ زار
حاضر ہے صدقے ہونے کو آقا پہ جاں نثار
کام اس سے کیا زباں کو جو باتیں رکیک ہوں
لیکن یہ شرط ہے کہ پھوپھی بھی شریک ہوں

۵۷

زہراؑ کے بعد قافلہ سالار ہیں یہی
ہاں رتبہ دانِ سیّدِ ابرار ہیں یہی
کہنے کو سب ہیں پر مری مختار ہیں یہی
ماں ہیں یہی پھوپھی یہی غم خوار ہیں یہی
ارشاد یہ کریں تو نثارِ امام ہوں
بیٹا ہوں آپ کا مگر ان کا غلام ہوں

۵۸

کانپا یہ سن کے بانوئے ناشاد کا جگر
کی بنتِ فاطمہ کی طرف یاس سے نظر
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے بولی وہ نوحہ گر
ہے ہے یہ کیا کریں کہ مصیبت میں ہے پدر
بے جا ہلاک کوئی بھی کرتا ہے آپ کو
کس طرح چھوڑے نرغۂ اعدا میں باپ کو

۵۹

یہ ذکر تھا ادھر کہ پکارے امامِ دیں
لو الوداع اے حرمِ ختمِ مرسلیں
آپہنچے متصل درِ خیمہ کے اہلِ کیں
لے آؤ جامۂ کہن اے زینبِ حزیں
رخصت کو آئے جو مرے نازوں کے پالے ہیں
اکبر کو روکو یہ تمہارے حوالے ہیں

۶۰

اکبر پھوپھی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب
لو آفت آئی گھر پہ چلے شاہِ تشنہ لب
دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہلِ بیت سب
بانو گری تڑپ کے قدم پر بہ صد تعب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہِ کربلائی کے
زینب نے سر جھکا لیا سینے پہ بھائی کے

۶۱

شانے پہ منہ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
اماں کی تم سے بو مجھے آتی ہے اے بہن
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن
آقا ابھی تو زندہ ہے اکبر سا صف شکن
دکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں
آپ ان کے ہوتے کس لئے میداں میں جاتے ہیں

۶۲

میں آپ پر نثار بہن آپ پر فدا
میں صدقے جاؤں کیوں انھیں دیتے نہیں رضا
حضرت نہ ہوں گے جب تو جیے گا یہ مہ لقا
کنبے کو کھو کے گر یہ اکیلے رہے تو کیا
پھر ماں کہاں چھٹے جو یہ قدموں سے باپ کے
پیارا وہیں وہی ہے جو کام آئے آپ کے

۶۳

شہ نے کہا بہن مجھے اس کا نہیں خیال
ہے تم کو صابروں کی طرح صبر میں کمال
اپنے چمن کو دیکھ کے ہوتے ہیں سب خیال
خود چاہتا ہوں میں کہ یہ گل ہو نہ پائمال
شادی کے دن ہیں اس غریب الوطن کی ہے
صدمہ مجھے یہ ہے کہ رخصت بہن کی ہے

۶۴

بولی یہ عندلیب چمن پرورِ بتول   طرہ وہی ہے سب پہ پیمبر چڑھے جو پھول
اے نخلِ باغِ فیض و گلِ گلشنِ رسول   داغِ گلِ ریاض تمنا بدل قبول
شادی صدا نہیں چمنِ روزگار میں   رووے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

۶۵

کیجیے کنیز کی نہ ریاضت کا کچھ خیال   ان کو بھی صدقے ہونے کی ہے آرزو کمال
بھائی پہ آپ تو بھتیجے کا کیا خیال   ان کو بھی صدقے ہونے کی ہے آرزو کمال
ہاں دل تو چاہتا ہے کہ دم بھر جدا نہ ہوں   کام آئے غیر جب تو یہ کیوں کر جدا نہ ہوں

۶۶

گر کر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجوان   بس اب رضا جہاد کی دیں قبلۂ زماں
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں   کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خوں گھٹ گیا امام زماں زرد ہو گئے   اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

۶۷

اکبر پھرے جو گرد قدم سے اٹھائے سر   بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے نور عین اے سببِ قوتِ جگر   کیا اپنا زور غیر جہاں سے کرو سفر
بس قطع ہو گئی جو توقع تھی آپ سے   اٹھارہویں برس میں بچھڑتے ہو باپ سے

۶۸

نقصان کونسا ہے جو مرتے پدر کے ساتھ   ہوتا سناں پہ چاند سا سر میرے سر کے ساتھ
افسوس زخمی ہو گیا دل بھی جگر کے ساتھ   زینب ہماری جان چلی اس پسر کے ساتھ
کنبے کی جان آنکھوں کا تارا یہی تو تھا   بابا کی زندگی کا سہارا یہی تو تھا

۶۹

تم سے بھی رک سکا نہ یہ دلبر ہزار حیف   کچھ کر سکی نہ بانوئے بے پر ہزار حیف
خالی ہوا بس آج بھرا گھر ہزار حیف   لو صاحبو چلے علی اکبرؑ ہزار حیف
یہ آفتاب اب کوئی دم میں غروب ہے   دولھا بنا کے مرنے کو بھیجو تو خوب ہے

۷۰

خلعت پنہایا ماں نے وہ کپڑے اتار کے   رکھا عمامہ فرق پہ زلفیں سنوار کے
زینب پکاریں ہاتھوں کو چھاتی پہ مار کے   سہرا ابھی باندھو سر پہ مرے گلعذار کے
بولا پسر کہ عزم ہے اب رزم گاہ کا   اماں کفن پنہاؤ یہ خلعت ہے بیاہ کا

۷۱

سجنے لگا یہ کہہ کے وہ صفدر سلاح جنگ   رکھا جو خود سرخ ہوا اور رخ کا رنگ
پہنی زرہ تو دل کو وغا کی ہوئی امنگ   تن کر چلے لپٹ گئی بر سے قبائے تنگ
بڑھ کر جھکے جو قبلۂ دیں کے سلام کو   تڑپا دل اس طرح کہ غش آیا امام کو

۷۲

غل پڑ گیا کہ خلق سے اکبر کا کوچ ہے   لو روشنی چلی مہِ انور کا کوچ ہے
لٹتا ہے گھر شبیہ پیمبر کا کوچ ہے   گلزار مرتضیٰ کے گلِ تر کا کوچ ہے
اس کربلا میں کون سی کرب و بلا نہیں   کٹتا ہے وہ نہال جو پھولا پھلا نہیں

۷۳
حلقے سے رکابوں کے جو نکلا وہ آفتاب — ہمراہ تھے پسر کے امام فلک جناب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب — گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب
تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے — سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے

۷۴
تھرا کے عرض کی خلفِ مرتضیٰ ہیں آپ — کعبہ ہیں آپ یا شہِ دیں مرتضیٰ ہیں آپ
ہم صورتِ جنابِ رسولِ خدا ہیں آپ — شہ نے کہا مسافرِ ملکِ بقا ہیں آپ
الفت نہیں یہ پاس رسالت مآب ہے — ایسے سعید لعل کی خدمت ثواب ہے

۷۵
صدقے میں اس لحاظ کے اے رتبہ داں مرے — عاشق مرے شفیق مرے اے مہرباں مرے
سرور مرے حسین مرے شیر ژیاں مرے — پیری میں باپ کیا کرے اے نوجواں مرے
طاقت تھی جس سے دل کو وہ دولت بچھڑ گئی — میں تو یہ جانتا ہوں کہ دنیا اجڑ گئی

۷۶
آتے ہیں ہم بھی خیر سدھارو سفر کرو — اچھا بساؤ دشت کو ویران گھر کرو
تیغوں میں آفتاب سا سینہ سپر کرو — پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا منہ ادھر کرو
اک جا رہے یہ غنچۂ خاطر کھلے نہیں — مدت گذر گئی کہ گلے سے ملے نہیں

۷۷
کیوں کر دھواں اٹھے نہ جگر سے ہزار حیف — خدمت بھی کچھ ہوئی نہ پدر سے ہزار حیف
پانی کو اس شباب میں ترسے ہزار حیف — پیاسے چلیں حسینؑ کے گھر سے ہزار حیف
گو نہر تھی قریب مگر دسترس نہ تھا — تم خوب جانتے ہو کہ بابا کا بس نہ تھا

۷۸
کوثر پہ جا کے کہیو علی سے ہمارا حال — لال آپ کا بلا میں ہے یا شیر ذوالجلال
کٹ جائے میرا حلق کہ لاشہ ہو پائمال — حضرت کو اپنی بیٹیوں کا چاہیئے خیال
ان کے قدم تھمیں جو کوئی دستگیر ہو — ایسا نہ ہو کہ دخترِ زہرا اسیر ہو

۷۹
یہ کہہ کے خود سوار کیا نورِ عین کو — کس صبر سے ادا کیا خالق کے دین کو
روتا اس آفتاب نے چھوڑا حسینؑ کو — روشن ضیائے رخ نے کیا مشرقین کو
قدسی درود پڑھتے تھے چہرے کے نور پر — گھوڑے پہ آپ تھے کہ تجلی تھی طور پر

۸۰
وہ شوخیاں سمند فلک سیر کی وہ چال — پیل دماں کہیں، کہیں ضیغم، کہیں غزال
مرکب جو بے عدیل تو راکب بھی بے مثال — رعب و نہیب و دبدبہ و سطوت و جلال
بجلی کی زرق برق بھی ساز و یراق پر — غل تھا چڑھے ہیں احمد مرسل براق پر

۸۱
پھیلی ہوئی تھی دشت میں زلفِ رسا کی بو — کچھ بو تھی گیسوؤں کی تو کچھ کربلا کی بو
غل تھا یہ بو ہے سلسلۂ مصطفیٰ کی بو — مٹتی ہے اس کے سامنے مشکِ خطا کی بو
حلقے نہیں یہ گیسوئے عنبر سرشت کے — دیکھو کھلے ہوئے ہیں دریچے بہشت کے

۸۲

صدقے ہے عود عنبر سارا نثار ہے
حلقہ ہے جو وہ نافۂ مشکِ تتار ہے
جنگل ہے مشک بیز ہوا مشکبار ہے
سنبل کا اس کے سامنے کیا اقتدار ہے
شادی سدا انہیں چمنِ روزگار سے
مخفی ہے آج تک شب قدر اس حجاب سے

۸۳

پیدا ہے زلف و روئے منور سے شانِ رب
یہ لطف عیدیں و شب قدر میں ہے کب
نکلا ہے آفتاب میانِ سوادِ شب
ہے دو طرف تو چین و خطا بیچ میں حلب
رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں
اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں

۸۴

معراجِ مصطفےٰ کی یہ شب ہے تو وہ سحر
ہے زیبِ رخ معنبر والیل و والقمر
زیبا ہے اس کو کہیئے اندھیرے کا چاند اگر
اے خضر ہاں ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
دن جس کا ہے سعید مبارک وہ رات ہے
ظلمت کو طے کیا تو پھر آبِ حیات ہے

۸۵

پہلو میں دن کے رات رہے شانِ کارساز
افزوں ہے سب سے رونقِ دینِ شہِ حجاز
یوسف جو دیکھ لے تو جھکالے سرِ نیاز
زیبا ہے گورے رخ پہ غضب گیسوئے دراز
اب تو نظر پہ یہ شبِ معراج چڑھ گئی
حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی

۸۶

کیوں زلف کی ثنا میں اُلجھتے ہیں موشگاف
تقلید سر بسر ہے فصاحت کے برخلاف
سلجھا ہوا بیاں ہو تو مضموں ہے صاف صاف
باریک اس خفتن کی ہیں راہیں خطا معاف
فکر رسا ہے جن کی یہاں وہ بھی پیچ ہیں
رستہ تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پیچ ہیں

۸۷

وہ خود فرق پاک پہ وہ چاند سی جبیں
قرآں کی لوح مطلع نورِ آفتابِ دیں
پرتو ہے جس کے غیرتِ مہتاب سب زمیں
آئینۂ حلب ید بیضائے مہ جبیں
اس کو جو اس جبیں کے برابر وہ دیکھتا
پھر اپنے آئینہ کو سکندر نہ دیکھتا

۸۸

ابرو ہے یا کھنچی ہوئی شمشیر تیز دم
پایا بھلا کماں کیانی نے کب یہ خم
صانع نے ایک لوح پہ رکھے ہیں دو قلم
کیا متصل ہے گوشہ سے گوشہ زہے حشم
مدت کھنچے تو پھر کشش ان کی بیاں نہ ہو
قرباں ہو لاکھ بار تو خاطر نشاں نہ ہو

۸۹

خمدار وہ بھویں وہ جبینِ قمر مثال
مطلع ہے صاف غور سے بنا کریں خیال
تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
نقطہ ہے نورِ حسن کا ابرو پہ ہے جو خال
خوبی میں یہ تو یہ ہمہ تن لاجواب ہے
دیوانِ حسن میں یہی بیت انتخاب ہے

۹۰

ہے آسمانِ حسن و شرف یہ فلک جناب
منظور شمسہ و قمری کا ہو گر حساب
ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب
ہاں دیکھ لیں رُخ خلفِ ابن بوتراب
باریک ہیں سمجھ گئے مطلب انیس کا
انتیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

۹۱

مانند شانہ گر ہمہ تن ہو کوئی زباں
قرباں حسنِ صنعتِ خلاقِ انس و جاں
تو بھی مژہ کا وصف سر مو نہ ہو بیاں
پردا ہے بہرِ چشم کبھی گاہ سائباں
موئے مژگاں درِ ثمین نجف یہ ہے
آنکھوں پہ جس کو رکھتے ہیں مردم شرف یہ ہے

۹۲

اس چشم کو وہی کہے نرگس جو ہے نظیر
کیوں روز گرد ہو کے نگاہوں میں ہوں حقیر
چشمِ نظر یہ دیدۂ حق ہیں ہیں بے نظیر
یہ عینِ مردمی ہے کہ مردم ہیں گوشہ گیر
اس نور کے مکاں سے نکلنا فضول ہے
گھر بیٹھے ان کو سیرِ دو عالم حصول ہے

۹۳

دکھلاتی ہے بیاض سواداں کی شانِ رب
پائی کسی ہرن نے یہ چشمِ سیاہ کب
دن کے قریب صبحِ سحر کے قریب شب
پیدا ہے ان سے عینِ علیؑ کا جلال سب
دیکھیں جو رعبِ شیرِ نیستاں غزال ہوں
دنیا ہو غرق خوں جو یہ غصے سے لال ہوں

۹۴

بیمار کہتے ہیں شعرا چشم کو جو سب
دار الشفا یہ خود ہیں پئے بندگانِ رب
صحت میں اس کی شک ہے غلط ہو تو کیا عجب
دید ان کی ہر مریض کی صحت کا ہے سبب
چشمک ہے ان کو عیسیٔ گردوں پناہ سے
مُردے جلا دیے ہیں کرم کی نگاہ سے

۹۵

آنکھیں وہ نرگسی جنھیں دیکھے سے ہو سُرور
یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
روشن میانِ کعبہ ہیں یا دو چراغِ طور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغرِ بلور
حق بیں ہیں حق شناس ہیں یزداں پرست ہیں
ہشیار کیوں نہ ہوں مئے عرفاں سے مست ہیں

۹۶

ضیغم ہیں نظر صاحبِ رعب جلال ہیں
یہ نشۂ رحیق جوانی سے لال ہیں
حالِ شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں
ساحر بھی ہیں تو ساحرِ سحرِ حلال ہیں
پتلی نہیں یہ چشمِ سیہ کے حجاب میں
پنہاں ہے روئے حضرتِ یوسفؑ نقاب میں

۹۷

جاگے ہیں رات کے تو نقاہت ہے آشکار
مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتے ہیں بار بار
ڈورے جو سُرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار
آنسو ہیں یہ صدف میں ہیں یا دُرِّ شاہوار
رُوئے ہیں فرقتِ شہِ عالی جناب میں
نرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

۹۸

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
ذرّوں کو سر چڑھائے یہ کس کا دماغ ہے
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے
وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے
دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

۹۹

گل سرخ زرد ہوا نہ کبھی ان کے سامنے
بے رنگ ہے گلاب کی بو ان کے سامنے
غنچے چمن کا روئے نکو ان کے سامنے
باغِ بہشت ساختہ رو ان کے سامنے
خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے
تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہراؑ کے باغ کے

۱۰۰

آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہے بند
کیا لطف گر مزا نہ اٹھائیں سخن پسند
ہے بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قند
خود ہر سخن سے ان کی فصاحت ہے بہرہ بند
اعجاز ہے زبان بلاغت نظام میں
قرآں کی صاف شان ہے ان کے کلام میں

۱۰۱

مشکل ہے وصف گوہر دندان بے مثال
اس درج میں صلہ کے جو ملنے کا ہے خیال
غواص بحر حسن دکھا اپنا کچھ کمال
بھر دے گا موتیوں سے دہن فاطمہ کا لال
قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں دُرِ ثمیں کے گنج

۱۰۲

اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہے
گھر بازوؤں میں قوت خیبر کشا کا ہے
سب زور ان کلائیوں میں لافتا کا ہے
سینہ نہ جانیو یہ خزانہ خدا کا ہے
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
جس سے تھما ہوا ہے سفینہ نجات کا

۱۰۳

پڑتا ہے ماہ رُخ کا جو پرتو ادھر ادھر
گرتے ہیں کانپ کانپ کے ٹھوکر ادھر ادھر
پھرتی ہے چاندنی کی طرح ضو اِدھر اُدھر
لشکر میں بے دغا ہے رواروِ اِدھر اُدھر
غل تھا عمر کا سر ابھی لائیں جو زور ہو
اسکو نگاہ بد سے جو دیکھیں تو کور ہو

۱۰۴

دیکھو تو منصفو یہ ملک ہے بشر نہیں
سب محو ہیں کسی کی کسی کو خبر نہیں
چہرے پہ ضو یہ ہے کہ مجالِ نظر نہیں
پھر کون ہے پیمبرِ برحق اگر نہیں
وقتِ ادب ہے ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آئے رسول دوڑ کے قدموں پہ سر رکھو

۱۰۵

نکلا لگائے چتر زری ابن سعد شوم
تنہا وہ اک جواں یہ ادھر فوج کا ہجوم
بولا یہ کیا ہراس ہے خیرہ یہ کیا ہے دھوم
کھوتے ہو آبروئے رئیسان شام و روم
پیارا ابھی پسر ہے شہِ مشرقین کا
خوش ہو کہ خاتمہ ہوا فوج حسینؑ کا

۱۰۶

تلواریں لو نیاموں سے جلدی پرے جماؤ
ہاں اے کماں کشو قدر اندازیاں دکھاؤ
نیزے ہلا ہلا کے سوارو ادھر کو آؤ
فرزند فاطمہ کے پسر کا لہو بہاؤ
گر نور احمدی کی جہاں میں ضیا نہ ہو
انعام پھر وہ دوں جو کسی نے دیا نہ ہو

۱۰۷

لالچ میں آئے سن کے یہ باتیں وہ زیر دست
دریا یہ کچھ سوا ہوا پہلے سے بند و بست
سمجھے کہ اس طرف ہو فتح اس طرف شکست
جھومے یلانِ فوج ستم مثلِ پیل مست
جنگل تھا سب سیاہ ہجوم سپاہ سے
کوسوں چھپی ہوئی تھی ترائی نگاہ سے

۱۰۸

اس طرح بڑھ کے ڈٹنے تھے وہ بانیٔ حسد
پیاسے پہ آئے تیر ادھر سے جو لاتعد
اٹھتا ہے جس طرح کہ سمندر سے جزر و مد
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے کہا یا علی مدد
دیکھا نگاہِ قہر سے ہر نابکار کو
گویا خدا کا شیر بڑھا کارزار کو

۱۰۹

اللہ رے ہیبت رجز خوانی ہزبر
چھائی ہوئی تھی فوج ضلالت شعار ابر
جھنجھلا کے گونجتا ہے نیستاں میں جیسے ببر
جو منچلے تھے فوج میں بڑھتا تھا ان پہ جبر
غل تھا کہ سب علی کا جلال آشکار ہے
نعرہ ہر اک رجز کا ہمیں ذوالفقار ہے

۱۱۰

نعرہ کیا جو نسل علی آسمان ہے
سینوں میں دل ہے گر تو صفوں میں نشان ہے
تھرائی یوں زمیں کہ کڑک کر مکان ہے
گیا منھ کسی کا تھا کہ دہن میں زبان ہے
گردن نہ ان کی اٹھتی تھی جو سربلند تھے
اللہ رے رعب نطق فصیحوں کے بند تھے

۱۱۱

بعد ستائش اب وجد شیر نر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک ادھر سے ادھر بڑھا
اٹھتی ہوئی گھٹا کی طرح جوں قمر بڑھا
جرار تیغ تولے ہوئے بے سپر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

۱۱۲

تیروں سے روکنے لگے ڈر ڈر کے جب سوار
سب کی نظر میں کوند گئی برق ذوالفقار
صفدر نے بڑھ کے میان سے لی تیغ آبدار
ٹوٹے الم گرے جو الف ہو کے راہوار
غل تھا کہ سربلند ہے جو وہ بھی پست ہے
اکبر نے دی صدا یہ نشان شکست ہے

۱۱۳

فرما کے یہ کمر میں رکھی اسپ کی لجام
سرعت وہ رخش کی وہ درخشانی حسام
پھرنے لگا نظر کے اشارے میں خوش خرام
اک برق کوندتی تھی میان سپاہ شام
دلدل کی چال جو وہ چلن باد پا کا تھا
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

۱۱۴

کہنی تک آپ نے جو الٹ لی تھیں آستیں
رو کے تھے منھ پہ خون سے ڈھالوں کو اہل کیں
اک زلزلہ تھا کانپتی تھی دشت کی زمیں
ہنس ہنس کے دیکھتے تھے علی اکبر حسیں
افزوں تھی انگلیوں کی ضیا شمع طور سے
جنگل میں روشنی تھی کلائی کے نور سے

۱۱۵

ناگاہ چلی میان دو صف تیغ شعلہ ریز
آئی چمک کے سروں پہ جو تیغ تیز
دم بھر میں گرم ہو گیا ہنگامۂ ستیز
ان میں سے ایک کو نہ ملی مہلت گریز
سالم تھے نخل قد یہ نشان ثمر نہ تھا
دونوں صفوں میں ایک کی گردن پہ سر نہ تھا

۱۱۶

بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہے جس طرح
ہاتھ اڑتے تھے شجر کوئی چھٹتا ہے جس طرح
ہٹتے تھے دل کہ ابر سمٹتا ہے جس طرح
یا نرم خام تیغ سے کٹتا ہے جس طرح
جو ہاتھ بھی وہ چار ہوا صاف چار تھا
فولاد موم خام سبک سکینۂ خیار تھا

۱۱۷

تھی استخواں نشانۂ تبر اس کے سامنے
مودار سب تھے کاسۂ سر اس کے سامنے
دام زرہ تھا سنبل تر اس کے سامنے
ڈھیلی گرہ تھا بند کمر اس کے سامنے
آفت کی کاٹ قہر کا خم منھ بلا کا تھا
سب رنگ ڈھنگ ضربت مشکل کشا کا تھا

عہ سکینہ خیار [illegible]

۱۱۸
آئی جو سن سے سینہ کی جانب اڑا کے سر
مرکب نے کی نظر سوئے راکب اٹھا کے سر
دھڑ سے گرا سمند کی ٹاپوں پہ آ کے سر
نکلی وہ تیغ تیز بغل سے جھکا کے سر
ظالم اسی طرح سوئے دوزخ روانہ تھا
سر تھا نہ صدر تھا نہ سپر تھی نہ شانہ تھا

۱۱۹
برسا رہی تھی دشت میں وہ شعلہ رو لہو
تا سینہ اس طرف تو ادھر تا گلو لہو
حیدر کا لعل بیچ میں تھا چار سو لہو
کوسوں تھا سرزمینِ عرب میں لہو لہو
بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہلِ خلاف کا
فرطِ خوشی سے سُرخ تھا چہرہ مصاف کا

۱۲۰
جب آئی سن سے کاٹ کے جوشن نکل گئی
یوں چاک کر کے سینۂ دشمن نکل گئی
اڑ کر صفوں کے بیچ سے ناگن نکل گئی
شہ رگ سے جان صدر سے گردن نکل گئی
سالم رگیں نہ جسم کی نہ استخواں رہے
ٹوٹے قفس میں طائرِ وحشی کہاں رہے

۱۲۱
اللہ ری تیزیِ دمِ شمشیر سر شگاف
دریا سے خوں میں پیر کے نکلی دمِ مصاف
قبضے میں جس کے حکم قضا تھا بسان قاف
پھر منھ لہو پیے پہ جو دیکھا تو پاک و صاف
نسبت تھی ذوالفقار سے اس بے عدیل کو
دھبا کہیں لگا ہے نجیب و اصیل کو

۱۲۲
تھا نہر علقمہ کے قریں بحرِ خوں کا اوج
سرِ صورتِ حباب نمایاں تھے فرد و زوج
تھے آگے پیچھے دست بریدہ بسان موج
طوفان آبِ تیغ میں ڈوبی ہوئی تھی فوج
بھاگیں تو گھاٹ تیغ کا مابین راہ تھا
خشکی میں فوج شام کا بیڑا تباہ تھا

۱۲۳
پھول اڑ گئے پھل اس جو چمکا سپر کے پاس
سر سے اتر گئی دلِ بیداد گر کے پاس
نکلی ادھر سپر سے کہ آ پہونچی سر کے پاس
دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

۱۲۴
اب دم نہ لیجو بڑھ کے قضا اس سے کہہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی
ندی لہو کی دشت پر آفت میں بہہ گئی
بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
غصے میں مثلِ برق قرار اس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اسے مارا تو دم لیا

۱۲۵
پھل اس کا نہ سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر تو نقطِ تن پہ رہ گیا
جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ رہ گیا
خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی
رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

۱۲۶
جنگل سے چار سمت لہو کے چمن بنے
مروے شکست پا کے وہ پیماں شکن بنے
جو خیرہ سر تھے نقش فنا اُن کے تن بنے
چار آئینہ جو قبر تو جوشن کفن بنے
کشتوں پہ کشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
عصیاں کا اس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا

۱۲۷

بل کھا کے اس طرف سے کوئی یل بڑھا اگر
چمکی جو تیغ برق سی کوندی ادھر ادھر
پہونچا سمند اٹھا کے برابر وہ شیر نر
آئی لہو میں پیر کے وہ ماہیِ ظفر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

۱۲۸

قبضوں میں تیغیں چھپتی تھیں دہشت سے اسقدر
یہ خوف تھا کہ زیں سے نکلتی نہ تھی نظر
گرد اپنے آپ کرتی تھی گرداوری سپر
سہمے تھے تیر یوں کہ اٹھا سکتے تھے نہ سر
ہر اک کمند دام بلا میں اسیر تھی
واں خود اماں کی طرح کماں گوشہ گیر تھی

۱۲۹

نصرت جلو میں گھوڑے کی تھی پھرتی مثل باد
تھی یہ ظفر کی عرض کہ یا خالقِ عباد
کہتی تھی فتح آج بر آئی مری مراد
جلدی شکست پائیں یہ سب بانیِ فساد
پامال کر کے یوں انھیں یہ مہ لقا پھرے
جس طرح جنگ بدر سے شیر خدا پھرے

۱۳۰

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
نیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اس کی تاب
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
تیزی زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

۱۳۱

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزاں بھی بہار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی نے اسکے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفت جہاں تھی لگانے بجھانے میں

۱۳۲

کرتی تھی پائمال صفوں کو وہ برق سیر
نہ خود کو پناہ نہ اس سے سپر کو خیر
دہشت سے تھا سیاہ شقاوت کا حال غیر
چار آئینہ کو لاگ تھی اس کو سپر سے بیر
سکتے پڑے تھے اکبر غازی کی ضرب سے
لوہا بھی دب گیا تھا یہ معنی ہیں ضرب کے

۱۳۳

تیر افگنان کوفہ و شام و عراق و رے
قادر ہے مثل حکم قضا یہ خجستہ پے
چلاتے تھے رہے گی کہاں کشمکش یہ تا بہ کے
پرکاٹے اتنے تیز چلے اس طرف سے جے
پچھتائے علم تیر میں برسوں گذار کے
بس پھینکدے چڑھے ہوئے چلّے اتار کے

۱۳۴

تیروں کے بند بند قلم برچھیاں دو نیم
چار آئنے کٹے ہوئے گرز گراں دو نیم
مثلِ قلم زبانِ درازِ سناں دو نیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلواں دو نیم
سالم تھا جیش آئنۂ تیغ جو نہ تھا
لشکر میں کون تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

۱۳۵

وہ تیغ جو بڑھی صفِ کفار ہٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
رن کی زمیں لہو کے دڑیڑوں سے کٹ گئی
دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

١٣٦

گیتی ہلا دی نعرۂ ضرغامِ دہر نے
مانگی پناہ چھوڑ کے ساحل کو بحر نے
گھیرا ہر اک کو حضرتِ باری کے قہر نے
گرداب کو سپر کیا سینے پہ نہر نے
گم امن کا جو بحر میں نایاب ہو گیا
کانپیں یہ مچھلیاں کہ جگر آب ہو گیا

١٣٧

بولے نہنگ خوب نہیں یہ اگر مگر
برپا ہے شاہیوں کے ستم سے یہ شور و شر
جلدی نکل کے بحر سے بر میں بناؤ گھر
اڑتے ہیں اپنے حق پہ یداللہ کے پسر
چشمہ ہے یا محیط ہے قطرہ ہے کہ نہر ہے
اس کے گواہ ہم ہیں کہ زہرا کا مہر ہے

١٣٨

ہل چل ہوئی غضب کی صفِ کارزار میں
پوشیدہ مارے خوف کے اژدر تھے غار میں
دب کے نکل گئے شیرِ نیستاں کچھار میں
جنگل سمٹ کے چھپنے لگا کوہسار میں
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
رہتی یہ مچھلیاں تھیں سمندر فرات میں

١٣٩

جب کوند کر سمند یہاں سے وہاں گیا
جھاڑیں جو پتلیاں تو نظر سے نہاں گیا
ثابت نہ کچھ ہوا کدھر آیا کدھر گیا
گھوڑا براق بن کے سوئے آسماں گیا
غل تھا وہ آ کے دیکھ لے اس بادپا کے پاؤں
دیکھے نہ ہوں زمانے میں جس نے ہوا کے پاؤں

١٤٠

سرعت میں شرمسار نسیمِ سحر ہوئی
تن سے عرق کی بوند جو ٹپکی گہر ہوئی
آنکھوں میں پھر گیا نہ مژہ کو خبر ہوئی
جب خاک اڑی ادھر تو دم اس کی چنور ہوئی
گھوڑا نہ کہیے تختِ سلیماں روانہ تھا
اس کے لئے تو جنبشِ رگ تازیانہ تھا

١٤١

باریک جلد وہ کہ خجل تاقم و حریر
حلقے سے یوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر
مشکیں پرند آہوئے رم خوردہ و شریر
آتش مزاج بادیہ پیما فلک مسیر
یوں فتح ساتھ ساتھ تھی اس راہوار کے
جیسے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے

١٤٢

تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا بھی برق تھا
کچھ اس میں اور ابر میں مطلق نہ فرق تھا
شکلِ عروس زیورِ خوبی میں غرق تھا
دو گام اس کو فاصلۂ غرب و شرق تھا
پاکھر تھی موتیوں کی عرق جسمِ پاک پر
آئی تھی بادِ تند فرس بن کے خاک پر

١٤٣

تھا اس گروہ میں یہ تلاطم یہ انتشار
بولا یہ فوج سے عمر سعد نابکار
ناگاہ اٹھا جو شام کی جانب سے اک غبار
بھیجی کمک یزید نے وہ شکر کردگار
یہ اکبر جری کی اجل کا بہانہ ہے
آیا وہ پہلواں جو وحیدِ زمانہ ہے

١٤٤

یہ سن کے فوج سب متوجہ ہوئی ادھر
نیزوں کے آگے آگے تو ہیں رہزنوں کے سر
دیکھا کہ اک جواں ہے فرس پر بہ کرّ و فر
پیچھے ہیں دو ہزار جوانانِ پرجگر
قامت سے شانِ عمرِ دشقی آشکار ہے
سمجھے یہ سب کہ رخش پہ رستم سوار ہے

۱۴۵
وہ جس کو دیکھ دیکھ کے مرحب ہو سرنگوں
قتال و بدمزاج و مہیب و سیہ دروں
کیفِ شرابِ غیظ سے آنکھیں دو جامِ خوں
یکتاش خلیتاش سے بھی توش میں فزوں
تیغ و سناں میں رشکِ زریان گیو تھا
کہنے کو آدمی پہ حقیقت میں دیو تھا

۱۴۶
بعد از سلام بڑھ کے عمر نے کیا بیاں
نیزہ زمیں پہ گاڑ کے بولا یہ پہلواں
آپ آئے کیا کہ آگئی مرتے ہوؤں میں جاں
سرگرم کارزار ہے یہ کونسا جواں
عباس ہے کہ فاطمہ کا نورِ عین ہے
کی عرض اس شقی نے کہ ابن الحسین ہے

۱۴۷
کاٹے ہیں جب سے دستِ علمدار نامور
پوچھا شقی نے سال و سن اب کا ہے کس قدر
سرگرم کارزار ہے یہ شاہ کا پسر
اس نے کہا کہ دیکھ لے تو آنکھ کھول کر
اٹھارواں یہ سال ہے سن کے حساب میں
سبزہ ابھی نمود ہے باغِ شباب میں

۱۴۸
بولا شقی کہ فوج کے لڑکے سے ہے یہ حال
تب شمر نے کہا کہ یہ ہیں شیرِ حق کے لال
ٹوٹے ہیں مورچے صفِ لشکر ہے پائمال
طفل و جوان و پیر ہیں اس گھر کے بےمثال
سر پر ہو کون قہرِ خدا ہے وغا نہیں
اسپر کہ تین روز سے پانی ملا نہیں

۱۴۹
ناری کے آگ لگ گئی سن کر علی کا نام
پھر کیا اگر علی کا خلف ہے یہ تشنہ کام
بولا بگڑ کے وہ کہ مرے منہ پہ یہ کلام
کرتی ہے شق پہاڑ کا سینہ مری حسام
پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے
اتروں گا اب فرس سے سر اسکا اتار کے

۱۵۰
یہ کہہ کے پھر کیا کمرِ آہنی کو چست
سارے قویٰ قوی تھے مگر عقل سخت سست
آلاتِ حرب تن پہ کیے سر بہ سر درست
سر میں وہی غرور وہی غرۂ نخست
کوڑا کیا فرس کی جو باگ اس نے پھیر کے
ہر صف میں غل ہوا کہ چلا منہ میں شیر کے

۱۵۱
آیا اڑا کے رخش وہ جس دم قریبِ زد
ہنستے یہ ہوئے شیرِ الٰہی سا جس کا جد
ہم شکلِ مصطفیٰ نے کہا یا علیؑ مدد
ہوتا ہے کیا حریف کرے لاکھ جد و کد
دریائے موج خیز یہ تھے وہ حباب تھا
زہرہ شقی کا آنکھ ملاتے ہی آب تھا

۱۵۲
ہٹ کر بڑھا لرز کے جو سنبھلا وہ پر غرور
آمد میں وہ شکوہ و تعلّی وہ مکر و زور
بولے یہ مسکرا کے علی اکبرِ غیور
گرجا تھا اس قدر تو برسنا بھی تھا ضرور
سرکش زمیں پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
نخلِ غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی

۱۵۳
مقدور پر بھی کرتے ہیں عاقل فروتنی
ہم سے زیادہ کون ہے تلوار کا دھنی
عاجز ہیں سب خدا کی مگر ذات ہے قوی
چلتے ہیں جھک کے صورتِ شمشیرِ آہنی
دیکھا نہ راستی کا مزا کج ادائی میں
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں

۱۵۱

سب جانتے ہیں دستِ علی کی صفائیاں
سرکیں نبی کے سامنے کیا کیا لڑائیاں
عالم کے سرکشوں نے شکستیں اٹھائیاں
بدر و احد کے خون کی نہریں بہائیاں
مدحِ علی رسولِ خدا کی زباں پہ ہے
لاسیف و لافتیٰ کی صدا آسماں پہ ہے

۱۵۲

غرّہ ہمیں نہیں تجھے دعوےٰ ہے گر تو آ
تیری طرف یزید ہماری طرف خدا
آد تو دیکھی جنگ کا بھی کچھ ہنر دکھا
مالک بھی تجھے سقر میں بلاتا ہے جلد جا
ساتوں جہنم آتشِ فرقت میں جلتے ہیں
شعلے تری تلاش میں باہر نکلتے ہیں

۱۵۳

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤسر
اکبر نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر
آیا ادھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
دو ہو گیا عمود مثالِ خیار تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
[illegible] یہ سب زمیں پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

۱۵۴

بھالا سنبھالا دشمنِ ایماں نے مل کے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور میں گر وہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا

۱۵۵

رکھ کر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
تھرّا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یہ بھی ادھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی

۱۵۶

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھولے تمام نیزۂ بے دادگر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشاروں میں کٹ گئے

۱۵۷

ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کماں میں تیر
تیر افگنی میں شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
چلہ کٹا کماں کا زہے تیغِ بے نظیر
قربان زورِ ضربتِ نصرت نشان کے
کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

۱۵۸

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کماں
نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
سپر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں
بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی نکال
سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمیں پہ تھا تو کماں آسمان پر

۱۵۹

ہاں اے محیطِ طبع روانی دکھا مجھے
پیری میں زور شورِ جوانی دکھا مجھے
ہاں اے زبان سیفِ زبانی دکھا مجھے
اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دمِ تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

۱۶۳

اے تیغِ بادشاہِ نجف شعلہ بار ہو
اے برقِ طبع کوند کے گردوں کے پار ہو
اے شہسوارِ مستعدِ کارزار ہو
اے سیفِ خامۂ دو زباں ذوالفقار ہو
ہاں معرکہ ہے بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
چوٹیں نئی ہوں سب کوئی مضموں لڑ نہ جائے

۱۶۴

ہاں غازیو دکھاتا ہوں تصویرِ حرب گاہ
تولے ہے تیغ ادھر پسرِ شاہِ دیں پناہ
غل ہو درود کا عوضِ شور واہ واہ
آمادۂ نبرد ادھر ہے وہ روسیاہ
دونوں کو معرکہ میں تمنا ہے جنگ کی
باگیں اٹھی ہوئی ہیں کمیت و سرنگ کی

۱۶۵

دوزخ ادھر ہے خلدِ بریں کا چمن ادھر
کافر ادھر شبیہِ رسولِ زمن ادھر
کانٹے ادھر ہیں لالۂ رخ و گل بدن ادھر
مرحب ہے اس طرف شہِ خیبر شکن ادھر
باطل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے
جو نار ہے وہ نار ہے جو نور نور ہے

۱۶۶

عاری ہیں تیغ زن شہِ مرداں کے سامنے
کیا سحرِ سامری بنِ عمراں کے سامنے
گل ہیں چراغ مہرِ درخشاں کے سامنے
کیا مور کی بساط سلیماں کے سامنے
آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے
حقا کہ سحر اور ہے اعجاز اور ہے

۱۶۷

دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار
طاؤس ہیں ہرن ہیں چھلاوا ہیں راہوار
ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں دو ہو رہے ہیں وار
ششدر ہے اک زمانہ کہ یہ جرأت ہے یادگار
غالب یہی ہیں گو وہ قوی تر ہے گیو سے
غل ہے کہ لڑ رہے ہیں ید اللہ دیو سے

۱۶۸

بڑھتا ہے شکلِ تیغ ادھر سے یہ نامور
یوں نعرہ زن ہے غیظ میں شبیر کا پسر
دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورتِ سپر
یہ اضطراب جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رخ سے جھلم کو اتار کر
او روسیاہ آنکھ تو شیروں سے چار کر

۱۶۹

کٹ کٹ کے وار کرتا ہے پیہم وہ روسیاہ
روباہ وہ یہ لختِ دلِ ضیغمِ الٰہ
بران کی تیغ سے کہیں ملتی نہیں پناہ
جن کے غلام ملکِ شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہے برق شعلہ فشاں تیغ کے لئے
تیغ ان کے واسطے ہے یہ ہیں تیغ کے لئے

۱۷۰

اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ چمک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر چرخ پہ ملک
دو بجلیاں سی کوند رہی تھیں تہِ فلک
شکلِ علی جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رخ پہ ہراس کچھ دمِ جنگ و جدل نہ تھا
تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۷۱

گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکر و زور
او جھڑ بسر کی ہے جو اٹھائے سرِ غرور
لیکن کہاں چراغ کہاں مہرِ دیں کا نور
بولے تو موت کا بھی طمانچہ نہیں ہے دور
سچ کہتے ہیں ہراس میں کیا زور چل سکے
پنجے میں شیر کے جو ہو کیونکر نکل سکے

۱۷۲
نشانہ کٹا سپر سے بچایا جو اس نے سر ٹکڑے اڑے جھلم کے ہٹی منہ سے جب سپر
چار آئینہ میں جسم تو محفوظ تھا مگر سارا چھنا ہوا تھا زرہ کی طرح جگر
تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وہ تیغ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

۱۷۳
خالی گئیں منجی ہوئی چوٹیں جو اس کی سب منہ کو بھرا بھرا کے شقی کاٹتا تھا لب
تلوار کو اٹھا کے پکارا یہ شیر تب ہشیار او لعیں اجل آتی ہے سر پہ اب
مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے باقی ہو کچھ ہوس تو اسے بھی نکال لے

۱۷۴
بولا سپر کو فرق پہ رکھ کر وہ پرغرور پھنکتا ہے تن پہ دھوپ سے ہے پیاس کا زور
میداں گرہ ہے نار کا اے کبریا کے نور بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورتِ تنور
ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے مل جائے گر تو پی لوں میں پانی فرات سے

۱۷۵
تلوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تلوار روکنے کا نہ تھا گرچہ یہ مقام پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام
فیاض ہیں کریم ہیں ابنِ کریم ہیں دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

۱۷۶
خنداں ہوئے شقی پہ لبِ تیغ جاں گداز بڑھ کر زبانِ طعنِ سناں نے بھی کی دراز
آواز دی کماں نے زہے شانِ بے نیاز سوفار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز
ہے خوفِ ضربِ تیغ سے طالب پناہ کا بولی سپر کہ پھر گیا رخ روسیاہ کا

۱۷۷
نے آیا آب سامنے خادم بہ صد شتاب پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا گڑگڑا کے آب پیاسے تھے تین دن سے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

۱۷۸
سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بدگہر کی عرض کیجیے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب ہیں شہنشاہ بحر و بر آبِ حیات ہو تو پئیں ہم نہ بے پدر
ڈوبے ہوئے ہیں چشمۂ کوثر کی چاہ میں یہ آب نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

۱۷۹
شبیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
اے مرحبا رسول کے ہم شکل مرحبا سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا
کیوں کر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو کیوں کر نہ ہو کہ ساقیٔ کوثر کے لال ہو

۱۸۰
تسلیم کر کے شہ کو بہ صد عجز و انکسار مثلِ اسد شکار پہ آیا وہ شہسوار
نعرہ کیا کہ او سگِ بزدل ستم شعار ہاں اب تو تازہ دم ہے اٹھا تیغِ آبدار
ہٹتا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو

۱۸۱
سن کر بس پڑا وہ جفاکار و بد گہر
تیرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہی ظفر
رد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

۱۸۲
ڈو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلوان
نکلی لہو میں ڈوب کے شمشیر خونچکاں
جبریل پر اٹھا کے پکارے کہ الاماں
تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
افلاک سے گزر گئی سا ذنت کی صدا
آئی خدا کے عرش سے احسنت کی صدا

۱۸۳
منہ پھیر کر حسین کی جانب جو کی نظر
فریاد کی کہ اے خلف سید البشر
دیکھا زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہ بحر و بر
نزدیک ہے کہ پیاس سے شق ہو دل و جگر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
کیجے دعا کہ جلد شہادت نصیب ہو

۱۸۴
فرمایا شہ نے اے علیؑ اکبر ترے نثار
کوثر پہ شیر حق کو تمہارا ہے انتظار
میں کیا کروں نہیں مرا پانی پہ اختیار
مظلوم باپ تم سے نہایت ہے شرمسار
لائے کہاں سے دل کہ یہ صدمہ اٹھا سکے
تم مانگو اور حسین نہ پانی پلا سکے

۱۸۵
ڈیوڑھی پہ روئی بنت علی سن کے یہ کلام
رانڈوں کے رونے کو بڑھے اس طرف امام
روتی ہوئی نکل پڑیں سیدانیاں تمام
گھوڑا اٹھا کے فوج میں ڈوبا وہ تشنہ کام
سب طور تھا دعائے جناب امیر کا
حملے نہ تھے غضب تھا خدائے قدیر کا

۱۸۶
قلب و جناح کے جو دلاور ہوئے تلف
یہ غول اس طرف تو وہ مجمع تھا اس طرف
گھبرا کے میمنہ پہ گری میسرہ کی صف
گویا کہ لڑ رہے ہیں غضب میں شہ نجف
یوں حملہ ور تھے تیغ زنوں کی قطار پر
جاتا ہے شیر جیسے غزالوں کی ڈار پر

۱۸۷
آئے گئے جو بیچ سے لشکر کے بار بار
اب اس طرف ہیں آپ ادھر فوج نابکار
نا بین راہ تیغوں سے تن ہو گیا فگار
غل ہے ادھر اب آنے نہ پائے وہ نامدار
نیزے ملا دو سینے سے گھوڑوں کو پھیر کے
کشتہ کرو دہیں علیؑ اکبر کو گھیر کے

۱۸۸
روکی تمام فوج نے اک تشنہ لب کی راہ
ڈھالوں سے دشت کیں تھا کئی کوس تک سیاہ
گھوڑا اڑا کے بیچ میں آیا وہ رشک ماہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
لاکھوں سے معرکہ میں کوئی یوں لڑا نہیں
غل تھا کبھی عرب میں ایسا رن پڑا نہیں

۱۸۹
گردوں پہ تھی صدائے چکا چاک تیغ و تیر
فرماتے تھے جو رکتا تھا اسپ فلک مسیر
ڈوبا ہوا تھا خوں میں شہ دیں کا مہ منیر
اب ہم بھی ہیں تمام لڑائی بھی ہے اخیر
زخموں سے گو بھی چور ہے اور ہم بھی چور ہیں
افسوس کچھ یہی ہے کہ بابا سے دور ہیں

۱۹۰
نکلا پرے سے شیث ربعی جفا شعار
ہمراہ تھے شقی کے کماندار دس ہزار
تیروں کا مینھ برس گیا پیاسے پہ ایک بار
مرکب کا جسم گھوڑے کے پہلو ہوئے فگار
اڑ اڑ کے ٹٹے وہ کرنا تھا راہ ثواب کو
غل تھا کہ پر خدا نے دیئے ہیں عقاب کو

۱۹۱
نکلے کماں کشوں کے جو حلقے سے وہ جناب
تھی پھر تو برچھیوں کی کرن گرد آفتاب
ڈوبے لہو میں لٹنے لگا گلشن شباب
روتے تھے خوں کے آنسوؤں سے دیدۂ رکاب
مجروح شیر بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے جھوم جھوم کے

۱۹۲
طے کرکے معرکہ یہ پھرے تھے کہ ناگہاں
چھاتی پہ سامنے سے لگی ظلم کی سناں
دل توڑ کر انی جو ہوئی پشت سے عیاں
نیزہ جگر سے کھینچ کے تڑپا وہ نوجواں
ٹکڑے کبد کے خوں کے دریروں میں بہہ گئے
گھوڑے پہ یا علی ولی کہہ کے رہ گئے

۱۹۳
سینہ تو زین پر تھا عیاں فرس پہ سر
چھوٹی تھی ٹلکے ہاتھوں سے نہ تیغ نہ سپر
اٹکا ہوا تھا پسلیوں کے بیچ میں جگر
تختے جمے ہوئے تھے لہو کے ادھر ادھر
تڑپاتا تھا جو گھوڑے پہ صدمہ تکان کا
غل تھا کہ دم نکلتا ہے کڑیل جوان کا

۱۹۴
چلا رہا تھا یوں پسر سعد روسیاہ
ابن نمیر کیا ترا نیزہ چلا ہے واہ
ہم میں کسی سے قتل نہ ہوتا یہ رشک ماہ
بےکس حسین ہو گئے آخر ہوئی سپاہ
کردے کوئی خبر علی اکبر گزر گئے
دیکھو تڑپ رہے ہیں کہ شبیر مر گئے

۱۹۵
بڑھ کر پکارا شمر ستمگار و بدخصال
اے ابن فاطمہ خلف شیر ذوالجلال
جلد آکے دیکھیے پسر نوجواں کا حال
لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
جو حملہ ور تھا تیغ دودم تول تول کے
دم توڑتا ہے اب وہی منھ کھول کھول کے

۱۹۶
پہونچی یہ جاں گزا جو صدا گوش شاہ میں
دنیا سیاہ ہو گئی شہ کی نگاہ میں
دوڑے گرے اٹھے کئی جا اتنی راہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں
چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اسطرح
بچے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

۱۹۷
دوڑے گرے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
بن میں کبھی تھے رن میں کبھی نہر پر کبھی
تھامی کمر کبھی تو سنبھالا جگر کبھی
کی مڑ کے خیمہ گاہ کی جانب نظر کبھی
تشویش تھی کہ مادر اکبر نکل نہ آئے
خیمے سے بنت فاطمہ باہر نکل نہ آئے

۱۹۸
چلاتے تھے کہ اے علی اکبر کدھر ہے تو
مرتا ہے اب پدر مرے دلبر کدھر ہے تو
کچھ سوجھتا نہیں مرے یاور کدھر ہے تو
دن ہے کہ رات اے مہ انور کدھر ہے تو
آباد گھر حسین کا تاراج ہو گیا
خورشید دوپہر سے غروب آج ہو گیا

۱۹۹

بیٹا ضعیف باپ کدھر ڈھونڈھنے کو جائے
دشمن کو بھی خدا نہ فراقِ پسر دکھائے
بچھڑے پدر سے عین جوانی میں ہائے ہائے
پھر بابا جان کہہ کے پکارو تو چین آئے
مرنے کی جس کے فصل تھی اس نے قضا نہ کی
واحسرتا کہ عمر نے تم سے وفا نہ کی

۲۰۰

ناگاہ صدا یہ آئی کہ بابا ادھر ہوں میں
خالق سے لو لگی ہے چراغِ سحر ہوں میں
اے نخلِ باغِ فاطمہ زیرِ شجر ہوں میں
جلد آئیے کہ آپ کا پیارا پسر ہوں میں
دردِ جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

۲۰۱

دوڑے حسین سن کے یہ آوازِ دردناک
فرزند لوٹتا نظر آیا بروئے خاک
دامن تھا سب قمیصِ تنِ یوسفی کا چاک
بس گر پڑے پسر کے برابر امامِ پاک
تڑپا جو دل تو لختِ جگر سے لپٹ گئے
روحی فداک کہہ کے پسر سے لپٹ گئے

۲۰۲

دیکھا کہ جسم سرد ہے بے حس ہیں دست و پا
منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہِ کربلا
دم ہے مگر حباب میں ہو جس طرح ہوا
کیوں بابا جان کہہ دو گذرتی ہے دل پہ کیا
بولو تو منہ سے کچھ کہ میں بیکس امام ہوں
سوکھی زباں دکھا کے کہا تشنہ کام ہوں

۲۰۳

سر پیٹ کر امام پکارے کہ ہائے ہائے
جان اپنی دے کے لوں اگر اک جام ہاتھ آئے
بیٹا حسین ڈھونڈھ کے پانی کہاں سے لائے
اے نورِ عین پیاس تمہاری خدا بجھائے
سیدؐ سے بغض ہے سپہِ بدصفات کو
گھیرے ہوئے ہیں خون کے پیاسے فرات کو

۲۰۴

آنسو بہے یہ سنتے ہی اس رشکِ ماہ کے
کروٹ امامِ دیں کی طرف لی کراہ کے
چاہا کہ ملیے آنکھوں کو قدموں پہ شاہ کے
کھولا جو منہ نکل گیا دم ساتھ آہ کے
اینٹھی زباں تو ہونٹھ بھی تھرا کے رہ گئے
گیسو زمینِ گرم پہ بل کھا کے رہ گئے

۲۰۵

جھک کر پکارے شاہ کہ بیٹا کدھر گئے
باتیں بھی کچھ نہ کیں کہ جہاں سے گذر گئے
غش آگیا ہے دردِ جگر سے کہ مر گئے
چلتے تھے ہم بھی اور نہ دم بھر ٹھہر گئے
یوں قافلے سے چھوٹ کے شبیر رہ گیا
سب نوجواں چلے گئے یہ پیر رہ گیا

۲۰۶

سمجھے تھے ہم نبھے گا نہ پیر و جواں کا ساتھ
غربت میں کون دے پدرِ ناتواں کا ساتھ
پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ
واحسرتا کہ چھوٹ گیا کارواں کا ساتھ
خیر آگے آگے جاتے ہو تم آسرا تو ہے
گو ہم شکستہ پا ہیں پہ سر پہ خدا تو ہے

۲۰۷

آگے تمہارے مر نہ گئے ہم ہزار حیف
تم نے کیا نہ باپ کا ماتم ہزار حیف
نکلا نہ اب بھی تن سے مرا دم ہزار حیف
یہ عمر اور یہ الم و غم ہزار حیف
گھر جس کے دم سے ہو وہ سعادت نشاں مرے
قدرت خدا کی پیر جئے نوجواں مرے

۲۰۸
تڑپے یہ کہہ کے شاہ جو بیٹے کی لاش پر
اک غل اُٹھا حرم سے کہ ہے ہے جواں پسر
اس سانحہ کی ہونے لگی رانڈوں کو خبر
بچوں کو لے کے بیبیاں دوڑیں برہنہ سر
آفت میں ایک کو خبر دست و پا نہ تھی
سر پر کسی کے تھی تو کسی کے ردا نہ تھی

۲۰۹
سب بیبیوں میں ایک ضعیفہ کا تھا یہ حال
پیدا تھی زخمیوں کی تڑپ پسلیوں کی چال
خم تھا کمر میں دوش پہ بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ ہے ہے ارے میرے نونہال
دیتی ہوں واسطہ میں رسالت پناہ کا
رستہ مجھے بتا دے کوئی قتل گاہ کا

۲۱۰
کچھ سوجھتا نہیں، مجھے مقتل ہے کس طرف
جس میں چھپا ہے چاند وہ بادل ہے کس طرف
زخمی ہے جس میں شیر وہ جنگل ہے کس طرف
لوگو شبیہ احمد مرسل ہے کس طرف
اسکا پیام کچھ اسے دینے کو آئی ہوں
اپنی مرادوں والے کو لینے کو آئی ہوں

۲۱۱
ہے ہے کدھر ہے گیسوؤں والا پسر مرا
کس خاک پر تڑپتا ہے لختِ جگر مرا
جنگل میں بے چراغ کیا کس نے گھر مرا
کس نخل کے تلے ہے وہ نورس ثمر مرا
پیٹوں گی بین کر کے تنِ پاش پاش پر
بٹھلا دو ہاتھ تھام کے اکبر کی لاش پر

۲۱۲
لوٹا اجل نے میرے بھرے گھر کو ہے غضب
پرزے کیا شبیہ پیمبر کو ہے غضب
خوں میں ڈبو دیا مہِ انور کو ہے غضب
برچھی لگی مرے علی اکبر کو ہے غضب
اس عمر میں یہ نخل جوانی کا پھل ملا
بستی مری لٹی تجھے کیا اے اجل ملا

۲۱۳
اے میرے خوش بیاں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے تن کی جاں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے نوجواں مجھے اپنی صدا سنا
اے میرے قدرداں مجھے اپنی صدا سنا
عاشق کے دل کو صبر کہاں ہے فراق میں
گھر سے نکل پڑی ہوں ترے اشتیاق میں

۲۱۴
اے تیغ دار گیسوؤں والے ترے نثار
اے مشکبار گیسوؤں والے ترے نثار
اے یادگار گیسوؤں والے ترے نثار
اے میرے چار گیسوؤں والے ترے نثار
دنیا سیاہ ہوگئی رستہ پہاڑ ہے
جنگل بسا ہوا ہے مرا گھر اُجاڑ ہے

۲۱۵
اے میرے گل بدن مرے ابرو کماں جواں
اے میرے صف شکن مرے حیدر نشاں جواں
اے میرے کم سخن مرے شیریں بیاں جواں
اے میرے تیغ زن مرے شیرِ ژیاں جواں
لاکھوں سے معرکہ تپشِ آفتاب میں
دو دن کی پیاس نے تجھے مارا شباب میں

۲۱۶
وہ بھینی بھینی تن کی مجھے بو سنگھا دو پھر
کھل جائے ماں کا غنچۂ دل مسکرا دو پھر
ماں صدقے جائے تشنہ ہوئے گھر میں آؤ ادھر
جی بھر کے میں گلے سے لگا لوں تو جاؤ پھر
غربت میں شوق سے شہِ والا کا ساتھ دو
مجھکو بٹھا کے پردے میں بابا کا ساتھ دو

۲۱۷
گھبرا کے ایک شخص نے راوی سے یوں کہا
مریم ہے یا خدیجہ ہے یا بنت مصطفا
بی بی یہ کون سی ہے جو نکلی ہے بے ردا
بولا وہ کانپ کر کہ قیامت ہوئی بپا
خواہر حسین کی ہے نواسی نبی کی ہے
منھ پھیر لے ارے یہی بیٹی علیؑ کی ہے

۲۱۸
لکھتا ہے ایک راویِ غمگین دل کباب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامنِ سحاب
تھی دشتِ نینوا میں وہ بی بی جو بے نقاب
گیتی کو زلزلہ تھا زمانے کو اضطراب
اُڑ اُڑ کے آشیانوں سے طائر پھڑکتے تھے
چنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پٹکتے تھے

۲۱۹
اس حشر میں جو شہ نے بہن کی سنی صدا
دیکھا کہ دوڑی آتی ہے زینبؑ برہنہ پا
جلدی اٹھا کے لاش چلے شاہ کربلا
رو کر پکارے وا اسفا وا مصیبتا
سر ڈھانپ لو ردا سے قیامت بپا نہ ہو
گھر میں چلو بہن علی اکبر خفا نہ ہو

۲۲۰
اب روک لے کمیت قلم کی عناں انیسؔ
پیری ہے یہ سفر کا رہے دھیان یاں انیسؔ
بزمِ عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیسؔ
کیا جانیے رواں ہو یہ کب کارواں انیسؔ
خیمے مسافرانِ عدم نے نکالے ہیں
جس قافلے میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں

سلام

سلامی خلق کا آغاز و انجام اسپہ ظاہر ہے
کہ جو اوّل ہے ہر اوّل سے ہر آخر سے وہ آخر ہے

الٰہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو
کہ میں ہوں بندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دو عالم دو ورق ہیں اک کتاب وصف حیدرؑ کے
یہ مجموعہ ہے وہ جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے

کہا عباسؑ نے پانی تو پینے دو مسلمانو
تمہارا میہماں سیدؑ ہے بے کس ہے مسافر ہے

جو اچھے ہیں انھیں ملتا ہے مر کر قرب اچھوں کا
قریب قبر سرور تربتِ ابنِ مظاہر ہے

کہا حضرت نے حُر سے تیسرا فاقہ ہے بچوں پر
مرے احوال سے رزاقِ عالم خوب ماہر ہے

حسین ابن علیؑ کہتے تھے گر اُمت کے کام آئے
یہ بچے بھی مرے موجود ہیں یہ سر بھی حاضر ہے

بھلا ان کی ثنا کیونکر کریں کج مج بیاں مجھ سا
فرشتوں کی زباں مداحیِ حیدرؑ میں قاصر ہے

پیادہ سیدِ سجادؑ سوئے شام جاتے ہیں
نہ محمل ہے نہ ہودج ہے نہ اشتر ہے نہ قاطر ہے

قطعہ

پکارا خولیٔ ملعون صف آرا جب ہوئے حضرت
نبی مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے

حصین ابن نمیر رد سیہ نے تب کہا ہنس کر
یہ اولادِ نبی کا سر ہے جو تجھ پہ ظاہر ہے

حبیب ابن مظاہر یہ پکارے او شقی چپ رہ خدا لعنت کرے بے دیں ہے تو مرتد ہے کافر ہے
نبی کے لال کے رتبہ سے شاید تو نہیں واقف یہ اعلیٰ ہے یہ اتقی ہے یہ طیب ہے یہ طاہر ہے
یہ وہ شبیر ہے ماں ہے جناب فاطمہ جس کی یہ وہ سید ہے جو قبر محمد کا مجاور ہے
اگر ہو شبہ تجھ کو پوچھ لے اوروں سے لشکر میں ارے او کور باطن اس کا رتبہ سب پہ ظاہر ہے
کلید قفل جنت ہے ولا آلِ محمدؐ کی خدا کو جس نے پہچانا وہی ان سے بھی ماہر ہے
کسی کا کچھ گلا کرتا نہیں دو دن کے فاقے میں خدا کا دوست ہے دیندار ہے صابر ہے شاکر ہے
جو اندھا ہے تو آنکھیں مل کے مل نعلین سرور پر نبی کے لعل کی خاکِ قدم کحل الجواہر ہے
سخی ایسا ہے یہ سید کہ ہر امت عاصی لٹا دینے کو گھر موجود ہے مرنے کو حاضر ہے
مدینے سے سوئے کعبہ گیا کعبے سے یاں آیا یہ رہبر ہے یہ سید ہے یہ صابر ہے یہ شاکر ہے
ہزاروں مل کے لڑنے آئے ہو بیکس سے مہماں سے نہ کچھ اسلام کا ہے پاس نہ ایماں کی خاطر ہے
خبر ہائی کس پہ ہے فوجوں کی کس کو قتل کرتے ہو کوئی اس ماجرے کا پوچھنے والا بھی آخر ہے
یہ ہر افضل سے افضل ہے یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے یہ ہر بہتر سے بہتر ہے یہ ہر نادر سے نادر ہے
کیے ہیں پا پیادہ بیس حج اس نے مدینے سے یہ حق کا برگزیدہ ہے یہ حاجی ہے یہ زائر ہے
زباں جل جائے گی تیری معاذ اللہ توبہ کر شقی تو صاحبِ اعجاز کو کہتا ہے ساحر ہے
خبر لینا انیس زار کی یا احمدؐ مرسل تمھاری آل کا مداح ہے سید ہے ذاکر ہے

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں یک رنگ کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے تو کچھ بھی آل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

مرثیہ

کیا بحر ہے وہ بحر کنارہ نہیں جس کا
کیا دکھ ہے تعلق دل کو گوارہ نہیں جس کا
کیا رنج ہے وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
کس تیغ کا ہے زخم کہ چارا نہیں جس کا
صابر بھی تڑپتے ہیں وہ کیا رنج و الم ہے
اک داغ ہے اولاد کا اک بھائی کا غم ہے

۲

دشمن سے بھی دنیا میں برادر نہ جدا ہو
جاں تن سے نکل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
لشکر کی جو زینت ہے وہ صفدر نہ جدا ہو
وابستہ ہو دم جس سے وہ دم بھر نہ جدا ہو
دولت ہے بُری بیٹے کا اور بھائی کا جینا
انساں کے لئے موت ہے تنہائی کا جینا

۳

بے کار ہے وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
کون اس کا ہے پھر زینتِ پہلو نہیں جس کا
کیا صبر کرے قلب یہ قابو نہیں جس کا
ہستی کا چمن خار ہے گل رو نہیں جس کا
برچھی اسے لگتی ہے جو ناشاد کو دیکھے
جب صرف خزاں گلشنِ اولاد کو دیکھے

۴

ہر غم سے زمانے میں فزوں تر ہیں یہ دو غم
کٹتا ہے جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
سو داغ کے سو غم کے برابر ہیں یہ دو غم
موت اس کی ہے جس شخص کے دل پر ہیں یہ دو غم
سب دکھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے

۵

ہوتا ہے بہت نیک پسر باپ کو پیارا
کر دیتا ہے یہ داغ کلیجے کو دو پارا
پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھ کا تارا
بھائی ہے اگر زیست کا بھائی کی سہارا
مر جائے پسر تو ہے پھر امید پسر کی
بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہے پدر کی

۶

جس شخص پہ یہ رنج و الم ہو وہی جانے
تیغوں سے چمن جس کا قلم ہو وہی جانے
دل جس کا تہِ تیغ دو دم ہو وہی جانے
جس درد رسیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
مظلوم سے باعث نفسِ سرد کا پوچھو
گر پوچھو تو بسمل سے مزا درد کا پوچھو

۷

حضرت نے یہ دو داغ سہے دل پہ برابر
بھائی بھی وہ بھائی کہ جو تھا ثانیِ حیدر
اک فرقت عباسؑ اور اک رحلت اکبرؑ
فرزند وہ فرزند کہ تصویر پیمبرؐ
آنکھوں سے نہاں چاہنے والے ہوئے دونوں
محبوب جواں گود کے پالے ہوئے دونوں

بھائی کو وہ اب نہر پہ روئیں کہ پسر کو
توڑا ہے علمدار کے ماتم نے کمر کو
ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
چھوڑا ہے جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
فوج غم و اندوہ میں شبیر گھرے ہیں
اک جان پہ دو کوہ الم ساتھ گرے ہیں

۹

دو آفتیں بالائے سر آئی ہیں غضب ہے
دو برچھیاں اک دل میں در آئی ہیں غضب ہے
دو تیغیں جگر تک اتر آئی ہیں غضب ہے
دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہے
جینا غمِ جاں کاہ میں مشکل ہے بشر کا
پتھر کا کلیجہ ہو نہیں دل ہے بشر کا

۱۰

ہیں خاک نشیں زیرِ علم حضرتِ شبیرؑ
وارث کو سنبھالے ہوئے ہے بانوئے دلگیر
اور سامنے ہے خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
جب پیٹتے ہیں ہاتھ پکڑ لیتی ہے ہمشیر
فرماتے ہیں صدمے ہیں بڑے بھائی کے غم کے
للہ تڑپنے دو ہمیں گرد علم کے

۱۱

تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا
وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا
رونے دو کہ جی بھر کے ابھی میں نہیں رویا
سر پر سے مرے آج علیؑ اُٹھ گئے گویا
ہے داغ بڑا بھائی کے مرجانے کا مجھ کو
کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو

۱۲

عاشق مرے بچپن کا سدھارا میں نہ روؤں
آنکھوں سے نہاں ہو گیا تارا میں نہ روؤں
اعدا نے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
لوٹا گیا لشکر مرا سارا میں نہ روؤں
پھٹ جائے جگر جس کا وہ بے پر نہیں روتا
کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا

۱۳

مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی
ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی
جیتا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
خوں اسکا بہا چشم بھی گر نم نہ کروں میں
ہے ہے یہ غم ایسا ہے کہ ماتم نہ کروں میں

۱۴

منھ رونے کو ڈھانپو صفِ ماتم کو بچھاؤ
بھابھی سے کہو زیرِ علم رونے کو آؤ
پُرسا مجھے دو بین کرو خاک اُڑاؤ
مجھ تک کوئی عباسؑ کے فرزند کو لاؤ
اب منھ سے نکلتا ہے کلیجہ مرا پھٹ کر
روئے گا حسینؑ اپنے بھتیجے سے لپٹ کر

۱۵

غش ہو گئے کہہ کر یہ سخن حضرتِ شبیرؑ
قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغیر
ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہمشیر
فرزند کو رو سکتی نہیں بانوئے دلگیر
تصویر سی پاس آپ کے حیرت میں کھڑی ہے
تنہا علی اکبرؑ کی مرے لاش پڑی ہے

۱۶

دل ان کا ہے کس طرح کلیجے کو سنبھالے
پر اب تو اسے آپ کے جینے کے ہیں لالے
مرجائے وہ اٹھارہ برس تک جسے پالے
کہتی ہے خدا کو کہ تو زہراؑ کی بچالے
جو سمجھی ہے بے جا نہیں واللہ بجا ہے
وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہے

۱۷

عباس کو رو چکے ہیں جو آپ اے شہِ ابرار
فرزند کے لاشے کو بھی دیکھا نہیں زنہار
بیتاب ہے بسمل کی طرح وہ جگر افگار
ہے لب پہ یہی ہائے علمدار علمدار
کہتی ہے غش آتے ہیں شہِ جن و بشر کو
تھامو انھیں لوگو میں نہ روؤں گی پسر کو

۱۸

بانو کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
کلثوم کے ہمراہ اٹھیں زینبِ مضطر
لے آئے کوئی زیرِ علم لاشۂ اکبرؑ
نزدیک علم لاکے رکھی لاش زمیں پر
حضرتؑ نے کہا اب مرے دلبند کو رو دو
عباسؑ کو بس رو چکیں فرزند کو رو دو

۱۹
آغوش میں لو لاش جواں بیٹے کی بانو
ہو جائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
پھر پاؤ گی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
بس آخری رخصت ہے یہ ماں بیٹے کی بانو
بس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں
کس شان سے چھاتی پہ سناں کھائے پڑے ہیں

۲۰
دل کھول کے روؤ کہ یہ اولاد کا غم ہے
مظلوم کا ماتم ہے یہ بے کس کا الم ہے
بانو تمھیں روح علیؑ اکبر کی قسم ہے
ہم بھی انھیں رو لیویں کہ وقفہ کوئی دم ہے
کیوں کر انھیں یہ تشنہ دہاں باپ نہ روئے
دادی سے کہیں گے ہمیں ماں باپ نہ روئے

۲۱
محجوب ہے ان سے پدرِ بے کس و بے پر
لے جائیں کہاں لاشۂ ہم شکل پیمبر
دو روز کے پیاسے مرے گھر سے گئے اکبر
ساماں نہ کفن کا ہے نہ ہے قبر میسر
تابوت بھی اٹھوا نہیں سکتا پدر اُن کا
کس عالم غربت میں ہوا ہے سفر اُن کا

۲۲
یہ کہتے ہی حضرت پہ تو رقت ہوئی طاری
فرزند کا منھ کھول کے بانو یہ پکاری
منھ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کے کئی باری
اٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے ہیں شبیر
صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شبیر

۲۳
بس سو چکے اٹھو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
کیا ہو گیا تم کو علیؑ اکبر علیؑ اکبر
آواز مجھے دو علی اکبر علی اکبر
ہے ہے مرے گم گو علی اکبر علی اکبر
غفلت تمھیں ایسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے
نیند آج یہ کیسی ہے کہ کروٹ نہیں لیتے

۲۴
بیٹا علی اکبر مجھے ماں کہہ کے پکارو
واری میں پریشان یہ گیسو تو سنوارو
ہتھیار سجو باپ کے ہمراہ سدھارو
مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اُتارو
دن ڈھل گیا اب کون سا سونے کا محل ہے
یہ نیند جوانی کی ہے یا خواب اجل ہے

۲۵
صدقے گئی سنتے نہیں شاید مرا رونا
اٹھو تو بچھا دیوے یہ ماں نرم بچھونا
بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
اب چونکو میں صدقے گئی پھر چین سے سونا
ہے فرش کی جا خاک تنِ زار کے نیچے
تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے

۲۶
ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیند تمھاری
اب سوتے ہو اور گرد ہے یہ گریہ و زاری
گر بولتا تھا کوئی تو چونک اٹھتے تھے واری
کیوں کر تمھیں چونکائے یہ ماں درد کی ماری
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تم مر گئے بیٹا

۲۷
اب گھر میں مرے کس کی دلہن آئے گی اکبر
تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جائے گی اکبر
ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنائے گی اکبر
زہرہ گی ہو تم کو کہاں پائے گی اکبر
معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مرو گے
چھوڑا ہمیں اب قبر کو آباد کرو گے

۲۸

کیا قتل یہ اے غنچہ دہاں ماں کو دکھائی
تم نے نہ دلہن اے مری جاں ماں کو دکھائی
نکلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی
ایام بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی
دادی کے ملاقات کے شائق ہوئے بیٹا
موت آ گئی جب بیاہ کے لائق ہوئے بیٹا

۲۹

اب سو گئے مٹی کے تلے اے علی اکبر
دنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اے علی اکبر
اماں کی مرادوں کے پلے اے علی اکبر
سبزی کے نکلتے ہی چلے اے علی اکبر
برچھی لگی یہ نخلِ تمنا میں پھل آیا
خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیامِ اجل آیا

۳۰

ہے ہے مرے ارمان بھرے پیاس کے مارے
اس دارِ فنا سے مری جاں تم تو سدھارے
ہے ہے مری پیری کے عصا آنکھوں کے تارے
اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
ساتھ اپنے مزا زیست کا لیتے گئے واری
پہلے مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری

۳۱

یاں حشر بپا تھا کہ پکارے کئی خوں خوار
بس رو چکے اب جنگ کو آئیں شہِ ابرار
ہے دیر سے مقتل میں صفیں فوج کی تیار
ہو جائے نہ بے پردگی عترتِ اطہار
گر روکتی ہیں بیبیاں زہرا کے پسر کو
ہم آ کے وہیں کاٹیں گے شبیر کے سر کو

۳۲

اٹھے یہ صدا سن کے شہِ صابر و شاکر
بانو کو سنایا کہ خدا حافظ و ناصر
زینب سے کہا لاؤ بہن خلعتِ آخر
بیٹی سے کہا ہوتا ہے رخصت یہ مسافر
اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہے
نامحرم اگر خیمے میں آ جائے تو غضب ہے

۳۳

کافر ہیں وہ یہ بے ادبی ان سے نہیں دور
یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدور
ہے آلِ محمدؐ کی تباہی انھیں منظور
عباس کے مر جانے سے ہم ہو گئے مجبور
سنتا یہ سخن صاحبِ شمشیر ہمارا
جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا

۳۴

ہر بی بی کا رنگ اڑ گیا سنتے ہی یہ تقریر
سر پیٹ کے ہاتھوں پہ گری خاک پہ ہمشیر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیر
اکبر کا بھی غم بھول گئی بانوئے دل گیر
گودی سے رکھا خاک پہ دلبند کا لاشہ
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے دلبند کا لاشہ

۳۵

گر کر قدمِ شہ پہ کہا اے شہِ عالی
کی موت نے لونڈی کی بھری گود تو خالی
سر پر مرے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
چھوڑو نہ مجھے اے مرے آقا مرے والی
وارث شہِ والا کے سوا کوئی نہیں ہے
میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہے

۳۶

اک بار جو تکلیف اسیری کی اٹھائی
زہرا کی ہو جانتی ہے ساری خدائی
تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
جس دن سے ہوا وصل نہ دیکھی تھی جدائی
ان قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانو
اب کی جو ہوئی قید تو مر جائے گی بانو

۳۷
بچوں کا ہے ساتھ اے مرے سید مرے سرور
فرقت میں سکینہ کو قرار آئے گا کیوں کر
اک لال ہے بیمار تو اک رانڈ ہے دختر
اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہے خوگر
نادان ہے مچلی تو سنبھلنے کی نہیں یہ
صدقہ گئی لونڈی سے تو بہلنے کی نہیں یہ

۳۸
حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہے
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہے
حمد اور پرستش کا سزاوار خدا ہے
چھن جائے ردا سر سے تو ستار خدا ہے
اولاد علی عقدہ کشائی کے لئے ہے
یہ قید تو امت کی رہائی کے لئے ہے

۳۹
میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریۂ و زاری
یہ فیض اسی کا تھا مرے ہاتھ سے جاری
مظلوم غریب اصغر با بندۂ باری
وارث وہی مالک وہی عزت کا تمہاری
عورت کا رنڈاپا بھی گذر جاتا ہے صاحب
شوہر کے لئے کیا کوئی مر جاتا ہے صاحب

۴۰
دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند
مر جاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند
لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کے پابند
ملتے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دلبند
کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولاد حسن کو

۴۱
کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اٹھ گئے بھائی
قاسم کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

۴۲
سجاد ہو کبریٰ ہو سکینہ ہو کہ صغرا
ہوگا وہی جو جس کے مقدر میں ہے لکھا
بندے ہیں سب اس کے وہی مختار ہے سب کا
ہم شکل نبی مر گئے تب ہم نے کیا کیا
جلدی میں وصیت کے سخن ہو نہیں سکتے
فرزند جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے

۴۳
جلتا ہے ہمیشہ بھی کوئی دار محن میں
ہے آج بہار اور خزاں کل ہے چمن میں
یہ روح ہے مہماں کوئی دم خانۂ تن میں
ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کفن میں
ہر شام کو دس بیس چراغ سحری ہیں
ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سفری ہیں

۴۴
جاری ہے سدا حکم تغیری و بحالی
گھر ہوتا ہے آباد کوئی اور کوئی خالی
معدوم ہے جاہ و حشم و ملکی و مالی
ہو جاتی ہے عورت کوئی بے وارث و والی
آباد کوئی ہوتا ہے لٹ جاتا ہے کوئی
بکتا ہے کوئی قید سے چھٹ جاتا ہے کوئی

۴۵
اس باغ میں بے زر ہے کوئی اور کوئی زردار
آزاد ہے گر سرو تو قمری ہے گرفتار
صحت سے کوئی صورت نرگس کوئی بیمار
گل ہیں جو چمن میں کہیں جا پر تو کہیں خار
اشکوں سے رخ گل کو سدا دھوتی ہے شبنم
غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہے شبنم

۴۶
شادی ہے کسی شخص کی غم کھاتا ہے کوئی
خلعت کوئی پاتا ہے کفن پاتا ہے کوئی
آتا ہے جہاں میں کوئی اور جاتا ہے کوئی
کھلتا ہے کوئی پھول تو مرجھاتا ہے کوئی
گر غور سے دیکھا تو بھروسا نہیں دم کا
دنیا میں مرقع ہے عجب شادی و غم کا

۴۷
گہ تختۂ تابوت ہے گہ مسند شاہی
اک آتا ہے دنیا میں تو اک ہوتا ہے راہی
بس خیر ہے جب تک کہ رہے فضل الٰہی
کچھ بن نہیں پڑتا ہے جو آتی ہے تباہی
سلطان کفن کے لئے محتاج ہوئے ہیں
لاکھوں ہی گھر اسطرح سے تاراج ہوئے ہیں

۴۸
آرام کی جاگہ نہیں یہ غم کدۂ دہر
گھر سیکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہے وہ پُر قہر
ویراں نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
شیرینئ دُنیا ہے مسافر کے لئے زہر
زندہ ہے اگر آج بھروسا نہیں کل کا
چکھنے گا ہر اک ذائقہ تلخئ اجل کا

۴۹
تھرائے نہ کس طرح مسافر کا تن زار
نہ راحلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار
وہ جرم کی پرسش وہ نکیرین کی گفتار
وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شب تار
غفلت ہے اسے موت کا دھڑکا نہیں جسکو
درپیش ہے وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

۵۰
کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال
نے ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زر و مال
وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑیں گے بہر حال
اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال
ہمدرد بجز ان کے کسی دیاس نہ ہوگا
سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہوگا

۵۱
سب جیتے ہی جی تک ہیں برادر ہوں کہ فرزند
ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
کیا رشتہ پھر اس سے جو ہوا خاک کا پیوند
پر ہم سے تو پہلے ہی جدا ہو گئے دلبند
کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہے
زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہے

۵۲
فرما کے یہ تکبیر کو رقت بہت آئی
گرد آن کے دامان قبا لاش اُٹھائی
اک غل جو ہوا لٹتی ہے زہرا کی کمائی
غش ہو گئی مخدومۂ کونین کی جائی
سمجھا کے ہر اک رانڈ کو آقا نکل آئے
لاشہ لیے باہر شہ والا نکل آئے

۵۳
دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھار
میت پہ بھی پیکانِ ستم لگ گئے دو چار
فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہِ ابرار
ورثہ تھیں عمو کا ملا اے مرے دلدار
عادی ہیں ازلین سے ہم اس رنج و محن کے
مارے تھے یوں ہی تیر جنازے پہ حسن کے

۵۴
یہ کہتے ہوئے لاش کو مقتل میں جو لائے
میت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے
چلائے کہ ہے گرم زمیں اے مرے جائے
بتلاؤ پدر کون سی جا تم کو سلائے
فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے
لے خاک خبردار مری راحت جاں سے

۵۵

برباد نہ کیجو یہ بضاعت ہے ہماری
راحت اسے دیجو یہی راحت ہے ہماری
اے ارض مقدس یہ امانت ہے ہماری
اٹھارہ برس کی یہی دولت ہے ہماری
تربت کی جگہ چاہیے بے جان کی خاطر
خاطر سے مری کیجو مہمان کی خاطر

۵۶

سب گھر ترا ہو جائے گا اس چاند سے روشن
بن جائے گا صحرا ترے بلا وادیٔ ایمن [?]
لو جلتی ہے اس دھوپ میں عریاں ہے یہ تن
اے دشتِ پُر آشوب اُڑا لے اسے دامن
شیریں سخن و گل بدن و غنچہ دہن ہے
لازم ہے ترحم کہ یہ محتاج کفن ہے

۵۷

ہاتھ آئے گا ایسا نہ تجھے پھر گہرِ پاک
رشتہ میں یہ اس کے ہے جو ہے صاحبِ لولاک
رتبے کو ترے دیکھ کے جھک جائیں گے افلاک
اور آنکھوں پہ رکھیں گے ملائک تجھے اے خاک
اعجاز مسیحا کے نظر آئیں گے تجھ سے
بیمار زمانے کے شفا پائیں گے تجھ سے

۵۸

شبیر کے سینے کا نگیں تجھ کو ملا ہے
فرزندِ شہِ عرش نشیں تجھ کو ملا ہے
اے خاک عجب دُرِ ثمیں تجھ کو ملا ہے
خاتم کے سلیماں کا نگیں تجھ کو ملا ہے
جیتا اسے قسمت نے نہ پھیرا مرے گھر میں
رونق ترے گھر میں ہے اندھیرا مرے گھر میں

۵۹

سن سن کے یہ پُر درد کلامِ شہِ ابرار
کہتے ہیں کہ مقتل کی زمیں ہل گئی اک بار
پیدا ہوئی آواز کہ اے خلق کے سردار
لال آپ کا یاں سوئے زہے طالعِ بیدار
یوں رکھوں گی آرام سے اس نورِ نظر کو
ماں چھاتی پہ جس طرح سلاتی ہے پسر کو

۶۰

ہے فخر کی جا آپ کا لال اور مرا گھر
مولا کبھی بے چین نہ ہوں گے علی اکبر
ہے ہے صدفِ قبر کہاں اور یہ گوہر
اب تک تو الٹ جاتی میں یا سبطِ پیمبر
لیتی عوض اس فعل کا بیدادگروں سے
جبریلِ امیں نے مجھے روکا ہے پروں سے

۶۱

گر جانتی دنیا میں کبھی آئے گا یہ دن
زنہار نہ پانی پہ کبھی ہوتی میں ساکن
حیدر ہوئے اکثر مرے ہر امر کے ضامن
ہے ہے نہ اس آفت کی خبر تھی مجھے لیکن
زہرا کا پسر پانی سے محروم رہے گا
خوں مجھ پہ محمدؐ کے نواسے کا بہے گا

۶۲

سب جانتے ہیں نوحؑ کی امت کی تباہی
طوفاں ہوا امداد جو اللہ نے چاہی
سب دیتے ہیں حضرت کی غریبی پہ گواہی
مجبور ہوں میں اے پسرِ شیرِ الٰہی
برباد یہ ناری ہو تو کچھ دور نہیں ہے
ثابت ہوا حضرت کو ہی منظور نہیں ہے

۶۳

کروٹ میں اگر لوں تو ابھی زلزلہ آجائے
شق ہوں تو ابھی مجھ میں یہ سب فوج سما جائے
اک ایک کو ہر خار دہن کھول کے کھا جائے
اعدا کا بڑا قعر جہنم میں چلا جائے
طوقِ آتشِ سوزاں کے ہوں اور انکے گلے ہوں
قاروں کا خزانہ تو ہو اور یہ تلے ہوں

۶۴
حضرت نے کہا بندے پہ ہے فضل الٰہی
میری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی
سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکن ماہی
ہاں ہاں مجھے منظور نہیں ان کی تباہی
مہلت ابھی دے دے تو انھیں گو بے ادبی کی
وہ نوح کی امت تھی یہ امت ہے نبی کی

۶۵
یہ کہہ کے فرس تک گئے غمگین و المناک
حضرت سے کہا اے پسر سید لولاک
کچھ عرض کو تب آئی ہوا اڑنے لگی خاک
ہو حکم تو اس فوج کا قصہ ہی کروں پاک
تن روح سے خالی ہو دہن خاک سے بھر جائیں
آندھی ابھی یوں آئے کہ ٹکرا کے یہ مر جائیں

۶۶
بھر کر نفس سرد یہ بولے شہ ذی جاہ
ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
واللہ ہوا میں تو ہوں ان سب کا ہوا خواہ
برباد ہو امت یہ گوارا نہیں واللہ
مشکل نہیں کچھ سہل ہے سب راہ خدا میں
کھائیں گے ہمیں برچھیاں اس گرم ہوا میں

۶۷
یہ کہہ کے ہوئے جلوہ نما خانۂ زیں پر
پرتو سے بچھی چادر مہتاب زمیں پر
خاتم پہ نگیں جیسے ہو اور نقش نگیں پر
بوسہ دیا نصرت نے رکاب شہ دیں پر
جبریل و سرافیل سپرداری کو آئے
اقبال و حشم حاشیہ برداری کو آئے

۶۸
ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم زہے شان
چلائے علی واہ یہ جرأت ہے مری جان
ہاں ابن ید اللہ ترے ہاتھ ہے میدان
زہرا نے صدا دی تری تنہائی کے قربان
گھوڑے پہ شہادت کی ہو تم تو تگ و دو میں
محبوب خدا ساتھ ہیں سر ننگے جلو میں

۶۹
پیشانی پر نور سے تھا رن میں اجالا
ابرو ہیں کہ سر پر وہ سروہی کا ہے مالا
رخ اور خط رخسار پہ مہتاب وہ ہالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے نہ کیوں ہوش اڑیں اہل حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی یہ تیور ہیں اسد کے

۷۰
جلتے رہیں کیونکر نہ مہ و نور سحر و شام
خال اور خط شبیر وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے حسن کی آتش سے بھبھوکا رخ گلفام
ہے سب دل عالم کی اسیری کا سرانجام
بیٹی کہو تو دیکھو کہ عجب شوکت شاں ہے
شبیر کے یہ حسن کے لشکر کا نشاں ہے

۷۱
یک جا جو مناسب تھے نہ وہ مردم بیمار
اک شاخ سے یا دو گل بادام ہیں اظہار
صانع نے اٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
یا یہ الف ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستان ارم اس میں بھری ہے
گویا ورق زر پہ کلی گل کی دھری ہے

۷۲
آتی ہے ثنائے دُر دنداں جو زباں پر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
تقریر کے رشتہ میں پروتا ہوں میں گوہر
یہ بحر شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنستے ہیں جو پڑ جاتا ہے عکس انکا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

۷۳
دل کو نہ اگر دن کی صفا پر نہیں قربان
گویا کہ ہلالِ شبِ اول ہے گریبان
مہتاب کو ہے جن کے گلے ملنے کا ارمان
شانوں سے نشانِ اسدِ حق ہے نمایان
حیراں ہے نظر دوشِ مبارک پہ کماں ہے
یا قوس میں خورشید جہانتاب نہاں ہے

۷۴
ہیں بازوئے شبیر کہ شاخِ شجرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو شانے ہیں درِ حسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظرِ حسن
طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہمدستِ کفِ حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

۷۵
شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
درپیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
جس جا گزر ان کا ہے وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدہ کو ملک عرشِ بریں سے
احساں یہ ان ہی پاؤں کے ہیں سرِ زمیں کے

۷۶ مطلع دوم
جب ظہر تلک لٹ گئی سرکارِ حسینی
خالی رفقا سے ہوا دربارِ حسینی
راہی سوئے جنت ہوئے انصارِ حسینی
مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
نے مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی
ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

۷۷
اس وقت بھی مولا پہ عجب شوکت و شاں تھی
منہ زرد تھا نیلے تھے لب اور خشک زباں تھی
تصویرِ غم و درد سراپا سے عیاں تھی
تھراتے ہوئے ہاتھوں میں گھوڑے کی عناں تھی
نسبت ہے سرِ نو سے قدِ راست کے خم کو
ہاتھوں سے رکابوں نے سنبھالا ہے قدم کو

۷۸
لپٹے تھے جو لاشے سے پسر کے کئی باری
تھا گھوڑے پہ اس رنگ سے وہ عاشقِ زاری
خونِ علیؑ اکبر سے قبا سرخ تھی ساری
جس طرح سے جائے کسی دولھا کی سواری
معلوم یہ ہوتا تھا کہ چھوٹے ہیں دلہن سے
آجاتی ہے پھولوں کی مہک صاف بدن سے

۷۹
افروختہ تھا چہرۂ نورانیِ شبیر
زلفوں سے نمایاں تھی پریشانیِ شبیر
روشن تھی رخِ مہر سے پیشانیِ شبیر
تھراتے تھے سب سن کے رجز خوانیِ شبیر
نعرہ تھا کہ میں نام و نشانِ اب و جد ہوں
روباہ ہیں سب میں اسدِ حق کا اسد ہوں

۸۰
دو نور کے دریا جو ملاقی ہوئے اک بار
وہ شمس و قمر عرشِ خدا کے جو ہیں سیار
پیدا کیا اللہ نے مجھ سا درِ شہوار
ہیں جن کی ضیا سے مہ و خور مطلعِ انوار
روشن ہے شرف خلق پہ جن دونوں کے گھر کا
ہیں اختر تابندہ ہوں ان شمس و قمر کا

۸۱
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے اصل نبوت
وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امامت
وہ نخل کہ جس نخل کی ہے فرد ولایت
وہ نخل کہ جس نخل کے سایہ میں ہے جنت
میوہ بھی اسی کا ہوں اسی کا گلِ تر ہوں
شیعہ مرے برگ اس کے ہیں جسکا میں ثمر ہوں

۸۲
میں عطرِ گل سرسبد باغِ جہاں ہوں
کاذب نہیں میں مخبرِ صادق کی زباں ہوں
پانی ہو دل سنگ وہ اعجاز بیاں ہوں
کوثر کا تو مختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں
سب کے لئے رحمت ہوں عنایت ہوں خدا کی
کھوؤ نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی

۸۳
زہرا مری مادر ہے مرا باپ علیؑ ہے
فرزند یداللہ شجاع ازلی ہے
احمدؐ کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہے
یہ تیغ وہ ہے جو سرِ مرحب پہ چلی ہے
کیا منہ ہے جو وار اس کا رُکے فوجِ ستم سے
جبریل کے پَر جلتے ہیں اس برقِ دو دم سے

۸۴
دعویٰ ہو جسے تیغِ شرر بار کو روکے
ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
ضربِ خلفِ حیدرِ کرّار کو روکے
بجلی کو جو روکے وہ مرے وار کو روکے
گردوں پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رکے گی
تم کیا ہو پر روح امیں سے نہ رکے گی

۸۵
لو تیغ شرر بار نکلتی ہے خبردار
لو زہر یہ ناگن اب اگلتی ہے خبردار
لو ضرب مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
لو تیغ علی رنگ بدلتی ہے خبردار
بچنا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو
سنبھلو کہ لیا مرگِ مفاجات نے تم کو

۸۶
یہ سنتے ہی لشکر تو ہوا اسب تہ و بالا
کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
اور آپ نے قبضے پہ اُدھر ہاتھ کو ڈالا
غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے بانبی سے نکالا
کاٹا جسے پھر کب اسے یارائے سخن ہے
دیکھو تو زباں میں تو ہیں دو ایک دہن ہے

۸۷
یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی تن سے
زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اُترے گا بدن سے
لشکر پہ خزاں لائے گی جوہر کے چمن سے
اژدر ہے نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
زور اس سے کسی کا تہِ گردوں نہ چلے گا
جس دم یہ چلے گی کوئی افسوں نہ چلے گا

۸۸
دریا میں تلاطم ہوا لشکر میں ہوا شور
درہ سے اُڑے کبک تو جنگل سے اُڑے مور
جس شور سے بہرام کی تھرّانے لگی گور
صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
آخر میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

۸۹
ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
دہشت سے دلیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
روکا سپرِ مہر کو چہرے پہ فلک نے
دیکھا زرہ جسم کو تھرّا کے سمک نے
پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہِ دیں کی
خم ہو گئی ضربت سے کمر گاؤ زمیں کی

۹۰
بجلی کی تڑپ اسپِ دلاور نے دکھائی
اور آنکھ ہر اک خود کو جوہر نے دکھائی
تصویر اجل تیغِ دو پیکر نے دکھائی
قوت اسد اللہ کی سرور نے دکھائی
تیر ایک طرف تیر فگن ایک طرف تھے
تیر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے

۹۱

چمکی صفت برق جو شمشیر سر انداز
گوشے میں چھپا سہم کے ہر خانہ بر انداز
انداز دغا بھول گئے سب قدر انداز
رخ پھر گئے بھاگے صفت تیر در انداز
گھبرا گئے چلّے کہ ہرا اور تیر کمان کے
خود اہل خطا پھنس گئے حلقوں میں کمان کے

۹۲

تھے موت کے حلقے میں کماں دار نظر بند
نیزے کا کوئی باندھتا تھا بڑھ کے اگر بند
تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طائر پر بند
وا کرتا تھا ہر بند کو حیدر کا جگر بند
سب بند کھلے ناخن شمشیر قضا سے
باقی کوئی رہتی ہے گرہ عقدہ کشا سے

۹۳

جانوں کا ابھی زخم نہ زنہار کھلا تھا
ہر زخم کا منھ صورت سوفار کھلا تھا
سر بک رہے تھے موت کا بازار کھلا تھا
دروازہ اجل کا پئے کفار کھلا تھا
زخم ان کو زبس تیغ شرر دم کے لگے تھے
ناری بھی رستے یہ جہنم کے لگے تھے

۹۴

سب فوج کو نظروں میں زبس تول لیا تھا
تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا
گویا پئے چورنگ انھیں مول لیا تھا
صفدر نے در فتح و ظفر کھول لیا تھا
خون تن اعدا سے زمیں لال ہوئی تھی
تلوار کلید در اقبال ہوئی تھی

۹۵

کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اٹھائے
کیا منھ تھا جو کوئی سپر پرخاش اٹھائے
پرزے ہو وہ خود جو تن صد پاش اٹھائے
کس طرح نظر اس پہ خفاش اٹھائے
آنکھوں میں بجلی چوندھتی اس برق دوسر سے
منھ ڈھانپتا تھا ہر ایک سیہ رو نے سپر سے

۹۶

پنہاں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کے اندام
یوں کاٹ کے کڑیوں کو نکل آتی تھی صمصام
صاف اس سے عیاں ہوتے تھے جیسے دد و دام
جس طرح سے ماہی کو نہ ہو دام میں آرام
وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پہ ٹھہرے
دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ ٹھہرے

۹۷

جس وقت چمکتی تھی وہ پرکالۂ آتش
ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
ہو جاتے تھے چار آئینہ والے بھی مشوش
اک ہوش میں رہتا تھا تو ہو جاتے تھے دس غش
ہشیار صدا دیتے تھے بھاگو اجل آئی
ہر صف میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

۹۸

چار آئینہ کو اٹھ کے جو کر دیتی تھی تلوار
تھا شور کہ صابون میں رکھتا ہے کہیں تار
ششدر تھا کوئی اور کوئی حیراں کوئی ناچار
سر خاک پہ برسائی ہے یہ برق شرر بار
آفاق میں ثانی نہیں اس برق دوسر کا
شمشیر تو یہ ہاتھ ید اللہ کے پسر کا

۹۹

گہ غرب کی جانب تو سوئے شرق کبھی تھی
گہ زیر فرس اور بہ سر فرق کبھی تھی
اور خاک میں ڈنبالہ تلک غرق کبھی تھی
پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
ابلے دست ستمگاروں کے دستے نظر آئے
ہر ضرب میں سر تن سے برستے نظر آئے

۱۰۰

تھا چار طرف تمام کے لشکر میں تلاطم
آندھی سی اٹھی جیسے سمندر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوج ستم گر میں تلاطم
واں بحر میں ہل چل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں پانی میں چلی ہے

۱۰۱

رُخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
گھبرا کے پکارا پسر سعد ستم گر
انبار ہیں کشتوں کے صفیں ہو گئیں بے سر
اب رحم کا ہنگام ہے یا سبطِ پیمبر
پروانہ کیا فاش کبھی اُمتِ بد کا
مشہور ہے عالم میں کرم آپ کے جد کا

۱۰۲

سَو بار لعینوں نے کیا قتل کا آہنگ
اس رحمتِ حق نے کبھی اس طرح نہ کی جنگ
شکوہ نہ کیا جب دُرِ دنداں پہ لگا سنگ
گردن میں ردا ڈال کے کھینچا نہ ہوئے تنگ
حضرت میں بھی بو تو ہے شہنشاہِ عرب ہے
کھلتا نہیں کچھ غیظ کا کیا آج سبب ہے

۱۰۳

حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
انصاف کر اے ظالم غدّار
تنہا ہیں کئی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
امت نے دئیے ہیں کسی مرسل کو یہ آزار
ہاں ظلم رسولوں پہ بھی ہر چند ہوا ہے
پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہے

۱۰۴

بے دست ہو کس کا مرا بھائی کا سا بھائی
چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے نے کھائی
غربت میں لٹی کون سے مرسل کی کمائی
اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفائی
یوں باغ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا
ششماہہ پسر قتل ہوا تیر سے کس کا

۱۰۵

اس ظلم پہ کچھ حرف نہیں منھ سے نکالا
میرا ہی یہ تھا کام کہ غصّے کو سنبھالا
لڑتا میں تو تھا کون مرا روکنے والا
اک حملے میں تھا دفترِ عالم تہ و بالا
ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکرِ کیں پر
ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر

۱۰۶

کہتے ہیں جسے غیظ وہ اب تک نہیں آیا
جو حکم خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
ان ہاتھوں نے کب زورِ یداللہ دکھایا
ڈرتا ہے عبث جنگ سے ملے ہاتھ اٹھایا
چرچا ہے اسکا بھی کہ مظلوم نے جاں دی
طالب جو اماں کا ہے تو لے تجکو اماں دی

۱۰۷

روکوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں یہ میرے
دشمن ہے مگر رحم کیا حال پہ تیرے
لے فوج سے کہہ دے کہ پھر آ کر مجھے گھیرے
قاتل کو بلا جلد چھری حلق پہ پھیرے
جرأت کو تو دیکھا پسرِ شیرِ خدا کی
مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغربا کی

۱۰۸

کیا حلم ہے کیسا صبر نثارِ شہِ دلگیر
خوں پونچھ کے مولا نے رکھی میان میں شمشیر
خوش ہو کے پھرے دور سے بھاگے ہوئے بے پیر
پہلو پہ لگیں برچھیاں چھاتی پہ لگے تیر
کپڑے ہوئے سب سرخ شہِ تشنہ گلو کے
ہر زخم سے چھٹنے لگے فوارے لہو کے

۱۰۹

تیروں کے جہاں زخم تھے واں پڑتی تھی تلوار
تھی برچھیوں کے زخم سے پیکانِ ستم پار
تلوار کے زخموں پہ لگے برچھیوں کے وار
باہم تھے بدن پر لب زخم اور لب سوفار
دھاریں تھیں لہو کی رخِ پاکِ شہِ دیں پر
پیوست ہوئے تھے کئی تیر اک جبیں پر

۱۱۰

تین انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی
خوں سے نظر آتے تھے کفِ دست حنائی
کٹ کٹ کے ہوئی تھی انھیں ہاتھوں کی صفائی
گلدستۂ فردوس تھی مجروح کلائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیرِ عدو کے
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے

۱۱۱

پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر
غل ہوتا تھا لو گرتے ہیں اب خاک پہ شبیر
دل تھام کے جھکتے تھے فرس پر شہِ دلگیر
سر پیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہ
بسمل کی طرح لوٹتی پھرتی تھی سکینہ

۱۱۲

کہتی تھی یہ ماں کرتے کے دامن کو پکڑ کر
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتی تھی وہ دختر
للہ نہ جا رن میں نہ جا اے مری دلبر
تم دیکھو تو ہے ہے یہ ستم ہوتا ہے کس پر
کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو
رہوار سے گرتے ہیں پدر جانے دو مجھ کو

۱۱۳

اس خوں سے بھری چاند سی صورت کے میں واری
سر پیٹ کے کرتی ہوں میں جو گریہ و زاری
بھولی نہیں اس دم بھی انھیں یاد ہماری
مڑ مڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
زغہ ہے لعینوں کا ادھر آ نہیں سکتے
مجھ تک مرے مظلوم پدر آ نہیں سکتے

۱۱۴

بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سلائیں
اب دل کو یہ امید نہیں ہے کہ وہ آئیں
ہم ایسے برے وقت میں پاس انکے نہ جائیں
اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
رہوار سے گر کر شہِ والا نہ ملیں گے
جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے

۱۱۵

ماں کہتی تھی واں تیر ستم چلتے ہیں واری
کہتی تھی مچل کر یہی وہ پیاس کی ماری
سادات کے بچوں کے بھی دشمن ہیں یہ ناری
جانے دو مجھے جان نہیں باپ سے پیاری
اس وقت اگر روکو گے مجھ خستہ جگر کو
اچھا میں لعیں لوگوں سے پھر لوں گی پدر کو

۱۱۶

دیکھو مجھے روکو گے تو پچھتاؤ گے لوگو
گر ذبح ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو
پھر لال کو زہرا کے کہاں پاؤ گے لوگو
کیا داغ یتیمی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
فریاد مری سن کے تڑپ جائیں گے بابا
زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا

۱۱۷

پردے سے کئی بار تڑپ کر نکل آئی
شبیر کو چلائی وہ دے دے کے دہائی
چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
کچھ بس نہیں مجبور ہے یہ آپ کی جائی
یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا
بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا

۱۱۸

روئے یہ صدا بیٹی کی سُن کے شہِ ذی جاہ
اک تیر سہ شعبہ جو لگا سینے پہ ناگاہ
نزدیک تھا خیمہ پہ نہ جانے کی ملی راہ
گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند ید اللہ
تھا دھیان کہ مل لیویں اگر آئے سکینہ
بھر کر نفسِ سرد کہا ہائے سکینہ

۱۱۹

اس دم نہ سکینہ کو رہا ضبط کا یارا
دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہے دھیان ہمارا
چلائی کہ اماں مجھے بابا نے پکارا
اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا
گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے
کس درد سے بابا نے مرا نام لیا ہے

۱۲۰

یہ کہہ کے لگی دیکھنے پردے کو اُٹھا کر
تھا سینۂ اقدس پہ لعیں حلق پہ خنجر
دیکھی وہ قیامت کہ نہ دیکھے کوئی دختر
است کی دعا مانگتے تھے سبطِ پیمبر
چلائی سکینہ کہ جگر پھٹتا ہے اماں
ہے ہے مرے بابا کا گلا کٹتا ہے اماں

۱۲۱

یاں رہ گئی سر پیٹتی وہ بے کس و مضطر
واں کٹ گیا شمشیر ستم سے سرِ سرور
خاموش انیس اب کہ چھری چلتی ہے دل پر
تا حشر نہ کم ہو گا غمِ سبطِ پیمبر
جب تک کہ زمیں پر فلکِ پیر رہے گا
ہر گھر میں یوں ہی ماتمِ شبیر رہے گا

رُباعی

کیا مرتبہ سلطان حجازی کا ہے
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے
کیا عزّ و شرف امام غازی کا ہے
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

رُباعی

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلی دیئے جاتے تھے مگر
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ
زینب کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

رُباعی

دل ماتم شبّیر میں صد پارہ ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہے دریا غم کا
نے ضبط فغاں نہ صبر کا یارا ہے
ہر موئے مژہ پہ چشم کا فوارا ہے

رُباعی

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اس سال
آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

رُباعی

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیس
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

مرثیہ

جب آخری رخصت کو حسینؑ آئے حرم سے
حضرت نے کہا قطع محبت کرو ہم سے
سب بیبیاں لپٹیں شہ والا کے قدم سے
جینے کے نہیں ہم علیؑ اکبر کے الم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملے گا
تب تک نہ ہمیں قبر میں آرام ملے گا

۲

سب مر چکے اب کس کے لئے سر نہ کٹائیں
کس طرح سے اس یوسف گم گشتہ کو پائیں
ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبر چلے جائیں
ہے فرق بصارت میں کہاں ڈھونڈنے جائیں
بے انکے نہ کھانے کا نہ پینے کا مزہ ہے
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزہ ہے

۳

اک جانِ حزیں تا بہ کجا رنج اٹھائے
زخمِ جگر و دل کسے شبیر دکھائے
راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
تاراج نہ اس طرح سے ہو باغ کسی کا
اب مجھ کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

۴

آگے مرے مارے گئے دو بھانجے پیارے
عباس کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے
قاسم بھی دنیا سے پر ارمان سدھارے
اکبر کے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے
اب پاس نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
سو داغ اور اک دل یہ ہمارا ہی جگر ہے

۵

اک عمر میں سو آرزوؤں سے جنھیں پایا
پچھتاتا ہوں کیوں ساتھ وطن سے انھیں لایا
یاں تین پہر میں انھیں ہاتھوں سے گنوایا
تقدیر نے کس کس کا مجھے داغ دکھایا
کیا جانتا تھا خاک میں غمخوار ملیں گے
تا حشر اب ایسے نہ وفادار ملیں گے

۶

میں کہتا تھا کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
بابا کا اٹھائیں گے جنازہ علیؑ اکبر
سب لا دیں گے اور غسل و کفن دیوینگے مل کر
سو مر گئے وہ زندہ ہے فرزند پیمبر
روحِ علی اکبر سے ہمیں شرم بڑی ہے
میدان میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے

۷

جس طرح سے رو پیٹ چکے ان کے الم میں
اب جاتے ہیں گھر جانے کو ہم فوج ستم میں
ہم کو بھی اسی طرح سے رونا کوئی دم میں
پھر آنے کا یاں حوصلہ باقی نہیں ہم میں
جب جاتے تھے سب گھر کے تو لے آتے تھے ہم کو
وہ مر گئے جو پھیر کے لے آتے تھے ہم کو

۸

اب کون ہے جو دوڑ کے روکے گا مری راہ
صدمے جو ہیں مجھ پر کوئی ان سے نہیں آگاہ
جو پاؤں پہ گرتے تھے کوئی ان میں نہیں آہ
واللہ نہیں جینے کا ابن اسد اللہ
وہ سمجھے کلیجے پہ چھری جس کے چلی ہو
اکبر نہ ہو دنیا میں حسین ابن علی ہو

۹

اللہ کو سونپا تمھیں اے زینب و کلثوم
اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم
لگ جاؤ گلے تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم
ہے صبر کا اماں سے طریقہ تمھیں معلوم
مجبور ہیں ناچار ہیں مرضی خدا سے
بھائی نہیں جی اٹھنے کا فریاد و بکا سے

۱۰

جس وقت مجھے ذبح کرے فرقۂ ناری
بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ و زاری
رونا نہ سُنے کوئی نہ آواز تمھاری
جو کرتے ہیں صبر ان کی خدا کرتا ہے یاری
ہوں لاکھ ستم رکھیو نظر اپنی خدا پر
اس ظلم کا انصاف ہے اب روزِ جزا پر

۱۱

کہہ کر یہ سخن شاہ کے آنسو ہوئے جاری
اے سیدِ مظلوم بہن ہو گئی واری
چھاتی سے لپٹ بھائی کے زینبؑ یہ پکاری
میں جانے نہیں دینے کی حضرت کی سواری
تب جائیو جب جی سے گذر جائیگی زینب
حضرت نے کمر باندھی تو مرجائے گی زینب

۱۲

دُکھیاری ہوں بھیّا نہ مری آس کو توڑو
برگشتہ زمانہ ہوا منھ تم تو نہ موڑو
صدقے گئی پردیس میں بھینا کو نہ چھوڑو
مجھ سے تو نہ فرماؤ کہ ہاتھوں کو نہ جوڑو
منت بھی کروں گی میں قدم پر بھی گروں گی
سر ننگے مگر قید میں در در نہ پھروں گی

۱۳

نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ ماں ظلم کی ماری
فرماتے تھے سب بہنوں میں تو ہے مجھے پیاری
کس پر مجھے تم چھوڑ کے جاتے ہو میں واری
سمجھو نہ بہن مجھ کو میں لونڈی ہوں تمھاری
دنیا میں رہیں لاکھ برس آپ سلامت
بس جانتی ہوں میں ہے مرے ماں باپ سلامت

۱۴

اک باقی بزرگوں میں تم اے شاہِ اُمم ہو
حضرت کی قسم مجھ کو جو بیٹوں کا بھی غم ہو
پھر آپ کے کیوں کر نہ بچھڑنے کا الم ہو
دنیا میں کوئی ہو کہ نہ ہو آپ کا دم ہو
بچپن سے کبھی شہر میں بچھڑی نہ سفر میں
سو مرنے کو تم جاؤ میں بیٹھی رہوں گھر میں

۱۵

اے بھائی جہاں جاؤ گے میں ساتھ چلوں گی
تلواروں میں بھی پاس سے ہرگز نہ ٹلوں گی
جنگل میں رہوں گھر کا کبھی نام نہ لوں گی
پر آتشِ فرقت سے تمھاری نہ جلوں گی
اعدا کی لڑائی سے نہ ڈر جائیگی زینبؑ
کٹوا کے گلا تیغ سے مرجائے گی زینبؑ

۱۶

ان باتوں سے زینب کی دلِ شاہ بھر آیا
اور پونچھ کے آنسو یہ محبت سے سنایا
رو رو کے گلے خواہرِ بےکس کو لگایا
تم نے بھی تو ہے صبر بہن ورثہ میں پایا
ہم حلق پہ لیں تیغِ ستم دشتِ بلا میں
تم رنج اسیری کا سہو راہِ خدا میں

۱۷

میں اور تم اک دودھ سے بچپن میں پلا ہوں
تقدیر جدا کرتی ہے کیوں کر نہ جدا ہوں
تم صابر و شاکر ہو میں راضی بہ رضا ہوں
مظلوم بہن میں تری الفت پہ فدا ہوں
ماں باپ سخی کیسے تھے ہمت کرو تم بھی
امت کی شفاعت میں شراکت کرو تم بھی

۱۸

ماں صابرہ ہے صبر تو ہے کام تمھارا
مارا گیا ہر ایک گل اندام تمھارا
دکھیاری ہو بےچینی ہے آرام تمھارا
بھائی کا کرو صبر تو ہے نام تمھارا
جو کہتے ہیں ہم اس کو گوارا کرو زینب
تکبیر کو اُمت سے نہ پیارا کرو زینب

۱۹

اس راہ میں گھر لٹنے کا کچھ دھیان نہ لانا
پردا جو نہ ہو بالوں سے چہرے کو چھپانا
چھن جائے ردا سر سے تو سر ننگے ہی جانا
بازو جو بندھے بہرِ دعا ہاتھ اٹھانا
مقبول ہیں عجز ہے درگاہ خدا میں
بندھوایا ہے حیدر نے گلا راہ خدا میں

۲۰

زینبؑ نے کہا جب یہ سنی بھائی کی تقریر
یہ آپ کی گردن پہ چلے جس گھڑی شمشیر
مرضی جو یہی ہے تو رضا مند ہے ہمشیر
بھیا نہ کہیں کی رہی ہے ہے مری تقدیر
دردر پھروں گی قید میں بھی جاؤں گی بھائی
سب ہوگا مگر تم کو کہاں پاؤں گی بھائی

۲۱

یہ کہتی تھی زینب کہ صدا رونے کی آئی
کچھ سوچ کے گردن شہ بیکس نے جھکائی
زینبؑ نے کہا بانو کی آواز ہے بھائی
فرمایا کہ جاں کاہ پُر اندوہ جدائی
اک داغ اٹھایا ہے جواں بیٹے کے غم کا
اور دوسرا گرتا ہے پہاڑ اس پہ ستم کا

۲۲

پاس اس کے گئے روتے ہوئے سید ابرار
پیشانی بھی مجروح ہے آنکھیں بھی ہیں خونبار
فرمایا کہ کیا حال ہے اے یار وفادار
ان باتوں سے اکبر نہیں جی اٹھنے کے زنہار
پیغام جو دینا ہو سو دو وقت سفر ہے
ہم بھی وہیں جاتے ہیں جہاں تیرا پسر ہے

۲۳

بانو نے کہا رو رو کے اے سرور والا
کیا وجہ جو اس وقت میں لونڈی کو نہ پوچھا
ثابت ہوا الفت مری کم ہو گئی آقا
قسمت کا گلہ ہے نہیں کچھ آپ کا شکوہ
بہنوں سے تو رخصت ہوئے آئے بھی نہ ہم تک
تھی قدر ہماری علی اکبرؑ ہی کے دم تک

۲۴

اولاد تھی جب تک تو محبت تھی ہماری
جس وقت سے فرزند کے برچھی لگی کاری
بے آس کسی کو نہ کرے حضرت باری
پوچھا بھی نہ حضرت نے کہ کیوں کرتی ہو زاری
تنہا نہیں بانو سے جدا ہو گئے اکبر
حضرت کو بھی آنکھوں سے مرے کھو گئے اکبر

۲۵

شاہد ہے سکینہ کہ کہا میں نے کئی بار
قربان گئی بانو سے کیوں ہو گئے بیزار
کیا وجہ جو آتے نہیں گھر میں شہ ابرار
کچھ ہے مری تقصیر تو کیجے اسے اظہار
پچھتاتی ہوں کیوں آپکے دلبر کو رضا دی
ہاں یہ تو ہے تقصیر کہ اکبر کو رضا دی

۲۶

صدقے گئی سب بیبیاں موجود ہیں پوچھو
گر گر کے قدم پر مرے کہتا تھا وہ خوش خو
حضرت کے پسر کو نہ رضا دیتی تھی میں تو
بابا ہیں اکیلے ہمیں مرنے کی رضا دو
لب خشک تھے رخساروں پہ آنسو بھی بہتے تھے
رخصت کے نہ ملنے پہ خفا ہو کے چلے تھے

۲۷

بیٹے کو رضا مرنے کی دی تھی یہ سمجھ کر
سو مرنے کو حضرت بھی چلے وائے مقدر
ہیں آپ تو دنیا میں سلامت مرے سر پر
ہر طرح سے بیزار ہوئی بانوئے بے پر
ان قدموں سے چھٹنے کا قرینہ نہیں اچھا
بے وارث و بے آس کا جینا نہیں اچھا

۲۸

رو کر کہا حضرت نے کہ اے بانوئے دلگیر
جس وقت سے اکبر سوئے جنت ہوئے رہ گیر
واللہ کہ شق ہوتا ہے اب سینۂ شبیر
کچھ مجھ کو بجز مرگ نہیں سوجھتی تدبیر
بیٹے کو جو تو رو رو کے چلاتی ہے بانو
آگے ترے آتے مجھے شرم آتی ہے بانو

۲۹

جب آتا تھا میں ساتھ مرے آتے تھے اکبر
دھڑکا تھا یہ دل کو مرے اے بے کس و بے پر
مجبور تھا تنہا ترے پاس آتا میں کیوں کر
گر پوچھے گی بانو کہ کہاں ہے مرا دلبر
کس منہ سے کہوں گا کہ سفر کر گئے اکبر
جیتا ہے حسین ابن علی مر گئے اکبر

۳۰

اے بانو میں شرمندۂ احساں ہوں تمہارا
کی فاقہ کشی تم نے مرے ساتھ گوارا
مجھ پر علی اکبر سے جواں بیٹے کو وارا
شبیرؑ کی الفت سے کیا پردہ کنارا
دکھ درد سہے رنج اٹھایا مرے گھر میں
تم نے کبھی آرام نہ پایا مرے گھر میں

۳۱

میکے میں تو سب کچھ تمہیں دولت تھی مہیا
گھر فاطمہ کے آ کے کیا فاقے پہ فاقا
رہتا تھا سدا بر میں لباس خز و دیبا
پیوند پہ پیوند ہیں چادر میں ہر اک جا
اک دولت اولاد جو خالق نے عطا کی
سو وہ بھی برے وقت میں شوہر پہ فدا کی

۳۲

رو کر کہا بانو نے یہ فرماؤ نہ حضرت
اس فاقہ کشی سے کوئی افضل نہیں دولت
کونین کی دولت ملی حضرت کی بدولت
اقبال تھا میرا کہ ہوئی آپ سے وصلت
کسریٰ کی جو پوتی ہوں تو کچھ فخر نہیں ہے
سرتاج مرا دوش محمد کا مکیں ہے

۳۳

سسرا کسے آفاق میں حیدر سا ملا ہے
کس بی بی کو بیٹا علیؑ اکبر سا ملا ہے
گھر کس کو بھلا فاطمہؑ کے گھر سا ملا ہے
شوہر کسے فرزند پیمبرؐ سا ملا ہے
ہاتھ آئی یہ دولت مجھے قدرت سے خدا کی
میں اور بہو بنتؑ رسولِ دوسرا کی

۳۴

ملنا خز و دیبا کا تو مشکل نہیں زنہار
پر حلۂ فردوس کا ہاتھ آنا ہے دشوار
ملتا ہے انھیں جن کو ہے دنیا سے سروکار
سو آپ کے صدقے میں ملے یا شہ ابرار
کیونکر نہ شرف ہو مجھے اس کہنہ ردا سے
اللہ نے پیوند کیا آل عبا سے

۳۵

دنیا میں کسی نے بھی ہے یہ مرتبہ پایا
سر گوندھ کے سرمہ مری آنکھوں میں لگایا
خاتونِ قیامت نے دلہن مجھکو بنایا
پوشاک پنہا کر مجھے مسند پہ بٹھایا
اب رانڈ بہو ہوتی ہے زہرا و علی کی
لٹتا ہے مرا راج دہائی ہے نبی کی

۳۶

میں جانتی ہوں ہو چکا برباد مرا گھر
بازو میں رسن ظلم سے باندھیں گے ستمگر
چھن جائے گی بعد آپ کے سر سے مرے چادر
روتی ہوئی میں قید میں جاؤں گی کھلے سر
زنداں میں جو ہو ظلم گوارا مجھے سب ہے
دربار میں حاکم نے بلایا تو غضب ہے

۳۷

یہ سن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
ہے عازمِ فردوس مدینہ کا مسافر
فرمایا کہ لو بانو خدا حافظ و ناصر
سب ظلم اٹھا لیجیو گر ہے مری خاطر
جس دم نظر آئے مرا سر نوکِ سناں پر
لانا نہ کوئی حرفِ شکایت کا زباں پر

۳۸

کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمے سے باہر
چلا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے سرور
رانڈوں میں بپا ہو گیا ہنگامۂ محشر
کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر
بابا کو قسم دے کے بلاتی تھی سکینہ
سر پیٹتی پیچھے چلی جاتی تھی سکینہؑ

۳۹

چلاتی تھی قربان ہو بیٹی چلے آؤ
صدقہ گئی ننھا سا مرا دل نہ کڑھاؤ
مر جاؤں گی بابا مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
بے تاب ہوں مڑ کر مجھے صورت تو دکھاؤ
شہ کہتے تھے ماں پاس رہو نکلو نہ گھر سے
اب حشر میں ہووے گی ملاقات پدر سے

۴۰

یہ کہہ کے قریبِ فرس آئے شہِ ابرار
چمکار کے حضرت نے کیا اس کو بہت پیار
گردن کو جھکائے ہوئے روتا تھا وہ رہوار
فرمایا کہ تو دیکھ تو اے اسپِ وفادار
فرزند نہیں بھائی بھتیجا نہیں کوئی
تھامے جو رکاب آن کے اتنا نہیں کوئی

۴۱

زہرا کی صدا آئی یہ با گریہ و زاری
پہلو میں تو حاضر ہے یہ ماں درد کی ماری
کیا بھول گئے پالنے والے کو میں واری
اے لال میں تھاموں گی رکاب آج تمہاری
نقشِ سمِ رہوار سے آنکھوں کو ملوں گی
سر کھولے جلو میں ترے گھوڑے کے چلوں گی

۴۲

گھوڑے پہ چڑھا راکبِ دوشِ شہِ لولاک
جبریل نے آکر بہ ادب تھام لی فتراک
جوں برق ہوا گرمِ عناں توسنِ چالاک
اقبال نے چومے بہ تفاخر قدمِ پاک
تھا شور کہ مرنے کو حسینؑ آج چلے ہیں
معراج کو یا صاحبِ معراج چلے ہیں

۴۳

ناری یہ عجب شان سے شہ تیغ بکف تھے
ناقوں پہ ملک نور کے باندھے ہوئے صف تھے
گویا کہ مہیائے وغا شاہِ نجف تھے
سر ننگے چپ و راست رسولانِ سلف تھے
ہر گام پہ آتی تھی صدا روحِ امیں کی
بس آخری ہے آج سواری شہِ دیں کی

۴۴

اے اہلِ جہاں آج کے دن کر لو زیارت
یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت
دنیا سے محمد کے نواسے کی ہے رحلت
سمجھو پسرِ فاطمہ زہراؑ کو غنیمت
ڈھونڈھو گے تو شبیر سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمد کا نواسا نہ ملے گا

۴۵

تھا احمد و زہراؑ و علی کی یہ نشانی
سیراب ہوئے تم نہ پلایا اسے پانی
افسوس ہے کچھ تم نے مگر قدر نہ جانی
کیا شکل نہیں ساقیِ کوثر کی دکھانی
دشمن کا ملاتا نہیں گھر خاک میں کوئی
باقی نہ رکھا پنجتنِ پاک میں کوئی

۴۶

اس شان سے وہ فاطمہ کا زینت آغوش
شل لبِ سوفار کماندار تھے خاموش
میداں میں جو پہونچا تو نقیبوں کے اڑے ہوش
اعدا کو ہوا جنگ کا انداز فراموش
بڑھنے سے قدم رکنے لگے فوج لعیں کے
مجرے کو علم جھکنے لگے فوج لعیں کے

۴۷

تنہا تھے پہ اللہ رے شکوہ شہِ آفاق
غل تھا کہ نثار قلم قدرتِ خلاق
دشمن بھی ہوئے حسن کے نظارے کے مشتاق
ہوتی ہے یہاں طاقتِ ذہنِ بشری طاق
کس حسن سے شکلِ شہِ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورقِ نور پہ تصویر کھنچی ہے

۴۸

پیشانیٔ روشن ہے کہ مہتاب فلک ہے
اور ابروئے کج قبلۂ طاعات ملک ہے
قطروں میں پسینے کے ستاروں کی چمک ہے
خم مجرے کو جن کے مہِ نو آج تلک ہے
پیشِ صفِ مژگاں کوئی کیا سینہ سپر ہے
پھر جائیں تو اک پل میں جہاں زیر و زبر ہے

۴۹

کیا دیدۂ حق بیں سے کفایت ہے ہویدا
ہے نقطۂ مردم دلِ عارف کا سویدا
ہو نرگس شہلا بھی جسے دیکھ کے شیدا
پردوں سے عجب قدرتِ پنہاں ہوئی پیدا
گردش یہ کبھی چرخ جفا جو نے نہ دیکھی
آنکھ ایسی کبھی خواب میں آہو نے نہ دیکھی

۵۰

تابندہ ہے خورشید جمالِ شہِ خوش خو
آئینہ کو نظارے کا اس رخ پہ ہے کیا رو
بجلی سی چمک جاتی ہے میداں میں ہر سو
چشمِ شہِ خاور میں بھرے آتے ہیں آنسو
عارض کبھی دیکھے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینہ ہیں نور خدا کے

۵۱

اس لب سے نہ دیں لعل کو نسبت کبھی ذی ہوش
ایسے کبھی دیکھے نہ سنے چشم و لب و گوش
یہ آتشِ یاقوت کو کر دیتے ہیں خاموش
حق کی کبھی جن کو نہ ہوئی یاد فراموش
اوصاف ہوں کیا اس لبِ اعجاز بیاں کے
یہ چوسنے والے ہیں محمدؐ کی زباں کے

۵۲

پرنور گلا شمعِ تجلی سے ہے روشن
اور ہاتھ ہیں شاخِ شجرِ وادیٔ ایمن
شعلہ بھی اٹھائے نہ جہاں شرم سے گردن
سینہ ہے وہ آئینہ کہ حیرت میں ہیں دشمن
بوسہ کے لیے لب نہیں احمد نے لگے تھے
اسرار الٰہی اسی سینہ میں بھرے تھے

۵۳

زخمِ دلِ فرزند جو یاد آتا ہے باہم
بارِ الم فرقتِ عباس سے ہیں خم
یہ درد ہے سینے میں کہ لے سکتے نہیں دم
پر بخششِ امت پہ کمر باندھے ہیں محکم
سر کٹنے کی پروا نہیں میدانِ وغا میں
کس صبر سے مارا ہے قدم راہِ خدا میں

۵۴

کیا شانِ شجاعت کو رقم کر سکے خامہ
ہے خود کی جا سر پہ محمدؐ کا عمامہ
برسوں جو لکھے ختم نہ ہو مدح کا نامہ
اور بدلے زرہ کے فقط اک کہنہ ہے جامہ
محتاج سپر وہ ہیں جنہیں جان کا ڈر ہے
یاں سامنے تلوار کے سینہ بھی سپر ہے

۵۵

پنہا نہیں چار آئینہ یہ بر میں سمجھ کر
تا پردے میں رہ جائیں شجاعت کے نہ جوہر
آنکھوں کے تلے پھرتا ہے آئینۂ خنجر
ہر اک بن مو شایق پیکاں ہے بدن پر
ان ہاتھوں کو دستانوں کی حاجت کہو کیا ہے
فرزند ید اللہ تو خود دست خدا ہے

۵۶

ہے قبضے میں حضرت کے بس اک تیغ دو پیکر
سو مردوں کا تمغہ ہے شجاعوں کا ہے جوہر
کاٹے ہیں اسی تیغ نے جبرئیلؑ کے شہپر
شمشیر ید اللہ پہ دم دیتے ہیں سرور
منظور نہیں اس سے حفاظت تن و سر کی
تیغ اس لئے باندھی کہ نشانی ہے پدر کی

۵۷

جس دم یہ کھینچی دم میں جہاں زیر و زبر ہے
ہاتھ اس پہ رکھا جب تو سر دست ظفر ہے
خود سیف خدا فاتح خیبر کا پسر ہے
شمشیر کا محتاج نہ پابند سپر ہے
ہاتھ اُٹھے جو لے تیغ شہ کون و مکاں کا
لیں کام دو انگشت سے تیغ دو زباں کا

۵۸

کیا سرعت توسن کو قلم کر سکے ارقام
صحرائے وسیع دو جہاں جس کا ہے اک گام
کاوے پہ اُبھرتے اسے دیکھے سحر و شام
گردش کو فراموش کرے ابلق ایام
اس نیزے سے صرصر کو گذرتے نہیں دیکھا
جوں برق کبھی اس کو ٹھہرتے نہیں دیکھا

۵۹

ہیں بال کے بال ایسے کہ شرمندہ ہو سنبل
ہمسر نہ ہو کاکل سے کبھی حور کی کاکل
اسوار ہے اس کا پسر صاحب دلدل
کہیئے جو ملک اس کو نہیں جائے تامل
ہے دوش محمد کا مکیں خانۂ زیں پر
اس ناز سے رکھتا ہی نہیں پاؤں زمیں پر

۶۰

دو روز سے لب تشنہ ہیں پر اکب و رہوار
چمکار کے فرماتے ہیں یہ سید ابرار
دریا میں تجھے لے چلوں اے اسپ وفادار
تو پی لے کہ مانع نہ ترے ہوں گے ستمگار
اعدا کو نہیں ہے کسی پیاسے سے عداوت
گر ہے تو محمدؐ کے نواسے سے عداوت

۶۱

کہتا ہے وہ رہوار بہ صد اشک فشانی
آقا کے تو لب تر نہ ہوں اور میں پیوں پانی
صدقے ترے اے حیدر کرار کے جانی
صورت ہے مجھے حشر میں دلدل کو دکھانی
پیاسا تو ہوں لیکن فرس شاہ اُمم ہوں
عباسؑ کے گھوڑے سے بھی کیا صبر میں کم ہوں

۶۲

رو دیتے تھے مرکب سے یہ سن کر شہ خوش خو
گھوڑے کی بھی آنکھوں سے ٹپک پڑتے تھے آنسو
تانے ہوئے نیزے چلے آتے تھے جفا جو
ہاں تیر چلیں شہ پہ یہی شور تھا ہر سو
لب خشک تھے آنکھیں شہ مظلوم کی نم تھیں
اک دم کیلئے سیکڑوں تلواریں علم تھیں

۶۳

جلتی تھی زمیں رن کی ہوا شعلہ فشاں تھی
مضطر تھے چرند اور پرندوں میں نہ جاں تھی
ماہی بھی حرارت سے تہ آب نہاں تھی
ہوئے گی قیامت میں جو گرمی وہ عیاں تھی
کانٹے تھے تب و تاب سے ماہی کے گلو میں
تبخالے حبابوں کے پڑے تھے لب جو میں

۶۴

اس گرمی میں بھرتے تھے جو حضرت نفسِ سرد
ہنستے تھے عداوت سے انھیں دیکھ کے بے درد
تھا ضعف سے جوں مہر رخ سبطِ نبی زرد
گیسوئے معنبر پہ سر دوش تھے پُر گرد
پانی جو نہ ملتا تھا شہِ کون و مکاں کو
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو

۶۵

کہتے تھے کبھی دل سے نہ گھبرائیو اے دل
اب قطع مسافت ہوئی نزدیک ہے منزل
ہونا کوئی دم یادِ الٰہی سے نہ غافل
لی باگ جواب کی تو ہوئے خلد میں داخل
سب مر گئے باقی یہی مظلوم رہا ہے
اک مرحلۂ خنجر و حلقوم رہا ہے

۶۶

یہ کہہ کے ہوئے سرورِ دیں عازمِ پیکار
جو شور ہوا بیبیوں کے رونے کا اک بار
گھبرا کے لگے ڈیوڑھی کو تکنے شہِ ابرار
دیکھا کہ چلی آتی ہے فضہ جگر افگار
عریاں ہے سر، چاک گریبان کئے ہے
مردے کی طرح ہاتھوں پہ اصغر کو لئے ہے

۶۷

چلّاتی تھی پردے سے یہ بانوئے دل افگار
فضہ مرے بچے سے خبردار خبردار
کہیو شہِ والا سے کہ یا سیدِّ ابرار
اس لال کو بھائی سے جدا کیجو نہ زنہار
پانی کو نہ شمرِ ستم ایجاد سے کہنا
حال اس کا کسی صاحبِ اولاد سے کہنا

۶۸

فضہ کو جو گھبرا کے پکارے شہِ والا
نامحرموں میں خیمے سے نکلی یہ کہا کیا
وہ بولی کہ پردے کا کسے ہوش تھا شاہا
دم توڑتا تھا پیاس سے جھولے میں یہ بچا
میں لے کے جو اس کو نہ کھلے سر نکل آتی
زہرا کی بہو پردے سے باہر نکل آتی

۶۹

سن کر یہ سخن رونے لگے شاہ خوش اوقات
نزدیک گئے دور سے پھیلائے ہوئے ہات
فرزند کو آغوش میں لے کر یہ کہی بات
ماں سے مری جاں تم بھی جدا ہو گئے ہیہات
بانو کے بھی جینے کی مجھے آس نہیں ہے
اب کوئی سکینہ کے سوا پاس نہیں ہے

۷۰

فرما کے یہ آئے صفِ اعدا کے برابر
اک اک سے کہا بچے کو ہاتھوں پہ اٹھا کر
مظلوم ہے معصوم ہے پیاسا ہے یہ دلبر
نے دودھ میسّر ہے نہ پانی ہے میسّر
راضی ہوں میں تیغوں سے لہو میرا بہا دو
پر تھوڑا سا پانی اسے دریا سے پلا دو

۷۱

بے آبی سے یہ پھول سا کمھلاتا ہے یارو
گہوارے میں ہر دم اسے غش آتا ہے یارو
معصوم پہ کافر بھی ترس کھاتا ہے یارو
بچہ مرا ہاتھوں سے مرے جاتا ہے یارو
پانی کے نہ دینے کا سزاوار تو میں ہوں
تقصیر ہے کیا اس کی گنہگار تو میں ہوں

۷۲

راضی ہوں میں قیمت ہے جو منظور تو زر لو
تم پانی کے قطرے کے عوض مجھ سے گہر لو
اک چلّو سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لو
پانی دو اسے اور جنانِ خلد میں گھر لو
احساں کو نہ بھولے گا یہ حیدر کا ہے پوتا
فرزند مرا ساقیٔ کوثر کا ہے پوتا

۷۳

بعضوں نے ترس کھا کے کہا دو اسے پانی
کہنے لگے ان سے یہ کئی ظلم کے بانی
اتنوں میں بچے ایک تو شبیر کا جانی
ہم کو تو ہے سادات کی بنیاد مٹانی
مار دو اسے آغوشِ دل و جانِ نبی میں
بچہ بھی نہ باقی رہے اولادِ علی میں

۷۴

ہے دھیان کدھر شیر کا بچہ ہے یہ بے شیر
قابو میں پھر آتے ہی نہیں ہیں کسی تدبیر
تحریر ان کا قطع ہونا کہ لی ہاتھ میں شمشیر
ہے صاف خطا گر نہ کمانوں سے چلیں تیر
فرزند ہے یہ شیرِ الٰہی کے پسر کا
لیوے گا جواں ہو کے عوض خونِ پدر کا

۷۵

یہ کہہ کے ہوئے مستعدِ قتل کماندار
پڑنے لگی معصوم پہ تیروں کی جو بوچھار
صف باندھ کے چلّوں سے ملائے لبِ سوفار
خم ہو کے بچاتے تھے اسے سیدِ ابرار
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتے ہو یارو
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتے ہو یارو

۷۶

ناگاہ بن کاہل کی کماں سے جو چلا تیر
دم بند ہوا درد سے حالت ہوئی تغییر
بچے کا گلا چھد گیا اور بازوئے شبیر
منہ کھول کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا بے شیر
زخمی تھا پدر شکلِ پسر خوں میں بھری تھی
بازو میں تو پیکان تھا گردن میں چھری تھی

۷۷

بیٹے کے لہو سے تو بھرے تھے شہِ والا
تیر اس کے گلے سے جو شہِ دیں نے نکالا
تر خون سے تھا باپ کے وہ ہنسلیوں والا
منہ سے عوضِ شیر لہو بچے نے ڈالا
شہ رونے لگے چہرے سے چہرے کو ملا کر
وہ سرد ہوا نرگسی آنکھوں کو پھرا کر

۷۸

لاش اس کی دکھا کر شہِ مظلوم پکارے
کہہ دیجیو بانو سے کہ پیاسے گئے مارے
فضہ تو بس اب جا علی اصغر بھی سدھارے
ہم ساتھ ہیں اب ان کے یہ ہیں ساتھ ہمارے
تا حشر نہ چونکیں گے نہ اب روئیں گے اصغر
آرام سے پہلو میں مرے سوئیں گے اصغر

۷۹

فضہ گئی سر پیٹتی با حالتِ تغییر
تلوار سے کھودی لحدِ اصغرِ بے شیر
ہاں دفن کی فرزند کے کی شاہ نے تدبیر
جس وقت رکھی قبر میں وہ چاند سی تصویر
صابر تھے پہ اشکِ شہِ والا نکل آئے
نزدیک یہ تھا منہ سے کلیجہ نکل آئے

۸۰

فرماتے تھے کیوں کر علی اصغر تجھے پاؤں
ہاں تیری جو مانگے تو کہاں ڈھونڈنے جاؤں
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں
اس وقت کلیجہ کا کسے حال سناؤں
ہاتھوں سے مرے خاک گرائی نہیں جاتی
صورت تری مٹی میں چھپائی نہیں جاتی

۸۱

خاتون قیامت کی صدا آئی کہ شبیر
اے لال مری گود میں ہے اصغرِ بے شیر
صدقے تری مظلومی کے میں بیکس و دلگیر
اب بند کرو قبر کو جو خواہشِ تقدیر
محسن کو اور اصغر کو تو ہاتھوں پہ دھروں گی
یوں حشر میں اللہ سے فریاد کروں گی

۸۲

سن کر یہ بیاں خاک جو اس چاند پہ ڈالی
روتے ہوئے تربت سے اٹھے سرورِ عالی
فرمایا کہ مر جائے گی ماں پالنے والی
خوں بہتا تھا بازو سے پہ تلوار سنبھالی
پڑتی تھی نظر فوج پہ شمشیر کی صورت
روباہوں پہ غصّے میں جھپٹے شیر کی صورت

۸۳

تھے لاکھ جواں فوجِ ستمگر میں صف آرا
تلوار جو کھینچی تو ندا آئی قضا را
اور تھا تن تنہا اسد اللہ کا پیارا
بچّے کے لئے غیظ میں ہے شبیر ہمارا
ہے زورِ علی ہاتھ میں اس سرورِ دیں کے
ہاں روح امیں تھام لے طبقوں کو زمیں کے

۸۴

طاقت تھی علی نے جو مرے ہاتھ سے پائی
سردارِ دو عالم نے زباں اپنی چسائی
سو دست بہ دست اسکے وہ حصّہ میں ہے آئی
قوت ہے محمدؐ کی بھی رگ رگ میں سمائی
سب زورِ نبوت بھی ولایت بھی ہے اسمیں
اور فاطمہ کے دودھ کی طاقت بھی ہے اسمیں

۸۵

یاں لشکرِ اعدا میں در آئے شہِ عالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھا
اک ہاتھ میں سب ہاتھ بھی نیزہ بھی قلم تھا

۸۶

ہر ضرب میں چو رنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے اجساد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیل فنا خانۂ تن کر دئے برباد
ضرب اسکی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامِ اجل میں

۸۷

اس معرکہ میں تیغ بہادر کو ملا اوج
تھا قلزمِ خوں جوش پہ ڈوبی ہوئی تھی فوج
ہر فرد کو اس صاحبِ جوہر نے کیا زوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفتِ موج
خوں میں تو بدن غرق تھے بیداد گروں کے
کٹتے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

۸۸

وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
چمکی تو چھری پھر گئی دشمن کے جگر پر
بس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دو سر پر
جس پر گئی بے دو کیے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

۸۹

کس طرح قلم لکھ سکے اس تیغ کے اوصاف
ملعونوں میں تھا اپنی شجاعت کا جنھیں لاف
مشہور ہے وہ برقِ غضب قاف سے تا قاف
پہلے انھیں سفاکوں پہ ہاتھ اس نے کیا صاف
غل تھا نہیں لڑتا کوئی تشنہ دہن ایسا
تیغ ایسی نہ دیکھی نہ کبھی تیغ زن ایسا

۹۰

کیا رحم تھا مولا کہ میں اس رحم کے قربان
حضرت سے جو کہتی تھی وہ تیغ شہِ مردان
اس غیظ میں بھی روکتے تھے تیغ کو ہر آن
کیوں روکتے جاتے ہو مجھے اے شہِ ذیشان
میدانِ ستم لاشوں سے بھر دینے دو مجھ کو
خونِ علی اصغر کا عوض لینے دو مجھ کو

۹۱

مارا ہے ابھی ہاتھوں پہ بچے کو تمہارے
دم لیجے نہ حضرت انھیں بے جان سے مارے
اصغر سے بھی کیا زیادہ ہیں تم کو یہ پیارے
اک دم میں یہ مقہور فنا ہوتے ہیں سارے
دل کھول کر جوہر مرے دکھلائیے مولا
اب کام رحیمی کو نہ فرمائیے مولا

۹۲

مشہور ہے جنگ احد و خیبر و خندق
کھینچا جو مجھے رنگ شجاعوں کے ہوئے فق
لاکھوں تھے ادھر اور تن تنہا اسدِ حق
جاں بر نہ ہوا کاٹ سے میرے کوئی مطلق
رو کے مجھے طاقت ہے یہ اس فوج لعیں کی
میں کاٹنے والی ہوں پرِ روح امیں کی

۹۳

اک دم نہ کبھی مجکو جدا کرتے تھے حیدر
ہوتی تھی ادھر میں تو اُدھر بنتِ پیمبر
بستر پہ بھی رکھتے تھے مجھے اپنے برابر
مخدومۂ عالم سے یہ فرماتے تھے اکثر
یہ تیغ عنایاتِ خدائے دو جہاں ہے
تم فرحتِ دل ہو مری یہ راحتِ جاں ہے

۹۴

مولا مرے جب ہونے لگے عازمِ جنت
فرمایا تھا مجھ سے کہ ہو جب وقتِ مصیبت
تب مجھ کو کیا آپ کو حضرت نے عنایت
کیجو مرے شبیر کی اس روز حفاظت
اعدا کے ذبح کرنے کو تیار ہوں مولا
پر رحم سے حضرت کے میں ناچار ہوں مولا

۹۵

نیزے بنے قاسم نے بھی کھائے مرے ہوتے
ہم شکل نبی خوں میں نہائے مرے ہوتے
عباس نے بھی ہاتھ کٹائے مرے ہوتے
تیر آپ کو اعدا نے لگائے مرے ہوتے
جو رنگ نہ گر آج کیا اہلِ جفا کو
کس طرح میں دکھلاؤں گی منھ شیر خدا کو

۹۶

اب بھی نہ مجھے روکو تو غارت انھیں کر دوں
اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھر دوں
جھپکے نہ پلک سیکڑوں سر کاٹ کے دھر دوں
سامانِ قیامت کے عیاں ہوں تہ گردوں
غارت ابھی ہو جائیں یہ سب کوفی و شامی
رہ جائیں وہی باقی جو ہیں دین کے حامی

۹۷

گر عذر یہ اس دم ہے کہ مجروح ہیں بازو
گر چھوڑ دو قبضے کو مرے اے شہِ خوشخو
اعجاز امامت یہ تو ہے آپ کا قابو
کر دیتی ہوں انبار تن و سر کے میں ہر سو
تیغِ اسد اللہ کی قدرت بھی دکھا دو
بے دینوں کو اعجاز امامت بھی دکھا دو

۹۸

لڑنے میں جو آجاتا تھا ہنگام عبادت
میں گرد علیؑ پھرتی تھی پروانہ کی صورت
بے خوف فریضے کو ادا کرتے تھے حضرت
آسکتا نہ تھا پاس کوئی اہلِ شقاوت
روکوں گی ابھی اور کاٹوں گی ملعونوں کے سر بھی
میں آج ہوں تلوار بھی حضرت کی سپر بھی

۹۹

حضرت نے کہا سن کے یہ اس تیغ کی تقریر
بے تیغ اگر جاہوں تو غارت ہوں یہ بے پیر
بازو تو شکستہ ہے پہ عاجز نہیں شبیر
پر کس سے لڑوں اے اسد اللہ کی شمشیر
اصغر کے نہ بازو کے جراحت کا الم ہے
مارا ہے جنھیں میں نے انھیں کا مجھے غم ہے

۱۰۰

مجھ سے یہ نہ ہوئے گا کہ امت کو مٹا دوں
اب بھی یہ اگر سمجھیں تو دوزخ سے بچا دوں
اللہ سزا دے گا میں کیا ان کو سزا دوں
نانا کا مجھے پاس ہے ایذا انھیں کیا دوں
امت کا سفینہ تو ڈبویا نہیں جاتا
فرزندوں کو کھویا انھیں کھویا نہیں جاتا

۱۰۱

ہر سو کہ میں دیکھے ہیں جو ہر ترے اکثر
نہ ہے کوئی دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہمسر
رتبہ ترا پہچانتا ہے نائب حیدرؑ
پر تو بھی تو دیکھ آج مرے صبر کے جوہر
وعدے کو لڑکپن کے وفا کرتا ہے شبیر
سجدہ تہِ شمشیر ادا کرتا ہے شبیر

۱۰۲

کہہ کر یہ سخن شاہ نے کی میان میں تلوار
فرمایا یہ صد درد کہ اے ہمدم و غمخوار
اور ڈوڑ کے بوسے لئے قبضے کے کئی بار
اب ہوتا ہے رخصت پسر حیدرؑ کرار
جنت کو چلے تشنہ دہن ہم تو جہاں سے
اب ہدیٰ ہادی تجھے کھینچیں گے میاں سے

۱۰۳

فرما کے یہ گھوڑے سے اتر بیٹھے زمیں پر
پڑنے لگیں تلواریں سر سرور دیں پر
سب ٹوٹ پڑے دوش محمدؐ کے مکیں پر
چھاتی پہ لگیں برچھیاں اور تیر جبیں پر
سجدے کو سر پاک جھکا طاعت حق میں
خورشید زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

۱۰۴

پھٹتا ہے جگر حال کہوں ذبح کا کیوں کر
وہ سینہ جو تھا رتبہ میں قرآں کے برابر
حلق پسر فاطمہ اور شمر کا خنجر
ہے قہر کی جا پاؤں دھرے اس پہ ستمگر
جس حلق کے بوسے لئے زہراؑ و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

۱۰۵

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکم پیمبرؐ
یاں در پہ کھڑی پیٹتی تھی زینبؑ مضطر
حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کو دکھا کر
دکھلا کے اسے شمر نے کاٹا سر انور
تشنہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے
بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

۱۰۶

خاموش انیسؔ اب کہ یہ ہنگام ادب ہے
یہ رونا رلانا تری بخشش کا سبب ہے
اس حلق کا اور تیغ کا احوال غضب ہے
آقا سے طلب کر تجھے جس شے کی طلب ہے
کیا کچھ نہیں حضرت کے تصدق سے ملا ہے
تصنیف کا تیرے گہر اشک صلا ہے

رباعی

آنکھ ابر بہاری سے لڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں مری ساون بھادوں
اشکوں کی ردا منھ پہ پڑی رہتی ہے
یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

رباعی

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں
یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے
بھیگے جو مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں
خس خانہ میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

مرثیہ

۱
جب رن میں آمدِ سلطانِ دیں ہوئی / نورِ خدا کے نور سے روشن زمیں ہوئی
آمادہ نبرد سپاہِ لعیں ہوئی / روحِ جنابِ فاطمہ اندوہگیں ہوئی
تیغیں کھنچیں نیاموں سے خنجر نکل پڑے / شیرِ خدا مزار سے باہر نکل پڑے

۲
بڑھ کر نقیب فوج یہ کہتے تھے دم بہ دم / ہاں اے بہادرو نہ ہٹے ایک کا قدم
ابنِ معاویہ کے نمک کی تھیں قسم / تیغوں سے سرو باغِ علی کو کرو قلم
شیرِ خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہے / ہاں غازیو یہ جان لڑانے کا وقت ہے

۳
آپس میں کہتے تھے یہ پیادے جمائے صف / روکے گا کون ضربتِ ابنِ شہِ نجف
اس کا نہ دھیان کیجو کہ لاکھوں ہیں اس طرف / چمکی جو ذوالفقار تو جانیں ہوئیں تلف
رکتی نہیں وہ تیغ جو پڑ جائے کوہ پر / نازل خدا کا قہر ہوا اس گروہ پر

۴
غصہ حسین کا غضبِ ذوالجلال ہے / روباہ مل کے شیر کو ماریں محال ہے
خیبر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہے / میداں میں اس کے سامنے رستم بھی زال ہے
بدر و اُحد کا داستہ عالم کو یاد ہے / خیبر کی ضرب آج تلک ہم کو یاد ہے

۵
ناگاہ سوار نیزوں کو دینے لگے تکان / چمکیں دبی ہوئی صفِ اعدا کی برچھیاں
چلّوں سے تیر مل گئے کڑکی ہر اک کماں / غل تھا نشانِ دیں کو کرو آج بے نشاں
کچھ نہ پاس یہ کہ امام زمانہ ہے / ہاں اے کماں کشو یہ تمہارا نشانہ ہے

۶
یہ ذکر تھا کہ اتنے میں آئے شہِ اُمم / طبل وغا پہ چوب پڑی کھل گئے علم
سردار فوج تمام ہٹانے لگے قدم / رخ پھر گئے صفوں کے کسی میں رہا نہ دم
اللہ رے رعب فوج ستم تھرتھرا گئی / چہروں پہ روسیاہوں کے زردی سی چھا گئی

۷
غل تھا زہے حسین زہے شانِ حیدری / دیکھی نہ یہ شکوہ نہ ایسی دلاوری
تیور سے آشکار ہے رعبِ غضنفری / کس کی مجال ہے کہ کرے اُن سے ہمسری
قابو میں ایسے شیر کا آنا محال ہے / لڑنا تو کیا ہے آنکھ ملانا محال ہے

۸
کیا حُسن ہے کہ دشت میں چھایا ہوا ہے نور / اک آفتاب رخ کی تجلی ہے دور دور
غرفوں سے سر نکالے نہ کیونکر ہر ایک حور / نورِ محمدی کا ہے چاروں طرف ظہور
یہ فیض ہے رخِ خلفِ بوتراب سے / ذرے چرا رہے ہیں نظر آفتاب سے

۹
لوحِ جبینِ پاک ہے لوحِ کتابِ حسن / ابرو تو فصلِ حسن کی ہیں اور یہ بابِ حسن
اللہ کس عروج پہ ہے آفتابِ حسن / تابِ نظر نہیں ہے زہے آب و تابِ حسن
سجدے کے یہ نشاں ہیں تجلی طور ہے / صاف اس نشاں میں یدِ بیضا کا نور ہے

۱۰
آخر حسین بھی ہے اسی شیر حق کا شیر — گر دے گا ایک حملے میں زور آوروں کو زیر
غم میں جواں پسر کے وہ ہے زندگی سے سیر — دیکھیں تو روکتا ہے اسے کون سا دلیر
وہ بے لڑے شکست کئی بار دے گیا — کشتوں کو اپنے شیر سا آ آ کے لے گیا

۱۱
فاقہ ہیں تین روز کا اور تین دن کی پیاس — غیر از ہجوم یاس نہیں کوئی اس کے پاس
ظاہر ہیں گرچہ سب بشریت کا ہے لباس — یہ رعب ہے کہ جو شیر کی آمد میں ہو ہراس
نزدیک ہے کہ گھوڑوں سے اسوار گر پڑیں — حملہ کرے تو ہاتھ سے ہتھیار گر پڑیں

۱۲
کیا خوش نما ہیں ابروئے شاہنشہ حجاز — گویا ہے شاہباز کیے بازوؤں کو باز
تشبیہ سے ہلال کرے آسماں پہ ناز — پیش خدا جھکائے ہوئے ہیں سر نیاز
مصروف ہو رہے ہیں خشوع و خضوع میں — محراب کی طرح سے جھکے ہیں رکوع میں

۱۳
چشمہ خدا کے نور کا ہے چشم حق پرست — روز ازل سے ہے مئے عشق احد سے مست
ہے گرد اس لئے صف مژگاں کا بند و بست — آئینہ ہائے نور کو پہونچے نہ تا شکست
بکھرے ہیں عین رنج میں چشم و چراغ سے — مردم سیاہ پوش ہیں اکبر کے داغ سے

۱۴
ہر دم ہے جوش پر گل رخسار کی بہار — رونق نہ پائے رنگ جو بدلے چمن ہزار
وہ روئے انور اور وہ ریش خضاب دار — ظاہر ہیں اس سے معنئ والّیل و النہار
وقت نظر یہ ہوتا ہے ثابت نگاہ کو — آغوش میں لیے ہے شب قدر ماہ کو

۱۵
خوشبو سے زلف و خال پہ مشک ختن نثار — سرخئ لعل لب پہ عقیق یمن نثار
غنچے دہان تنگ پہ صدقے چمن نثار — دانتوں کی آب و تاب پہ دُرِ عدن نثار
موتی بھرے ہیں منھ میں شہ بے نظیر کے — قطرے ہیں سب یہ فاطمہ زہرا کے شیر کے

۱۶
ہے رشک شمع طور تجلی میں وہ گلا — منھ اپنا جس پہ احمد مختار نے ملا
وہ فاطمہ کے دودھ کی دھاروں سے تھا پلا — سو اس گلے پہ خنجر شمر لعیں چلا
شیرازۂ بیاض گلو جب کہ کٹ گیا — حیرت ہے کیوں نہ دفتر عالم الٹ گیا

۱۷
شانوں سے شان مرتضوی آشکار ہے — ان بازوؤں پہ روح یداللہ نثار ہے
ساعد نہیں ہیں قدرت پروردگار ہے — پنجے میں زور دست شہ ذوالفقار ہے
حاجت روا ہیں ساری خدائی کے واسطے — یہ انگلیاں ہیں عقدہ کشائی کے واسطے

۱۸
سینہ صفا میں غیرت آئینۂ حلب — اس میں بھرے ہوئے ہیں گہرہائے راز رب
قرآں سے کم نہ سمجھیں جسے حق پرست سب — واں پائے چکمہ دار رکھے شمر ہے غضب
کیوں فاطمہ کے دل پہ نہ کوہ الم گرے — جب ایسے آئینہ پہ یہ سنگ ستم گرے

۱۹
ہر لحظہ عاصیوں پہ جو رحمت کی ہے نظر
کہتے ہیں آہ کر کے شہنشاہِ بحر و بر
باندھی ہے کس کے مرنے پہ ٹوٹی ہوئی کمر
ہم کو ضعیف کر گئے عباس نامور
شیعوں کا ہے یہ پاس جو ہم بولتے نہیں
بے اُن کے بخشوائے کمر کھولتے نہیں

۲۰
قامت ستونِ دیں ہے تو ارکان ہیں قدم
جس خاک پر رکھے شہِ گردوں نشیں قدم
ہٹ جائیں معرکے سے یہ ایسے نہیں قدم
چومے بہ صد نیاز و تفاخر وہیں قدم
کس کوہ میں تھے جو تھے صفات انکے واسطے
بہرِ ثبات یہ ہیں ثبات ان کے واسطے

۲۱
ہے خود سر کہ قبۂ عرشِ بریں ہے یہ
روشن ہے روشنی سے کہ قندیل میں ہے یہ
کلغی نہ سمجھو شہپرِ روح الامیں ہے یہ
حقا کہ ایک آیتِ فتحِ مبیں ہے یہ
ہے فرق پر رسول کے لکہ سحاب کا
دیکھو قِراں ہوا زحل و آفتاب کا

۲۲
ہے یوں زرہ میں جسمِ امامِ فلک سریر
حلقوں میں دیکھو جلوۂ اندامِ بے نظیر
ابرِ تنک میں جوں نظر آئے مہِ منیر
سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشنِ کبیر
ہے بے مثال موجِ زرہ اپنے کام میں
لائی نہنگ بحرِ شجاعت کو دام میں

۲۳
گر خود ہے سرآمدِ اسباب کارزار
چار آئینہ ہے سترِ بدن آہنی حصار
جوشن ہے زیورِ تنِ مرداں سرِ گذار
گویا ورق پہ نور کے سورے لکھے ہیں چار
پرتو فگن ہے چہرۂ شاہِ زمن کا نور
ہے چار آئینہ سے عیاں پنجتن کا نور

۲۴
ہے تیغ برقِ خرمنِ ہستیِ اہلِ شر
بالائے دوشِ مہرِ نبوت سے ہے سپر
دم لے تہِ زمیں جو پڑے تیغ کوہ پر
ہے قرصِ چشمِ عشوہ گرِ لیلیِ ظفر
اک جا دھواں ہے فاطمہ زہرا کی آہ کا
ٹکڑا ہے آفتاب پہ ابرِ سیاہ کا

۲۵
یوں ہاتھ میں لیے ہے کماں فاطمہ کا لال
ترکش کے تیر چلتے ہیں یک قضا کی چال
گویا کہ آفتاب کے پنجے میں ہے ہلال
بچتا ہے مرغِ روحِ عدو کے لئے محال
دل دوز اہلِ کفر دمِ صفدری یہ تھی
حکمِ خدا کی طرح خطا سے بری یہ تھی

۲۶
کس سے بیاں ہو سرعتِ رخشِ فلک خرام
بجلی ہے پھر ہوا سے ملے گر ذرا لجام
ہے جس کے آگے وسعتِ کونین ایک گام
زیرِ قدم ہے ہند و حلب مصر و روم شام
اس کو سبک روی میں پرندوں پہ اوج ہے
بجلی ہے گر ہوا یہ تو دریا یہ موج ہے

۲۷
اس شان سے کھڑے تھے امامِ ذوالاحترام
کہتا تھا ابنِ سعد تعجب کا ہے مقام
سردار بے حواس تھے حیران فوجِ شام
تنہا حسین آئے ہیں لشکر ہوا تمام
اسپر مقابلہ کو نکلتا نہیں کوئی
حربے تو سیکڑوں ہیں پہ چلتا نہیں کوئی

۲۸

ہمراہ اور کیا کوئی عباس سا ہے شیر
دہشت ہے کس کی وہ تو ہے خود زندگی سے سیر
اکبر سا کیا جلو میں کوئی اور ہے دلیر
اک تشنہ لب کے قتل میں اے غازیو یہ دیر

دن سے کرو شہید شہِ خوش صفات کو
کیا بیبیوں کو لوٹنے جاؤ گے رات کو

۲۹

ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہ کا سر
دھڑکا یہ ہے کہیں نہ سرک جائے مال و زر
پھر تم کو لوٹنا ہے رسولِ خدا کا گھر
خیمے میں شاہ کا ابھی جیتا ہے اک پسر

گھیریں اسے جو قتل امام زمانہ ہو
ایسا نہ ہو کہ لے کے حرم کو روانہ ہو

۳۰

تنخے میں لکھ چکا ہے مکرر امیرِ شام
میری طرف سے فوج کو دے دو یہ حکم عام
جس وقت تن سے کاٹ چکے تو سرِ امام
زیور علی کی بیٹیوں کا لوٹ لو تمام

کانوں میں ننھے بچوں کے گوہر نہ چھوڑیو
رانڈوں کے منھ چھپانے کو چادر نہ چھوڑیو

۳۱

دربار میں جو لاؤ گے زینب کو ننگے سر
کوفے میں عید ہو جو لٹے فاطمہؑ کا گھر
اُس دن لٹاؤں گا میں خزانہ کا مال و زر
سیدانیاں پھریں مری بستی میں در بہ در

ہے دشمنی علیؑ سے عداوت حسینؑ سے
یثرب اُجاڑ ہووے تو سوؤں میں چین سے

۳۲

لالچ دیا جو فوج کو اس روسیاہ نے
زینب کے قید کا جو سُنا ذکر شاہ نے
تنہا سے عزم جنگ کیا سب سپاہ نے
کھینچی اک آہ دلبرِ شیرِ الٰہ نے

نزدیک تھا کہ تیغ کمر سے اُگل پڑے
خیمے کو دیکھا پھر کے اور آنسو نکل پڑے

۳۳

سینے میں مضطرب دلِ پُر درد ہو گیا
آلودۂ عرق رُخ پہ گرد ہو گیا
برچھی لگی جگر پہ بدن سرد ہو گیا
آنکھیں تو سُرخ ہو گئیں منھ زرد ہو گیا

تنہا ادھر سے ہمرہِ غا شاہِ دیں چلے
نیزے ہلا ہلا کے ادھر سے لعیں چلے

۳۴

کھینچی کمر سے شہ نے جو شمشیر شعلہ بار
طائر اُڑے ہوا سے نکلنے لگے شرار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
تھرائی یہ زمیں کہ اٹھا دشت میں غبار

مرفق تلک اُلٹ جو لیا آستین کو
گرنے کے ڈر سے چرخ نے تھاما زمین کو

۳۵

پہلے ہوئے دو چار سوارانِ نیزہ باز
یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہِ حجاز
تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
جس طرح سے شکار پہ گرتا ہے شاہباز

اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے وار کی

۳۶

تھے پست ایک دم میں جوانانِ سربلند
سر کٹ گئی وہ جس کے ہوا دو سمند
ہر ضرب میں تھی تیغ علی کی برش دو چند
جوں نیشکر جدا ہوئے نیزوں کے بند بند

سر تھا اگر تو نیزہ جدا او گر نہ تھا
نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سر نہ تھا

۳۷
مغرور نیزہ بازی میں تھا اک عدوئے شاہ
نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
آیا وہ اس غضب سے کہ اللہ کی پناہ
گویا زباں نکالے تھا اک افعیٔ سیاہ
مانند عمرو معرکہ آرائے رزم تھا
گھوڑے سے شاہ دیں کو گرادوں یہ عزم تھا

۳۸
نیزے سے ہاتھ صورتِ مرحب نکال کر
آواز دی اجل نے کہ فکرِ مآل کر
آگے بڑھا کمند کو کاندھے پہ ڈال کر
للکارے شاہ تیغ علیؑ کو سنبھال کر
او خوں گرفتہ غیر سے ہم لڑنے والے ہیں
تیرے یہاں کی فوج کے سب دیکھے بھالے ہیں

۳۹
پھرتی سے اس لعیں نے کیا اک غضب کا وار
شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار
سمجھے یہ سب کہ ہوگیا پھاتی کے آر پار
دکھلایا زورِ دستِ شہنشاہ ذوالفقار
ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا سنبھل گیا

۴۰
نیزہ اٹھا کے اس پہ چلے شاہ بحر و بر
تب اپنا ہاتھ چہرے پہ اس نے کیا سپر
فرمایا دیکھ او ستم آرا امرا ہنر
یاں خانے تک انی نے کیا ہاتھ سے گذر
بے کار دستِ کفر پرستِ لعیں ہوا
نیزہ تو ہاتھ میں گیا ہاتھ آستیں ہوا

۴۱
مولا کماں کشوں پہ چلے پھر بصد ستیز
گرنے لگی چمک کے جو شمشیر شعلہ ریز
دشتِ نبرد ہو گیا صحرائے رستخیز
گوشوں میں کچھ نہاں ہوئے کچھ کر گئے گریز
جو تھم گیا وہ تیر اجل کا نشانہ تھا
ترکش تھا نے کماں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا

۴۲
حلقے میں موت کے قدر انداز گھر گئے
جو لیس تھے لڑائی پہ رخ ان کے پھر گئے
چلے بھی کش مکش میں کمانوں سے گر گئے
دریا میں گر کے بہہ گئے وہ جو تر گئے
سارے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی

۴۳
بھاگے جو وہ تو تیغ زنوں سے ہوئے دوچار
چلنے لگیں ادھر سے بھی تیغیں کئی ہزار
در آئے درع پوشوں میں چمکا کے راہوار
تا آسماں بلند ہوا شور گیر و دار
منھ پہ سپر امام دو عالم نہ لیتے تھے
اک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے

۴۴
وہ تیغ جس کے سر پہ پڑی تنگ تک گئی
دہشت سے چشم نیرِ اعظم جھپک گئی
جس وقت ہاتھ اٹھا چمک تا فلک گئی
چمکی کبھی سما پہ کبھی تا سمک گئی
غل تھا صفوں میں زیست سے اب تو تنگ ہیں
روکیں کسے کہ تیغ میں بجلی کے ڈھنگ ہیں

۴۵
آہن میں غرق تھے جو دلیرانِ صف شکن
ضربیں بھی چاک ہوئیں صورتِ کفن
خود ان کے تھے سروں سے جدا اور سروں سے تن
چار آئینہ بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
گر گر کے مرکبوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
آنسو لہو کے چشمِ زرہ سے نکلتے تھے

۴۶

غل تھا کہ شیر حیدر کرار الاماں
اے نور چشم احمد مختار الاماں
اے سیدائے بتول کے دلدار الاماں
ہو پہنچے سزا کو اے شہ ابرار الاماں
کر رحم اپنی تشنہ دہانی کا واسطہ
ہم شکل مصطفےٰ کی جوانی کا واسطہ

۴۷

اکبر کا عین جنگ میں شہ نے سنا جو نام
اعدا سے تھرتھرا کے یہ کرنے لگے کلام
تھرا کے بس جگر کو لیا دست چپ سے تھام
اکبر کہاں ہیں تم تو انھیں کر چکے تمام
سینے میں غم سے انکے جگر چاک چاک ہے
وہ بھی ہیں خاک ان کی جوانی بھی خاک ہے

۴۸

جن کی دہائی دیتے ہو وہ ہیں لہو میں لال
ہم کو انھیں کے داغ سے ہے زندگی محال
ان کو نہ ماں کی فکر ہے نے باپ کا خیال
وہ ہوتے تو یہ کاہے کو ہوتا ہمارا حال
بیجاں کیا انھیں تمھیں لوگوں نے جان سے
اٹھارویں برس میں سدھارے جہان سے

۴۹

آؤ انھیں کی لاش کی کھاتا ہوں میں قسم
چھد جائے جسم تیروں سے گر سر سے تا قدم
ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزۂ ستم
کیا دخل ہے جو تیغ دو دم کو کروں علم
تھا غیظ تم پہ مجھ کو سو وہ وقت ٹل گیا
اکبر کا نام سن کے کلیجہ نکل گیا

۵۰

بھولا ہوا تھا جنگ میں ~~اس کا تھا~~ نہ دھیان (حاشیے پر قلمی: تھا اسکا کچھ)
ہے ہے وہ لمبی زلفیں وہ رخ وہ شکوہ و شان
یاد آ گیا کہ مر گیا بیٹا مرا جوان
وہ برگ گل سے ہونٹ وہ سوکھی ہوئی زبان
دکھلا دو پھر مجھے مرے دلبر کی لاش کو
رو لوں گلے لگا کے میں اکبر کی لاش کو

۵۱

یہ کہہ کے باگ چھوڑ دی اور روک لی حسام
عیب وہ تھا تمھیں میں ہے اے ساکنان شام
اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوۂ امام
طاقت پہ حلم سبط پیمبر بھی دیکھ لو
دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو

۵۲

سیراب تم ہو اور مجھے دو دن سے پیاس ہے
سر پر حسین سے ہوں یہ دور از قیاس ہے
تنہا میں با حواس ہوں تم کو ہراس ہے
پر کیا کروں کہ روح کا اکبر کی پاس ہے
ہے آرزو کہ اس مہ انور سے جا ملوں
جلدی کرو شہید کہ اکبر سے جا ملوں

۵۳

یہ سن کے شہ پہ ٹوٹ پڑے تیغ زن تمام
زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدن تمام
سینے کو تا کنے لگے ناوک فگن تمام
جوں گل لہو میں ڈوب گیا پیرہن تمام
بھاگے ہوئے سوار بھی رستہ سے پھر پڑے
یاں تک اٹھائے زخم کہ گھوڑے سے گر پڑے

۵۴

جب خاک پر تڑپنے لگا فاطمہ کا لال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
اک بی بی نکلی خیمہ سے بکھرائے سر کے بال
ملتی تھی اس کی چال سے خیر النساء کی چال
آلودہ تھے عذار مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہ نکل آئیں مزار سے

۵۵
جلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
اے ظالمو یہ حیدر صفدر کا ہے پسر
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اُجڑتے ہیں
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

۵۶
غش میں امام نے جو بہن کی سُنی صدا
گردن اٹھا کے بولے کہ بھینا یہ کیا کیا
سر تن پہ ہے مرے ابھی کیوں پھینک دی ردا
آئی صدا کہ اے فاطمہ بیٹی یہ ماں فدا
شبیر ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

۵۷
مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوب کبریا
آتے ہیں غش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیا
اور سر برہنہ گرد علی کے ہیں اولیا
اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
اٹھ اٹھ کے جب زمین پہ شبیر گرتے ہیں
پروانے کی طرح سے حسن گرد پھرتے ہیں

۵۸
ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دل فگار
اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
بھائی سے چھٹتی ہوں مجھے کیوں کر پڑے قرار
ہے ہے یہ تن حسین کا اور برچھیوں کے وار
اس بے کسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

۵۹
رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
چلاتی تھی سکینہ کہ ہے ہے مرے پدر
تھیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منھ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

۶۰
راوی رقم یہ کرتا ہے اس سانحہ کا حال
نکلا اٹھا کے پردے کو اک طفل خورد سال
منھ بھولا بھولا گوندھے ہوئے گیسوؤں کے بال
ماتھا تو رشک بدر بھویں غیرت ہلال
رخسار روشنی میں فزوں آفتاب سے
کانوں میں بُندے ہل رہے تھے اضطراب سے

۶۱
چشم سیاہ نرگس شعلہ پہ طعنہ زن
نازک وہ لب کہ جس سے خجل برگ یاسمن
وہ گورے گورے گال وہ چہرے پہ بھولا پن
گویا کہ درج لعل تھا غنچہ سا وہ دہن
زلفیں اڑیں ہوا سے تو کوسوں مہک گئی
گوہر ہلا جو کان کا بجلی چمک گئی

۶۲
وہ چاند سا گلا وہ مہِ نو سی ہنسلیاں
کرتا بدن میں پھولوں پہ شبنم ہو جوں عیاں
وہ پیارے پیارے ہاتھ کہ صدقہ تھی جن پہ ماں
ہیکل گلے میں پہنے ہوئے بہر حفظ جاں
تعویذ بازوؤں پر کڑے ہاتھ پاؤں میں
دوڑا چچا کو دیکھ کے تیغوں کی چھاؤں میں

۶۳
چلائی ماں یہ پردے کو سرکا کے ایک بار
بیٹا کدھر نکل گئے مادر ہے بے قرار
پھر آ خدا کے واسطے پھر آ ترے نثار
ہتیار ہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
لو مڑ کے دیکھو خیمہ سے باہر نکلتی ہوں
اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں

٦٤
یہ سن کے بھی پھرا نہ جو وہ غیرتِ قمر — دوڑی نکل کے خیمے سے مادر برہنہ سر
بولی پکڑ کے دامنِ پیراہنِ پسر — بیوہ ہوں اے یتیمِ حسن مجھ پہ رحم کر
مرجاؤں گی رنڈاپے میں مجھکو نباہ لے — صدقہ حسن کی روح کا چل گھر کی راہ لے

٦٥
واری ہیں تیرے پاؤں پہ رکھتی ہوں اپنا سر — غصے سے کانپتے ہو نہیں جان کا خطر
کیوں کر لڑو گے پاس نہ تلوار نہ سپر — کرتے کی آستین چڑھائے چلے کدھر
وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں — دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں

٦٦
تیغیں چلیں چچا پہ [illegible] آہ ہم نہ جائیں — عمو نے ہم کو پالا ہے کس طرح جی بچائیں
اصغر تو اپنی ننھی سی گردن پہ تیر کھائیں — تیغیں چمکتی دیکھ کے مقتل سے ہم گھر آئیں
کیا ڈر ہمیں علی کے پسر کے پسر ہیں ہم — تلوار گر نہیں تو چچا کے سپر ہیں ہم

٦٧
جانے دو ہم کو مرنے کو اب تم تو گھر میں جاؤ — دشمن نہ دیکھ لے کوئی چادر سے منھ چھپاؤ
رانڈوں کا بھی خدا ہے غم اولاد کا نہ کھاؤ — قاسم کا داغ دیکھا ہمارا بھی داغ اٹھاؤ
پھوپھیاں فراقِ سید والا میں روتی ہیں — ساتھ ان کا جا کے دو کہ چچی رانڈ ہوتی ہیں

٦٨
یہ کہہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھڑا لیا — جلدی قدم اٹھا کے چچا کی طرف چلا
ہاتھوں کو ملتی رہ گئی ماں غم کی مبتلا — جا پہونچا قتل گہ میں وہ مشتاق موت کا
زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا — پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا

٦٩
گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ طفلِ ماہ رو — کرتا اٹھا کے منھ سے لگا پونچھنے لہو
گھبرا کے دیکھتا کبھی اعدا کو چار سو — کہتا کبھی چچا سے کہ اے شاہِ نیک خو
خیمے سے سر برہنہ پھوپی نکلی آتی ہیں — گھر میں چلو کہ تم کو سکینہ بلاتی ہیں

٧٠
زانو پہ ہات مار کے شہ نے کہا کہ ہائے — یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں گھر سے آئے
مارے بھتیجے کوئی تو چچا کس طرح بچائے — قسمت میں تھا حسین تمھارا بھی داغ اٹھائے
بےکس چچا پہ فوجِ ستم کی چڑھائی ہے — ماں سے بھتیجے چھڑا کے اجل رن میں لائی ہے

٧١
ناگاہ ہجومِ فوجِ ستم شاہ پر ہوا — تیغیں اٹھائے لشکرِ کیں حملہ ور ہوا
اُس وقت بےقرار حسن کا پسر ہوا — جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا
گہ لڑکھڑا کے شاہ کی گودی میں گرتا تھا — پروانے کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا

٧٢
کہتا تھا ظالموں سے کبھی بہ چشمِ نم — بےکس پہ یہ ہجوم [illegible] پہ یہ ستم
بُندے یہ اپنے کانوں کے دیتے ہیں تجھ کو ہم — بہرِ خدا چچا پہ نہ تیغیں کرو علم
دوں گا دعا کریم ہوں ابنِ کریم ہوں — بچپن پہ میرے رحم کرو میں یتیم ہوں

۷۳

اعدا کو ننھے ہاتھوں سے بڑھ کر ہٹاتا تھا
کرتے سے گاہ زخمِ جگر کو چھپاتا تھا
چمکا کے تیغ جب کوئی نزدیک آتا تھا
شہ اس کو تھامتے تھے وہ شہ کو بچاتا تھا
کہتے تھے شاہ تیغ نہ اس پہ علم کرو
وہ کہتا تھا کہ پہلے مرا سر قلم کرو

۷۴

آخر کسی کی تیغِ ستم شاہ پر چلی
چلّایا ہاتھ اُٹھا کے وہ بچہ کہ یا علی
زہرا کی روح کو ہوئی جنت میں بے کلی
سر سے نہ اس یتیم کے تیغِ قضا ٹلی
تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں
دستِ صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں

۷۵

تڑپا زمیں پہ گر کے جو وہ طفلِ خورد سال
چھینٹوں سے خوں کی ہو گیا کرتا تمام لال
اس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہِ خوش خصال
صدقے میں تیرے ہاتھوں کے اے مجتبیٰ کے لال
اب ذبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا
جاتے ہو تم تو کون چچا کو بچائے گا

۷۶

آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر
بچے کے پیاسے حلق پہ مارا کسی نے تیر
حضرت کے منہ کو تکنے لگا وہ مہِ منیر
سر پیٹے زخمی ہاتھوں سے شاہِ فلک سریر
آنکھیں پھرائیں چاند سا منہ زرد ہو گیا
منہ سے تمام اُگل کے لہو سرد ہو گیا

۷۷

اک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
آیا بپھر کے خنجرِ کیں شمرِ بد گہر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینہ پر
حضرت نے چونک کر کہا پیاسا ہوں رحم کر
پانی دیا نہ ہائے نبی کے نواسے کو
جلّاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

۷۸

تن سے جدا ہوا جو سرِ سیدِ انام
خیمے سے نکلیں بیبیاں سیدانیاں تمام
خاموش اے انیس یہ رونے کا ہے مقام
تازہ ہے روزِ حشر تلک ماتمِ امام
جب تک جہاں ہے شہ کو عزادار روئیں گے
ہم آج ہیں شریک مگر کل نہ ہوئیں گے

سلام

مجرئی قید سے جب عابدِ بے پر چھوٹے
شام میں شور ہوا آلِ پیمبر چھوٹے
رن میں فرماتے تھے بھر کر نفسِ سرد حسین
مجھ سے کیا کیا مرے اس دشت میں یاور چھوٹے
بانو فرماتی تھیں ہاتھوں سے اجل کے ہے ہے
نہ تو اکبر ہی بچے اور نہ اصغر چھوٹے

قطعہ

حُر یہ کہتا تھا کروں گا مددِ سبطِ رسول
اس میں فرزند جدا ہو کہ برادر چھوٹے
ایک عالم سے جو چھٹ جاؤں تو پروا نہیں کچھ
پر نہ ہاتھوں سے مرے دامنِ سرور چھوٹے
خاک پر گر کے دمِ نزع یہ اکبر نے کہا
اب یقیں ہے کہ نہ تا حشر یہ بستر چھوٹے

شہ نے زینب سے کہا مل کے گلے وقت وداع
اے بہن تم سے ہم اب تا دمِ محشر چھوٹے

بیبیاں کہتی تھیں کیوں اونٹ پہ در در نہ پھریں
سر پہ وارث نہ رہے قید ہوئے گھر چھوٹے

قطعہ

لاشِ اصغر پہ کہا بانو نے اماں صدقے
چھ مہینے نہ مری چھاتی سے دم بھر چھوٹے

آ کے جنگل میں کیا باپ کا پہلو آباد
ماں سے اس عمر میں بیٹا علی اصغر چھوٹے

قطعہ

عورتیں آن کے صغرا کو یہ سمجھاتی تھیں
تیرے رونے سے تو ہمسائیوں کے گھر چھوٹے

وہ یہ کہتی تھی کہ ماں باپ سے جو چھوٹا ہو
اس سے رونا کہو دن رات کا کیوں کر چھوٹے

شاہ کہتے تھے کٹے حلق مگر ہاتھوں سے
دامنِ صبر نہ زیرِ دمِ خنجر چھوٹے

قطعہ

گر بٹھاتا کوئی مسند پہ تو کہتے سجاد
ہوئے چالیس برس بالش و بستر چھوٹے

زیرِ سر ہاتھ دھرے خاک پہ سو رہتا ہوں
اُٹھ گیا چین ہے جس روز سے بیرودہ چھوٹے

شاہ کہتے تھے رفیقوں سے چھٹے گو دریا
یہ دعا مانگو پیاسوں سے نہ کوثر چھوٹے

اصغر و شہ کے لگا گردن و بازو پہ جو تیر
خوں کے دو زخموں سے فوّارے برابر چھوٹے

کان کے درد سے کیا بالی سکینہ تڑپی
بد گہر کے نہ مگر ہاتھوں سے گوہر چھوٹے

لاش پر بیٹے کی کہتے تھے شہ افسوس ہم سے
بعد اٹھارہ برس کے علی اکبرؑ چھوٹے

یہ غم اکبر و عباس میں کہتے تھے حسین
آج حیدؑر سے چھٹا آج پیمبرؐ چھوٹے

خلد میں رو کے سکینہ نے کہا سرور سے
قیدِ زنداں سے تو ہم چھوٹے پہ مر کر چھوٹے

آرزو یہ ہے کہ ہنگامۂ محشر میں انیسؔ
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبرؐ چھوٹے

رُباعی

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے
انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے

رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مری اشکوں کی روانی سیکھے

تمام شد

تقریظ دلپذیر

بعد حمد خالق یکتا و نعت محبوب دوسرا خاتم الانبیاء و تحیات زاکیات و تسلیمات طیبات بر خاصان خدا یعنی ائمہ ہدیٰ اگر بہ نظر غور دیکھو تو نجات کا وسیلہ قوی فقط غم حسین ہے مَنْ بَکٰی عَلَی الْحُسَیْنِ اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ اس پر دلیل ہے اور اگرچہ مصائب اہلبیت علیہم السلام میں صدہا کتابیں تصنیف ہیں لیکن جو طریقے مرثیہ گوئی کے جناب رحمت انتساب قدوۃ الشعراء افصح الفصحا جناب میر ببر علی صاحب المتخلص بہ انیس اَسْکَنَهُ اللّٰهُ بِحُبُوحَةِ الْفَرَادِیْسِ نے نکالے وہ خارج از تعریف ہیں حقیقت میں کلام بلاغت نظام اُس ممدوح کا ایسا سہل ممتنع ہے جس کے فہم معنی سے مدرکۂ عقول عشرہ معترف قصور ہے حسن قبول تو دیکھیے کہ مشہور نزدیک و دور ہے بیان رزم نمونۂ سحر بابل ہے تذکرہ مصائب نشتر رگ دل ہے ثانی امراء القیس اور سحبان وائل کہیے تو بجا ہے بلکہ بہ لحاظ شاعری اگر خدائے سخن کہیے تو روا ہے لیکن افسوس ہے کہ ایسے ذی کمال کا ۱۲۹۲ھ میں انتقال ہوا۔ ھٰدَمَتْ وَاللّٰهِ اَرْکَانُ الْبُکَاءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْهُ وَاحْشُرْهُ مَعَ مَنْ تَوَلَّاهُ مِنَ الْاَئِمَّةِ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَاَعْلَی اللّٰهُ دَرَجَاتَهُ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ

ازانجا کہ ان کے کلام کا اک زمانہ مشتاق تھا اور مدت سے اس پر اتفاق تھا کہ اگر یہ کلام معرض طبع میں آئے تو باعث تسہیل حصول ثواب اور باقیات الصالحات اُس ممدوح کا ہو جائے الحمد للہ کہ چار جلدوں میں ان کا کلام فصاحت نظام طبع ہوا اور ان کی صحت میں نہایت اہتمام ہوا اور ہر مرثیہ بفضلہ تعالیٰ بہ حسن و خوبی تمام ہوا۔

تاریخ طبع از نتائج طبع عدیم المثال ناظم عدیم التمثیل شیر بیشۂ سخن دری مولوی محمد حامد علی خانصاحب حامد شاہ آبادی مصحح مطبع ھٰذا

یزیدِ اکفر و مردود و اظلم
سرِ سبطِ رسولِ حق قلم کرد
رسول اللہ در مرقد بنالید
ملائک چشم ہائے خویش نم کرد
کہ خاتونِ قیامت زار و گریاں
بہ رفتہ نالہ و فریاد ہم کرد
کہ من بنتِ رسول اللہ ہستم
شہیدِ خنجرِ ظلم و ستم کرد
خدا لعنت کند بر تا ملاعنش
ہماں حالات تفویضِ قلم کرد

بر آلِ مصطفےٰ بے حد ستم کرد
زمیں از جوشِ رقت سرنگوں شد
علیِ مرتضیٰ بے حد الم کرد
جناب شہر بانو دیدہ در خواب
قدم رنجہ ز فردوسِ ارم کرد
چو بانو نام نامیش بہ پرسید
بہ بیں است جفا بر من ستم کرد
دریں غم مبتلا شد جن و انساں
کہ اشقیاں بے سبب برے ستم کرد
غرض چوں طبع ایں جلد دوم شد

بہ شمشیرِ جفا و خنجرِ ظلم
فلک در ماتم او پشت خم کرد
بہ جنت حور و غلماں کرد ماتم
روایت ہم چنیں راوی رقم کرد
بہ گیسوئے زمینِ کربلا را
چناں ارشاد آں عالی ہمم کرد
حسین سرورِ دنیا و دیں را
ہمہ مخلوق بے پایاں الم کرد
انیس بختہ سنج بے نظیرے
خیال سال تاریخش دلم کرد

دبیرِ طبع حامد بہرِ تاریخا | ل احوال درد و غم رقم کردا

خاتمۃ الطبع

بِلّٰہ الحمد و المنۃ کہ مرثیہ میر انیس مرحوم کی یہ جلد دوم مطبع فیض منبع تیج کمار واقع لکھنؤ میں بہ سرپرستی عالی جناب منشی تیج کمار صاحب بھارگو دام اقبالہ مالک مطبع بہ صد حسن و خوبی و ہزاراں خوش اسلوبی بہ ماہ نومبر ۱۹۵۸ء بہ اہتمام پنڈت مرلی دھر مصرا سپرنٹنڈنٹ بار ہشتم حلیۂ طبع سے محلّٰے ہوا۔